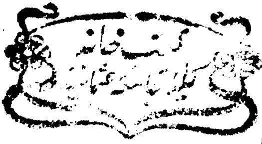


بعض مطالب مفیدہ کی فہرست جن کا اس حصہ شرح میں ایراد ہوا ہے





بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۰ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ ۰ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۰

دعا

الٰہی! تیرے پاک نام کا سہارا لیکر، تیری اعلیٰ صفتوں کا دھیان کر کے، تیری رحمت و رافت پر بھروسہ رکھ کر اور تیری تائید و توفیق کا امیدوار ہو کر میں آج مثنوی شریف کے دوسرے دفتر کی شرح لکھنے کے لئے قلم اٹھاتا ہوں۔ تو اپنے مقدس نام کے طفیل، اپنی پاک صفتوں کے تصدق میں، اور اپنی رحمت و رافت کی بدولت اپنی تائید و توفیق کو میرے شامل حال کر۔ اور اس مہم عظیم میں میری مدد فرما! ؎

خداوندا در توفیق بکشا　　نظامیؔ را رہِ تحقیق بنما

الٰہی! میری منزلِ مقصود دور ہے۔ اور راستہ پرخطر ہے جا بجا علمی مشکلات کے غار منہ کھولے پڑے ہیں۔ اور قدم قدم پر ذہنی و فکری لغزشوں کا سامنا ہے۔ مضامین کی نزاکت اور پیچیدگی کا اندھیرا چھا رہا ہے۔ اور مجھے اپنی بے بضاعتی کی گٹھڑی کو اٹھا کر اس وادی میں چلنا ہے۔ ؎

مددے گر بچراغے نکند آتش طور　　چارۂ تیرہ شب وادی ایمن چکنم

اور یہ محض تیرا ہی فضل و احسان تھا۔ کہ پہلے دفتر کی شرح چار جلدوں میں تکمیل کو پہنچ گئی۔ اور اس شان کے ساتھ تکمیل کو پہنچی۔ کہ اہلِ ذوق کے حلقے میں ایک غوغائے تحسین بلند ہو گیا۔ کوئی اس کی شگفتگی عبارت اور سادگی بیان کا قائل ہے۔ کوئی اس کے حل غوامض کا مداح ہے۔ کوئی اس کو طریقت و شریعت کا مجمع البحرین تسلیم کرتا ہے۔ کوئی اس کے تمثیلی اشعار کی حاضر جوابی کو ایک بےمثال کارنامہ مانتا ہے۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ لیکن میں صاف لفظوں میں اقرار کرتا ہوں کہ میں بندۂ عاجز کسی قابل نہ تھا۔ جو کچھ ہوا یہ محض تیرے ہی لطف بے پایاں کا ایک کرشمہ تھا۔ ؎

لطف عمیم دوست مرا خاص خویش خواند　　ورنہ مرا چہ حد کہ زنم لاف اختصاص

الٰہی! اب پھر اپنے اسی لطف و کرم سے مجھے توفیق دے۔ کہ دفتر دوم کے لطیف مطالب کے خوشرنگ پھولوں کو لفظی الجھاؤ کی پیچیدہ شاخوں سے چنوں۔ اور اسیطرح سلاست عام فہمی کی ٹوکری میں رکھ کر ہدیہ احباب کروں اسکے نازک معانی کے گرانمایہ موتیوں کو لغوی اشکال کی گہرائی سے نکالوں اور اسیطرح اردو زبان کی دیدہ زیب طشتری میں سجا کر اہلِ ذوق کے سامنے رکھوں۔ واللہ ولی التوفیق ونعم الرفیق

۵۱۳۵ ق
۸۹۱۵
ع ۵

آغاز شرح

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عنوان دفتر دوم

بیان بعضے از حکمت تاخیر این مجلد دوم کہ اگر جملہ حکمت الٰہی بندہ را معلوم
اس دفتر دوم کی تاخیر کی بعض حکمتوں کا ذکر (نیچے کی ابیات میں ہوگا۔ اور کل حکمتوں کا ذکر اسلئے نہیں ہوسکتا) کہ ان کا علم ناممکن ہے کیونکہ اگر اللہ کی تمام حکمتیں بندہ
شود۔ در فوائد آں کار بندہ ازاں کار فرو ماند۔ و حکمت بے پایان حق تعالےٰ
کو معلوم ہو جائیں تو ان حکمتوں کی روشنی میں (اس کام کے (بے حد و لا انتہا) فوائد نظر آئیں انکے مشاہدہ) میں بندہ محو حیرت ہوکر اس کام سے عاجز آجائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بے پایاں حکمت (کا مشاہدہ
ادراک او را ویراں سازد۔ و بداں کار نپردازد۔ پس حق تعالیٰ شمہ ازاں
اپنی غیر محدود وسعت سے) اسکے ادراک کی قوت کو تباہ کردے۔ اور وہ اس کام کو سرانجام نہ دے سکے۔ پس حق تعالیٰ اس حکمت کا کچھ قدر سے قلیل حصہ بندہ
حکمت بے پایاں مہار بینی او کند۔ و او را بداں کار کشد۔ و اگر او را ازاں فائدہ
پر نمایاں کرکے اسکے ناک کی مہار بنا دیتا ہے۔ اور اس کو اس کام پر راغب کر دیتا ہے۔ اور (حکمت کا یہ قلیل حصہ نمایاں ہونا بھی ضروری ہے) کیونکہ اگر وہ اسکو اسکے فائدہ
ہیچ خبر نکند۔ ہیچ نجنبید۔ زیرا کہ وے را جنبانیدن از بہر آنست
سے بھی بالکل مطلع نہ کرے۔ تو بندہ اس کام کے لئے ہاتھ پاؤں تک نہ ہلائے۔ کیونکہ اس کو آمادہ کار کرنے کا مقصد یہی ہے۔
کہ از بہر آں مصلحت آفریدہ شدہ است۔ و اگر حکمت آں بر و فرو ریزد۔
کہ وہ اس مصلحت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اور اگر اس کی حکمت بندہ پر (ساری کی ساری) القا ہو جائے۔
ہم نتواند جنبیدن۔ چنانکہ در بینی شتر اگر مہار نبود۔ نرود۔ و اگر
تو بھی وہ ہاتھ پاؤں نہ ہلائے۔ جیسے کہ اگر اونٹ کی ناک میں مہار نہ ہو تو نہیں چلتا اور اگر
سخت بزرگ ہم بود نرود۔ و فرو خسپد۔ وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا عِنۡدَنَا
نہایت بڑی مہار ہو۔ تو بھی نہیں چلتا۔ اور لیٹ جاتا ہے۔ (چنانچہ اللہ فرماتا ہے) اور نہیں کوئی چیز مگر ہمارے پاس اسکے

خَزَائِنُہٗ وَمَا نُنَزِّلُہٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ۔ خاک بے آب کلوخ نشود

خزانے ہیں اور ہم نے اس کو نہیں اتارا مگر ایک مقررہ مقدار پر (دیکھو) مٹی پانی کے بغیر ڈھیلا نہیں بن سکتی

وچوں آب بسیار بود ہم کلوخ نشود۔ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ

اور جب پانی زیادہ ہو تو بھی ڈھیلا نہیں بنتی۔ (اللہ فرماتا ہے) اور اُس نے آسمان کو بلند کیا اور میزان قائم کی۔

بمیزاں دہد ہر چیز را نہ بے میزاں و بحساب۔ اِلّا کسانے کہ از عالم خلق

وہ ہر چیز وزن کے ساتھ دیتا ہے نہ کہ وزن اور حساب کے بغیر۔ ہاں جو لوگ عالم خلق سے

مبدّل شدہ اند وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ گشتہ اند۔ وَمَنْ لَّمْ يَذُقْ

ترقی کر چکے ہیں (اور اس قول حق کہ) اور وہ رزق دیتا ہے جسکو چاہتا ہے بلا حساب (کے مصداق) ہو چکے ہیں (اور وہ

لَمْ يَدْرِهٖ

اس کے فیض بے پایاں سے متمتع ہو سکتے ہیں) اور یہ نکتہ ایک ذوقی امر ہے) اور جسنے یہ ذائقہ نہیں چکھا اسکو (اس نکتے کی) کچھ خبر نہیں

پرسید یکے کہ عاشقی چیست گفتم کہ چو ما شوی بدانی

ایک شخص نے (مجھ سے) پوچھا کہ عاشقی کیا ہے! میں نے جواب دیا جب تم ہماری مثل ہو جاؤ گے تو (اسکو) سمجھ سکو گے

عشق محبّت بے حساب ست جہت آں گفتہ اند۔ کہ از صفات

عشق ایک بے پایاں محبت کا نام ہے اور اسی (بے پایانی کی) وجہ سے کہا ہے۔ کہ وہ حقیقت میں حق تعالیٰ کی

حق ست بحقیقت۔ و نسبت او بہ بندہ مجاز ست يُحِبُّهُمْ تمام ست

صفات سے ہے (کیونکہ اس کی صفات بے پایاں ہیں) اور بندہ کے ساتھ اس کی نسبت مجازاً ہے۔ حقتعالیٰ کی محبت بندوں کے ساتھ

يُحِبُّوْنَهٗ کدام است۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ حَقَّ حَمْدِهٖ

خود صفات کمالیہ سے ہے پھر بندوں کا اس سے محبت کرنا کیا گنجایش رکھتا ہے۔ اور تمام تعریف اللہ کیلئے ہے جیسے کہ اسکی تعریف چاہئے

وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَعِتْرَتِهِ الطَّاهِرِيْنَ الطَّيِّبِيْنَ

اور اللہ کی رحمت ہو ہمارے سردار محمد پر اور آپ کی آل و اولاد پر جو پاک و پاکیزہ ہیں

وَاَصْحَابِهِ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِيْنَ ۔ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا

اور آپ کے اصحاب پر جو روشن پیشانی اور روشن دست و پا ہیں اور سلام ہو بہت بہت

بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ ۝

تیری رحمت کے ساتھ اے سب رحم کرنیوالوں سے بڑے رحم کرنیوالے

مطلب ۔ دفتر اول کے اختتام کے بعد ضروری تھا ۔ کہ دوسرا دفتر فوراً شروع ہو جاتا ۔ مگر اس کے شروع ہونے میں ایک مدت مدید کی تاخیر ہو گئی ۔ پھر جب مولانا روم رہ نے اس مدت کے انقضا کے بعد دفتر دوم لکھوانا شروع کیا تو پہلے اس غیر متوقع تاخیر کے متعلق عذر کرنا ضروری خیال فرمایا ۔ چنانچہ ارشاد ہے ۔ کہ اس تاخیر کی تہ میں قدرت حق کی طرف سے بے انتہا مصلحتیں کارفرما تھیں ۔ جن میں سے ایک آدھ مصلحت کو ہم شروع شروع کی ابیات میں بیان کرینگے ۔ اور ساری مصالح نہ بیان ہو سکتی ہیں ۔ نہ ان کا علم بندوں کو دیا جاتا ہے ۔ اور یہ ضروری مصلحت کا علم بھی مبنی بر حکمت ہے ۔ کیونکہ اگر ہر کام کی ساری مصالح بندوں پر منکشف ہو جائیں یا بالکل منکشف نہ ہوں ۔ تو دونوں صورتوں میں بندہ اس کام کی سرانجام دہی کے قابل نہ رہے ۔

نوٹ دفتر دوم کے آغاز میں جو مذکورہ نثر عبارت مندرج ہے ۔ وہ گویا اس عذر تاخیر یا ان تمہیدی ابیات کا عنوان ہے اور یہ عبارت مثنوی کے تمام متداول متون میں مندرج ہے ۔ مگر تعجب ہے کہ کسی شارح نے اس کو نقل نہیں کیا ۔ نہ اس کے مضمون کی طرف اعتنا کیا ہے ۔ ہمارے پاس مثنوی کا ایک نسخہ مطبوعہ مطبع نولکشور بکتابت منشی کالکا پرشاد موجود ہے اور ایک قلمی نسخہ مطلا کا رسنہ ۱۰۹۹ھ کا لکھا ہوا ہمارے دوست سید محمد حنیف صاحب از اولاد حضرت شاہ کمال کیتھلی قدس سرہٗ کے توسط سے دستیاب ہوا ہے ۔ ان دونوں میں یہ عبارت حرفاً بحرف مطابق مندرج ہے ۔

مُدّتے ایں مثنوی تاخیر شد   مُہلتے بایست تا خوں شیر شد

لغات مدتے میں یائے تعظیم ہے یعنی مدت مدید ۔ تاخیر بمعنی موخر ۔ از قبیل ایراد مصدر بمعنی اسم مفعول **ترکیب** مدتے ظرف متعلق شد فعل ناقص کی ۔ پہلا مصرعہ جملہ اسمیہ ہو کر معلول دوسرا مصرعہ علت ۔ **صنائع** دوسرا مصرعہ استعارہ یا تمثیل پر مشتمل ہے ۔

ترجمہ ایک مدت (مدید) کے لئے یہ مثنوی (کی تالیف) التوا میں پڑ گئی (اور التوا میں کیوں نہ پڑتی ۔ آخر) خون کے دودھ بننے کے لئے بھی کچھ نہ کچھ مہلت چاہیے ۔

مطلب ۔ مفتاح العلوم کی جلد اول کی شرح دیباچہ میں اور بعض دیگر مقامات میں بیان ہو چکا ہے ۔ کہ مثنوی شریف کی تالیف کے خاص محرک مولانا حسام الدین تھے ۔ جو مولانا کے پیر بھائی تھے ۔ اور ساتھ ہی مولانا سے استفادہ طریقت کرنے کے لحاظ سے ان کے مرید بلکہ خلیفہ بھی تھے ۔ انہی کی درخواست پر مولانا نے مثنوی شریف کی تالیف کی بنیاد رکھی ۔ جس کی صورت یہ تھی ۔ کہ مولانا روم رہ عالم استغراق و محویت میں اسرار طریقت کو منظوم کلام میں ادا فرماتے جاتے ۔ اور مولانا حسام الدین اس کو لکھتے جاتے تھے ۔ پہلا دفتر اختتام کو پہنچا ۔ تو مولانا حسام الدین کی بیوی کا انتقال ہو گیا ۔ اور ادھر مثنوی کے سلسلہ تالیف میں بھی دو سال کی تاخیر ہو گئی ۔ شرح بحر العلوم میں نفحات الانس سے منقول ہے ۔ کہ مذکورہ موت کا حادثہ ہی اس تاخیر کا باعث تھا ۔ کیونکہ مثنوی کی تالیف کا سلسلہ مولانا حسام الدین کے طلب و تقاضا اور توجہ و اہتمام سے چل رہا تھا ۔ اور جب اس حادثہ الم خیز نے ناگہاں ان کو معاشرتی تشویش اور منزلی پریشانی میں مبتلا کر دیا ۔ تو ایک مدت کے لئے ان کی طلب میں بھی التوا پڑ گیا ۔ بقول حافظ رہ

قرۃ العینِ من آن راحتِ جاں یادش باد   کہ خود آساں بشد و کار مرا مشکل کرد

مگر خود مولانا اس تاخیر کی وجہ کچھ اور بیان فرماتے ہیں ۔ جس سے پایا جاتا ہے ۔ کہ یہ التوا اگرچہ بظاہر التوا تھا ۔

مثنوی شریف کے دفتر دوم کے شروع ہونے میں التوا کی وجہ

مگر درحقیقت یہ وقت بھی یکسر مثنوی کے لئے ہی صرف ہو رہا تھا۔ جس پر اس کام کی ترقی منحصر تھی۔ ورنہ یہ عظیم الشان کام کسی کی موت سے رک جانیوالا نہ تھا۔ اور یہ دونوں حضرات دنیوی حوادث کے باعث اپنے نصب العین سے منہ پھیرنے والے نہ تھے۔ حافظ رہ ؎

زخوفِ بادیہ دل بد مکن بہ بند احرام — کہ مرد راہ نیندیشد از نشیب و فراز

مولانا اس شعر کے دوسرے مصرعہ میں اجمالاً اور آئندہ تیسرے اور چوتھے شعر میں تفصیلاً اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں کہ اس التوا سے مزید علوم و معارف کی استعداد کا تحقق و فعلیت میں آجانا مقصود تھا۔ تاکہ بیان حقائق میں ذرا اور روشنی پیدا ہو جاوے۔ جس طرح پستان کے اندر خون کے دودھ بننے کے لئے کچھ نہ کچھ مدت صرف ہوتی ہے۔ اسی طرح استعداد معارف کے معارف حاصلہ کی صورت اختیار کرنے کے لئے اس التوا کی ضرورت تھی۔ غرض مولانا نے خون سے استعداد علوم و معارف کا اور شیر سے ان علوم و معارف کے تحقق اور فعلیت کا استعارہ کیا ہے۔ صائب رح ؎

بمطلب میرسد جویائے کام آہستہ آہستہ — زدریا میکشد صیاد دام آہستہ آہستہ

لطائف ستہ

ایک عزیز نے راقم کے سامنے اس شعر میں خون و شیر کے استعارہ کی ایک عجیب توجیہ کسی بزرگ سے نقل کی یعنی لطائف ستہ جن کے انکشاف پر مراتب معرفت کا حصول موقوف ہے۔ انہی کی تعداد پر مولانا نے مثنوی کے چھ دفتر مرتب فرمائے اور ہر دفتر کی ایک لطیفہ کے ساتھ خاص مناسبت ملحوظ رکھی ہے۔ وہ لطائف ستہ یہ ہیں۔

۱۔ قلب	۴۔ سِتر
۲۔ روح	۵۔ خفی
۳۔ نفس	۶۔ اخفیٰ

قلب کا مقام دل ہے۔ جو بائیں پہلو میں ہے۔ روح کا محل سینہ کی دائیں جانب ہے۔ نفس کی جگہ ناف ہے۔ لطیفہ سِتر کا مرکز فم معدہ ہے جو سینے کی دائیں بائیں جانب کے درمیان ہے۔ لطیفہ خفی کا مظہر پیشانی ہے اور لطیفہ اخفیٰ کی جلوہ گاہ کاسۂ سر ہے۔ نیز مفتاح العلوم کی جلد دوم میں بیان ہو چکا ہے۔ کہ اہل مکاشفہ کے نزدیک ان لطائف غیبیہ کو بعض خاص رنگوں سے مناسبت ہے۔ چنانچہ لطیفۂ قلب سرخ ہے۔ لطیفہ روح سفید۔ لطیفہ نفس زرد اور لطیفہ خفی سبز۔ چونکہ ایک لطیفہ کے جاری و منکشف ہونے کے بعد دوسرے لطیفہ کے انکشاف کی استعداد حاصل ہونے کے لئے کچھ مدت کا گذرنا لازمی ہے۔ اس لئے مولانا لطیفہ قلب کا استعارہ اس کے سرخ رنگ کی مناسبت پر خون سے اور لطیفہ روح کا استعارہ اس کے سفید رنگ کی مناسبت پر دودھ سے کر کے فرماتے ہیں۔ کہ دفتر اول کے بعد جس کا تعلق لطیفہ قلب سے تھا۔ دفتر دوم کے بیان کی استعداد حاصل ہونے کے لئے جس کا تعلق روح سے ہوگا۔ کچھ مدت چاہیے۔ جس طرح خون کے دودھ بننے کے لیے کچھ مدت کا گزرنا لازمی ہے۔

یہ توجیہ اگرچہ بظاہر پر لطف اور عجیب ہے۔ مگر چند وجوہ سے مخدوش ہے اول تو ہر شش دفاتر میں سے کسی دفتر کی حکایات و امثال اور ان کے ضمنی مسائل کی کسی خاص لطیفہ کے ساتھ کوئی مناسبت ظاہر نہیں ہوتی دوسرے خود مولانا کے کلام میں بھی کسی جگہ کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا کہ مثنوی کے دفاتر ستہ کی لطائف ستہ کے ساتھ یا کسی ایک دفتر کی کسی خاص لطیفہ کے ساتھ کوئی خاص مناسبت ہے۔ جس سے یہ مفروضہ مناسبت صرف صاحب توجیہ کا تخیل معلوم ہوتا ہے۔ تیسرے خون و شیر کے رنگوں کی مناسبت دفتر اول دوم کو جن دو لطیفوں کے ساتھ مناسب قرار دیتی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہلا لطیفہ قلب ہے حالانکہ اہل طریقت کے نزدیک پہلا لطیفہ نفس ہے۔ جس سے بتدریج باقی

لطائف اوپر کی طرف ترقی کرتے ہیں۔ اگر اہل طریقت کی بیان کردہ ترتیب ان لطائف کی تدریج و ترقی پر مبنی ہے۔ اور ضرور ہے۔ تو پھر کوئی وجہ نہ تھی کہ مثنوی کے دفاتر ستہ کے ساتھ ان کی مناسبت بھی اسی ترتیب پر نہ ہوتی اور یہ ناممکن تھا۔ کہ دفتر اول کو لطیفہ قلب کے اسرار سے شروع کر دیا جاتا۔ جو دوسرا لطیفہ ہے۔ اور لطیفہ اول یعنی نفس کا ذکر آئندہ کے لئے اٹھا رکھا جاتا۔ جس کی وہی مثال ہے جیسے علم فقہ کے مبتدی کو شرح وقایہ شروع کرا دیا جائے اور قدوری و کنز کی باری اس کے بعد رکھی جائے۔ مولانا خود فرماتے ہیں۔ کہ پہلے دفتر سے دوسرے دفتر تک ترقی کرنے کی استعداد کے لئے مدت چاہیے۔ تو کیا مذکورہ توجیہ کی روشنی میں اس کا یہی مطلب نہیں نکلتا۔ کہ کسی اعلیٰ لطیفہ کے حصول کے بعد کسی ادنیٰ لطیفہ کے انکشاف کی استعداد مدت کے بعد حاصل ہو سکتی ہے؟ یعنی کافیہ کے امتحان میں کامیاب ہو جانیوالا طالب علم نحو میر کے سمجھنے کے لئے ابھی خاص استاد۔ خاص وقت اور خاص محنت کا محتاج ہے۔ یا للعجب

تا نزاید بخت تو فرزند نو ۔۔۔ خوں نگردد شیر شیریں خوش شنو

لغات ۔ بخت بفتح با فارسی کلمہ ہے۔ نصیب۔ قسمت۔ بہرہ۔ بخرہ عربی میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ اصل میں یہ لفظ بخش تھا۔ شین تا سے بدل گیا۔ یہاں یہ لفظ بخت بضم با بھی ہو سکتا۔ جو بختی کا مخفف ہو اور وہ ایک خاص قسم کے خراسانی سرخ اونٹ کو کہتے ہیں۔ بخت نصر ایک بادشاہ ہوا ہے۔ اس نے عربی و ایرانی نسل کے اونٹ اونٹنی کا اختلاط کر دیا۔ تو اس سے یہ نسل پیدا ہوئی۔ اس کی نسبت سے اس کو بختی کہنے لگے۔ بخت تو میں تو بتائے مثناۃ ضمیر واحد مخاطب ہے۔ اور فرزند نو میں نو بوزن مفتوح بمعنی جدید و تازہ ہے۔ دونوں جگہ تو بتائے مثناۃ بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں جگہ نو بنون مفتوح ہو۔ ان تینوں تقدیروں میں معنی درست ہو جاتے ہیں۔ کما سیاتی بختی اونٹ

ترکیب ۔ پہلا مصرعہ شرط ہے۔ جس میں نزاید فعل اور بخت تو فاعل اور فرزند نو مفعول ہے۔ اور دوسرا مصرعہ اس کی جزا۔ جس میں نگردد فعل ناقص خون اس کا اسم اور شیر شیریں بترکیب توصیفی اس کی خبر۔ شرط و جزا ملکر جملہ شرطیہ ہو کر خوش شنو کا مفعول بہ ہوا۔ **صنائع** ۔ سارا شعر استعارہ یا تمثیل کے مضمون پر مشتمل ہے۔

ترجمہ (۱) اس بات کو اچھی طرح سن (کر ذہن نشین کر) لو۔ کہ جب تک تمہاری خوش نصیبی (یا تازہ خوش نصیبی) سے کوئی نیا فرزند (یا تمہارا فرزند) پیدا نہ ہو۔ اسوقت تک (بچے کی ماں کی چھاتیوں میں) خون میٹھا دودھ نہیں بن سکتا۔

(۲) اس بات کو خوب سن رکھو کہ جب تک تمہاری اونٹنی نیا بچہ نہ دے۔ اسوقت تک (اس کے تھنوں میں) خون میٹھا دودھ نہیں بن سکتا۔

مطلب ۔ فرزند تو میں تائے مثناۃ کی صورت میں تو کی قید سے توضیح مدعا بطریق احسن مقصود ہے۔ کیونکہ مذکورہ بات جس قدر خود اپنے فرزند اور اپنے فرزند کی ماں کے متعلق روشن ہوتی ہے۔ غیر کے فرزند اور اس کی ماں کے متعلق وہ فصاحت نہیں ہو سکتی اور اگر نو بنون مفتوح بمعنی جدید ہو تو فرزند جدید سے ولادت فرزند کی حالت جدید مراد ہے۔ کیونکہ اس حالت میں عورت پر ایک خاص نئی حالت طاری ہوتی ہے جس میں اسکے جسم میں خاص تغیرات رونما ہوتے ہیں اور انہی تغیرات میں ایک پستانوں کی افزائی اور ان میں خون کا دودھ بننا بھی شامل ہے۔ اور فرزند کے پیدا ہونے سے اس کے پیدا ہونے کا وقت قریب ہونا مراد ہے۔ جب عورت کو حمل قرار پاتا ہے تو اس کے پستانوں میں نما اور افزونی شروع ہو جاتی ہے۔ اور یہ ان میں خون کے اجتماع اور پیدا ہونے والے بچے

کے لئے قدرت کیطرف سے غذا کا سامان ہونے کی نشانی ہے۔ ادھر بچہ متولد ہوتا ہے۔ اور ادھر اس کے لئے وہ مجمع خون شیریں دودھ کی غذائے لذیذ کی صورت اختیار کر چکتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ جس طرح ولادت فرزند کا وقت قریب آئے بغیر دودھ پیدا نہیں ہوتا۔ اسی طرح جب تک تربیت باطن کی حالت جدیدہ حاصل نہیں ہوتی۔ تب تک علوم و معارف کی استعداد درجہ فعلیت میں نہیں آتی جس سے افاضہ اسرار ہوسکے۔ غرض جس طرح تخلیق شیر کے لئے تولید فرزند شرط ہے اور عدم تولید مانع ہے۔ اسی طرح ان علوم و معارف کے ظہور کے لئے بھی کچھ شرائط اور کچھ موانع تھے۔ جب تک وجود شرائط اور ارتفاع موانع کا وقت نہ آئے۔ ان کا ظہور ناممکن تھا۔ صائبؒ ؎

کار موقوف بوقت ست کہ چوں وقت رسید   خوابے از بند رہانید مہ کنعاں را

ہم نے ترجمہ میں "بخت" کو سبب تولد فرزند قرار دے کر محمول بمعنی حقیقی کیا ہے۔ اور بقول شارح بحر العلوم اس کو فعل نزاید کا فاعل قرار دیکر زنِ حاملہ کے لئے استعارہ بھی قائم کرسکتے ہیں۔ پھر انکشاف اسرار کے لئے ولادِ فرزند اور ان اسرار کے سلک نظم میں منسلک ہونے کے لئے شیر شیریں الگ استعارہ ہوگا۔ لیکن اگر بخت بضم بمعنی شیر مادہ ہو۔ تو سارا کلام مستعار ہو جائے گا۔ یہاں تک تحریر مثنوی کے التوا کی وجہ اجمالاً بیان ہوئی۔ اب اس کی تفصیل فرماتے ہیں

چوں ضیاء الحق حسام الدین عناں   باز گردانید ز اوجِ آسماں

لغات عِناں۔ باگ۔ مراد عزم سیر۔ باز گردانیدن۔ لوٹانا۔ موڑنا۔ واپس لانا۔ اوج۔ بلندی (ترکیب و ترجمہ ہر سہ اشعار کا اکٹھا آئیگا)

چوں بمعراجِ حقائق رفتہ بود   بے بہارش غنچہا ناشگفتہ بود

لغات۔ معراج۔ نردبان۔ زینہ۔ سیڑھی۔ اصطلاح شرع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ سیر جو آپ نے بحکم خدا ایک رات بحالت بیداری اپنے جسم عنصری سمیت مکہ سے بیت المقدس تک پھر وہاں سے ساتوں آسمانوں اور کرسی و عرش تک اور اس کے اوپر جہاں تک اللہ تعالیٰ کو منظور تھا۔ فرمائی۔ پھر ہر ایسے امر عظیم کی سرانجام دہی کے لئے جسکی عالی شان اظہار مقصود ہو۔ یا جس کے معنی میں بلندی کا مفہوم مضمر ہو۔ معراج کا استعارہ استعمال کرنے لگے۔ چنانچہ یہاں معراج حقائق سے وہ عروج روحانی مراد ہے۔ جس سے حصول حقائق مطلوب ہے۔ بہار سے افاضہ مراد ہے۔ غنچہائے ناشگفتہ مضامین عالیہ جو ہنوز بیان میں نہیں آئے۔

معراج

چوں ز دریا سوئے ساحل بازگشت   چنگِ شعرِ مثنوی با ساز گشت

لغات دریا سے عالم ملکوت مراد ہے۔ وجہ شبہ یہ ہے۔ کہ جس طرح دریا دیکھنے میں متشابہ الاجزا معلوم ہوتا ہے۔ اور اس کے اجزا میں اختلاف بیّن نہیں ہوتا۔ یہی شان عالم ملکوت کی ہے۔ یا دریا سے حق سبحانہ تعالیٰ کی ذات مراد ہے اس صورت میں وجہ شبہ یہ ہوگی۔ کہ جس طرح دریائے متعارف پیاسوں کو سیراب کرنے والا اور مایہ حیات جسمانی ہے۔ اسی طرح حق سبحانہ تعالیٰ تشنگان وصال و قرب کو سیراب کرنے والا اور مایہ حیات جسمانی و روحانی ہے (کلید)۔ ساحل عالم ناسوت بدیں لحاظ کہ جس طرح ساحل بمقابلہ دریا کے غیر بسیط اور اپنے اوپر کی ریت مٹی کنکر پتھر جڑی بوٹی

گھاس ورخت کی وجہ سے متفاوت الاجزا ہوتا ہے۔ اسی طرح عالم ناسوت کے اجزا میں بھی اختلاف شدید ہے۔ یا اس سے مخلوق مراد ہے۔ اس اعتبار سے کہ جس طرح ساحل میں دریا کی طرح سیراب کرنے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ اسی طرح مخلوق میں بھی بمقابلہ خالق برحق جسمانی و روحانی افاضات کی قدرت کامل نہیں ہے۔ چنگ۔ سرنگی۔ باساز باسامان۔ تیار وآمادہ فعل **ترکیب** چوں ضیاء الحق الخ سارا شعر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ چوں بمعراج حقائق رفتہ بود شرط بے بہارش الخ اس کی جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر معطوف تبقدیر حرف عطف چوں ز دریا الخ مصرعہ اولیٰ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ثانی بتقدیر حرف عطف ہر سہ معطوفات مل کر شرط ہوئی۔ چنگِ شعر مثنوی الخ اس کی جزا۔ **صنائع** پہلی دو بیتیں اور تیسری بیت کا مصرعہ اولیٰ استعارات پر مشتمل ہے۔ بیت ثالث کے مصرعہ ثانیہ میں شعر مثنوی کو چنگ سے اور اس کے انشا دکتابت کو باسامان ہونے سے تشبیہ دی ہے۔

ترجمہ۔ جب ضیاء الحق حسام الدین نے (حصول حقائق کے) اوج آسمان سے (اپنی) عنانِ عزیمت منعطف کی (اور) جب تک وہ (حصول) حقائق کی معراج پر گئے ہوئے تھے۔ ان کی بہار (افاضہ) کے بغیر (مضامین عالیہ کے) غنچوں نے (اظہار و بیان کی) شگفتگی نہیں پائی تھی (اور) جب وہ دریائے (ملکوت) سے ساحلِ (ناسوت) کیطرف واپس آئے۔ تو مثنوی کی نظم کا ساز پھر بجنے لگا۔

مطلب۔ حضرت ضیاء الحق حسام الدین قدس سرہٗ حضرت مولانا روم رحہ کے ہیں۔ تو پیر بھائی۔ بلکہ مرید مگر مولانا ان کا ادب و تعظیم اس حد تک ملحوظ رکھتے ہیں۔ جیسے وہ مولانا کے پیر و مرشد ہوں حتیٰ کہ آپ مثنوی کو بھی جو خود مولانا کے معدن طبع کے بے بہا جواہرات کی ایک لڑی ہے۔ حسام الدین کے افاضات سے قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ کہ اس تالیف کا سلسلہ حسام الدین ہی کے طفیل جاری تھا۔ دفتر اول کی تکمیل کے بعد جو وہ اقتناص حقائق کے لئے عروج روحانی کے ذریعہ سے عالم ملکوت میں چلے گئے۔ اور کچھ مدت تک کے لئے کسب علوم جدیدہ کی غرض سے متوجہ الی الحق ہو گئے۔ تو یہ سلسلہ رک گیا۔ امیر خسرو رحمہ ؎

ہر زماں گوئی کہ حالِ دل بگو ایں کسے را گوئے کو را دل بجاست

اب جو انہوں نے عالم بالا سے اس عالم کیطرف عنانِ توجہ منعطف کی یعنی دریائے سکر و استغراق سے ساحل صحو و افاقہ میں آئے۔ اور متوجہ بخلق ہوئے۔ تو پھر مثنوی کے انشا دو کتابت کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہے۔ کہ مولانا کا مثنوی کو حسام الدین کا افاضہ قرار دینا یا تو بوجہ انکسار و تواضع ہے۔ تاکہ اس کارِ عظیم کو اپنے نام کے ساتھ منسوب کرنے سے فخر و ریا کا کوئی شائبہ پیدا نہ ہونے پائے۔ اور یہ امر کذب و خلاف واقع بھی نہیں۔ کیونکہ جب مولانا حسام الدین ہی مثنوی کے محرک تھے۔ اور پھر انہی کے قلم برآں کے ضبط و کتابت کا مدار تھا۔ تو اس کو ایک اعتبار سے انہی کا افاضہ قرار دے سکتے ہیں۔ گو مجازاً ہی سہی۔ یا مولانا کا یہ قول محمول بحقیقت ہو۔ یعنی فی الحقیقت مثنوی شریف مولانا حسام الدین ہی کے افاضات سے ہو۔ اور یہ چنداں مستبعد نہیں۔ کیونکہ گو ان کی تکمیل مولانا ہی سے ہوئی ہے۔ مگر اختلاف استعدادات کی بنا پر مرید کا مرشد سے بڑھ جانا ممکن ہے۔ حتیٰ کہ یہ ممکن ہے۔ کہ جو پہلے مستفید تھا۔ وہ مدارج کمالات طے کرتا کرتا استفادہ سے افادہ کرنے کے قابل ہو جائے۔

سوال (۱) مولانا رومؒ کا اپنے مرید حضرت حسام الدین کے لئے کمال ادب و تعظیم بجا لانا۔ تو انکی وفور محبت و شفقت اور غایت قدر و عزت پر محمول ہو سکتا ہے۔ مگر یہ بات سمجھ میں آنی مشکل ہے۔ کہ مولانا نے مثنوی میں جو اسرار و معارف بیان فرمائے ہیں۔ وہ خود مولانا کے نہیں۔ بلکہ حضرت حسام الدین کے افاضات سے ہیں۔ کیونکہ مولانا آخر شیخ تھے۔ مرید اپنے شیخ

سے زیادہ باکمال کیونکر ہوسکتا ہے۔ حتیٰ کہ شیخ مرید سے استفادہ کرنے لگے۔

جواب بیشک حضرت حسام الدین نے کمالات طریقت میں مولانا روم سے استفادہ کیا ہے۔ لیکن اس صورت میں بھی یہ بات چنداں مستبعد نہیں۔ کہ کوئی شیخ یا استاد جو اپنے مرید یا شاگرد کو افادہ فرماتا ہے۔ وہ من وجہ اپنے مرید یا شاگرد سے مستفید بھی ہو۔ چنانچہ عموماً دیکھا جاتا ہے۔ کہ بعض اوقات کسی کتاب کا کوئی مشکل مقام باوجود بار بار غور کرنے کے استاد کی سمجھ میں نہیں آتا۔ مگر جب وہ شاگرد کو پڑھانے بیٹھتا ہے۔ تو کچھ شاگرد کے جذبۂ طلب کے اثر سے اور کچھ اس کے سوالات و استفسارات کی رہنمائی سے اس کا صحیح مفہوم اس کے دل پر آئینہ ہو جاتا ہے۔ استاد کا شاگرد سے یہ استفادہ تو علیٰ وجہ التسبیب ہوا۔ کبھی اس سے استفادہ حقیقۃً بھی ہوتا ہے۔ مثلاً استاد کو دوران سبق میں اپنے بیان کی تائید کے لئے کسی روایت یا واقعاتی تمثیل یا تاریخی نظیر کی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر وہ اس کو پیش نہیں کر سکتا۔ تو جھٹ شاگرد حسب موقع کوئی ایسی روایت یا تمثیل و نظیر پیش کر دیتا ہے۔ جو استاد کو پہلے معلوم نہ تھی جس کو سن کر استاد کچھ تو اپنی تقریر کے مدلل و مبرہن ہونے سے اور کچھ اپنے خزینۂ معلومات میں ایک جدید اضافہ محسوس کر کے پھڑک اٹھتا ہے۔ اور یہ صاف طور پر استاد کا اپنے شاگرد سے استفادہ ہے۔

سوال (۲) جب مولانا حسام الدین یہاں تک کامل ہیں۔ کہ ان کے پیر حضرت مولانا روم رح بھی من وجہ ان سے استفادہ کرتے ہیں۔ تو ان کے کمالات بالفعل ہونگے۔ پھر ان کو دفتر دوم کی تحریر کے لئے معراج حقائق پر جا کر از سر نو استفادہ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

جواب۔ کمال کے مختلف مدارج ہیں۔ اور یہ ضروری نہیں۔ کہ کسی ایک کو ایک ہی وقت میں وہ سارے مدارج حاصل ہوں۔ لہٰذا کمالات کے بعض مراتب پر فائز ہونے والا گو کامل ہے۔ مگر ممکن ہے۔ کہ بعض مراتب کمال اس کے دائرہ حصول سے ابھی خارج ہوں۔ جنکے حصول کے بعد وہ کامل سے اکمل کہلاتا ہے پس مولانا حسام الدین گو کامل تھے۔ مگر ممکن ہے کہ ابھی ان کا اکمل ہونا باقی ہو۔ اس لئے وہ ابھی استفادہ کے محتاج ہوں۔ علاوہ ازیں اولیاء اللہ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو کامل ہوتے ہیں۔ مگر مکمل نہیں ہوتے۔ دوسرے وہ جو کامل و مکمل کی دونوں حیثیتوں کے جامع ہوتے ہیں۔ پہلے اولیاء عالم الغیب سے استفادہ کرنے میں مشغول رہتے ہیں۔ اور وہ دوسروں کو افادہ نہیں کر سکتے۔ دوسرے اولیاء پہلے خود عالم غیب سے استفادہ کرتے ہیں۔ پھر خلق کو افادہ فرماتے ہیں۔ اور خلق کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ لیکن یہ خلق کی طرف توجہ بھی خلق کے لئے نہیں۔ بلکہ حق کے لئے ہوتی ہے۔ بخلاف ان کے عوام کو خلق کی طرف توجہ خلق ہی کے لئے ہوتی ہے۔ صائبؒ ؎

خوش وقت گروہے کہ در اندیشۂ یارند　　چوں کعبہ رواں روئے بدیوار ندارند

اسی طرح مولانا حسام الدین علوم جدید حاصل کرنے کے لئے اس تاخیر کی مدت تک عالم غیب کی طرف متوجہ رہے۔ اس کے بعد جب وہ استعداد مبدل بفعلیت ہوگئی۔ تو افادہ و افاضہ میں لگ گئے۔

سوال (۳) دفتر اول کے خاتمہ پر خود مولانا نے سلسلہ بیان کو بند کرنے کی یہ وجہ بیان فرمائی تھی۔ کہ سامعین میں ذوق استماع و جذبۂ طلب نہیں رہا جس کی وجہ سے کلام بے لطف ہونے لگا۔ اس لئے اسکو ملتوی کر دیا۔ اب دفتر دوم کے آغاز میں فرماتے ہیں۔ کہ اس التوا کی وجہ یہ تھی۔ کہ مولانا حسام الدین جدید استفاضہ میں لگے ہوئے تھے۔ فکیف التوفیق۔

جواب۔ مولانا رح عنوان دفتر دوم میں فرما چکے ہیں۔ کہ اس التوا میں خدا کی حکمت کوئی ایک آدھ نہیں

بلکہ بے پایاں حکمتیں مرکوز ہیں۔ جن میں سے صرف ایک حکمت یہاں (آغاز دفتر دوم میں) بیان کی جاتی ہے۔ خاتمہ دفتر اول میں جو وجہ التوا بیان کی تھی۔ ممکن ہے وہ بھی انہی بے پایاں حکمتوں کی قبیل سے ہو۔ فلا تعارض۔

مثنوی کہ صیقلِ ارواح بود　　　　بازگشتش روزِ استفتاح بود

فوائد فتوح

لغات صیقل بفتح صاد۔ تلوار کو تیز اور چمکیلا کرنے والا۔ بازگشت۔ واپسی۔ استفتاح فتح سے نکلا ہے۔ فتح و فتوح دونوں مصدر ہیں بمعنی کشادن۔ اصطلاح صوفیہ میں فتوح سے عبادات و مکاشفات اور علوم و معارف کی بندشدہ ظاہری و باطنی نعمتوں کا دروازہ کھل جانا مراد ہوتا ہے۔ اور فتح سے مراد یہ ہے۔ کہ بندہ پر ذات احدیت کی تجلیات کھل جائیں۔ اور وہ ان تجلیات میں فنائے رسوم خلقیہ سے عین جمع میں مستغرق ہو جائے۔ آیت اذا جاء نصر اللہ والفتح میں فتح سے اسی مقام کی طرف اشارہ ہے۔ استفتاح کا مصدر باب استفعال سے ہے جس میں طلب کا مفہوم مضمر ہوتا ہے۔ اس کے معنی ہیں مذکورہ فتح طلب کرنا۔ نیز روز استفتاح سے مراد ماہ رجب کی پندرھویں تاریخ بھی ہوتی ہے۔ جس میں رحمت خداوندی کے دروازے کھلتے ہیں اور جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ اس لئے اس تاریخ میں کعبہ شریفہ کا دروازہ بھی زائرین بیت اللہ کے لئے کھولا جاتا ہے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ پندرھویں رجب کی تعظیم اور اس کا نام روز استفتاح کتب احادیث میں کہیں اثباتاً یا نفیاً مذکور نہیں (کذا فی بحر العلوم)

روز استفتاح

ترجمہ (یہ) مثنوی جو (اپنے مضامین عالیہ کی بدولت قارئین و سامعین کی) ارواح کو (رسوم خلقیہ کے زنگ سے) صاف کر دینے والی ہے۔ اس کی تحریر کے سلسلے کا دوبارہ آغاز ظہور تجلیات کی خواہش کے دن (یا کعبہ شریفہ کے کھلنے کے دن یعنی پندرھویں رجب کو) تھا۔

مطلعِ تاریخ ایں سودا و سود　　　　سالِ ہجرت ششصد و شصت و دو بود

لغات مطلع بجائے طلوع۔ سورج۔ چاند ستارہ وغیرہ کسی روشن چیز کے نمودار ہونے کی جگہ۔ مطلع تاریخ وہ مصرعہ یا فقرہ جس کے ابجدی اعداد کے شمار سے تاریخ کا سال نکلے۔ مادہ تاریخ۔ سودا۔ متاع تجارت سامان خرید و فروخت۔ راس المال۔ اصل پونجی۔ سود۔ منافع۔ صنائع۔ سودا علوم و معارف سے اور سود فوائد علمیہ سے استعارہ ہے۔

ترجمہ اس متاع (معارف) اور (اس کے) منافع (کی داد و ستد کا سلسلہ دوبارہ شروع ہونے) کی تاریخ سنہ چھ سو باسٹھ ہجری تھی۔

مطلب دفتر دوم کے شروع ہونے کی تاریخ ۶۶۲ھ ہجری ہے اور بقول حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ

درآں مدت کہ ما را وقت خوش بود　　　　ز ہجرت ششصد و پنجاہ و شش بود

کتاب گلستان کی تاریخ تالیف ۶۵۶ھ ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ جب شیخ سعدی رحمۃ اللہ نے ایران کے شہر شیراز میں اپنی شہرہ آفاق کتاب گلستان تالیف کی۔ تو اس سے چھ سال بعد مولانا رومؒ نے ایشیائی روم کے شہر قونیہ میں مثنوی شریف کا دفتر دوم لکھوانا شروع کیا۔

بلبلے زینجا برفت و بازگشت　　　　بہرِ صیدِ ایں معانی بازگشت

صنائع بلبل استعارہ ہے۔ مولانا حسام الدین سے ۔ وجہ استعارہ یہ کہ جس طرح بلبل شکار نہیں کرسکتا۔ اسی طرح مولانا حسام الدین بھی ابھی معانی نادرہ کو خود بخود اپنے پنجہ تصرف میں نہیں لاسکتے تھے۔ بلکہ محتاج استفادہ تھے دوسرے مصرعہ میں باز گشتن کنایہ ہے۔ گوناگوں معانی پر قادر ہونے سے۔ دونوں جگہ بازگشت کے کلمے میں صنعت تجنیس ہے۔ صید معانی میں استعارہ بالکنایہ ہے۔

ترجمہ (مولانا حسام الدین محتاج استفادہ ہونیکے لحاظ سے ابھی) ایک بلبل (تھے جو) اس (عالم ناسوت کے) مقام سے (عالم ملکوت کیطرف) گیا اور (پھر) واپس آیا۔ تو (مثنوی کے) ان معانی (گوناگوں) کو شکار کرنے کے لئے باز بن گیا۔

مطلب یہاں اوپر کے اشعار چوں بمعراج اور چوں ز دریا کے مضمون کا اعادہ دوسرے پیرایہ میں کیا ہے۔

ساعدِ شہ مسکنِ ایں باز باد ۔۔۔ تا اَبَد بر خلق ایں در باز باد

لغات ساعد ۔ کلائی ۔ شہ سے شہنشاہ حقیقی یعنی حق تعالیٰ مراد ہے ۔ مسکن ۔ ٹھکانا ۔ مقام ۔ جائے سکونت ۔ باز ۔ کھلا **صنائع** ۔ بیت سابق میں اور اس بیت میں باز کا کلمہ تین مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ جو تجنیس تام کی صنعت ہے۔

ترجمہ بادشاہ کی کلائی اس باز کا ٹھکانا ہو۔ اور ہمیشہ کے لئے یہ دروازہ (فیضان) مخلوق پر کھلا رہے۔

مطلب بعض بادشاہوں کا دستور تھا۔ کہ جب سیر و شکار کے لئے سوار ہو کر نکلتے ۔ تو اپنی کلائی پر باز کو بٹھا لیتے ۔ چنانچہ اکثر شاہان پیشین کی تصاویر میں یہ صورت مشاہد ہے۔ اور ایک شہزور و قوی بال پرندہ کا بادشاہ کی کلائی پر ہونا اس کی شوکت و شہامت کے اسباب میں شمار ہوتا تھا۔ مولانا بطور استعارہ شاہ سے شاہنشاہ حقیقی اور ساعد سے اس کا قرب مراد لے کر بطور دعا فرماتے ہیں۔ کہ خدا کرے یہ بلبل جس نے اب باز کا درجہ حاصل کر لیا ہے۔ یعنی مولانا حسام الدین قرب حق سے بہرہ اندوز ہوں ۔ اور ان کے افاضات جو تحریر مثنوی کی صورت میں جاری ہیں۔ وہ ابد تک جاری رہیں۔ اور مخلوق جس میں مولانا خود اپنے آپ کو بھی شمار کرتے ہیں۔ اس سے مستفیض ہوتی رہے۔

یہاں تک دفتر دوم کے آغاز میں تاخیر واقع ہونے کی حکمت بیان کی گئی ہے۔ اب اس سے آگے ایک اور مضمون شروع ہوتا ہے۔ جس میں قرب حق کے موانع اور ان کے تدارک کا ذکر ہے۔ اور حقیقت میں یہاں ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف انتقال ہے۔ اور اس قسم کے انتقالات سے ساری مثنوی بھری پڑی ہے۔ مگر ہر جگہ اس قسم کے انتقالی مضامین کو اپنے ماقبل کے ساتھ کچھ نہ کچھ ربط ضرور ہوتا ہے۔ ہاں بعض جگہ وہ ربط بآسانی سمجھ میں آ سکتا ہے۔ اور بعض جگہ اس کا سمجھنا ذرا دقت طلب ہوتا ہے۔ مگر یہاں جو ربط ہے۔ وہ ظاہر ہے۔ اور اس کا ذکر آگے آتا ہے

آفتِ ایں در ہوا و شہوت ست ۔۔۔ ورنہ اینجا شربت اندر شربت ست

لغات آفت ۔ بلا ۔ آسیب ۔ صدمہ ۔ مشکل ۔ مانع ۔ سختی وغیرہ آفت کا کلمہ عموماً دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک مانع دوسرا برا نتیجہ ۔ اور یہ دونوں معنی یہاں چسپاں ہو سکتے ہیں۔ کما سیاتی ۔ در اسم بمعنی دروازہ ہے۔ نہ کہ حرف جار بمعنی فی جیسے کہ ایک شارح نے اختیار کیا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں "ایں" اسم اشارہ قریب کا کوئی مشارالیہ نہیں رہتا

ترکیب ۔ آفت مضاف ایں در اسم اشارہ و مشارالیہ مل کر مضاف الیہ ۔ مضاف و مضاف الیہ مل کر مبتدا

ہوا۔ ہوا و شہوت بترکیب عطفی اس کی خبر۔ ایک شارح کے اختیار کردہ ترجمہ کی رو سے آفتِ ایں مرکب اضافی مبتدا در ہوا و شہوت جار و مجرور متعلق خبر محذوف کے مگر اس صورت میں حذف مشارٌ الیہ لازم آتا ہے۔ جو عدم قرینہ کے وقت اسم اشارہ ترتیب کے ساتھ مذکور ہونا لازم ہے۔

ترجمہ:- اس دروازہ فیضان کی آفت خواہش نفسانی اور شہوت ہے۔ ورنہ یہاں (لذائذ روحانیہ) مزے ہی مزے ہیں۔

مطلب:- اوپر عذر تاخیر کے بعد تحریر مثنوی کے آغاز سے آگاہ فرمایا تھا۔ اور دعا کی تھی۔ کہ تحریر مثنوی کا سلسلہ جو ایک دروازہ فیضان ہے۔ ابد تک کھلا رہے۔ اب فرماتے ہیں کہ یہ دروازہ آفات سے محفوظ نہیں۔ اور اس سے اس مضمون کا ماقبل کے ساتھ ربط ظاہر ہے۔ یعنی جس دروازہ فیضان کے کھلنے کا اعلان اور اس کے دوام کشادگی کے لئے دعا کی تھی۔ اب اس کی آفات اور تدارک آفات کا ذکر فرماتے ہیں۔ تاکہ یہ مضمون ہر پہلو سے کمل ہو جائے۔ اسکا مطلب یہ ہے۔ کہ مثنوی کے مضامین عالیہ کی راہ میں ہوائے نفسانی اور خیالات شہوانی کی سخت آفت برپا ہے۔ جو ان تک پہنچنے کی مانع ہے۔ اور یہ مطلب آفت کے دو مذکورہ معنوں میں سے پہلے معنی پر مبنی ہے۔ نفسانی و شہوانی خیالات کا اس دروازے پر آنے سے مانع ہونا ظاہر ہے۔ کما قال الغنی ؎

سوئے مسجد ند ہد نفس بدم راہ ہنوز　　　گرچہ از بار گنہ ساخت چو محراب مرا

نیک کاموں میں ظاہری و باطنی موانع کے وجود پر احادیث و آثار بکثرت ناطق ہیں۔ ایک متفق علیہ حدیث ہے حفت الجنۃ بالمکارہ وحفت النار بالشہوات یعنی بہشت شدائد و تکالیف میں گھرا ہوا ہے۔ اور دوزخ پر لذائذ نفسانیہ کا احاطہ ہے۔ جامی رحمہ ؎

شیوۂ نازک دلاں نبود سلوک راہ فقر　　　سخت دشوار ست بار شیشہ و رہ سنگلاخ

روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شیطان کو دیکھا۔ کہ ایک ہاتھ میں خاکستر اور دوسرے ہاتھ میں شہد لئے جا رہا ہے۔ آپ نے پوچھا۔ ان دو مختلف چیزوں سے تمہارا کیا مقصد ہے۔ شیطان بولا۔ شہد کو غیبت میں ملا دونگا۔ تاکہ لوگوں کو اس کی چاٹ لگ جائے۔ اور خاکستر یتیموں کے چہرہ پر مل دوں گا۔ تاکہ لوگ ان سے نفرت کریں۔ اور اگر یہاں آفت کا دوسرا معنی ملحوظ رکھا جائے۔ یعنی کسی کام کا برا نتیجہ تو اس کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ ان مضامین عالیہ سے جو عین توحید ہیں۔ بہت سے کج فہم و کم ظرف لوگوں پر برا اثر پڑنے کا اندیشہ ہے۔ وہ ان کو سن کر اتباع اہوا اور اغترار نفس سے توحید کی بجائے الحاد و زندقہ کی طرف مائل ہو جائینگے۔ یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا۔ کلام حق کو اپنے لئے موجب رشد و ہدایت بنانے کے بجائے اتباع اہوا سے باعث شقاوت و ضلالت بنانے پر قرآن مجید کی بہت سی آیات شاہد ہیں۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَاْوِيْلِهٖ۔ "تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے۔ وہ قرآن کی ان مبہم آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ تاکہ فساد پیدا کریں۔ اور تاکہ ان کے اصل مطلب کی ٹوہ لگائیں (آل عمران ع ۱)

ایک مشہور قول ہے لکل شیء آفۃ وللعلم آفات یعنی ہر چیز کے لئے کوئی نہ کوئی آفت ہوتی ہے۔ اور علم کے لئے بہت سی آفات ہیں۔ یہاں بھی آفت و آفات کے دونوں معنی چسپاں ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ علم کی آفات بمعنی اول غفلت سستی محنت سے گریز۔ قلت فرصت۔ استاد کامل کا فقدان۔ سہو و نسیان وغیرہ ہیں۔ جس کی تائید ایک حدیث مندرجہ مصنف ابن ابی شیبہ آفۃ العلم النسیان سے ہوتی ہے۔ اور بمعنی دوم علم کی آفات۔ عجب۔ غرور

نفسانی و شہوانی خیالات کے لئے مشکلات لازم ہیں

علم کی آفات

ریا۔ کتمانِ حق وغیرہ ہیں۔ اس کی تائید بھی احادیث کثیرہ سے ہوتی ہے چنانچہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے من سئل عن علمہ ثم کتمہ الجم یوم القیٰمۃ بلجام من نار یعنی جس شخص سے کسی علمی بات کا سوال کیا جائے جس کو وہ جانتا ہو۔ اور وہ اس کو چھپائے۔ تو قیامت کے روز اس کے منہ میں آگ کا لگام ڈالا جائیگا (مشکوٰۃ)

وقال بعضھم ؎

کم عالم متکبر ستر التکبر علمہ   کم جاھل متواضع ستر التواضع جھلہ

یعنی بہت متکبر عالموں کے علم کو ان کے تکبر نے چھپا رکھا ہے۔ اور بہت سے متواضع جاہلوں کے جہل کو ان کی تواضع نے مستور کر رکھا ہے۔

اب اس آفت کے علاج کا طریقہ بیان فرماتے ہیں

ایں دہاں بربند تا بینی عیاں   چشم بندِ آں جہاں حلق و دہاں

لغات ۔ بربند میں حرف بر زائد ہے۔ عیاں۔ ظاہر۔ کھلا ہوا۔ صاف نمودار۔ چشم بند۔ آنکھوں کی پٹی۔

ترکیب ۔ ایں دہاں بربند جملہ فعلیہ انشائیہ معلول تا بینی عیاں جملہ فعلیہ ہوکر اس کی علت جس میں اسرار و معارف مفعول محذوف ہے۔ **صنائع** ۔ بربند و چشم بند میں تجنیس۔ اس بیت میں ردالعجز علی الصدر بھی ہے۔

ترجمہ (اپنے) اس منہ کو (تا بحد امکان طعام و کلام سے) بند رکھو۔ تاکہ تم (اسرار معرفت کو) صاف نمایاں دیکھو۔ (حقیقت یہ ہے کہ) حلق اور منہ (کی چاٹ ہی) عالم بالا کی (طرف سے اس طرح بے بصر رکھتی ہے۔ کہ گویا آنکھوں کی پٹی (بن جاتی) ہے۔

مطلب ۔ اس مدعا کو حضرت شیخ سعدی نے اپنے الفاظ میں یوں ادا فرمایا ہے ؎

اندروں از طعام خالی دار   تا درو نورِ معرفت بینی
تہی از حکمتی بعلّتِ آں   کہ پُری از طعام تا بینی

شیخ ایک اور جگہ فرماتے ہیں ؎

فرشتہ خوئے شود آدمی بکم خوردن   وگر خورد چو بہائم بیوفتد چو جماد
مراد ہرکہ براری مطیع امر تو گشت   خلاف نفس کہ فرماں دہد چو یافت مراد

منہ مدخل طعام بھی ہے اور محل کلام بھی اور ان دونوں کے غلط استعمال کی کثرت موجب آفات ہے۔ پس دہاں کے بند کرنے سے تقلیل کلام اور تقلیل طعام دونوں کی تاکید مقصود ہے۔ کلام کی کثرت سے یاوہ گوئی ذکر مالایعنی فضول بکواس کا ارتکاب ہوتا ہے۔ **حدیث** مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهٗ مَا لَا یَعْنِیْهِ۔ مسلمان آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ ان باتوں کو چھوڑ دے جن سے کوئی غرض متعلق نہ ہو۔ اور آلہ کلام کے نامناسب استعمال سے استہزاء۔ دشنام۔ طعن۔ لعن۔ تعریض۔ جھوٹی قسم۔ خودستائی۔ وعدہ خلافی۔ کذب۔ غیبت۔ چغلی وغیرہ بے انتہا رذائل پیدا ہوتے ہیں۔ جن پر احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بکثرت وعید آئی ہے چنانچہ **حدیث** ہے۔ بِحَسْبِ امْرِئٍ مِّنَ الشَّرِّ اَنْ یَّحْقِرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ۔ آدمی کے لئے یہی برائی کافی ہے۔ کہ اپنے مسلمان بھائی کی (استہزاء سے) تحقیر کرے۔ **حدیث** سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَّقِتَالُهٗ کُفْرٌ۔ مسلمان کو گالی دینا فسق (بدکاری کا کام) ہے۔ اور اس کو جان سے مار ڈالنا کفر کا کام ہے۔

لعن — **حدیث** اِنَّ اللَّعَّانِیْنَ لَا یَکُوْنُوْنَ شُهَدَاءَ وَلَا شُفَعَاءَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ۔ یعنی بات بات پر لعنت کرنے والے لوگ قیامت
طعن — کے روز نہ لوگوں پر گواہ ہونگے اور نہ گنہگاروں کے شفیع ہوں گے۔ **حدیث** لَیْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ
وَلَا بِاللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِیِّ۔ یعنی مومن آدمی طعنہ دینے والا اور لعنت کرنے والا اور فحش
کثرة الحلف — باتیں کرنے والا اور بدزبان نہیں ہوتا۔ **حدیث** اِیَّاکُمْ وَکَثْرَةَ الْحَلْفِ فِی الْبَیْعِ فَاِنَّهٗ یُنَفِّقُ
ثُمَّ یَمْحَقُ۔ بیع میں زیادہ قسم کھانے سے بچو کیونکہ وہ بکری تو کرا دیتی ہے۔ مگر پھر برکت گھٹا دیتی ہے۔ **حدیث**
افتخار آباء — لَیَنْتَهِیَنَّ اَقْوَامٌ یَفْتَخِرُوْنَ بِاٰبَاۤئِهِمْ الخ۔ ان لوگوں کو ضرور باز آ جانا چاہیے۔ جو اپنے باپ
وعدہ خلافی — دادوں پر فخر کرتے ہیں۔ **حدیث** اٰیَةُ الْمُنَافِقِ ثَلٰثٌ اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ
وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ۔ منافق کی تین علامتیں ہیں۔ جب بات کرے گا۔ تو جھوٹ بولے گا۔ اور جب کوئی
وعدہ کرے گا۔ تو اس کے خلاف کرے گا۔ اور جب اس کے پاس کوئی امانت رکھی جائے۔ تو خیانت کریگا
کذب — **حدیث** اِذَا کَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَکُ مِیْلًا مِّنْ نَتْنِ مَا جَاءَ بِهٖ۔ جب بندہ
جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اسکی بات کی بدبو سے جو اس نے کہی ہے میل بھر دور چلا جاتا ہے۔
غیبت — **حدیث** اَلْغِیْبَةُ اَشَدُّ مِنَ الزِّنَاءِ۔ غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت ہے۔
چغلی — **حدیث** شِرَارُ عِبَادِ اللّٰهِ الْمَشَّاۤءُوْنَ بِالنَّمِیْمَةِ الْمُفَرِّقُوْنَ بَیْنَ الْاَحِبَّةِ الْبَاغُوْنَ الْبُرَاۤءَ الْعَنَتَ
خدا کے بندوں سے بدترین بندے وہ ہیں جو چغلیاں لگاتے پھرتے ہیں۔ دوستوں میں جدائی ڈلواتے ہیں۔
پاک لوگوں کو تہمت لگاتے ہیں۔ احادیث مذکورہ بالا میں سے بعض مشکوٰۃ شریف سے اور بعض ریاض الصالحین سے منقول ہیں۔

خاموشی کے فوائد — غرض زبان بندی یا دہان بندی میں صدہا آفات سے نجات مضمر ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے
مَنْ صَمَتَ نَجَا۔ جو شخص خاموش رہا۔ اس نے نجات پائی۔ حضرت معاذ رضؓ کا بیان ہے۔ کہ میں نے حضور سے عرض کیا
یا رسول اللہ آپ کے نزدیک سب سے زیادہ خوفناک چیز کونسی ہے۔ تو آپ نے اپنی زبان مبارک کو پکڑ کر فرمایا یہ۔ اس
حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔ قَالَ ثَکِلَتْکَ اُمُّکَ یَا مُعَاذُ وَهَلْ یَکُبُّ النَّاسَ عَلٰی وُجُوْهِهِمْ وَعَلٰی مَنَاخِرِهِمْ
اِلَّا حَصَاۤئِدُ اَلْسِنَتِهِمْ یعنی اے معاذ! تیری ماں تجھے روئے۔ لوگوں کی زبانوں کی بیہودہ بکواس ہی ان کو منہ کے بل (یا
فرمایا ناک کے بل) گرائے گی۔ (مشکوٰۃ) صائبؔ ؎

شمع از تیغ زبانِ خود دہد سر زیر تیغ　　　زینہار از آفتِ تیغ زبان آگاہ باش

غنیؔ رہ ؎　　من نہ از زخمِ زبانِ دگراں دلریشم　　　در فغاں چوں قلم از زخمِ زبانِ خویشم

ولنعم ما قیل ؎　　بہ بند لب کہ زبانِ تو خصمِ جانِ تو ہست　　　برنگِ پستہ شکستِ تو از زبانِ تو ہست

کف لسان اور تقلیل کلام موجب روشنی دل و نزول برکات ہے۔ صائبؔ ؎

زباں کوتاہ باشد آشنائے بحر گوہر را　　　بلندی حجّت عجز است بازوئے شناور را

ولہ ؎　　خانہ در بستہ فانوسِ حضورِ خاطر است　　　مہر زن بر لب اگر خاطر بجائے بایدت

خانہ در بستہ بپوئید مہمانانِ غیب　　　غنچہ بنشیں گر نسیم آشنائے بایدت

اے دہاںؔ تو خود دہانِ دوزخی　　　وائے جہاںؔ تو بر مثالِ برزخی

خود یہاں زائد ہے۔ دوزخی اور برزخی میں یائے خطاب ہے۔ بلا رابطہ جملہ برزخ بفتح با و زائے معجمہ مفتوح

وہ چیز جو دو متغائر و متخالف چیزوں کے درمیان حائل ہو۔ خواہ خود اپنے اندر ان متخالف چیزوں کے ساتھ کوئی مناسبت رکھتی ہو یا نہ رکھتی ہو۔ جیسے مرنے کے بعد کا زمانہ دنیا اور عقبیٰ کا برزخ ہے۔ اعراف بہشت و دوزخ کے درمیان برزخ ہے۔ بندر انسان و بہائم کے درمیان برزخ ہے۔ کھجور کا درخت حیوان و نباتات کے درمیان برزخ ہے۔ مونگا نباتات و جمادات کے درمیان برزخ ہے۔ ہندوؤں کے اوتار (ان کے عقیدہ کے موافق) خالق و مخلوق کے درمیان برزخ ہیں۔ لیکن ہمارے عقیدہ میں وہ انسان تھے۔ ان لوگوں نے خوش اعتقادی کی افراط سے ان کو غیر انسان سمجھ لیا۔ وائے جہاں میں واو عاطفہ حرفِ اضراب کا فائدہ دیتی ہے۔

ترجمہ اے منہ! تو (جب طعام و کلام کے لئے کھلتا ہے۔ تو اس کے بُرے نتائج کے لحاظ سے گویا) دہانہ دوزخ بنجاتا ہے (اس لئے تیرا بند رکھنا بہتر ہے) مگر اے جہان! (طعام و کلام کے بغیر تجھ میں زندگی بسر ہونی بھی مشکل ہے چونکہ) تو (نیکی و بدی کے) بین بین ہے (اس لئے تیرا قائم رکھنا بھی ضروری ہے۔ تاکہ اعمال صالحہ کا ذریعہ ہو سکے۔)

مطلب منہ کو خطاب فرماتے ہیں۔ کہ تجھ سے جو کلام غیر مشروع یا اکل ممنوع صادر ہوتا ہے چونکہ وہ دوزخ میں پہچانے والا ہے۔ کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ جَسَدٌ غُذِيَ بِالْحَرَامِ جو جسم حرام مال سے غذا پا چکا ہے۔ وہ جنت میں نہیں جا سکتا (مشکوٰۃ) وقال وَإِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللّٰهِ لَا يُلْقِيْ لَهَا بَالًا تَهْوِيْ بِهَا فِيْ جَهَنَّمَ بندہ جب کوئی ایسا کلمہ بول بیٹھتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو اور اس کے بُرے نتیجہ کی پروا نہیں کرتا۔ اس کلمہ کی وجہ سے دوزخ میں ڈالا جائیگا (مشکوٰۃ) اس لئے اے منہ تو گویا خود ہی دہانہ دوزخ ہے منہ کا دہانہ دوزخ ہونا ان احادیث سے اور بھی زیادہ مبرہن ہوتا ہے۔ جن میں بعض ممنوعات کے کھانے والے کے حق میں يُجَرْجِرُ فِيْ بَطْنِهِ النَّارَ آیا ہے یعنی وہ اپنے پیٹ میں یہ غذا نہیں بلکہ دوزخ کی آگ ڈال رہا ہے۔ پس جب یہ غذا دوزخ کی آگ ہوئی۔ تو اس کا مدخل یعنی منہ دوزخ کا منہ ٹھہرا۔

اس کے بعد دوسرے مصرعہ میں جہان سے خطاب فرماتے ہیں۔ کہ اے جہان تو دار العمل ہے۔ جہاں نیک و بد دونوں طرح کے اعمال ممکن ہیں۔ لہذا تو من وجہ نافع اور من وجہ مضر ہے نہ بالکل نافع ہے نہ بالکل مضر۔ گویا تو جنت اور جہنم کے بین بین ہے۔ اگر کوئی شخص یہاں طاعات و عبادات وغیرہ اعمال حسنہ کا اکتساب کرتا ہے۔ تو اس کے لئے یہ جنت ہے اور اس کے یہ اعمال مشروعہ اس کے لئے حور و قصور ہیں۔ اور اگر منہیات و معاصی کا مرتکب ہوتا ہے۔ تو یہ دنیا اس کے لئے دوزخ ہے۔ اور اس کے یہ افعال آگ ہیں۔ غرض چونکہ دنیا میں دونوں طرح کی صلاحیت ہے۔ لہذا وہ برزخ ہے۔ اور اگر اس سے برائی کا امکان ہے۔ تو نیکی بھی متوقع ہے اور بدی کے خوف سے نیکی کا موقع فوت کرنا قرین دانشمندی نہیں۔ پس دنیا کی زندگی کو قائم رکھنے کی کوشش حتی المقدور اچھی بات ہے اور اس کے لئے کلام و طعام کو بقدر مستحسن جاری رکھنا لازم ہے۔ صائب مرحوم

بشکر آنکہ ترا رہ دریں چمن دادند　　　مباش در پئے تاراج بوستاں زنہار

الغرض اس بیت کے پہلے مصرعہ میں فقط دہن کی تاکید ہے۔ اور دوسرے مصرعہ میں اشیائے عالم کے استعمال کی ضرورت کا اشارہ ہے۔ مگر با احتیاط۔ آگے دوسرے مصرعے کے مضمون کو کسی قدر اور واضح کرتے ہیں۔

نورِ باقی پہلوئے دنیائے دُوں　　　شیرِ صافی پہلوئے جُوہائے خوں

لغات نورِ باقی ابدی روشنی ۔ مراد ہدایت دوں کمینی ۔ صافی صاف ۔ پہلو محاذی ۔ برابر دوش بدوش ۔ ساتھ ساتھ
فارسی زبان میں جن کلمات کے آخر میں واؤ یا الف ہو ۔ اضافت یا توصیف کی صورت میں اُن کے آخر میں کسرہ کی بجائے
ایک یائے ملفوظ اضافہ کر دیتے ہیں ۔ جیسے خدا ۔ گدا ۔ پہلو ۔ خو ۔ میں کہینگے خدائے بزرگ ۔ گدائے شہر ۔ پہلوئے من ۔
خوئے بد ۔ مگر چونکہ اس یا کے اظہار کے لئے آخر کے واؤ یا الف کا اشباع کرنا پڑتا ہے ۔ اسلئے جن مقامات میں اس
اشباع کی گنجایش نہ ہو ۔ وہاں یہ یا باقی نہیں رہ سکتی جیسے کہ اس بیت میں پہلو کے آخر میں یا رلانے سے واؤ کے اشباع
سے بیت کا وزن ڈانواڈول ہو جاتا ہے ۔ لہذا صرف واؤ مکسور پڑھا جائیگا ۔ مگر بعض نسخوں میں یہ یا باقی رکھی گئی ہے ۔
جو ٹھیک نہیں ۔ جُو نہر ۔ **ترکیب** نورِ باقی مبتدا ۔ موجود اس کی خبر مقدر ۔ پہلوئے الخ ظرف متعلق خبر کے دوسرے مصرعہ کی
بھی یہی ترکیب ہے ۔ **صنائع** یہ شعر مرصع واقع ہوا ہے ۔ اور ذوالقافیتین بھی ہے ۔

ترجمہ (ہدایت کا) سدا رہنے والا نور (اس) کمینی دنیا (کی تاریکی) کے دوش بدوش (موجود ہے ۔
اور اعمال صالحہ کا) صاف و خالص دودھ (معاصی و سیئات کی) خون سے بھری ہوئی نہروں کے ساتھ
ساتھ (جاری ہے)

مطلب ۔ یہ دنیا کے بہشت و دوزخ کے لئے برزخ ہونے کی تفسیر ہے ۔ یعنی دنیا میں جہاں رذائل و ذمائم کی
آلایش موجود ہے ۔ جس کو یہاں دنیائے دُوں سے تعبیر کیا ہے ۔ وہاں فضائل و مکارم کے سامان بھی مہیا ہیں ۔
مہالک کے گڑھوں سے بچ نکلنے کے لئے حزم و احتیاط کے ساتھ کچھ جذبہ اخذ و شوقِ کسب بھی ہو ۔ تو یہاں کمالات
کے حصول کے کافی ذرائع بھی موجود ہیں ۔ اور اس کی وہی مثال ہے ۔ کہ جیسے خون کی نہر کے ساتھ ساتھ دودھ کی نہر چل
رہی ہو ۔ خون کے ساتھ دودھ کے ذکر میں یہ نکتہ بھی مضمر ہے ۔ کہ جس طرح مادہ خون اور مادہ شیر ایک ہے دنیا میں بہت سے
اعمال و افعال اور اخلاق و خصائل میں نفع و ضرر کی استعداد بھی ایک ہی مادہ میں جمع ہے ۔ ایک امر جو کسی خاص طریق پر
استعمال کرنے کی صورت میں مضر ہے دوسرے پہلو سے نافع ہے ۔ مثلاً غضب حمایتِ دین میں ہو ۔ تو نافع ہے ۔ اتباعِ
نفس میں ہو تو مضر ہے ۔ انفاق فرائض شخصی و نوعی کے لئے ہو تو خیر ہے ۔ لذائذ نفسانیہ کے لئے ہو ۔ تو شر ہے و ہکذا

چوں در و گامے زنی بے احتیاط ۔ شیر تو خوں میشود از اختلاط

لغات گام قدم احتیاط ۔ بچاؤ ۔ پرہیز ۔ چوکسی ۔ خبرداری ۔ اختلاط ۔ ملاوٹ ۔ مل جل جانا ۔ گڈمڈ ہونا ۔ **صنائع** شیر
استعارہ ہے مرغوب و مستحسن سے ۔ خون تا مرغوب و غیر مستحسن سے ۔

ترجمہ جب اس (دنیا) میں تو بے احتیاطی سے قدم رکھے گا ۔ تو تیرا (اعمال صالحہ کا) دودھ (مناہی
و معاصی کی) ملاوٹ سے خون (کی طرح ناپاک) ہو جاتا ہے ۔

مطلب اعمال صالحہ میں اگر کمال اخلاص اور رعایت احتیاط مرعی نہ رہے ۔ تو مختلف معاصی کے شوائب ان کو باطل و فاسد
کر دیتے ہیں ۔ اس میں نماز روزہ زکوٰۃ حج خیرات و مبرات وغیرہ تمام عبادات و طاعات اور محاسن و مکارم کا یکساں حال ہے جس کا
ذکر قرآن مجید میں جابجا موجود ہے ۔ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُمْ عَن صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ ۝ ان
منافق نمازیوں کے لئے بھی تباہی ہے ۔ جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں ۔ اور جو ریا کرتے ہیں لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم
بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ ۔ اپنی زکوٰۃ و خیرات کو احسان جتا کر یا تکلیف پہنچا کر ضائع نہ کر لیا کرو ۔ فَمَن فَرَضَ فِيهِنَّ
الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۔ پس جو شخص ان مہینوں میں حج کی نیت کرے ۔ تو کوئی

عبادات کو ناقص یا باطل کر دینے والے امور

شہوت کی بات اور گناہ اور جھگڑا نہیں کرنا ہوگا۔ عمر خیام غفرلہ ؎

اے فسق و فجور کارِ ہر روزۂ ما — وے پُر ز حرام کاسۂ و کوزۂ ما
میخند و روزگار و میگرید خلق — بر طاعت و بر نماز و بر روزۂ ما

صائب رحمہ ؎ حضورِ خاطر اگر در نماز شرط شدہ ست — عبادتِ ہمہ روئے زمیں قضا دارد

ولہ ؎ زاں دست پیش روید دعا کردہ ام مباد — بر روئے من زنند ملائک نمازِ من

سعدیؒ ؎ خورندہ کہ خیرش بر آید ز دست — بہ از صائم الدہر دنیا پرست
مسلم کسے را بود روزہ داشت — کہ درماندہ را دہد نانِ چاشت
وگرنہ چہ حاجت کہ زحمت بری — ز خود باز گیری و ہم خود خوری

؎ کیا فائدہ گر آپ نہ کھائی روٹی — خود کھائی نہ اوروں کو کھلائی روٹی
روزہ نہیں یہ بخل کا اک حیلہ ہے — کل کام آنے کو ہے بچائی روٹی

جامی رحمہ ؎ خوئے خود را ز روزہ تیرہ مکن — کز ہمہ حلم و بردباری بہ
چوں شود روزہ مایۂ آزار — روزہ خواری ز روزہ داری بہ

وقال بعضہم ؎ گر وردِ تو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ ست — بے باطنِ پاک کے بجنت راہ ست
صرافت زرِ قلب کجا بستاند — ہر چند برو سکّہ ز نامِ شاہ ست

وقیل ؎ آئینہ دار زنگ گناہ ست طاعتم — کردم سیاہ ہمچو نگیں سجدہ گاہ را

ولنعم ماقیل ؎ سبحہ بر کف توبہ بر لب دل پُر از ذوقِ گناہ
معصیت را خندہ مے آید بر استغفارِ ما

مولانا آگے اس بے احتیاطی کی ایک مثال بیان فرماتے ہیں جس سے اس کے ضرر سے بچنے کی ہدایت مقصود ہے

یک قدم زد آدم اندر ذوقِ نفس — شُد فراقِ صدرِ جنّت طوقِ نفس

لغات ذوقؔ (۱) چاشنی۔ چاٹ۔ مزا۔ لذت۔ (۲) کیفیت۔ دھن۔ شوق۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں ذوقِ نفس سے مراد دل کی دُھن۔ ایک شارح صاحب نے ذوقِ نفس کا ترجمہ لذتِ نفس کیا ہے۔ جو حضرت آدم ؑ کے لئے سوء ادب اور عصمتِ انبیاء کے عقیدہ کے منافی ہے۔ ناظرین ہمارے اختیار کردہ ترجمہ کا لطف ملاحظہ فرما دیں۔ صدر اعلیٰ مقام۔ مجلس میں سب سے بڑی اور نمایاں جگہ صدر جنت۔ بہشت کا بالاترین مقام۔ کمال عزت کی جگہ۔

ترجمہ (دیکھو) حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے دل کی دُھن میں (دانہ کھانے سے) ایک ہی قدم خلاف حکم اٹھایا تھا (کہ) بہشت کے اعلیٰ مقام سے نکلنے کی مصیبت ان کے گلے کا ہار ہو گئی

مطلب۔ اس سے حضرت آدم ؑ کے شیطان کے بہکانے سے خلافِ حکمِ حق دانہ گندم کھانے اور اس وجہ سے ان کے بہشت سے نکلنے کا قصہ مراد ہے جسکو اللہ تعالیٰ نے سورۂ اعراف کے دوسرے رکوع میں یوں بیان فرمایا ہے۔ وَیٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَیْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ اور اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔ پھر تم دونوں جہاں سے چاہو کھاؤ (پیو) لیکن اس درخت کے پاس بھی نہ جانا (ورنہ) تم خرابی میں پڑ جاؤ گے (شیطان چونکہ حضرت آدم ؑ کی وجہ سے مردود

حضرت آدم علیہ السلام کا واقعہ

دمطرود ہوا تھا۔ اور اس وجہ سے اس کے دل میں حسد و انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی۔ اس لئے اس نے از راہ عداوت چاہا۔ کہ کسی طرح حضرت آدم کو بارگاہ حق سے معتوب کر کے بہشت کے اعلیٰ مقام سے نکلوایا جائے ادھر آدم علیہ السلام جو محبت حق کی وجہ سے قیام جنت کو از بس مغتنم سمجھے جس سے قرب حق حاصل تھا قرآن سے جب دیکھتے تھے۔ کہ مجھے ایک دن یہ مقام چھوڑ کر دنیا میں جانا ہوگا۔ تو اپنے خلود جنت کی طرف سے ان کو ہر وقت کھٹکا رہتا تھا۔ شیطان نے اپنے منصوبہ کی تکمیل کے لئے ان کی اسی تڑپتی رگ کو تاکا۔ اور سمجھ گیا۔ کہ آدم علیہ السلام کو اگر کوئی چلمہ دیا جا سکتا ہے۔ تو اسکے لئے خلود فی الجنۃ کا مسئلہ سب سے زیادہ موزوں ہے۔ چنانچہ اس نے کیا شرارت کی کہ) فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَاوٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ۝ پھر شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا تاکہ ان کو برہنہ کرے۔ اور (آکر) کہنے لگا کہ اے (آدم و حوا) تمہارے رب نے جو تم کو اس درخت سے منع کیا ہے۔ تو اسی لئے کہ تم کہیں فرشتہ نہ ہو جاؤ یا ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہنے والے نہ بن جاؤ (شیطان کی زبان سے جو آدم علیہ السلام کے خلود فی الجنت کا ذکر نکلا۔ اور اس نے یہ بھی بتایا۔ کہ فلاں امر آپ کے خلود کا مانع ہے۔ اگر اس مانع کو اٹھا دو۔ یعنی دانہ گندم کھا لو تو بہشت کا دائمی قیام حاصل کر سکو گے۔ تو اس سے حضرت آدم چونک پڑے۔ مگر اب تک کسی کے کہنے پر حکم حق کے خلاف کوئی کام کرنے کی جرات ان کو نہ ہو سکتی تھی۔ کہ شیطان نے اور کیا غضب کیا۔ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝ یعنے ان سے قسمیں کھا کر کہنے لگا۔ کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ (چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام اس کی جھوٹی قسموں کا اعتبار کر بیٹھے اور جب ان کو اس کی خیر خواہی کا یقین ہو گیا۔ تو یہ بھی اطمینان ہو گیا کہ اکل گندم سے خدا ناراض نہ ہوگا۔ کیونکہ ایک خیر خواہ سے یہ امر بعید ہے کہ وہ مالک برحق کے ناراض کرنے والے فعل کا مشورہ دے۔ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۭ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۔ پس ان کو فریب سے (دانہ گندم کھانے کی طرف) مائل کر ہی دیا۔ جونہی انہوں نے درخت کو چکھا۔ تو ان کا ستر کھل گیا۔ اور اپنے اوپر جنت کے پتے چپکانے لگے۔ اور ان کے رب نے ان کو پکارا۔ کہ میں نے تم کو اس درخت سے منع نہ کر دیا تھا۔ اور یہ نہ کہہ دیا تھا۔ کہ بیشک شیطان تم دونوں کا صریح دشمن ہے۔ مولانا کا یہ مقصد ہے۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جو خلود فی الجنۃ کی ایک لگن لگی ہوئی تھی اور وہ بھی کسی نفسانی غرض سے نہیں۔ بلکہ قرب حق کے خیال سے تھی۔ اس کی وجہ سے انہوں نے خلاف حکم ایک ہی قدم اٹھانے کی جرات کی تھی۔ کہ اس کا اتنا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ پھر کہاں حضرت آدم جو ایک مقرب حق تھے۔ اور کہاں ہم جو غرق معاصی ہیں۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ لہٰذا ہمارے اعمال کا مشوب بمعاصی ہونا تو اور بھی زیادہ امکان رکھتا ہے۔

سوال (۱) آیات مذکورہ کے مطابق جب شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو صاف کہدیا کہ خداوند تعالےٰ نے تم کو گیہوں کا دانہ کھانے سے اس لئے باز رکھا ہے کہ کہیں تم بہشت میں دائمی قیام حاصل نہ کر لو۔ تو پھر حضرت آدم علیہ السلام کا اس دائمی قیام کے حصول کی کوشش کرنا صاف طور پر اور بالتدبیر مشیت حق کی خلاف ورزی ہے۔ اس کے معصیت ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ اور کیا یہ ایک پیغمبر کی شان سے بعید نہیں؟

جواب حضرت آدم علیہ السلام نے جو خلود فی الجنت کی کوشش میں دانہ گندم کھانے کی جرات کی۔ اس سے مشیت حق کی خلاف ورزی اصل مقصود نہ تھی۔ بلکہ دوام قرب حق کے ایک ذریعہ کا حصول ان کا مقصد تھا۔ باقی رہا یہ امر کہ

کسی نیک امر کے لئے اپنے حاکم و مالک کے حکم کی خلاف ورزی کہاں روا ہے۔ جس سے اس کی ناراضگی کا احتمال ہو۔ سو یہ امر حضرت آدم ؑ کے بھی ضرور پیش نظر ہوگا۔ مگر شیطان مردود نے یہ کہکر کہ میں تمہارا مخلص خیرخواہ ہوں ان کا یہ خرخشہ بھی دور کردیا۔ اور ان کو اپنے مکر و فریب کی پوری گرفت میں لے لیا۔ جس سے انہوں نے سمجھ لیا ہوگا۔ کہ اول تو حق تعالی اپنے محب پر حصول قرب کی کوشش کرنے کے لئے کیوں ناراض ہونے لگا۔ دوسرے یہ ناصح مشفق بھی جو بڑا تجربہ کار اور خرانٹ معلوم ہوتا ہے۔ کوئی ایسا مشورہ کیوں دینے لگا۔ جس سے وہ مالک برحق ناراض ہو۔ ورنہ یہ ریش سفید یہ صورت مقطع یہ قول بالحلف کیا کہیں بے بنیاد ہی ہیں؟

صاحب کلید مثنوی نے ان آیات کے ترجمہ و تفسیر میں لکھا ہے۔ کہ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا۔ کہ اس درخت کے پھلوں کے کھانے سے بیشک حق سبحانہ نے تم کو اس لئے منع کیا تھا۔ کہ تم فرشتہ یا خالد فی الجنۃ نہ بن جاؤ۔ مگر یہ خیال رہے کہ ممانعت کی وجہ یہ نہ تھی۔ کہ حق سبحانہ کو تمہارا فرشتہ یا خالد فی الجنۃ بننا بالکلیہ مقصود نہیں۔ بلکہ مقصود تو ہے۔ مگر اسوقت مقصود ہے۔ جب قابلیت پیدا ہوجائے۔ جسوقت اس کے کھانے سے منع کیا تھا۔ اس وقت تم میں اس کی قابلیت نہ تھی۔ اب تو ماشاء اللہ تم نے دنوں جنت میں رہ کر اور ذکر الٰہی کر کے قابلیت پیدا ہوگئی ہے لہذا اب اس کے کھا لینے میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ حق سبحانہ کی مرضی کے عین مطابق ہے۔ گو اسوقت یہ نہی صورۃً مطلق نہی تھی۔ مگر فی الحقیقت وہ حصول استعداد تک موقت و محدود تھی۔ ابلیس نے ساتھ ہی قسم کھا کر کہا کہ میں جو کچھ کہتا ہوں محض تمہاری خیرخواہی سے کہتا ہوں۔ اس میں میری کوئی ذاتی غرض نہیں۔ حضرت آدم ؑ نے جب یہ پہلے دار تقریر سنی۔ تو چونکہ وہ اسوقت مکاروں کے داؤ پیچ سے ناواقف تھے۔ اور ملکیت یا خلود فی الجنت ان کو زیادہ قرب یا دوام قرب کے باعث مطلوب تھا۔ اس لئے یہ دانہ کھا لیا۔ اس تفصیل[۹] سے معلوم ہوا۔ کہ اس واقعہ میں نفس کا دخل صرف اتنا تھا۔ کہ اس نے ایک منہی عنہ پھل کو کھانے کی خواہش کی اور حضرت آدم ؑ نے اس کا اتباع کیا۔ کہ اس کو کھا لیا۔ لیکن چونکہ یہ نہ جانتے تھے کہ یہ نفس کی شرارت ہے۔ جو شیطان کے برانگیختہ کرنے سے پیدا ہوئی ہے۔ بلکہ وہ اس کو قرب الٰہی ذریعہ سمجھتے رہے۔ نہ کہ معصیت اور حق سے دور کرنے والی۔ لہذا انہوں نے گو واقع میں اتباع نفس کیا۔ لیکن اس کو اقتضائے نفس جان کر نہیں کیا۔ اس لئے یہ ان کی ایک لغزش اور اجتہادی خطا تھی۔ اجر کے مستحق تھے۔ نہ کہ حقیقت معصیت کیونکہ حقیقۃً معصیت وہ ہے۔ جو دیدہ و دانستہ ہو۔ انتہی۔

سوال (۲) مصرعہ "شد فراق صدر جنت طوق نفس" سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ حضرت آدم ؑ کا بہشت سے نکلنا بطور سزائے اکل حنطہ تھا۔ حالانکہ آیۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ سے ظاہر ہے کہ وہ دنیا میں اسی حیثیت ربانی کے ماتحت منصب خلافت پر مامور ہوکر آئے تھے۔ اور یہاں منصب خلافت پر سرفراز ہوکر آنا ایک اعزاز و اکرام کی صورت رکھتا ہے۔ نہ کہ سزا کی۔

جواب۔ مولانا بحرالعلوم اس سوال کا جواب یوں دیتے ہیں۔ جنت سے یہاں مراد وہ ذوق طمانینت ہے جو اکل حنطہ سے پہلے انکو حاصل تھا۔ اور فراق جنت سے اس طمانیت کا زوال مراد ہے۔ جو اکل حنطہ کی وجہ سے وقوع میں آیا۔ اور اس زوال طمانیت در حصول رنج سے جو مدت تک اشکباری اور گریہ زاری کرنی پڑی۔ وہ گویا طوق نفس تھا۔ جس کو اس ذوق نفس کے اتباع کی سزا سمجھنا چاہیئے۔ پس یہ سب کچھ ہو ہوا کر جو آپ جنت سے نکل کر دنیا میں آئے۔ تو توبہ کے بعد آئے

لہ یہاں یہ تقریر اس اعتراض کا جواب ہے جو بیت مذکور میں ذوق نفس کا ترجمہ لذت نفس کرنے سے وارد ہوتا ہے ۱۲

اور وہ آنا حصول سعادت اور منصب خلافت کے ساتھ تھا۔ مگر یہ جواب جب ٹھیک بیٹھ سکتا ہے۔ کہ اکل حنطہ کے بعد حضرت آدم ع کا فوراً زمین پر نہ اترنا مسلم ہو۔ حالانکہ متعدد آیات قرآنیہ سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم سے اس خطاب و عتاب کے ساتھ متصلاً فرمایا۔ اِهْبِطُوْا یعنی زمین میں اتر جاؤ۔ جس سے ثابت ہے کہ یہ ہبوط اکل حنطہ کے بعد حق تعالیٰ کے حکم سے بطور نتیجہ ناراضگی فوراً وقوع میں آیا ہے۔ اور اس سے اس کا سزائے اکل حنطہ ہونا عیاں ہے۔ ہمارے نزدیک موزون جواب یہ ہے۔ کہ بیشک حضرت آدم ع کی پیدائش سے مشیت حق کا مقصد ان کی خلافت فی الارض ہی تھی۔ جس پر ان کی نامزدگی و ماموری بھی ان کا پورا اعزاز واکرام تھا۔ مگر اس منصب کی سپردگی آدم ع کے جنت سے نکلنے پر موقوف تھی۔ جو ان کو گوارا نہ تھا۔ آخر قدرت نے اس واقعہ کو ان کے جنت سے نکلنے اور زمین میں اپنے منصب خلافت کو سنبھالنے کا موجب بنا دیا۔ جو اگرچہ صورتاً ان کی نافرمانی حق اور نزول عتاب کا باعث تھا مگر بقول

خدا شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد

وہ واقعہ سراسر ان کے ازدیاد مراتب اور عروج مدارج کا موجب بن گیا۔ بلکہ کلید مثنوی میں تو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمۃ سے یہاں تک منقول ہے کہ حضرت آدم نے ارتکاب خلاف کیا ہی نہیں۔ بلکہ انہوں نے اکل حنطہ سے ایک طاعت کی ہے۔ جس سے ان کی ترقی ہوئی۔ اور اُن کی دلیل یہ ہے۔ کہ جنت میں حضرت آدم پر حق تعالیٰ کے اسمائے جمالیہ کی تجلی تو تھی ہی۔ اور اسمائے جلالیہ کی تجلی بھی علماً تھی۔ لیکن ذوقاً نہ تھی۔ اس لغزش سے یہ تجلی بھی ان پر فائض ہوئی۔ دوسرے بعض اسمائے جلالیہ کی تجلی بھی جو کہ موقوف ہے۔ اسمائے جمالیہ پر ذوقاً نہ تھی۔ اول کی مثال منتقم کی تجلی ثانی کی مثال تواب کی تجلی نیز ان کی تجلیات کے برکات و ثمرات بھی علی درجۃ الکمال حاصل نہ تھے۔ پس یہ فعل ان کے ترقی مراتب کا سبب ہوگیا۔ جو طاعت سے مسبب ہے۔ پس حکماً وہ فعل ان کے حق میں طاعت ہوگیا۔ اور قواعد ظاہر پر بھی خطائے اجتہادی پر ایک ثواب ملتا ہے۔ باقی رہی صورت عتاب کی یہ "مقربان را بیش بود حیرانی" کی بنا پر ہے۔ انتہیٰ۔

حضرت آدم ع کا اکل حنطہ ترک اولیٰ یا معصیت نہیں بلکہ ایک طاعت تھی

ہمچو دیو از وے فرشتہ میگریخت ۔ بہر نانے چند آب از چشم ریخت

لغات دیو شیطان۔ نانے چند کچھ روٹیاں۔ غلہ گندم مراد ہے۔ آب چشم سے آنسو مراد ہیں۔

ترکیب ہمچو حرف تشبیہ جار ہے۔ اور "دیو" اس کا مجرور جار و مجرور متعلق میگریخت کے۔ یا ہمچو کا مدخول از دیو ہو۔ اس صورت میں مصرع کے معنی دوسری طرح ہونگے۔ کما سیاتی۔ ایک شارح صاحب اس دوسرے معنی کو اقرب فرماتے ہیں۔ حالانکہ پہلے معنی بلحاظ لفظ اقرب ہیں۔ اور بلحاظ معنی بھی نسبتاً ملایم اور دوسرے معنی میں از حرف زائد کی تقدیر کا تکلف کرنا پڑتا ہے۔ اور درجہ ادب سے بھی کسی قدر پست ہیں۔

ترجمہ (۱) (اب) فرشتہ بھی ان سے (یعنی آدم ع سے) اس طرح گریز کرتا تھا جس طرح شیطان (ان سے گریز کرتا ہے۔ اور) گیہوں کی چند روٹیوں (کے کھانے) کی پاداش میں ان کو اشکباری کرنی پڑی۔

(۲) (اب) فرشتہ بھی ان سے اس طرح گریز کرتا تھا۔ جس طرح (وہ) شیطان (سے گریز کرتا ہے) الخ

مطلب قاعدہ ہے کہ جب بادشاہ ناراض ہو جائے۔ تو امیر و وزیر خواص و مصاحب سب آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔ جناب باری کا حضرت آدم علیہ السلام سے عتاب فرمانا تھا۔ کہ ملائکہ کنی کترانے لگے۔ ویو کی تشبیہ سے بہر دو تقدیر حضرت آدم علیہ السلام اور ملائکہ عظام کی تخفیف شان لازم نہیں آتی۔ کیونکہ یہاں صرف ایک متنفر کو دوسرے متنفر سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جس سے ذات آدم ع اور ذات ملائکہ کی شیطان سے تشبیہ مقصود نہیں۔ فافہم

سوال۔ اس سے پہلے شعر کی شرح میں اس بات پر زور دیا گیا تھا۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام کا اکل حنطہ داخل معصیت نہیں تھا۔ بلکہ ایک قول سے اس کا طاعت ہونا قرار دیا گیا۔ حالانکہ قرآن مجید کی سورہ طٰہٰ کی ایک آیت میں صاف آیا ہے۔ فَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی۔ یعنی آدم ع سے عصیان کا صدور ہوا اور وہ بھٹک گئے۔ اور اس آیت کے بیت کے مصرعہ ثانیہ میں ان کی اشکباری کا ذکر بھی اس بات کی دلیل ہے۔ کہ ان کو اپنے گناہ پر اس لئے گریہ ندامت کرنا پڑا کہ وہ سخت گناہ تھا۔ قرآن مجید میں بھی کئی جگہ ان کی اس آہ و زاری و گریہ و اشکباری کا ذکر ہے چنانچہ سورۂ اعراف کی آیت ہے۔ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ یعنی آدم و حوا دونوں نے دعا کی اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے آپ کو تباہ کر لیا۔ اگر تو ہم کو نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے۔ تو بیشک ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہونگے۔ فکیف التوفیق بینہما۔

جواب پہلے آیہ فعصٰی آدم پر غور کرنا چاہیے۔ عصیان کے معنی ہیں حکم کے خلاف کوئی فعل واقع ہونا۔ جو کبھی عمداً ہوتا ہے۔ اور یہ ارتکاب گناہ ہے کبھی عمداً نہیں ہوتا۔ یہ غلطی اور لغزش ہے۔ یہاں دوسری قسم کے معنی چسپاں ہوتے ہیں۔ اور یہ بات کہ اس معنی کو فعصٰی سے کیوں تعبیر کیا۔ فزل کیوں نہ کہا۔ جس کے معنی ہیں لغزش کے۔ اس کی وجہ یہ کہ اس سے تمام مکلفین کو ایک شدید الاثر سبق دینا اور عبرت انگیز نصیحت کرنا مقصود ہے۔ گویا۔ ان سے کہا جاتا ہے۔ کہ دیکھو ایک نبی معصوم و حبیب حق تک کے ایک معمولی فعل کو سخت لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پس تم کو صدور افعال میں بہت محتاط رہنا چاہیے۔ اور کبائر تو کبائر رہے۔ صغائر کے صدور سے بھی بچنا چاہیئے۔ (کذا فی تفسیر المدارک)

حضرت آدم ع کی گریہ و زاری سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ ان کا یہ فعل کوئی شدید گناہ و جرم تھا۔ بلکہ درحقیقت وہ ایک معمولی اور خفیف لغزش تھی۔ جس پر ذنب، اثم، عصیان، معصیت، گناہ، جرم کا اطلاق ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور باایں ہمہ اس خفیف لغزش پر انکا اس طرح پھوٹ پھوٹ کر رونا۔ اور عجز و نیاز سے دعا و استغفار کرنا بدیں وجہ تھا۔ کہ بلحاظ علو مرتبت ان کے لئے یہ ادنٰی لغزش بھی سنگین تھی۔ کما قیل ؎

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

تفسیر خازن میں لکھا ہے۔ کہ پیغمبر لوگ اپنے علو مرتب اور رفعت شان اور کمال معرفت باللہ کے سبب سے اپنی ایسی ادنٰی لغزشوں پر بھی مواخذہ حق سے خائف و ترساں ہو جاتے ہیں۔ جن پر دوسرے لوگوں کو مواخذہ نہیں کیا جاتا کیونکہ بعض اوقات ان کو ایسے امور پر بھی عتاب کیا جاتا ہے۔ جو ان سے بر سبیل تاویل یا از راہ سہو صادر ہو جاتے ہیں اسی لئے وہ اپنی ادنٰی لغزشوں پر بھی ڈرتے رہتے ہیں۔ اور یہ لغزشیں ان کے علو مرتب کے لحاظ سے ذنوب اور ان کی کمال اطاعت کے اعتبار سے سیئات کے نام سے موسوم کی جاتی ہیں۔ ورنہ فی الحقیقت دوسرے لوگوں کے گناہوں کی طرح وہ گناہ نہیں ہوتے ہیں۔ بلکہ بعض اعمال جو دوسرے لوگوں کے لئے بمنزلہ نیکی کے ہوتے ہیں۔ وہ پیغمبروں کے لئے ان کے اس کمال طہارت ظاہر و نزاہت باطن کی وجہ سے جو نزول وحی اور ذکر قدسی اور اعمال صالحہ اور خشیت حق کی بدولت

ان کو حاصل ہے۔ بمنزلہ ذنوب ہو جاتے ہیں جیسے کہ کہا گیا ہے حسنات الابرار سیئات المقربین۔ نیچے کی ابیات میں خود مولانا اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہیں۔

گرچہ یک مُو بُد گنہ کو جستہ بود — لیک آں مُو در دو دیدہ رُستہ بود

لغات یک مو۔ بال برابر خفیف۔ اندک۔ گنہ مخفف گناہ کا۔ جستہ جستن کودنا۔ نکلنا سے یعنی سرزد ہوا۔ ظہور میں آیا رستہ۔ رستن سے اُگنا سے۔ **صنائع** دوسرے مصرعہ میں مو کے ذکر میں صنعت مشاکلہ ہے۔

ترجمہ اگرچہ وہ گناہ جو حضرت آدمؑ سے سرزد ہوا۔ بال برابر (اور خفیف) تھا لیکن وہ بال (شعر زائد) دونو آنکھوں میں پیدا ہوا تھا۔

مطلب۔ انسان و حیوان کے سارے جسم پر کم و بیش بال ہوتے ہیں۔ تو اُن سے کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوتی لیکن اگر آنکھ میں پلکوں کے اندرونی کناروں پر بال اُگ آتے ہیں جس کو شعر زائد کا مرض کہتے ہیں۔ یا پلکوں کے بالوں کے سرے مڑ کر آنکھ کے ڈھیلے سے چھونے لگیں جسکو شعر منقلب کا مرض کہتے ہیں۔ تو نہایت تکلیف اور بےچینی عارض ہو جاتی ہے۔ وجہ یہ کہ دیگر اعضائے جسم اپنے قلت احساس سے بالوں کی خلش کو محسوس نہیں کرتے۔ آنکھ ایک نہایت نازک اور ذکی الحس عضو ہے۔ اس کے لئے ایک ادنی سے ادنی چیز کی خراش قیامت ہے۔ اس طرح انبیاء کی ذوات قدسیہ کا مقام بہت نازک ہے۔ وہاں چھوٹی سے چھوٹی لغزش بھی سخت خطرناک ہے۔ فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کا فعل گو خفیف تھا۔ مگر ان کے نازک منصب اور پرخطر مقام کے لحاظ سے وہ بھی سخت تھا۔ آگے اس کی مزید توضیح فرماتے ہیں۔

بُود آدم دیدۂ نورِ قدیم — مُوے در دیدہ بود کوہِ عظیم

لغات دیدہ آنکھ نور قدیم ذاتِ حق تعالیٰ۔ کوہِ عظیم بڑا پہاڑ۔

ترجمہ حضرت آدم ع (کا درجہ اس قدر بلند تھا کہ وہ) ذات حق کی آنکھ تھے (اور ایسی نازک) آنکھ میں ایک بال بھی (اپنی ناگوارائی کے لحاظ سے) بھاری پہاڑ ہے۔

مطلب یعنی ایک عظیم القدر شخصیت سے ادنیٰ سی لغزش کا صدور بھی شدید تر ہے۔ علامہ بحر العلومؒ شیخ اکبرؒ سے نقل کرتے ہیں۔ کہ حضرت آدم ع حق سبحانہ تعالیٰ کے لئے بمنزلہ چشم تھے جس سے اشیاء کو دیکھا جاتا ہے۔ اور جو مبصر ہے۔ پس حق تعالیٰ نے اس آنکھ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کے ذریعہ سے خلق کی طرف نظر فرمائی۔ اور اس کی تحقیق یہ ہے۔ کہ آدم علیہ السلام جامع جمیع اسمائے الٰہیہ و حقائق کونیہ ہیں۔ پس حق سبحانہ نے جب آدم علیہ السلام کی حقیقت مشاہدہ فرمائی۔ تو اس سے خلق کی حقیقت کا مشاہدہ ہو گیا۔ پھر عالم پر اپنی رحمت نازل فرمائی۔ اور ہر ایک مخلوق کا سوال جو اس نے لسان استعداد سے کیا پورا فرمایا۔ اور حق سبحانہ کا یہ مشاہدہ خلق بتوسط آدم ع اس مشاہدہ علم ازلی سے جداگانہ ہے۔ جو ازل سے تمام اعیان ثابتہ کے ساتھ کسی چیز کی وساطت کے بغیر متعلق ہے۔ مگر صاحب کلید مثنوی فرماتے ہیں۔ کہ یہاں دیدۂ نور قدیم سے اللہ تعالیٰ کی آنکھ اور عین اللہ ہونا مراد نہیں ہے۔ بلکہ یہ مراد ہے کہ آدم نور قدیم کے دیکھنے والے مثل چشم کے اور مقربین بارگاہ میں سے تھے۔ گو یہ دوسری توجیہ اسہل اور اقرب بفہم ہے۔ مگر بظاہر پہلی توجیہ میں بھی کوئی اشکال نہیں۔ دیدۂ نور قدیم کی ایک تیسری توجیہ بھی ہو سکتی ہے۔ جس کا تعلق واقعہ یوم میثاق سے ہے۔ جس میں اللہ نے تمام مخلوق کو جو آدم علیہ السلام کی نسل سے تا قیامت پیدا ہونے والی

موجود کر کے اس سے اپنی ربوبیت کا اقرار لیا۔ اور حضرت آدم ع نے سب کا مشاہدہ کیا۔ بلکہ حضرت داؤد حضرت وغیرہ کے متعلق کچھ گفتگو بھی کی (کما جاء فی الاحادیث) تو حضرت آدم کا یہ مشاہدہ محض بتائید نور قدیم تھا۔ گویا وقت وہ ایک ایسی آنکھ بن گئے۔ جس میں نور قدیم کا پرتو ان کو قیامت تک کی نسلوں کا مشاہدہ کرا رہا تھا۔ اور یہ ایسا اکرام و اعزاز ہے۔ جو اور کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ الا ما شاء اللہ۔ اوپر دو شعر اس اعتراض کا جواب ہیں آدم سے معصیت کا صدور نہیں ہوا۔ بلکہ یہ خطائے اجتہادی تھی۔ جس پر اجر ملنا چاہیئے۔ تو پھر خروج عن الجنۃ سزا کیوں ملی اور ان کو توبہ و استغفار کیوں کرنی پڑی۔ حاصل جواب یہ ہے۔ کہ ان کا قصور ایک بال کے برابر خفیف۔ لیکن آخر ایک نقص تو تھا۔ جو اسوقت آدم علیہ السلام کے اندر پیدا ہو گیا تھا۔ چونکہ وہ حق تعالیٰ کے نہایت ب و مقرب تھے حتیٰ کہ اپنی محبوبیت میں مثل چشم تھے۔ اور آنکھ ایک بال کی بھی تاب نہیں لا سکتی۔ اس حق سبحانہ کو منظور ہوا کہ ان کے اندر اتنا بھی نقص نہ رہے۔ لہذا اس کے دور کرنے کی تدبیر فرمائی۔ اور آپ کو ب کیا۔ تاکہ اتنا عیب بھی نہ رہے۔ اور اس کی تلافی ہو جانے سے آپ بالکل پاک ہو جائیں۔ اس واقعہ سے کی تخفیف شان نہیں۔ بلکہ ترقی مدارج ہوئی۔ کما قیل ؎

در فطرت کامل نکند حادثہ نقصاں یاقوت چو سائیدہ شود قوت روح ست

تک اتباع ہوا کی مضرت کا بیان تھا۔ اب اتباع ہوا سے بچنے کی تدبیر بیان فرماتے ہیں۔

گر دراں حالت بکردے مشورت در پشیمانی نگفتے معذرت

لت۔ مشورت۔ مشورہ۔ استصواب استفسار۔ معذرت عذر گناہ۔ توبہ و استغفار۔

رجمہ اگر (آدم علیہ السلام) اس حالت میں (جبکہ شیطان ان کو دھوکا دے رہا تھا۔ حق سبحانہ سے) صواب کر لیتے۔ تو (یہ نوبت ہی نہ آتی اور) ان کو ندامت سے توبہ و استغفار کرنی نہ پڑتی۔

طلب۔ یعنی اگر آپ حق سبحانہ سے استفسار کر لیتے کہ یہ شخص جو کچھ کہ رہا ہے۔ آیا ٹھیک ہے یا اس کچھ فریب ہے۔ تو ساری حقیقت کھل جاتی اور ان سے صدور لغزش اور اس پر ندامت و آہ و بکا کی نوبت نی یہاں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے۔ کہ غلطیوں سے بچنے کے لئے احکام الٰہی کی آگاہی ضروری ہے۔ اور یہ آگاہی ں خاص حق سبحانہ کی طرف سے بلا واسطہ حاصل ہو سکتی ہے۔ اور کہیں بواسطہ کسی ہادی کے۔ حضرت علیہ السلام کو یہ آگاہی بلا واسطہ حاصل ہو سکتی تھی۔ لہذا ان کو چاہیئے تھا۔ اس حالت میں حق سبحانہ سے صواب کر لیتے۔ اور جن لوگوں کے لئے یہ ممکن نہ ہو۔ جیسے کہ عوام کا حال ہے کہ ان کو کسی ہادی سے استصواب چاہیئے۔ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون آگے اس کی دلیل بیان فرماتے ہیں۔ یہ بھی واضح ہے۔ کہ "در پشیمانی نگفتے معذرت" میں نفی پشیمانی و معذرت گفتن دونوں پر وارد ہے۔ گویا تقدیر کلام یوں ہے پشیمانی نشدے و معذرت نگفتے" ورنہ اگر صرف معذرت گفتے کے ساتھ نفی مخصوص ہوتی اور در پشیمانی کی صرف ایک قید یا شرط قرار پاتی۔ جیسے کہ متبادر ہوتا ہے۔ تو مطلب یہ ہوتا۔ کہ اگر مشورہ کر لیتے۔ تو پھر معذرت بہ پشیمانی نہ ہوتی۔ یعنی یا تو معذرت بلا پشیمانی ہوتی۔ یا پشیمانی بلا معذرت ہوتی ولیس الامر کذلک۔

زانکہ با عقلے چو عقلے جفت شد مانع بد فعلی و بد گفت شد

لغات جفت رفیق۔ شریک حال۔ معاون۔ قرین۔ شامل۔ بدفعلی۔ خطا فی الفعل۔ عملی غلطی۔ لغزش جوارح بدگفت۔ خطا فی القول۔ لسانی غلطی۔ لغزش زباں۔

ترجمہ کیونکہ جب ایک عقل کے ساتھ دوسری عقل شامل ہوگئی۔ تو وہ (اس کو) قولی و فعلی غلطی سے بچالیگی

مطلب ۔مشورہ کا یہی فائدہ ہے۔ کہ جہاں ایک عقل کو کسی مشکل امر کی عقدہ کشائی پیش آجاتی ہے۔ اور اکیلی عقل کے لئے یہ مہم مشکل ہوتی ہے۔ تو اسکو دو عقلیں ملکر آسانی حل کر لیتی ہیں۔ جامی رح ؎

چو آید مشکلے پیش خردمند ۔۔۔ گراں مشکل فتد در کار او بند

کند عقل دگر با عقل خود یار ۔۔۔ کہ تا در حل آں گردد مددگار

زیک شمعش نگیرد نور خانہ ۔۔۔ فروزد شمع دیگر درمیانہ

سوال ۔ اوپر حضرت آدم ع کے حق سبحانہ سے استصواب کرنے کی ضرورت کا ذکر تھا۔ اس استصواب کا فائدہ بیان کرنے کا پیرایہ یوں اختیار کیا کہ عقلے باعقلے جفت شد۔ حق تعالیٰ کے نور علم پر عقل کا اطلاق اور اس کو جفت شد کے کلمے سے حضرت آدم کے علم کے ساتھ ایک درجے میں لا دینا کس طرح روا ہے ؟

جواب اوپر استصواب بلا واسطہ اور استصواب بالواسطہ کی تفصیل گذر چکی ہے۔ اس سے ظاہر ہوسکتا ہے۔ کہ آدم ع کے استصواب کی کیا صورت تھی۔ واضح ہو کہ یہ پیرایہ جس پر سوال کیا گیا ہے۔ حضرت آدم کے حق سبحانہ سے استصواب کرنے کے لئے نہیں ہے۔ جو بلا واسطہ تھا۔ بلکہ یہ استصواب بواسطہ کے لئے ہے۔ جو مرشد اور استاد اور کسی دوسرے رہنما یا مشیر سے ہوسکتا ہے۔ گویا مولانا رح نے حضرت آدم کے مخصوص ذکر کے بعد عام استصواب و مشاورت اور صحبت نیک کے فوائد کے ذکر کی طرف انتقال فرمایا ہے۔ اب صحبت نیک کے ذکر کے بعد صحبت بد کی مضرت کا ذکر کرتے ہیں

نفس چوں با نفس دیگر یار شد ۔۔۔ عقل جزوی عاطل و بیکار شد

لغات ۔نفس نفس امارہ مراد ہے یار رفیق۔ قرین۔ عقل جزوی عقل ناقص عاطل بیکار۔ نکما۔

ترجمہ (ایک) نفس (بد) جب دوسرے نفس (بد) کے ساتھ مل جاتا ہے۔ تو (جس شخص کی عقل ناقص (ہوتی ہے۔ اور اس میں کامل دور اندیشی کا مادہ نہیں ہوتا وہ) بیکار اور نکمی ہو جاتی ہے (اور وہ اس کو برے نتائج پر تنبیہ نہیں کرسکتی)

مطلب ۔ چونکہ خواہشات نفسانی کے غلبہ میں عقل سے کام ہی نہیں لیا جاتا۔ اور خود عقل ناقص میں اتنی قوت نہیں ہوتی کہ نفس کے معاملات میں دخل دے کر اس کے مفاسد کے تار و پود کو بکھیر کر رکھدے۔ اگر اس کمزور عقل کی کوئی دبی سی آواز مبتلائے نفس کو اپنی طرف متوجہ اور راہ صواب کی طرف مائل بھی کرتی ہے۔ تو مصاحب بد کی صحبت بد کا اثر پھر اس کو ہوائے نفسانی کے اتباع پر مائل اور عقل کی آواز کو مغلوب کردیگا۔ اکبر الہ آبادی مرحوم ؎

ل کے یاروں سے ہوا شوق گناہ ۔۔۔ آدمی کا آدمی شیطان ہے

ذیل ؎ کم نشیں با بداں کہ صحبت بد ۔۔۔ گرچہ پاکی ترا پلید کند

آفتاب ارچہ روشن ست اورا ۔۔۔ پارۂ ابر ناپدید کند

لا سحابی رح ؎ با بد منشین و باش بیگانہ او ۔۔۔ در دام افتی اگر خوری دانہ او

تیر از رہ راستی کماں راکج دید ۔۔۔ بنگر کہ چگونہ جست از خانۂ او

قیام غزلہ ؎ جانم بفدائے آنکہ از اہل بود سرور قدمش اگر کنم سہل بود
خواہی کہ بدانی بیقیں دوزخ را دوزخ بجہاں صحبت نا اہل بود

گے پھر صحبت نیک کی ترغیب فرماتے ہیں۔

گر زتنہائی تو ناہید شوی زیر ظل یار خورشید شوی

لغات ناہید سبعہ سیارہ میں سے ایک سیارہ کا نام ہے جسکو زہرہ کہتے ہیں۔ ایک شرح میں اس کا ترجمہ ستارہ مشتری ہے جو غلط ہے بعض نسخوں میں ناہید کی بجائے نومید درج ہے۔ گو اس تقدیر پر بھی ترجمہ ہو سکتا ہے۔ مگر غالباً یہ کاتبوں کے تصرفات کا نتیجہ ہے۔ ہمارے قلمی نسخہ مکتوبہ ۱۲۹۹ھ میں بھی ناہید درج ہے۔ ظل سایہ۔ یار۔ رفیق مراد سے آدمی مرد صالح مرشد استاد کامل۔

ترجمہ (۱) اگرچہ تنہائی (تمہارے نزدیک اس قدر مفید ہے کہ اس) میں تم (روحانی روشنی کے لحاظ سے زہرہ ہو سکتے ہو۔ (مگر) مرشد کے زیر سایہ تم (بمنزلہ) آفتاب بن سکتے ہو۔

ترجمہ (۲) اگر تنہائی میں تم (قلت نور باطن کی وجہ سے) نومید ہو رہے ہو تو (اطمینان رکھو کہ) مرشد کے زیر سایہ (کثرت انوار کے لحاظ سے) آفتاب بن سکتے ہو۔

مطلب۔ اوپر صحبت اخیار و رفاقت صلحا کا بالعموم ذکر تھا۔ جس میں کنایۃً صحبت مرشد کا ذکر بھی مضمر تھا۔ یہاں سے خصوص اور بالتصریح صحبت مرشد کی طرف انتقال فرماتے ہیں۔ ارشاد ہے کہ اگرچہ خود اپنے دوام اعمال و اشغال اور کثرت ذکر و فکر کی بدولت بھی استفادہ نور باطن ہو سکتا ہے۔ مگر وہ بدرجہ کمال نہیں ہوتا۔ اس کے لئے پیر کامل کی بیعت اور اس کا فیض صحبت ضروری ہے۔ صائب رحمہ ؎

ہر گلے راشمنے ہر صدفے را گہرے ست از دم پیر مغاں بخت جواں یافتست

رو بجو یار خدائی را تو زود چوں چناں کردی خدا یار تو بود

لغات یار خدائی ولی اللہ۔ اللہ کا پیارا۔ وہ یار جس کی صحبت مطلوب الحق ہو۔ پہلی صورت میں یار کے معنی دوست کے اور دوسری صورت میں رفیق و قرین کے ملحوظ ہیں۔ صنائع رد العجز علی الصدر۔

ترجمہ جاؤ جلدی کسی ولی اللہ کی تلاش کرو۔ (اور اس کی صحبت میں رہو) جب تم ایسا کرو گے خدا تمہارا ناصر (و معین) ہو گا۔

مطلب چونکہ دوست کا دوست بھی دوست بنجاتا ہے۔ اس لئے جب تم کسی ایسے عارف کامل کو اپنا دوست بنالوگے۔ جو اللہ کا دوست ہو تو تم بھی اللہ کے دوست بنجاؤ گے۔ صائب رحمہ ؎

کسل زاہل شوق کہ واصل شود بہ بحر خاروخسے کہ ہمرہ سیلاب مے شود

آنکہ در خلوت نظر بر دوخت ست آخر آنرا ہم زیار آموخت ست

لغات نظر بر دوختن کسی بات کو نصب العین بنا لینا۔ مطمح نظر بنا لینا۔ مد نظر رکھنا۔

ترجمہ جو شخص خلوت نشینی کو مد نظر رکھتا ہے۔ (اور اس کو صحبت پر ترجیح دیتا ہے) آخر اس

نے بھی تو اس کی خوبی (کسی) یار (محقق عارف) ہی سے معلوم کی ہے۔ (جس کی صحبت سے وہ کچھ نہ کچھ دیر تک مستفیض ہوا ہوگا۔ پھر صحبت مفید ہوئی یا نہیں)۔

مطلب۔ خلوت اگر مفید و نافع ہے۔ تو پھر مفید چیز کا علم آخر صحبت کے فیضان پر ہی موقوف ہے۔ اگر صحبت مطلقاً نامحمود ہوتی تو کوئی خلوت کے فوائد کو کیونکر سمجھتا اور حاصل کرتا۔ پس نہ ہر خلوت قابل اختیار ہے۔ اور نہ ہر صحبت لائق ترک ہے۔ مفتاح العلوم کے دوسرے حصے میں شیر و خرگوش کے قصے کے اختتام کے قریب عزلت و اختلاط کی بحث شرح و بسط کے ساتھ حوالۂ قلم ہو چکی ہے۔ جہاں بتایا گیا ہے۔ کہ سلف صالحین میں سے کون کون بزرگ عزلت کو ترجیح دیتے ہیں؟ اور کون اختلاط کو؟ اور پھر قول فیصل کیا ہے؟ آگے مولانا ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ صحبت و خلوت یا اختلاط و عزلت کے کون کون سے مناسب مواقع ہیں۔

خلوت از اغیار باید نے زیار — پوستیں بہر دے آمد نے بہار

لغات۔ اغیار جمع غیر۔ اجنبی و ناآشنا۔ یا بیگانے لوگ۔ پوستیں چمڑے کا لباس۔ لومڑی وغیرہ کسی نرم پشم والے جانور کا چمڑا پشم سمیت رنگ لیتے ہیں۔ اور قطع کر کے کوٹ یا صدری سی لیتے ہیں۔ جس میں پشم بطور استر اندر کی طرف رہتی ہے۔ دَے۔ سردی۔ موسم سرما۔ ایک مہینے کا بھی نام ہے۔ جو ہندی ماہ ماگھ کے مطابق آتا ہے۔ اور اس وقت سردی اپنے عروج کمال پر ہوتی ہے۔ بہار فصل ربیع جبکہ خزاں رخصت اور گرمی کا آغاز ہوتا ہے۔ اور یہ ایام ہندی مہینوں کے لحاظ سے ماہ پھاگن، چیت اور بیساکھ میں آتے ہیں۔ **صنائع** اغیار و یار اور دے و بہار میں صنعت تضاد مرعی ہے۔

ترجمہ تنہائی (اگر چاہیئے۔ تو) غیروں سے چاہیئے۔ نہ کہ یار سے۔ پوستین موسم سرما کے لئے ہوتی ہے۔ نہ کہ ایام بہار کے لئے۔

مطلب۔ ہر چیز کے لئے مناسب محل و مقام ہوتا ہے۔ مناسب مقام میں وہ اچھی ہے۔ اور بے محل بُری صحبت و عزلت بھی اسیطرح اپنے اپنے محل پر مستحسن ہیں۔ اور بے محل غیر مستحسن ہیں چنانچہ عزلت کا مناسب موقع یہ ہے کہ اغیار و ناجنس لوگوں سے ہونی چاہیئے۔ حافظ رح ؎

نخست موعظت پیر میکدہ ایں بود — کہ از معاشر ناجنس احتراز کنید

صائب ؎ نفس در صحبت بے نسبت از تن بر نمے آید — حضور زاغ باشد سرمۂ آواز بلبل را

وقیل ؎ ہر کہ گردد ہمرہ ناجنس زحمت میکشد — غوطہ در خوں مے دہد پیوستہ پیکان تیر را

و لہ ؎ با مخالف مشرباں یکجا نشستن خوب نیست — ایں غلط مجموعہ را شیرازہ بستن خوب نیست

و ہکذا ؎ اختلاط ناموافق سد راہ سالک ست — فلفل از پرواز مانع مے شود کافور را

مگر یار یعنی مرشد کامل سے عزلت و کنارہ گیری زیبا نہیں۔ حافظ رح ؎

دولت از مرغ ہمایوں طلب و سایۂ او — زانکہ با زاغ و زغن شہپر دولت نبود

و لہ ؎ سر شک گوشہ گیراں را چو دریابند دُر یابند — رخ از مہر سحر خیزاں نگردانند اگر دانند

صائب ؎ صحبت نیکاں بود اکسیر ناقص طینتاں — میشود یاقوت در پیمانۂ گل ژالہ ہا

نظامی رح ؎ خاک کہ ہم صحبتی گل کند — غالیہ در دامن سنبل کند

عزلت و اختلاط کے مناسب مواقع

سعدی رحمہ — سگِ اصحابِ کہف روزے چند / پئے نیکاں گرفت و مردم شد

غرض یہاں مولانا خلوت و عزلت اور اختلاط و صحبت کے درمیان فیصلہ فرما رہے ہیں۔ کہ ان میں سے کون کس حیثیت سے بہتر ہے۔ جو احادیث کے مضمون کے عین مطابق ہے۔ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْجَلِیْسِ الصَّالِحِ وَالسَّوْءِ کَحَامِلِ الْمِسْكِ وَنَافِخِ الْکِیْرِ فَحَامِلُ الْمِسْكِ اِمَّا اَنْ یُّحْذِیَكَ وَاِمَّا اَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ وَاِمَّا اَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِیْحًا طَیِّبَةً وَّنَافِخُ الْکِیْرِ اِمَّا اَنْ یُّحْرِقَ ثِیَابَكَ وَاِمَّا اَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِیْحًا خَبِیْثَةً۔ یعنی ابو موسیٰ رض سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نیک مصاحب اور برے مصاحب کی مثال کستوری اپنے پاس رکھنے والے اور لوہاروں کی مشک پھونکنے والے کی سی ہے۔ کستوری والا تو تم کو (کسی قدر کستوری مفت) دیگا یا تم اس سے خرید لوگے۔ یا (اور نہیں تو) اس سے تم خوشبو ہی سونگھ لوگے۔ اور مشک پھونکنے والا تو تمہارے کپڑے جلا دیگا۔ اور یا تم اس سے بدبو برداشت کروگے۔ (مشکوٰۃ) عَنْ عِمْرَانَ ابْنِ حَطَّانٍ قَالَ اَتَیْتُ اَبَا ذَرٍّ فَوَجَدْتُّهٗ فِی الْمَسْجِدِ مُحْتَبِیًا بِکِسَاءٍ اَسْوَدَ وَحْدَهٗ فَقُلْتُ یَا اَبَا ذَرٍّ مَا هٰذِهِ الْوَحْدَةُ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَلْوَحْدَةُ خَیْرٌ مِّنْ جَلِیْسِ السَّوْءِ وَالْجَلِیْسُ الصَّالِحُ خَیْرٌ مِّنَ الْوَحْدَةِ وَاِمْلَاءُ الْخَیْرِ خَیْرٌ مِّنَ السُّکُوْتِ وَالسُّکُوْتُ خَیْرٌ مِّنْ اِمْلَاءِ الشَّرِّ۔ عمران بن حطان رض سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ میں ابوذر رض کے پاس آیا۔ تو ان کو مسجد کے اندر اس حالت میں پایا کہ اپنی پشت اور زانوؤں کے گرد ایک سیاہ چادر لپیٹے اکیلے بیٹھے تھے۔ میں نے کہا اے ابوذر! یہ تنہائی کیسی؟ کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے۔ کہ برے مصاحب (کی صحبت) سے تنہائی بہتر ہے اور تنہائی سے نیک مصاحب (کی صحبت) بہتر ہے۔ نیکی (کی باتیں کسی سے) کہنا خاموشی سے بہتر ہے اور خاموشی (کسی سے) برائی کی باتیں) کہنے سے اچھی ہے (مشکوٰۃ)

عقل با عقلِ دگر دوتا شود — نور افزوں گشت رہ پیدا شود

لغات دوتا۔ دوگنی۔ دہری۔ مضاعف۔ افزوں زیادہ۔ مزید۔ پیدا نمایاں۔ ظاہر۔ **ترکیب** پہلا مصرعہ شرط ہے۔ دوسرا جزا۔ حرفِ شرط مقدر ہے۔

ترجمہ (اچھی صحبت کا یہ فائدہ ہے کہ اگر) ایک عقل دوسری عقل کے ساتھ (ملکر) دوگنی بنجاتی ہے۔ (تو پھر اس کی) روشنی بڑھ جاتی ہے (اور یہ رشد و ہدایت کا) راستہ صاف نمایاں ہوجاتا ہے (جس سے گمراہ ہونے کا اندیشہ نہیں رہتا۔)

مطلب صحبت نیک کا یہ فائدہ ہے۔ کہ ایک شخص جس کی عقل ادراکِ حقائق کے لئے نورانی ہے۔ جب اس کی عقل دوسری عقل کے ساتھ قرین ہوکر نور علیٰ نور ہوجائیگی۔ تو اس کے گمراہ ہونے کا اندیشہ نہیں رہتا کیونکہ اگر اس کو اپنی اکیلی عقل سے کام لینے میں وقوع فی الخطا کا احتمال تھا جیسے کہ عقل کے نقائص پر سب کا اتفاق ہے۔ صائب رحمہ

پرِ جبریل اینجا گرہ شکست دارد — بدلیلِ عقلِ ناقص کجا رسیدہ باشد

تو دو عقلوں کے مل کر کام کرنے سے یہ احتمال بہت کم ہو جاتا ہے۔ نظامی رحمۃ اللہ علیہ

نہ دل با خدا و نہ فرہنگ رائے　　　بفرہنگ باشد ترا رہنما

نکتہ - یہاں دو عقلوں کا ذکر فرمایا ہے۔ پہلی عقل مرید یا مستفید کی ہے۔ جس کی کچھ نہ کچھ اپنی روشنی اور ادراک حقائق کی صلاحیت کا اشارہ یہاں کیا گیا ہے۔ دوسری عقل سے مرشد کی عقل مراد ہے۔ جس کے قرب سے پہلی عقل کی روشنی بڑھ جاتی ہے۔ اور وہ وقوع فی الخطا سے مامون ہو جاتی ہے۔ راہ پیدا شود سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ پہلی عقل خود اس راہ پر چلنے کے لئے آمادہ تھی۔ مگر اس راہ کے صحیح طور پر معلوم کرنے کے لئے مزید روشنی کی ضرورت تھی جو دوسری عقل نے پوری کر دی اور راستہ اس پر نمایاں ہو گیا۔ اور اس سے ظاہر ہے کہ راہِ صواب کا دیکھنا اور صراط مستقیم پر چلنا اولاً اور بالذات خود مرید کی عقل کا کام ہے۔ مرشد کی عقل اس مقصد میں صرف اس کی معین ہوگی۔ جس سے ان لوگوں کے خیال کا ابطال ہو گیا۔ جو محض مرشد کی توجہ کو کافی سمجھتے ہیں اور خود کچھ کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔ صائب رحمۃ اللہ علیہ

اگر صد بار برخیزد ہماں بر خاک بنشیند　　　بہ بال دیگراں ہر کس بود چوں تیر پرواز ش

نفس با نفسِ دگر خنداں شود　　　ظلمت افزوں گشت و رہ پنہاں شود

لغات خنداں اسم حالیہ خندیدن سے مسرور خوش۔ ظلمت تاریکی۔ اندھیرا۔ پنہاں گم۔ مخفی۔ معدوم۔

ترجمہ (ایک) نفس (بد) دوسرے نفس (بد) کے ساتھ (ملتا ہے تو اپنے مقاصد سیئہ میں ایک معاون کے مل جانے سے خوش ہوتا اور ہنستا ہے۔ (پھر گمراہی کی) تاریکی بڑھ جاتی ہے۔ اور راہ (ہدایت) گم ہو جاتا ہے۔

مطلب - یہاں پھر صحبت بد کی مضرت کے ذکر کا اعادہ ہے۔ جو پہلے "نفس چوں با نفس دیگر یار شد" میں گذر چکا ہے۔ یعنی ایک شریر النفس جب دوسرے شریر النفس آدمی کے ساتھ الفت و رفاقت پیدا کر لیتا ہے۔ تو اسباب شر کے قوی و مضاعف ہو جانے سے ان کے ہدایت پانے کے امکانات موہوم ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی گمراہی ظلمات بعضہا فوق بعض کی مصداق ہو جاتی ہے۔ اوپر صحبت نیک کی ضرورت ثابت فرما چکے ہیں۔ اب اس کے آداب کے متعلق ارشاد ہے۔

یار چشم تست اے مردِ شکار　　　از خس و خاشاک اُو را پاک دار

لغات یار سے بمثل سابق مرشد مراد ہے۔ مرد شکار شکاری۔ صیاد۔ جس کو نسبتاً زیادہ نظر باز تیز نگاہ اور دور بیں ہونے کی ضرورت ہے۔

ترجمہ - مرشد (گویا) تیری آنکھ ہے۔ اے شکاری! اس آنکھ کو (اسباب کدورت خاطر کے) خس و خاشاک سے محفوظ رکھ۔

مطلب - مرشد راہبر کی ضرورت تو اوپر ثابت ہو چکی ہے۔ اب فرماتے ہیں۔ کہ اس سے حاصل کرنے کے لئے لازم ہے۔ کہ مرید سے کوئی ایسا امر سرزد نہ ہو۔ جو مرشد کے تکدرِ خاطر و انقباض طبع کا موجب ہو۔ یعنی اس کا کمال ادب بجا لانا اپنا فرض سمجھے۔ کیونکہ فیضان کا مدار ہے پیر کی شفقت تام پر اور پیر کی شفقت منحصر ہے دونوں کے تالف پر۔ اور یہ تالف پیر کی کدورت کی صورت میں ممکن نہیں۔ مرید کے ادنے سے ادنے سوء ادب سے اس کے قلب میں کدورت

آجاتی ہے ۔ صائب ؔ ہے ؎

با صاف ضمیراں بادب باش کہ اینجا ۔ از آہ ہے گہرآئینہ زنگار گرفت ست

یہ بات مسلّم ہے ۔ کہ پیر کا دل مرید کی طرف سے مکدر و منقبض ہو ۔ تو مرید اس سے فیضیاب نہیں ہو سکتا ۔ اس کے متعلق کلید مثنوی میں ایک واقعہ منقول ہے ۔ کہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی علیہ الرحمۃ کے پیر حضرت میانجی نور محمد قدس سرہٗ کی شان میں ایک شخص بہت گستاخی کیا کرتا تھا ۔ اور وہ اُن سے سخت بدگمان تھا ۔ مدت کے بعد اس کو ہدایت ہوگئی اور تائب ہو کر ازراہِ اعتقاد حاضر خدمت ہوا ۔ اور بعد خجالت سرافگندہ ہو کر بعیت کی التجا کی ۔ انہوں نے بعیت کر لیا ۔ مگر کچھ دنوں بعد فرمایا ۔ بھائی طریقت کا مدار ہے امانت پر ۔ میں اس میں خیانت کرنا نہیں چاہتا ۔ اس لئے صاف کہدیتا ہوں ۔ کہ تمہیں مجھ سے فیض نہ ہوگا ۔ تم کوئی اور مرشد تلاش کر لو ۔ میں ہرچند تمہاری طرف توجہ کرتا ہوں ۔ مگر تمہاری باتیں یاد آکر توجہ تام سے مانع ہوتی ہیں ۔ مولانا جامی نے خوب فرمایا ہے ۔ کہ ایک مرتبہ اہلِ صفا کی دل آزاری کر کے پھر ان کو منانا نہایت مشکل ہے ؎

سنگ آزار مزن بر دلِ اربابِ صفا ۔ کاندر آساں شکن ایں شیشہ و مشکل پیوند

مولانا یہاں فرماتے ہیں کہ مرشد راہ طریقت دکھانے کے لئے تمہارے لئے بمنزلہ چشم ہے ۔ اگر اس آنکھ سے کام لینا اور صراط مستقیم کی طرف ہدایت پانا مطلوب ہے ۔ تو اس آنکھ کو کدورت خاطر کے خس و خاشاک سے بچاؤ ۔ خصوصاً جبکہ تم کو فضائل و کمالات کے شکار کی طلب ہے ۔ تو اس آنکھ سے کام لینے اور اس کو خس و خاشاک سے بچانے کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے ۔ کیونکہ اگر شکاری کی آنکھ میں تنکا پڑ جائے ۔ تو وہ شکار کو کیا خاک دیکھے گا ۔ اور اس کی طرف تیر یا بندوق کی شست کیونکر باندھ سکیگا ۔ جس طرح آنکھ میں تنکا پڑ جانے کی صورت میں نگاہ پوری طرح کام نہیں کر سکتی ۔ اسی طرح مرشد کا دل مکدر ہونے کی صورت میں اس سے فیض ہدایت حاصل نہیں ہو سکتا ۔

سوال اوپر کی حکایت میں جو ایک عارف کامل کے متعلق یہ ذکر کیا ہے ۔ کہ ایک شخص اپنی گستاخیوں سے تائب و نادم بھی ہوا ۔ مگر باوجود اس کے ان کا دل صاف نہ ہوا ۔ کیا اس کو کینہ نہیں کہہ سکتے ؟ جو ایک بدترین اخلاقی عیب ہے ۔ جس کی مذمت بہت سی آیات و احادیث میں آئی ہے ۔ اور اولیائے کرام کا دامن اس کی آلودگی سے پاک ہوتا ہے ۔

جواب کینہ اور کدورت دو الگ چیزیں ہیں ۔ کینہ وہ رذیلت ہے ۔ جو نفاق اور بغض و عداوت پر مشتمل ہے ۔ اہل اللہ تو خیر بڑے لوگ ہیں ۔ عام شرفا اور با اخلاق اشخاص کا دامن بھی اس رذیلت کے دھبّہ کا متحمل نہیں ہوتا ۔ کینہ ور ہمیشہ چاہتا ہے کہ اپنے مخالف سے انتقام لے اور اس کو گزند پہنچائے ۔ وہ اس سے کبھی عفو و درگزر نہیں کرتا ۔ مگر کدورت خاطر میں یہ باتیں نہیں ۔ اس میں انتقام اور بدلہ کا تو خیال تک آنا بھی لازم نہیں ۔ بلکہ یہاں زبانی اظہار رنج کی بھی ضرورت نہیں ہوتی ۔ صلح بھی ہو چکتی ہے ۔ عفو و درگذر بھی ہو چکتی ہے ۔ مگر بتقاضائے بشریت دل میں ایک کدورت سی رہ جاتی ہے ۔ جس کا ازالہ اپنے اختیار کی بات نہیں ۔ کینہ اگر ایک پھوڑا ہے جو پکتا پھوٹتا اور اپنا مواد بہاتا رہتا ہے ۔ تو کدورت صرف ایک داغ ہے ۔ جس میں نہ کوئی جوش التہاب ہے ۔ نہ ریزش مواد ۔ ہاں صفائی بشرہ کا مانع ضرور ہے ۔ اولیائے کرام تو درکنار انبیاء علیہم السلام بھی اس تقاضائے بشریت سے مستثنیٰ نہیں ۔ چنانچہ وحشی نے بحالت کفر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا ۔ جس کے بعد وہ فتح مکہ کے بعد گردن ندامت جھکا کر خدمت اقدس میں حاضر ہوا ۔ تو علانیہ اس کو معاف کیا گیا ۔ وہ داخل اسلام ہوا ۔ صحابہ میں اس کا شمار ہوا ۔ اور ببرکت فیض صحبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس درجہ کو پہنچا ۔ جس تک اغواث و اقطاب بھی نہیں

پہنچ سکتے۔ وہ صدر اسلام کے ان مجاہدین میں شامل ہوا جن کے کارناموں پر تاریخ اسلام کے مفاخر کی بنیاد قائم ہے اس کی تلوار سے مسیلمہ کذاب مدعی نبوت واصل جہنم ہوا۔ مگر باایں ہمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اس کی صورت دیکھتے تو یہی فرماتے۔ هَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تُغَيِّبَ عَنِّي۔ یعنی کیا تم ایسا کرسکتے ہو کہ میرے سامنے نہ آؤ۔ کیونکہ جب آپ اس کی صورت دیکھتے۔ تو حضرت حمزہ کا واقعہ یاد آکر غم تازہ ہو جاتا اور اس سے طبعًا ملال وانقباض پیدا ہو جاتا۔ ؎

رہیں جوں شیشۂ ساعت مکدّر دونوں
مل بھی بیٹھیں کہیں دو دل جو کدورت والے

ہیں بجاروب زباں گردے مکن
چشم را از خس رہ آورد مکن

لغات جاروب جھاڑو۔ گردے مکن گرد نہ اڑا رہ آورد تحفہ سوغات

ترجمہ دیکھو! زبان کی جھاڑو سے گرد نہ اڑاؤ۔ آنکھ کو خس وخاشاک کا تحفہ نہ دو۔

مطلب اسی سابقہ مضمون کا اعادہ ہے۔ تکدر کے اسباب میں زبان کے فعل کی تخصیص اس لئے کی ہے۔ کہ وہ سب جوارح سے زیادہ فتنہ انگیز ہوتی ہے۔ جیسے ایک حدیث میں مذکور ہو چکی ہے۔ کہ حضرت معاذ رضہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ میرے لئے آپ کے نزدیک کونسی چیز زیادہ خطرناک ہے۔ تو آپ نے اپنی زبان مبارک پکڑ کر فرمایا یہ۔ غنی رح ؎

من نہ از زخم زبانِ دگراں دل ریشم
در فغاں چوں قلم از زخم زبانِ خویشم

جیسے کسی نے کہا ہے کہ نیزے کا گھاؤ بھر جائے زبان کا گھاؤ کبھی نہ بھرے۔

جراحات السنان لها التیام
ولا یلتام ما جرح اللسان

چونکہ مومن آینہ مومن بود
روئے او ز آلودگی ایمن بود

لغات بود صیغہ مضارع بودن سے پہلے مصرعہ میں بمعنی خبر ہے دوسرے مصرعہ بمعنی امر یعنی باید بود۔ ایمن امالہ امن کا بمعنی بے خوف۔ مامون ومحفوظ

ترجمہ جب مومن (کی ذات) دوسرے مومن کیلئے (بمنزلہ) آئینہ ہے تو اس (دوسرے مومن) کا چہرہ آلودگی (اور تکدر) سے پاک ہونا چاہیے۔

مطلب یہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ کہ المؤمن مرآۃ المؤمن یعنی مومن مومن کے لئے آئینہ ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جس طرح آئینہ اپنے دیکھنے والے کو اس کے منہ کا داغ دھبہ وغیرہ تمام ظاہری عیوب بے کم وکم دکھا دیتا ہے۔ جس سے وہ اس کی اصلاح کرسکتا ہے۔ مگر جب وہ آئینہ رکھ دیا جاتا ہے۔ تو خاموش ہو جاتا ہے اور کسی دوسرے کے پاس اس کی عیب گوئی اور فضیحت ورسوائی نہیں کرتا۔ اسی طرح مومن کی شان ہے کہ دوسرے مومن کو از راہ خیر اندیشی اس کے اخلاقی نقائص اور دینی معائب بلا کم وکاست بتا دے۔ تاکہ وہ ان کا ازالہ کرسکے۔ اور یہ سب سے اچھی خیر خواہی ہے۔ ولنعم ما قیل ؎ حدیث المؤمن مرآۃ المؤمن کا مطلب

دوست آنست کو معایب دوست
ہمچو آئینہ روبرو گوید
نہ کہ چوں شانہ با ہزار زباں
پس رو رفتہ مو بمو گوید

مگر مولانا نے یہاں اس مضمون سے یہ مطلب ماخوذ کیا ہے۔ کہ جس طرح ایک شخص کے چہرے کا داغ یا سیاہی اپنا عکس آئینے میں ڈال کر اس کو داغدار اور سیاہ کر دیتا ہے۔ اسی طرح مرید کا کوئی اخلاقی نقص یا زبان کا بے محل استعمال جو گویا اس کے چہرہ خصائل کا دھبہ ہے مرشد کے دل کو سیاہ نہ کردے۔ قال بعضہم ؎

سینہ صافاں را تسخر میکنی ہشیار باش خندہ بر آئینہ کردن زشتخند خود بود

س اگر اس بیت کا مضمون اسی مذکورہ حدیث سے ماخوذ ہے۔ اور مولانا نے اس حدیث کے اصلی مطلب کو چھوڑ کر اس سے کوئی دوسرا مطلب نکال لیا۔ جو شارع علیہ السلام کا مقصود نہ تھا۔ تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟ اور کیا یہ تفسیر بالرائے نہیں ہے؟

ج صوفیہ کرام کی یہ علم عادت ہے۔ کہ وہ آیات و احادیث کی ظاہری معنی کے علاوہ کوئی اور معنی بطور اعتبار و تاویل اخذ کر لیا کرتے ہیں۔ جو تفسیر نہیں ہوتی کہ اس کو تفسیر بالرای کہا جا سکے۔ تفسیر بالرائے ایک مستنکر و مکروہ امر ہے۔ بلکہ وہ صرف لطائف و نکات ہوتے ہیں۔ جو اپنے قائل کے نزدیک معنی ظاہری کے مسلم و معتبر ہونے کے باوجود تنبا درالی الذہن ہوکر زبان و قلم سے مترشح ہو جاتے ہیں۔ اور ان سے ظاہری معنی کا معارضہ یا تردید مقصود نہیں ہوتی۔ بخلاف تفسیر بالرائے کے کہ وہ مسلمہ و مقبول معنی کے مقابل ہیں اور اس سے معارض ہوتی ہے۔ جیسے کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ کہ جس گھر میں کتا موجود ہو۔ وہاں فرشتہ داخل نہیں ہوتا۔ اس کے متعلق صوفیہ کہتے ہیں کہ کلب سے اشارہ ہے صفات سبعیہ و بہیمیہ کی طرف اور ملائکہ سے انوار و برکات الہیہ کی طرف یعنی جس شخص میں سبعی و بہیمی اوصاف ہوں۔ اس پر انوار الہیہ پر توافگن نہیں ہوتے۔ تو یہ معنی اس حدیث کی تفسیر نہیں کہلا سکتے۔ بلکہ محض ایک تنظیر و تمثیل ہے۔ جس کو علم اعتبار کہتے ہیں۔ مفتاح العلوم کے پہلے حصے اور وزیر یہود کے قصے میں یہ بحث پوری شرح و بسط سے درج ہو چکی ہے۔

یار آئینہ ست جاں را در حزن بر رخ آئینہ ایجاں دم مزن

لغات حزن غم۔ اندوہ۔ وہ حالت انقباض مراد ہے۔ جو بعد عن الحق کی وجہ سے عارض ہو۔ جان عزیز مراد ہے۔ جسکو بوجہ قرب یا محبت جان کے برابر کہہ دیتے ہیں۔ دم پھونک۔ سانس۔ سخن۔ لاف وغیرہ دم زدن۔ پھونک مارنا۔ دعوی میں ہمسری کرنا۔ لاف زنی کرنا۔

ترجمہ (بعد عن الحق سے جو) غم (طاری ہوتا ہے اس) میں (وہ مرشد (تیری) جان کے لئے آئینہ ہے۔ (جس سے وہ اپنے ان معائب کو مشاہدہ کر کے ان کی اصلاح کر سکتی ہے۔ جو حق سے دور ہونے کے باعث ہیں پس) اے عزیز (اس) آئینہ کی سطح پر پھونک نہ مار (جس سے وہ مکدر ہو جائے)۔

مطلب اگر اس آئینے کے سامنے پھونک مارو گے۔ تو وہ مکدر ہو جائیگا۔ اور پھر تمہارے چہرے کو تمہیں نہ دکھا سکیگا۔ جو چہرہ کی اصلاح کا ایک ذریعہ تھا۔ یعنی اگر تم مرشد کے ساتھ دعوی ہمسری کر کے اس کو ناراض کرو گے۔ تو اس سے فیضیاب نہ ہو گے۔ بلکہ نقصان اٹھاؤ گے۔ صائب رحمہ

باصاحب دل مجادلہ باخویش دشمنی ست ہر کس کشد بر آئینہ خنجر بخود کشد

تا بپوشد روئے خود را از دمت دم فرو بردن بباید ہر دمت

لغات پہلے مصرعہ میں دم کے معنی سانس کے ہیں اور دوسرے مصرعہ میں لمحہ و لحظہ کے بعض نسخوں میں دوسرے مصرعہ کے اخیر میں بھی از دمت لکھا ہے۔ جس کے معنی وہی سانس کے ہوتے ہیں۔ مگر یہ نسخہ قافیہ کے قائم نہ رہنے کے سبب سے تصرفات ناقلین کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ دم فرو بردن۔ دم بخود رہنا۔ خاموش رہنا۔ سکوت اختیار کرنا۔

صوفیہ آیات و احادیث کا دوسرا مطلب بطور اعتبار بیان کرتے ہیں تفسیر بالرائے نہیں ہوسکتا

صنائع پہلے دم بمعنی دمیدن اور دوسرے دم بمعنی سخن - اور تیسرے دم بمعنی وقت میں صنعت تجنیس تام ملحوظ ہے

ترجمہ (اس آئینے یعنی مرشد کے آگے دم نہ مار) تاکہ تیرے سانس (کی وجہ) سے وہ اپنے چہرہ کو مستور نہ کرلے (بس) تجھ کو ہردم خاموش رہنا چاہیئے -

مطلب آئینے کو منہ کے قریب لاکر پھونک ماریں یا خفیف سا سانس لیں - تو سانس کی رطوبت آئینے کی سطح پر چھاکر تھوڑی دیر کے لئے اس کو بے نور کردیتی ہے - مراد یہ ہے کہ جس طرح آئینہ تمہارے سانس کی رطوبت سے گدلا اور ناقابل انعکاس ہوجاتا ہے - اسی طرح مرشد تمہارے گستاخانہ کلام سے ناراض ہوجائیگا - اور تم اس کے فیض سے محروم رہ جاؤ گے - لہذا تم کو ہر وقت از راہ ادب و رعایت رتبہ دم بخود و ساکت رہنا چاہیئے - صائب رحمہ ۔

پردہ دار حرف دعوے کن لب خاموش را از دبستان برمیاور طفل بازی گوش را

یہ بھی خیال رہے کہ یہاں سکوت سے یاوہ گوئی اور فضول بکواس سے سکوت اختیار کرنا مراد ہے - ورنہ مطلق سکوت اور ہر وقت اپنے منہ پر مہر خاموشی لگائے رکھنا مراد نہیں - جیسے کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں - کہ مرشد کے سامنے بالکل گونگا بن جانا ہی شرط ادب ہے - کیونکہ خدا کی عطا کردہ طاقت گویائی کو بالکل معطل کرنا - ایک عطیہ خدائی کو اس کے محل پر بھی استعمال نہ کرنا مرشد کے بلانے پر بھی نہ بولنا جس سے دقت اور تکلیف پیش آئے - ادب نہیں - بلکہ بے ادبی ہے - برموقع بولنا بھی داخل ادب بلکہ ذریعہ حصول کمال ہے - کما قیل ۔

گفتار بوقت خویش زرے گردد زو ہر بد و نیک بہرہ ورے گردد

باران بہار زاغتدال موسم در برگل و در بحر گہرے گردد

صائب ۔ از سخن آخر بدولت میرسند اہل سخن مور در دست سلیمان جائے خود وا میکند

ولہ ۔ گوہر شہوار مرداں لب بجا وا کردن ست ایں نصیحت را بخاطر از صدف داریم ما

غرض جس طرح بے موقع بولنا عیب ہے - بموقع چپ رہنا بھی اخلاقی نقص ہے - کما قیل ۔

دو چیز طیرہ عقل است دم فروبستن بوقت گفتن و گفتن بوقت خاموشی

کم ز خاکی؟ چونکہ خاکے یار یافت از بہارے صد ہزار انوار یافت

لغات خاکی میں یائے خطاب بطور رابط جملہ ہے - اور خاکے میں یائے تحقیر ہے - اور بہارے میں یائے تقلیل - انوار جمع نور کی شگوفہ -

ترجمہ کیا تم مٹی سے بھی گئے گذرے ہوگئے؟ (دیکھو) جب مٹی (کی سی حقیر چیز) کو (اپنے) دوست (موسم بہار) کی معیت حاصل ہوگئی - تو (چند روزہ) بہار (ہی کی صحبت) سے لاکھوں شگوفے حاصل کرلئے -

مطلب اس میں بھی صحبت صلحاء کی تاکید مضمر ہے - یعنی خاک بھی صحبت بہار سے مالامال ہوجاتی ہے - تم مرشد کی معیت سے کیوں متمتع نہیں ہوتے؟ ۔

حافظا مقیم در گہ او باش و عیش کن کاندر بہشت بہتر ازیں نیست ہیچ جائے

آں درختے کو شود با یار جفت از ہوائے خوش ز سر تا پا شگفت

مرشد کے حضور میں کلام کرنے کی حد اعتدال

لغات - جفت - رفیق - قرین - ساتھی از ہوا میں از بیانیہ ہے۔ سر چوٹی پا جڑ شگفت کھل گیا۔ شگفتن سے اور یہ کنایہ ہے سبز ہونے سے کیونکہ اگر شگفتن سے پھول کھلنا مراد ہو۔ تو یہ جڑ پر صادق نہیں آسکتا۔ جس میں پھل پھول نہیں لگتے۔

ترجمہ جو درخت اپنے دوست (یعنی) خوشگوار ہوا کے ساتھ مل گیا۔ وہ چوٹی سے لیکر جڑ تک سرسبز (وشاداب) ہوگیا۔

نکتہ - مندرجہ بالا ترجمہ اس بنا پر ہے۔ کہ حرف "از" بیانیہ ہو۔ اور یار سے مراد ہوائے خوش ہو۔ لیکن اگر یار سے مراد کوئی دوسرا درخت ہو۔ اور از سببیہ قرار دیا جائے تو ایک اور طرح بھی ترجمہ ہوسکتا ہے۔ اگرچہ آئندہ شعر کے لحاظ سے پہلا ترجمہ ہی زیادہ موزون ہے۔ وہ دوسرا ترجمہ یوں ہے۔

جو (مادہ) درخت (اپنے) دوست (نر درخت) کے ساتھ ملگیا۔ وہ ہوائے خوش کی مدد سے ہرا بھرا ہوگیا۔۔

درختوں پودوں اور بوٹیوں میں نر و مادہ کا وجود اور ان کے تواصل و اقتران سے ظہور نسل کا امکان قابل انکار نہیں۔ کھجور کے متعلق تو قدیم سے یہ بات مسلمہ ہے کہ اس کے نر اور مادہ درخت الگ الگ ہوتے ہیں۔ اور اہل عرب میں دستور تھا۔ کہ وہ نر درخت کے شگوفوں کا مادہ میں پیوند لگا دیتے تو زیادہ پھل آتا۔ ورنہ کم اور احادیث میں مروی ہے۔ کہ اہل مدینہ بھی ایسا کرتے تھے۔ مگر ایک سال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم پر وہ اس سے باز رہے۔ تو اس سال کھجوروں کی پیداوار کم آئی۔ جس پر آپ نے بطور اجازت فرمایا۔ انتم اعلم بامور دنیاکم تم کو اپنے دینوی معاملات کا زیادہ تجربہ ہے۔ یعنی جس طرح تم قدیم سے نر و مادہ کے پیوند کا عمل کرتے آئے ہو۔ اب بھی کرسکتے ہو۔ مگر جدید فلسفہ و سائنس کی تحقیقات سے روز بروز یہ بات منکشف ہوتی جاتی ہے کہ نہ صرف کھجور بلکہ نباتات کی تمام انواع میں نر و مادہ کے تواصل و توالد کا سلسلہ جاری ہے۔ جو اپنی مخفی و غیر محسوس کیفیت کی وجہ سے عام مشاہدہ میں نہیں آتا۔ جس کے نہایت تفصیلی اور دلچسپ حالات علم نباتات کی کتابوں میں درج ہیں۔ قرآن مجید کی آیت فاخرجنا بہ ازواجا من نبات شتی (طہ ع ۲) یعنی ہم نے پانی سے مختلف نباتات کے جوڑے نکالے اور اسی قسم کی دوسری آیات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف حیوانات بلکہ دیگر اشیاء عالم میں بھی توالد و تناسل کا سلسلہ قائم فرمایا ہے۔

در خزاں چوں دید او یارِ خلاف ۔۔۔ در کشید او رُو و سر زیرِ لحاف

لغات خزاں پت جھڑ کا موسم جو ماگھ کے مہینے میں ہوتا ہے۔ یار خلاف - رفیق ناموافق - سر زیر لحاف کشیدن مخفی ہوجانا۔ یہ کنایہ ہے۔ کمالات و محاسن کے چھپ جانے سے

ترجمہ (مگر) موسم خزاں میں جب اس کا (ہوائے مضر کے) رفیق مخالف سے پالا پڑا۔ تو (برگ و بار اور سرسبزی و شادابی کے زوال سے عریانی دیدنمائی کے) لحاف میں فوراً مستور ہوگیا۔

مطلب - جس طرح درخت صحبت بہار سے سرسبز اور صحبت خزاں میں سرسبزی سے محروم ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح شیخ کامل کی صحبت نور باطن بخشتی ہے۔ اور نااہل کی صحبت سے ظلمت قلب پیدا ہوجاتی ہے۔ کما قیل ؎

اہل را صحبتِ نااہل زیاں ہا دارد ۔۔۔ آب در کوزۂ ناپختہ گل آلودہ شود

بینات مثنوی مولوی معنوی دفتر دوم

گفت یارِ بد بلا آشفتن ست — چونکہ او آمد طریقم خفتن ست

لغات یارِ بد دوست بدکردار۔ رفیق سوء۔ بلا عربی میں بمعنی زحمت و سختی و فتنہ اور فارسی میں بمعنی بسیار و خیلے۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔ آشفتن پریشان ہونا۔ سرگردان ہونا۔

ترجمہ (تو اس درخت نے زبانِ حال سے کہا بُرا رفیق تو بلا کی پریشانی (کا باعث) ہے جب وہ آتا ہے۔ تو میرا شیوہ یہ ہے کہ سو جاتا (اور دم بخود ہو جاتا) ہوں۔

مطلب یعنی میں اس بُرے رفیق کو منہ نہیں لگاتا۔ نہ قول و فعل میں اس سے کوئی دلچسپی لیتا ہوں۔ بلکہ اپنی پریشانی تک کا اس پر اظہار نہیں کرتا۔ اور اس کو دیکھتے ہی منہ چھپا لیتا ہوں اور اس سے اس طرح غیر متوجہ ہوتا ہوں جیسے کہ سو رہا ہوں۔ اسی طرح طالبِ کمال کو بھی چاہیئے کہ جب کسی نااہل و ناجنس سے اس کا پالا پڑے۔ تو اس کے ساتھ کسی قسم کی راہ و رسم نہ بڑھائے صائب

درگلستانے کہ زاغاں نغمہ پردازی کنند — گوش گل را گو شوارے بہتر از سیماب نیست

وکما قیل ؎ صد سال در آتشم اگر مہل بود — آں آتش سوزندہ مرا سہل بود

با مردم نااہل مبادا صحبت — کز مرگ بتر صحبت نااہل بود

اگر بلا کے معنی مصیبت و زحمت اور فتنہ کے لئے جائیں۔ اور آشفتن کے معنی تندی میں لانا اور برانگیختہ کرنا ملحوظ ہوں تو یوں بھی ترجمہ ہو سکتا ہے۔ کہ بُرا (آدمی) یار (بنانا اپنے لئے) ایک فتنہ برانگیختہ کرنا ہے یعنی جس طرح ایک فتنہ خوابیدہ بیدار ہو کر ہزاروں شر در و مفاسد کا محرک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بُرے آدمی کی رفاقت و دوستی ہزاروں دینی و دنیوی اور اخلاقی خرابیوں کی باعث بن جاتی ہے۔ کما قال بیدل غفرلہ ؎

از صحبت غیر مرد نامرد شود — بے ہمت و بے غیرت و بے درد شود

صد سال اگر شعلہ فروزد آتش — یک غوطہ در آب گر خورد سرد شود

پس بخسپم باشم از اصحابِ کہف — بہ ز دقیانوس باشد خوابِ کہف

لغات اصحاب کہف کہف کے معنی غار کے ہیں۔ اصحاب کہف چند خدا پرستوں کی ایک جماعت کا نام ہے۔ جو دقیانوس نام ایک کافر بادشاہ کے زمانے میں اس کی شر سے بچنے کے لئے بھاگ کر ایک غار میں پناہ گزیں ہو گئی تھی۔ اور آج تک اسی غار میں معروف خواب ہے۔ اس کا مجمل ذکر مفتاح العلوم کے پہلے حصے اور وزیر بہبود کے قصے میں مندرج ہو چکا ہے۔ دقیانوس اصحاب کہف کے زمانے کے کافر بادشاہ کا نام ہے۔

ترجمہ پس میں (خزاں کی صحبت سے بچنے کے لئے) سو جاتا ہوں (اور اس قسم کے سو جانے میں) اصحاب کہف (کی قبیل) سے ہو جاتا ہوں (کیونکہ) غار میں (جا کر الگ تھلگ) سو رہنا دقیانوس (کی صحبت) سے بہتر ہے۔

مطلب اصحاب کہف نے دقیانوس کی صحبت سے بچنے کے لئے غار میں مصروفِ خواب ہو جانا اچھا سمجھا۔ اسی طرح طالبِ حق کو اشرار کی صحبت سے بچنے کے لئے ان سے کنارہ کشی اچھی ہے۔ اگرچہ کسی غار میں مقید ہی ہونا پڑے۔ سعدیؒ

پائے در زنجیر پیش دوستاں — بہ کہ با بیگانگاں در بوستاں

اصحاب کہف

یقظہ شاں مصروف دقیانوس بود خوابِ شاں سرمایۂ ناموس بود

لغات یقظہ بیداری مصروف مستغل۔ زیر استعمال۔ صرف وخرچ ناموس عزت۔

ترجمہ ان (اصحاب کہف) کی بیداری دقیانوس (جیسے نااہل کی خدمت) کے لئے صرف ہوتی تھی انکا خوابِ عزت (عنداللہ) کا سرمایہ تھا۔

مطلب بیداری کا خواب سے افضل ہونا محتاج دلیل نہیں۔ مگر جو بیداری نااہلوں میں رہنے پر مجبور کرے۔ اس سے وہ خواب اچھا ہے۔ جو نااہلوں کی صحبت سے بچنے اور رضائے الہی کے لئے ہو۔ حافظ رح ؎

مکن بیدار ازیں خوابم خدا را که دارم عشرتے باخوش خیالش

خواب بیداری ست چوں با دانش ست وائے بیدارے کہ با ناداں نشست

لغات دانش عقل۔ مراد معرفت حق۔ وائے اظہار افسوس کا کلمہ ہے۔ ناداں غیر عارف۔ جاہل صنائع دوسرے مصرعہ کے کلمہ با ناداں نشست میں ایک اور نسخہ بھی ہے۔ جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ لیکن نسخہ ہذا کی صورت میں صنعت تجنیس ہوجاتی ہے اور وہ دوسرے نسخے کی صورت میں نہیں ہوسکتی۔

ترجمہ جو نیند معرفت حق کے ساتھ ہو وہ بیداری (کے حکم میں) ہے۔ افسوس ہے اس بیدار پر جو کسی نااہل اور معرفت سے محروم کی صحبت میں بیٹھا (جاگ رہا) ہے۔

مطلب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا یہ قول مشکوٰۃ شریف میں مروی ہے کہ تدارس العلم ساعۃ من اللیل خیر من احیاءھا۔ یعنی رات کی ایک ساعت تعلیم وتعلم میں گزار کر سو رہنا رات بھر عبادت میں جاگنے سے بہتر ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ علم شریعت یا علم طریقت کے شغل میں کچھ وقت گزار کر باقی رات نیند اور آرام میں بسر کرنا تاکہ صحت جسمانی کے قیام سے افاضہ واستفاضہ کی قوت باقی رہے اور سلسلہ تعلیم وتعلم اور مشاغل ارشاد واسترشاد کو اسی طرح بخوبی جاری رکھ سکیں۔ رات بھر جاگ کر عبادت کرنے سے افضل ہے۔ کیونکہ رات بھر جاگ کر عبادت کرنے سے ایک تو صرف ذاتی انتفاع مقصود ہے بخلاف تعلیم وتعلم کے کہ اس سے دوسرے لوگ بھی فیضیاب ہوسکتے ہیں۔ دوسرے اس تکلیف جسم سے صحت جسمانی میں فتور آنے اور سلسلہ عبادت کے رک جانے کا اندیشہ ہے۔ اب ذرا غور کرنا چاہیے۔ کہ جب عبادت کی شب بیداری معلم ومتعلم کے خواب کے آگے پست ہے۔ تو مگر اد لوگوں کی بیداری جو اہل معاصی کی صحبت میں بسر ہوتی ہے۔ اس خواب کے آگے کیا حقیقت رکھتی ہوگی۔ اسی کے متعلق فرمایا ہے۔ کہ یہ خواب بھی فضیلت میں بمنزلہ بیداری کے اور لائق ستائش ہے۔ وہ بیداری قابل افسوس اور مستوجب نفریں ہے۔ ایسی بیدردی سے خواب بلکہ خواب قبر اچھا ہے۔ سعدی رح ؎

دانکہ خوابش بہتر از بیداری ست آنچناں بد زندگانی مردہ بہ

حضرت ابوہریرہ رض سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تکون فتنۃ النائم فیھا خیر من الیقظان والیقظان فیھا خیر من القائم والقائم فیھا خیر من الساعی فمن وجد ملجأ او معاذا فلیستعذ بہ یعنی ایک ایسا فتنہ (کا زمانہ) آئیگا۔ کہ اس میں سو رہنے والا بہتر ہے جاگنے والے سے۔ اور اس میں جاگ (کر بیٹھا) رہنے والا بہتر ہے کھڑا رہنے والے سے۔ اور اس میں کھڑا رہنے والا بہتر ہے چل پڑنے والے سے پس جو شخص کوئی پناہ یا بچاؤ کی جگہ پائے۔ تو چاہیے کہ اس میں

اہل علم کا خواب عابد کی بیداری سے بہتر ہے۔

پناہ ہے (مشکوٰۃ) ایک نسخہ میں دوسرا مصرعہ یوں درج ہے۔ "وائے بیدارے کہ با نادانش ست" اور بیداری کا کلمہ بھی بیائے معروف و مجہول دونوں طرح محتمل ہے۔ اس کا ترجمہ یوں ہوگا۔ افسوس ہے اس بیدار پر جو کسی بیدانش اور حق سے ناواقف کے ساتھ مصاحب ہے۔ یا افسوس ہے اس بیداری پر جو بیدانشی اور حق سے ناواقفیت کے ساتھ ہے۔

چونکہ زاغاں خیمہ بر گلشن زدند بلبلاں پنہاں شدند و تن زدند

لغات خیمہ زدن ڈیرہ لگانا۔ ٹھکانا بنا لینا۔ پنہاں مخفی۔ مستور۔ تن زدن خاموش ہو جانا۔ زاغاں سے اہل باطل و مجوبین مراد ہیں۔ اور بلبلاں سے اہل حق و کاملین۔

ترجمہ جب گلشن پر کوّوں نے ڈیرہ جما لیا۔ تو بلبلیں دم بخود ہو کر رہ گئیں۔

مطلب یعنی جب گلشن عالم پر اہل باطل کا تسلط ہو گیا۔ جو اپنے اعمال سیئہ کے لحاظ سے مردار خوار کوّوں سے مشابہ ہیں۔ تو اہل اللہ کو جو اپنی مبارک نواسنجی کے لحاظ سے گویا بلبلان باغ عرفان ہیں۔ ساکت و خاموش ہونا پڑا کیونکہ زاغ کے پڑوس میں بلبل کا نغمہ سرا رہنا مشکل ہے۔ صائب رہ ؎

لباسِ ماتم بلبل ہمیشہ آمادہ ست بہر چمن کہ درو زاغے آشیاں دارد

امر خیر کی قوت شر کے مقابلے میں کم نہیں۔ بلکہ بڑھ کر ہوتی ہے۔ لہٰذا اس سے اہل اللہ کے اہل باطل کے مقابلے میں مغلوب ہو جانے کا نتیجہ نہ نکالنا چاہیے۔ امر خیر کی لطافت شر کی غلظت و کثافت کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ سعدی رہ ؎

فرو ماند آواز چنگ از دہل نہ کم کند سپیر بر بوئے گل

مدعائے کلام یہ ہے کہ جس طرح اہل اللہ اہل باطل سے علیحدگی و کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں۔ تم بھی ناجنس و نااہل لوگوں سے کنارہ کش رہو۔

حضرت مقداد ابن اسود رضہ کہتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے۔ ان السعید لمن جنب الفتن ان السعید لمن جنب الفتن ان السعید لمن جنب الفتن ولمن ابتلی فصبر فواھا۔ یعنی بیشک نیک بخت وہ ہے۔ جو فتنوں سے کنارہ کش رہے۔ بیشک نیک بخت وہ ہے جو فتنوں سے کنارہ کش رہے۔ بیشک نیک بخت وہ ہے جو فتنوں سے کنارہ کش رہے۔ اور وہ جو مصائب میں صبر کرے۔ افسوس! (مشکوٰۃ) **حضرت** ابو سعید سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوشک ان یکون خیر مال المسلم غنم یتبع بھا شعف الجبال و مواقع القطر یفر بدینہ من الفتن۔ یعنی عنقریب وہ زمانہ آنیوالا ہے کہ مسلمان آدمی کا بہترین مال بکریاں ہونگی۔ جنکو لیکر وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور مینہ برسنے کی جگہوں میں جا رہیگا۔ اور اس ہجرت اور ترک معاشرت سے وہ اپنے دین کو فتنوں سے بچا کر لے جانا چاہیگا۔ (مشکوٰۃ)

ترک دور فتن سے کنارہ کش رہنے کی فضیلت

زانکہ بے گلزار بلبل خامش ست غیبت خورشید بیداری کش ست

لغات خامش بضم میم مخفف خاموش۔ غیبت عدم موجودگی اور یہ نسبت سورج کے بمعنی غروب ہونا۔ بیداری کش بیداری کو کھو دینے اور زائل کرنیوالا۔ اس کا خاتمہ کرنیوالا۔

ترجمہ کیونکہ گلزار کے بغیر بلبل خاموش رہتی ہے (جیسے کہ) سورج کا غروب ہونا بیداری کا خاتمہ کرنیوالا ہے۔

مطلب گلزار سے یہاں مراد طالبین و معتقدین کا حلقہ ہے۔ جب اہلِ باطل کے ملحدانہ خیالات ایک سوادِ اعظم کو اپنی طرف راغب و منجذب کر لیتے ہیں۔ تو گویا ان زاغانِ سیہ کار کا گلزار پر قبضہ ہو جاتا ہے۔ اور بلبلانِ خوش الحان کے لئے اس گلزار میں جگہ نہیں رہتی۔ جہاں وہ شکر ریز ترنم ہوں۔ لہٰذا ان کو خاموش ہونا پڑتا ہے کیونکہ ان کی نوا سنجی و ترنم سرائی کیلئے گلزار کے سوا اور کوئی جگہ موزوں نہیں ہوتی۔ یعنی اہل اللہ جب معتقدین کی جماعت کو کلمۃ الحق کی طرف سے غیر راغب اور اہلِ باطل کی طرف مائل پاتے ہیں۔ تو اُنکے افاضہ کو وضع علم فی غیر اہلہ کا مصداق سمجھ کر خاموش رہنا مناسب سمجھتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ۔ وواضع العلم عند غیر اھلہ کمقلد الخنازیر الجوھر واللؤلؤ والذھب یعنی ناقابل افاضہ لوگوں کو علمی فیض پہنچانا ایسا ہے جیسے خنزیر کے گلے میں جواہر۔ موتی اور سونے کا ہار پہنا دیں (مشکوٰۃ) حافظ رحہ ؎

گوہرِ پاک بباید کہ شود قابلِ فیض ۔۔۔ ورنہ ہر سنگ و گلے لؤلؤ و مرجاں نشود

صائبؒ ہر سخن گوشے و ہر ساغرے دارد جُدا ۔۔۔ شربتِ سیمرغ نتواں بر گلوئے مور ریخت

ولہ چرا شراب بزاہد کسے بزور دہد ۔۔۔ چہ حاصل است کہ آئینہ بکور دھد

دوسرے مصرعہ میں اسی مضمون کی تائید ہے۔ یعنی دیکھو جب تک آفتاب سامنے رہتا ہے۔ دنیا کی ساری چہل پہل قائم رہتی ہے۔ اور جب غروب ہو جاتا ہے۔ تو سارے جہان پر ایک سکوت کا عالم چھا جاتا ہے۔ اسی طرح طالبین کے نہ ہونے سے جن کا وجود اہلِ کمال کے جوشِ کلام کیلئے محرک ہونے کے اعتبار سے بمنزلہ آفتاب ہے۔ اہلِ کمال کی بیداری یعنی اظہار اسرار کیطرف توجہ خاموش ہو جاتی ہے۔ عمر خیام غفرلہ ؎

افسوس کہ صد ہزار معنی دقیق ۔۔۔ از بے خردی خلق ناگفتہ بماند

یہاں مثال کے طور پر آفتاب ظاہری کا ذکر کیا گیا تھا۔ اس سے مولانا آفتاب صوری اور آفتاب معنوی یعنی عارف باللہ میں فرق اور مقدم الذکر سے مؤخر الذکر کی افضلیت کے ذکر کی طرف انتقال فرماتے ہیں۔

آفتابا ترکِ ایں گلشن کنی ۔۔۔ تاکہ تحت الارض را روشن کنی

لغات آفتابا آفتاب ظاہری سے خطاب ہے۔ ایں گلشن دنیا۔ تحت الارض زمین کے نیچے کے حصے

ترجمہ اے آفتاب (ظاہری) تجھے اس گلشنِ عالم کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ تاکہ زمین کے نیچے (کے حصے) کو روشن کرے۔

مطلب آفتاب ظاہری جب اپنے مطلع میں درخشاں ہوتا ہے۔ تو صرف اپنے سامنے کی چیزوں کو روشنی پہنچا سکتا ہے۔ اور جو چیز یا جو مقام اس مطلع کے محاذ سے غائب ہو۔ اس کو روشن نہیں کر سکتا۔ لہٰذا فرماتے ہیں۔ کہ اے آفتاب تیری نور افشانی کا محل اجسام کثیفہ ہیں۔ اس لئے دوسری دنیا (امریکہ وغیرہ) کو روشن کرنے کے لئے جو زمین کی دوسری سمت میں ہے تجھے اس مطلع کو چھوڑ کر دوسری طرف طلوع کرنا پڑتا ہے۔ مگر آفتاب معنوی کی درخشانی ہر حالت میں ہر جگہ یکساں طور پر پرتو فگن ہے۔

نکتہ اس سے ظاہر ہے کہ مولانا رحہ کے نزدیک زمین کی تدویر اور اس کے تمام حصص کا روزانہ آفتاب کی روشنی سے بتدریج منور ہونا مسلّمہ تھا۔ جیسے کہ علم ہیئت میں ثابت ہے۔ اور آپ اس پرانے خیال سے یکسو تھے۔ کہ زمین گول

گول نہیں بلکہ ایک ہموار فرش کی طرح مسطح ہے۔ گو امریکہ وغیرہ نئی دنیا مولانا رح کے عہد کے بعد دریافت ہوئی ہے۔ مگر کم از کم آپ زمین کے اس پہلو کے مقابلے میں جس پر ہم آباد ہیں۔ دوسرے پہلو کے قائل تھے۔

آفتابِ معرفت را نقل نیست   مشرقِ او غیرِ جان و عقل نیست

لغات آفتاب معرفت۔ عارف کامل نقل ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا۔ مشرق جائے طلوع

ترجمہ لیکن آفتاب معرفت کو ایک جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ طلوع کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے طلوع کی جگہ روح اور عقل کے سوا اور کچھ نہیں ہے

مطلب آفتاب صوری تو اپنے مطلع سے صرف ایک طرف افاضہ نور کر سکتا ہے۔ لیکن آفتاب معنوی یعنی مرشد کامل کی مشرق اور اس کے ظہور انوار کا محل مریدین کے قلوب ہیں۔ اس کو اس کی ضرورت نہیں کہ افاضہ انوار کے لئے کبھی اپنے مطلع سے غائب ہو۔ یعنی جب ایک مسترشد کو فیض پہنچاتا ہے۔ تو دوسرے مسترشد سے توجہ ہٹانی پڑے۔ بلکہ اس کے فیضان انوار کا سلسلہ ہر شخص کے لئے بلا توقف جاری ہے۔ حافظ رح ؎

آفتابے ست درخشندہ کہ از طلعتِ او   رفت بر چرخ بریں کوکبۂ دولتِ ما

آگے آفتاب معنوی یعنی عارف کے ذکر سے بھی ترقی فرماتے ہیں۔

خاصہ خورشیدِ کمالی کاں سری ست   روز و شب کردارِ او روشنگری ست

لغات خاصہ خصوصًا خورشید کمالی میں یائے نسبت ہے مراد باری تعالیٰ۔ کاں سری کا کاف جو شروع میں ہے کاف بیانیہ ہے۔ اور آخر میں یائے نسبت۔ آں سر کے معنی اس طرف مراد بیرون عالم امکان کردار فعل عمل روشنگری روشنی پہنچانا۔

ترجمہ خصوصًا وہ آفتاب کمال (یعنی حق تعالےٰ) جو عالم امکان سے باہر ہے (اس کا تو کیا ہی کہنا) اس کا کام رات دن (بلا توقف و تاخیر) کائنات عالم کی ہر چیز کو روشنی پہنچاتا ہے۔

مطلب آفتاب معنوی جس کا فیضان طالبان فیض کو ہر وقت پہنچتا ہے اور وہ فیض رسانی میں آفتاب ظاہری سے بڑھکر ہے۔ اس کا تعلق عالم امکان سے ہے۔ لیکن وہ آفتاب کمالی جو عالم امکان سے ورارالورار ہے اس کا فیضان تو اس قدر وسعت رکھتا ہے۔ کہ اس کا تصور بھی محال ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے نور کا مظہر ہے۔ صائب رح ؎

در دیدۂ روشن گہراں ہر ورقِ گل   از نورِ تجلے ید بیضائے کلیم ست

مطلعِ شمس آ اگر اسکندری   بعد ازاں ہر جا روی نیکو فری

لغات مطلع شمس طلوع آفتاب کی جگہ مراد اہل اللہ و عارفین کاملین۔ اسکندری میں یائے خطاب بطور رابطہ جملہ نیکو فر باقبال صنائع سکندر ذوالقرنین کے قصے کی طرف تلمیح ہے۔ جو قرآن مجید کی سورہ کہف کے آخر میں درج ہے۔

ترجمہ اگر تم اسکندر (ذوالقرنین کی طرح عالی ہمت و بلند عزم ہو۔ تو مطلع آفتاب کے پاس آؤ۔ پھر (یہاں سے فیضیاب ہوکر) تم جہاں جاؤ گے با اقبال ہوگے۔

سکندر ذوالقرنین اور سکندر اعظم

مطلب سکندر ذوالقرنین ایک بادشاہ علو ہمت و بلندی عزم میں یکتا ہو گزرا ہے۔ اس نے اپنی قوت تدبیر اور زور شمشیر سے تمام جہان کو مسخر کر لیا تھا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس کی فتح بلاد اور تسخیر عباد کا ذکر یوں فرمایا ہے

وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا ۝ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۝ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۝ چند آیات کے بعد فرمایا۔ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ یہ قصہ ذکر کر کے پھر فرمایا ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ الخ یعنی اور (اے پیغمبر) لوگ تم سے ذوالقرنین کا حال پوچھتے ہیں۔ تم کہو۔ کہ میں تم کو اس کا تھوڑا سا تذکرہ پڑھ کر سناتا ہوں (اللہ فرماتا ہے) ہم نے اس کو روے زمین پر بڑی قدرت دی تھی۔ اور ہم نے اس کو ہر طرح کے ساز و سامان دے رکھے تھے۔ چنانچہ وہ ایک سامان کے پیچھے پڑا۔ یہانتک کہ جب آفتاب کے غروب ہونے کی جگہ پر پہنچا۔ تو اس کو آفتاب اس طرح دکھائی دیا۔ کہ وہ کالی کیچڑ کے کنڈ میں ڈوبتا ہے (پھر آگے چلکر ارشاد ہے) پھر وہ ایک اور سامان کے پیچھے پڑا۔ یہانتک کہ وہ آفتاب کے نکلنے کی جگہ پر پہنچا۔ اسکے بعد فرمایا پھر وہ ایک اور سامان کے پیچھے پڑا یہانتک کہ جب دو سدوں کے بیچ میں پہنچا۔ الخ اس خداوندی بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ سکندر ذوالقرنین مشرق و مغرب کی انتہا تک دنیا کو مسخر کر چکا تھا۔ اور وہ ایک خدا پرست و اہل اسفر مانروا تھا۔ آبحیات کی تلاش) اور اس کی بہم رسانی مگر پینے سے محرومی کا قصہ بھی اسی سے منسوب ہے۔ اکثر محققین کے نزدیک مسلم ہے۔ کہ سکندر اعظم جسکو سکندر رومی کہتے ہیں اور وہ فیلقوس کا بیٹا اور یونان کا بادشاہ تھا۔ اور اس نے دارا شاہ ایران کو شکست دیکر یونان کو ایران کے تسلط سے آزادی دلائی تھی۔ دوسرا سکندر تھا۔ جو ذوالقرنین سے صدیوں بعد ہوا ہے۔ حضرت نظامی مولف سکندر نامہ نے غلطی سے دونوں کو ایک سمجھ کر دونوں کے حالات ایک پر منطبق کر دیے واللہ اعلم۔ اس شعر میں مولانا کی مراد سکندر سے عالی ہمت ہے اور مطلع شمس سے مراد اہل اللہ ہیں جو صفات حق تعالے کے مظہر اور اس کے نور کا مطلع ہوتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ کہ اگر تم سکندر کی طرح عالی ہمت ہو۔ اور حقیقی آبحیات کے طالب ہو۔ تو تمہیں اہل اللہ کی خدمت سے مستفید ہونا چاہیئے۔ جو مذکورہ خورشید کمال کے نور کا مظہر ہیں۔ پھر تم جہاں جاؤ گے۔ باقبال جاؤ گے اور فتحیاب آؤ گے۔ حافظ رہ ؎

من بسر منزل عنقا نہ بخود بردم راہ قطع این مرحلہ با مرغ سلیماں کردم

بعد ازاں ہر جا روی مشرق شود شرقہا بر مغربت عاشق شود

ترجمہ اس کے بعد تم جہاں جاؤ گے (تمہارے لئے ہر جگہ) مشرق (و مطلع انوار) ہوگی (بلکہ) تمہاری مغرب (بھی جو غروب انوار کا مقام ہے۔ اس قدر نورانی ہوگی کہ اس) پر (ظاہری) مشرقین فدا ہونگی۔ مطلب مشرق سے مراد مطلع انوار الہیہ اور توجہ الی الحق اور مغرب سے مراد توجہ الی الخلق ہے۔ یعنی جب تم کسی اہل اللہ کے فیضان سے انوار الہیہ سے مقتبس ہوگے۔ تو پھر جہاں بھی جاؤ گے۔ نہ صرف توجہ بحق کی حالت میں بلکہ توجہ بخلق کی حالت میں بھی انوار الہیہ تم پر یہانتک پرتو افگن ہونگے۔ کہ تمہاری حالت روکش مشرق اور غیرت مطلع آفتاب ہوگی۔ یا یوں کہو کہ تمہاری توجہ بخلق بھی ناقصوں کی توجہ بحق سے افضل ہوگی۔ ؎

داغ غلامیت کرد پایہ خسرو بلند میر ولایت شود بندہ کہ سلطاں خرید

حس خفاشت سوئے مغرب دواں حس درپاشت سوئے مشرق رواں

لغات حس اجسام اور جسمانیت کے ادراک کی قوت۔ خفاش چمگادڑ۔ یہ لفظ خفش سے نکلا ہے۔ جسکے معنی ہیں آنکھوں کا چندھیانا۔ بیت کے مضمون میں

خفاش ہی یا تو اس کا مسمے مراد ہی یا وضعی معنی مراد ہیں اور دونو تقدیروں پر ترکیب ترجمہ دو طرح ہونگے۔ دوآں اسم تالیہ دو بدن دوحرف سے دُر پاش۔ موتی برسانے والا حصنا ثم یہ شعر مرصع ہے۔ ترکیب حس خفاشت میں حس خفاش یا تو مرکب اضافی ہے۔ یا توصیفی۔

ترجمہ تیری چمگاڈر کی سی حس (بتقدیر دیگر تیری چندھیائی ہوئی حس) مغرب کے ظلمات کی طرف جاتی ہے (اور) تیری گوہر بار حس (جو طالب انوار ہے) مشرق (یعنی مطلع انوار الہیہ) کی طرف رواں ہے۔

مطلب اوپر مولانا نے توجہ الی الحق کی طرف رغبت دلائی تھی۔ اب اس کی تدبیر بتاتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ کہ تمہارے اندر دو قسم کی قوائے ادراک ہیں۔ ایک حس خفاش جو ظلمات ناسوت پر فریفتہ ہے۔ جیسے چمگاڈر روشنی سے نفور اور تاریکی سے مانوس ہوتی ہے۔ دوسری حس درپاش ہے جو انوار الہیہ کا ادراک کرتی ہے۔ پہلی حس مادی ہے جسمیں حواس خمسہ ظاہری اور حواس باطنہ وہم و خیال وغیرہ اور تمام قوائے داعیہ الی الشہوات داخل ہیں۔ جو ظلمتکدۂ ناسوت پر مائل ہونے کے باعث گویا مغرب کی طرف راجع ہے۔ دوسری حس سے روحانی قوت مراد ہے۔ مقصود کلام یہ ہے کہ حواس ظاہری سے کنارہ کشی رکھو۔ جو تلذذات و تنعمات سفلیہ کی طرف لیجاتے ہیں۔ اور ان حواس سے کام لو۔ جو جامع انوار اور موصل الی الحق ہیں۔ اور جو مجاہدہ اور ریاضت سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ مجاہدہ و ریاضت کرو۔ تاکہ خود گوہر مراد پاؤ۔ اور دوسروں کے لئے بھی گوہر بار و درپاش بن جاؤ۔ صائب رہ ؎

غذائے نور توانی بہ تیرہ روزاں داد   چو شمع از تن خود گر غذا توانی کرد

راہِ حس راہِ خران ست اے سوار   اے خران را تو مزاحم شرم دار

لغات خراں گدھے۔ مراد اہل دنیا۔ مزاحم۔ بھڑنے والا۔ مقابلہ کرنے والا۔

ترجمہ اے سوار (جادۂ عرفاں) حس (مادی) کا رستہ تو (دنیا کے) گدھوں کا راستہ ہے۔ اسے کچھ شرم تو کر کہ (با ایں عزوشان) گدھوں سے بھڑتا ہے۔

مطلب طالبان دنیا جو گویا دنیا کے گدھے ہیں اور صرف لذات دنیویہ سفلیہ کے خس و خاشاک کو چرنا چگنا ان کا شیوہ ہے ان کا راستہ محض حس مادی کا اتباع ہے۔ طالب حق کو ان کے راستے پر نہ چلنا چاہیے۔ واضح رہے کہ ترک لذات و خواہشات سے ان کی تقلیل اور ان سے باعتدال کام لینا مراد ہے۔ بالکل ترک کرنا مقصود نہیں جو ہندو سادھوؤں اور مسیحی راہبوں کا طریقہ ہے۔ اور اسلام میں اس کی نہی وارد ہو چکی ہے۔ عن انس رضہ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کَانَ يَقُوْلُ لَا تُشَدِّدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ فَيُشَدِّدَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاِنَّ قَوْمًا شَدَّدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَشَدَّدَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ فَتِلْكَ بَقَايَاهُمْ فِي الصَّوَامِعِ وَالدِّيَارِ رُهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ یعنی حضرت انس رضہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔ کہ اپنے آپ پر سختی نہ کرو ورنہ اللہ بھی تم پر سختی کریگا۔ کیونکہ بعض قوموں نے اپنے آپ پر سختی کی تو اللہ نے بھی ان پر سختی کی۔ چنانچہ یہ کلیساؤں اور ہیکلوں میں انہی کی باقیماندہ نسلیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ یہ ترک دنیا ہے جو انہوں نے خود ایجاد کر لی ہے ہم نے ان پر واجب نہیں کی (مشکوۃ) حضرت انس سے ایک اور روایت ہے۔ جس میں یہ ذکر ہے تین شخصوں نے زہد و عبادت اور ترک لذات کے غیر معتدل جوش میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی عبادات اور وظائف زندگی کے متعلق سوال کیا۔ حضور نے فرمایا وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَاَتْقَاكُمْ لَهٗ لٰكِنِّيْ اَصُوْمُ وَاُفْطِرُ وَاُصَلِّيْ وَاَرْقُدُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاۤءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ یعنی مجھ

رہبانیت دور کی ہوکی دور سے شروع

ہیں خدا کا خوف اور تقوی تم سب سے زیادہ ہے۔ تاہم میں روزہ بھی رکھتا ہوں کبھی نہیں بھی رکھتا۔ نماز بھی پڑھتا ہوں سو بھی لیتا ہوں۔ بیویوں سے ازدواجی برتاؤ بھی رکھتا ہوں۔ پس جو شخص میری (اس) سنت سے روگردانی کریگا۔ وہ میری جماعت سے نہیں ہے (مشکوۃ) سعدی رحمہ

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید   کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

پنج حسّے ہست جز ایں پنج حس   آں چو زرِ سرخ و ایں حسہا چو مس

لغات پنج حس احساس کی پانچ طاقتیں۔ یعنی باصرہ سامعہ شامہ ذائقہ لامسہ یہ طاقتیں ظاہرًا احساس کرتی ہیں ان کے سوا پانچ اور دماغی طاقتیں ہیں۔ ان کو حواس باطنی کہتے ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں حسِّ مشترک۔ خیال۔ وہم۔ حافظہ۔ متصرفہ۔ پنج حسّے میں یائے تفخیم کے لئے ہے۔ ایں کا اشارہ حواس خمسہ کی طرف ہے۔ زرِ سرخ۔ سونا۔ اشرفی کسی بیش بہا اور قابل قدر چیز کے لئے بطور تشبیہ استعمال کرتے ہیں۔ زر کا لفظ زیادہ تر سونے کے لئے مستعمل ہے۔ مگر دراصل یہ کلمہ سونے اور چاندی دونوں کے لئے مشترک ہے۔ اور زرِ سرخ سونے کے لئے زرِ سفید چاندی کے لئے مخصوص ہے مس تانبا سیم و طلا کے ساتھ اس کا ذکر کم قیمت اور ناقابل قدر چیز کے معنے میں ہوتا ہے

صنائع پنج حسّے کے لفظ میں صنعت مشاکلہ ہے یعنی قوائے روحانیہ یا لطائف غیبیہ کو حواس ظاہری کے ذکر کی رعایت سے پنج حسے کہہ دیا۔ حالانکہ ان کا درجہ حواس سے بڑھکر ہے۔

ترجمہ ان پانچ (ظاہری) حواس کے سوا پانچ اور (عظیم الشان) حواس ہیں۔ وہ (حواس اپنی شان و منزلت کے لحاظ سے) گویا (خالص) سونا ہیں اور یہ (ظاہری) حواس (ان کے مقابلے میں) گویا تانبا ہیں۔

مطلب۔ حواس ظاہری سے تو اجسام اور جسمانیت کا احساس ہوتا ہے۔ مذکورہ روحانی حواس جو روحانیات کا ادراک کرتے ہیں۔ ان سے حق تعالیٰ کا دیدار ہوتا ہے۔ اور اس کا کلام سنائی دیتا ہے چنانچہ اولیاء اللہ کو یہ حواس تصفیہ روح کی بدولت حاصل ہوتے ہیں۔ اور جس طرح بدن روح کا مظہر ہے۔ اسیطرح حواس بدنی بھی ان حواس روحانیہ کے مظہر ہیں۔ اور جب روح علائق نفسانیہ میں مستغرق ہو جاتی ہے۔ تو اس کے یہ حواس ناقص و مکدر ہو جاتے ہیں۔ اور وہ امور غیب کا مشاہدہ نہیں کر سکتی۔ مگر جب اس تکدر کے باوجود احیانًا جسم کا تعلق روح کے ساتھ کسی قدر کم ہوتا ہے۔ تو وہ عالم غیب کی اشیاء کا مشاہدہ کرنے لگتی ہے۔ جیسے کہ خواب میں ہوتا ہے۔ اور جو انسان کامل ہر وقت جسمانی و نفسانی علائق سے اپنے آپ کو برطرف رکھتا ہے۔ اس کی حس روحانی ہر وقت منور رہتی ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہو گیا۔ کہ اس سے حواس باطنہ دماغیہ حس مشترک وغیرہ مراد نہیں ہیں جیسے کہ بعض نے گمان کیا ہے۔ بلکہ ان سے ماوراء روحانی طاقتیں مراد ہیں۔ جن کو مشاکلۃً حس کے نام سے موسوم کر دیا (بحر العلوم) پنج حسّے دیگر سے حواس مجردہ مراد ہیں۔ جو حواس جسمانیہ سے بمدارج ارفع و اعلیٰ ہیں۔ انسان جس طرح عناصر سے بنا ہے۔ جو مادیات سے ہیں۔ اسی طرح کچھ مجردات بھی اس کی ترکیب میں داخل ہیں۔ جن کو لطائف ستہ کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ لطیف و غیر محسوس ہوتے ہیں۔ ان لطائف کا ذکر اس کتاب میں پیچھے گزر چکا ہے۔ پنج حسے سے یہی لطائف مراد ہیں رہی یہ بات کہ پنج حسّے میں پانچ کا عدد مذکور ہے۔ اور لطائف چھ ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ ان لطائف میں نفس کو تغلیبًا داخل کر دیا ہے۔ کیونکہ وہ نفس جو داعی الی الشر ہے قوۃ مادیہ ہے۔ مجردہ نہیں ہے۔ پس پانچ لطائف رہ گئے

مگراس توجیہ میں تکلف کرنا پڑتا ہے۔ بہتر جواب یہی ہے۔ کہ پنج حس میں عدد مخصوص مراد نہیں بلکہ مطلق معدود مراد ہے۔ پھر خواہ پانچ ہوں یا چھ کوئی حرج نہیں۔ اور این پنج حس میں پانچ حواس ظاہرہ مقصود ہیں۔ اور پانچ حواس باطنہ ان کے تابع ہیں۔ یا ان میں بھی مطلق معدود مراد ہوں۔ اور دس کے دس حواس کی تعبیر پنج کے عدد سے کی گئی ہو۔ دوسرے مصرعہ سے اس بات کا اشارہ مستفاد ہوتا ہے۔ کہ گو حواس مادیہ ناکارہ ہیں۔ مگر ان میں یہ صلاحیت ہے۔ کہ توجہ الی الحق کے کام آسکیں۔ اس طریق سے کہ ان سے علی وجہ المشروع کام لیا جائے۔ جس طرح تانبے کی ناکارہ دھات کیمیائی ترکیبوں سے سونے کی قیمتی دھات کی ماہیت میں منقلب کی جاسکتی ہے۔ (کلید مثنوی)

اندراں بازار کاہلِ محشر نَد حسِّ مس را چوں حسِ زر کے خرند

لغات بازار تجارت گاہ۔ منڈی۔ اہل محشر وہ لوگ جو مرنے کے بعد قیامت میں زندہ ہوکر اپنے اعمال کا حساب دینے کے لئے جمع ہونگے۔ **ترکیب** کاہل محشر کی تقدیر یہ ہے۔ کہ آنجا اہل محشر اند ہے۔ اندراں متعلق ہے کے خرند کے خرند کا فاعل یا تو کارکنان عالم غیب ہیں۔ یا یہ فعل معروف بمعنی فعل مجہول ہے جیسے کہ فارسی کا عام محاورہ ہے۔

صنائع بازار استعارہ ہے عالم غیب سے اسی طرح اہل محشر یعنی مکلفین حاضرین عالم غیب سے۔ حس مس حواس مادیہ سے حس زر حواس مجردہ سے اور موجودین عالم غیب کو اہل محشر باعتبار مایؤول الیہ کہہ دیا ہے۔ یعنی جو ارواح مجردہ آج عالم غیب میں موجود ہیں۔ چونکہ ایک دن ان کو بھی میدان محشر میں جمع ہونا ہے۔ نیز اس عالم میں ان کی صفات حسنہ وغیر حسنہ اسی طرح متمائز ہوتی ہیں جس طرح روز حشر میں اعمال حسنہ وسیئہ کی پرکھ ہوگی۔ اس لئے انکو اہل محشر کہدیا۔

ترجمہ عالم غیب کے اس بازار میں جہاں اہل محشر (پہنچ جاتے) ہیں۔ تانبے کے (سے ناقابل قدر) حواس (مادیہ) کو سونے کے (سے قیمتی) حواس (مجردہ) کے نرخ پر کب خریدا جائیگا۔

مطلب عالم آخرت میں جہاں مکلفین کو جانا اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے حس مس کو جنس کا سد سمجھا جاتا ہے اور حس زر کا پورا معاوضہ ملتا ہے۔ دونوں کا نرخ یکساں نہیں ہے۔ پس تم کو چاہیئے۔ کہ اپنے متاع رائج کو کاسد ہونے سے بچاؤ۔ اور اپنے متاع کاسد کو رائج بنانے کی کوشش کرو۔ حافظ رح ؎

امروز کہ بازارت پرجوش خریدارست دریاب و بنہ گنجے از مایۂ نیکوئی

ولہ ؎ حافظ خام طمع شرمے ازیں قصہ بدار کار ناکردہ چہ امید عطا میداری

بازار سے عالم غیب یا عالم آخرت مراد ہے۔ اور عالم آخرت سے خواہ قیامت کا مفہوم لو یا مرنے کے بعد کا عالم۔ کہ بفحوائے حدیث اذا مات احدکم فقد قامت قیامتہ مرنے والے کے لئے تو اس کے مرنے کے ساتھ ہی قیامت آجاتی ہے

حسِّ ابداں قوتِ ظلمت میخورد حسِّ جاں از آفتابے میچرد

لغات قوت بر وزن حوت غذا۔ خوراک۔ روزی۔ ظلمت تاریکی آفتاب سے آفتاب حق مراد ہے۔

ترجمہ مادی حس تو ظلمت (کدۂ ناسوت) سے غذا پاتی ہے۔ (اور) حس روح (جو مجرد ہے) آفتاب (حق سے) استفادہ نور کرتی ہے۔

مطلب۔ یہاں بھی مذکورہ دونوں قسم کے حواس میں تفاوت دکھایا ہے۔ یعنی حواس مادیہ کی غذا امور نفسانیہ و شہوانیہ ہیں۔ جو سراسر ظلمت ہیں۔ اور حواس روحانیہ مجردہ انوار الٰہیہ سے تلذذ حاصل کرتے ہیں اور نشوونما پاتے ہیں

اے بُبُردہ رختِ حس ہا سوئے غیب دستِ چوں موسیٰ بروں آور زجیب

لغات رخت سامان۔ اسباب۔ مال ومتاع۔ جیب گریباں **ترکیب** اے حرف ندا کا منادیٰ یعنی خدا مقدر ہے۔
صنائع دوسرے مصرعہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک معجزے کی طرف اشارہ ہے۔ جس کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں آیا ہے۔ وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرَىٰ۔ یعنی اور اپنے ہاتھ کو بغل میں رکھ لو۔ تو وہ بغیر اس کے کہ کسی قسم کا روگ ہو۔ روشن نکلے گا۔ یہ دوسرا معجزہ ہے۔ (طٰہٰ ع۱)
ترجمہ اے (وہ ذات برحق) جو متاع حواس (باطنی) کو پوشیدگی کی طرف لے گیا ہے۔ اب موسیٰ علیہ السلام کی طرح گریبان سے منوّر ہاتھ نکال (تاکہ ظلمت جہل دور ہو جائے)
مطلب حضرت مولانا قدس سرہ کا یہ عام قاعدہ ہے۔ کہ جب اثنائے تقریر میں کسی مقام کی صعوبت محسوس کرتے ہیں تو متوجہ الی الحق ہو کر مناجات میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اوپر مجاہدہ کے سے شاق ودشوار امر کا ذکر آ گیا تھا۔ اس لئے مناجات میں لگ گئے۔ یہاں سوئے غیب سے عالم غیب مراد نہیں۔ بلکہ مطلق خفا و پوشیدگی مراد ہے۔ دعا کرتے ہیں۔ کہ الٰہی تو حواس مجردہ کے سامان کو خفا کی طرف لیجانیوالا اور اس کو باقتضائے حکمت پوشیدہ رکھنے والا ہے۔ اپنی قدرت سے ان حواس مخفیہ کو پردہ خفا سے نکال کر ہمیں نور معرفت عطا فرما۔ جس طرح موسیٰ ع کے ید بیضا سے چکاچوند کا عالم ہو گیا تھا۔ صائب

یارب از عرفاں مرا پیمانہ سرشار دہ چشم بینا جانِ آگاہ دلِ بیدار دہ
ہر سر موئے حواس من براہے میرود این پریشاں سیر را در بزم وحدت بار دہ

مولانا بحر العلوم بعض شارحین سے نقل فرماتے ہیں۔ کہ یہ انسان کامل سے خطاب ہے یعنی اے انسان کامل کہ جیسے حواس روحانی صفات اخفیا کر کے غیب میں داخل ہو گئے ہیں اپنے ہاتھ سے اعجاز موسوی کے کرشمے دکھا۔ مگر پہلی توجیہ اقرب الی الصواب اور اوفق بالمقام ہے۔ اب مولانا پر توحید و شکر کا غلبہ ہوتا ہے۔ اور فرماتے ہیں:۔

اے صفاتت آفتابِ معرفت و آفتابِ چرخ بندِ یک صفت

لغات صفات تجلیات۔ افعال۔ آفتاب معرفت ذریعہ حصول عرفان۔ آفتاب چرخ آسمانی سورج بند پابند۔ مسخر۔ بندہ۔ یا بمعنی مظہر بندِ یک صفت ایک تجلی کا مظہر۔
ترجمہ اے (ذات پاک کہ) تیرے افعال (و تجلیات تیری) معرفت کے لئے آفتاب (یعنی ذریعہ ادراک) ہیں۔ اور (یہ) آفتاب آسمانی (بھی) تیرے ہی ایک فعل (یعنی ایجاد خاص) کا پابند (یا تیری ایک صفت خاص کا مظہر) ہے۔
مطلب جس طرح آفتاب سے نور حاصل کر کے دوسری اشیاء کا علم ہوتا ہے۔ اسی طرح افعال حق کو دیکھ کر حق تعالیٰ کے وجود کا علم اور اس کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں جابجا اللہ تعالیٰ نے غافل بندوں کو اپنی ذات پاک کی شناخت کرانے کے لئے اپنی نشانیوں کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ (سورہ بقرہ ع۲۰)
یعنی بے شک عقلمندوں کے لئے آسمان و زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے ہیر پھیر میں اور کشتیوں میں جو لوگوں

کے فائدے کا سامان میں لئے سمندر میں چلتی ہیں اور مینہ میں جسکو اللہ نے آسمان سے برسایا پھر زمین کو اسکے مرے پیچھے زندہ کیا۔ اور سب قسم کے جانوروں کو اسمیں پھیلایا اور ہواؤں کے پھیرنے میں اور بادل میں جو آسمان اور زمین کے درمیان حکم کا تابع ہے۔ خدا کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔ جامی رح

بعالم ایں ہمہ مصنوع ظاہر | بصانع چوں نہ مشغول خاطر
چو دیدی کار رو در کارگر آر | قیاس کارگر از کار بردار

صائب ؎

از دیدن صیاد اگر رنگ ندارند | ایں دست کہ پر خور شکار ست بہ بینید
ایں گرد کہ بر چرخ کلہ گوشہ شکستہ ست | از جلوۂ آں شاہسوار ست بہ بینید

دوسرے مصرعہ میں کہا ہے۔ کہ یہ آفتاب چرخ بھی تیرے افعال میں سے ایک فعل یعنی ایجاد مشخص خاص کا تابع ہے۔ جب یہ اس قدر نور بخشنے اور مرئیات کا ذریعہ علم بننے والا ہے۔ تو آپ کی تجلیات کیسی کچھ نور معرفت کا سبب ہونگی۔ حافظ رح ؎

روشن از پرتو رویت نظرے نیست کہ نیست | منت خاک درت بر بصرے نیست کہ نیست

گاہ خورشید وگہے دریا شوی گاہ کوہِ قاف وگہ عنقا شوی

لغات کوہ قاف ایک پہاڑ کا نام ہے۔ جس کے متعلق پرانے لوگوں کا خیال تھا کہ وہ زمرد کا پہاڑ ہے۔ اور تمام عالم کے گردا گرد قائم ہے۔ اور اس کو دیو و پری کا مسکن سمجھتے تھے۔ اس نام کا ایک پہاڑ سرحد روس پر بھی ہے۔ ممکن ہے ایران قدیم کے لوگ اسی پہاڑ کے بارے میں محیط عالم ہونے کا وہم کرنے لگے ہوں۔ اور پہاڑ سے پرے بسنے والی روسی اقوام کے وحشی اور دیو نژاد مردوں اور گوری چٹی عورتوں کو جو پرندوں کے پروں سے اپنی آرایش کرتی ہونگی۔ دیو و پری سمجھ لیا ہو۔ اور یہی خیال ادبیات فارسی میں درج ہوگیا ہو۔ عنقا عین فتحہ سے ہے۔ ضمہ کے ساتھ پڑھنا غلط مروج ہے۔ ایک خوبصورت عظیم الجثہ دراز گردن پرندہ جس کا صرف نام ہی نام ہے۔ وجود نہیں۔ اس لئے اس کا اطلاق عموماً کسی غیر موجود و نایاب چیز پر کرتے ہیں۔

ترجمہ (اے خدا) کبھی تو آفتاب (میں ظاہر) ہوتا ہے اور کبھی دریا (میں ظاہر) ہوتا ہے کبھی کوہ قاف (میں جلوہ دکھاتا ہے) اور کبھی عنقا کی طرح بے نشان) ہوتا ہے۔

مطلب یہ اشیاء اور دیگر تمام کائنات تیری تجلیات صفات اور آثار قدرت کی مظہر ہے۔ یہ سب چیزیں تیری ذات کے مشاہدہ کے لئے آئینہ ہیں۔ اور ان پر غور و فکر کرنے سے تیری ذات کی شناسائی حاصل ہوتی ہے۔ مولانا روم ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔ ؎

از قدح گر در عطش آبے خورند | در درونِ آب حق را ناظر اند
آنکہ عاشق نیست او در آب در | صورتِ خود بیند اے صاحب نظر

حافظ رح ؎

مرا بکارِ جہاں ہرگز التفات نبود | رخ تو در نظر من چنیں خوشش آراست

ولنعم ما قیل ؎

دل مغز حقیقت ست ایں پوست ببیں | در کسوت روح صورت دوست ببیں
ہر چیز کہ ایں نشانِ ہستی دارد | یا سایۂ نور اوست یا اوست ببیں

واضح رہے۔ کہ بعض لوگ اس بیت کا ترجمہ کرنے میں اس شدید غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ کہ یہاں ذات

لغات

حق کے لئے خورشید۔ دریا۔ کوہ قاف اور عنقا کو محمول کرتے ہیں۔جس سے ان کو ماننا پڑتا ہے کہ معاذ اللہ ذات حق نے ان اشیا میں حلول کیا ہے۔ یا وہ ان اشیا کا عین ہے۔ اور یہ صریحاً کفر ہے۔ لہذا یہ بیت ماؤل ہے۔ کلید مثنوی میں لکھا ہے۔ کہ یہ عنوان جو اختیار کیا ہے۔ کہ تو کبھی آفتاب ہے۔ کبھی دریا ہے۔ کبھی کوہ قاف اور کبھی عنقا ہے۔ تو یہ محض تعبیر ہے۔ اور بعض احادیث میں بھی اس قسم کی تعبیرات آئی ہیں۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ حق سبحانہ فرماتے ہیں۔ کہ ابن آدم مجھے برا کہتا ہے۔ یہ اُسے زیبا نہیں۔ کیونکہ وہ زمانے کو برا کہتا ہے۔ زمانہ تو میں ہی ہوں۔ یہاں حق تعالیٰ نے اپنے آپ کو زمانہ کہا ہے۔ حالانکہ وہ زمانہ نہیں ہے۔ پس یہ ایک تعبیر ہے۔ اس مقصود کی کہ ابن آدم زمانہ کو اس لئے برا کہتا ہے۔ کہ اپنے متعلق بعض غیبی تصرفات اس کو ناپسند ہوتے ہیں۔ اور وہ غلطی سے ان تصرفات کو زمانہ کی طرف منسوب کرکے اس کو برا کہنا شروع کر دیتا ہے۔ حالانکہ اصل متصرف ہم ہیں۔ پس اس کا زمانہ کو برا کہنا ہمکو برا کہنا ہوا۔ گو وہ تعیین متصرف میں غلطی کرنے سے ہمارا نام نہیں لیتا۔ باقی رہی یہ بات کہ اس قسم کی تعبیر کرنا کہاں تک درست ہے۔ سو اول تو تعبیر مفضی الی الفساد نہیں ہوتی۔ ہر شخص قرائن سے اصل مقصد کلام کو سمجھ لیتا ہے۔ اور اگر مفضی الی الفساد ہو بھی تو ایسے کلام کا ایراد صاحب شریعت کا فعل ہے۔ جس کی شان یہ ہے کہ لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون اس سے کسی فعل پر باز پرس نہیں اور لوگوں سے باز پرس ہوگی۔ تمانتہ ما فی الباب ایسی احادیث وآیات بھی از قبیل متشابہات سمجھی جائیں۔ جو محتاج تاویل ہیں۔ اس سے دوسروں کو اس قسم کی تعبیریں کرنے کی اجازت نہیں ہو سکتی۔ یہاں سے یہ بھی مفہوم ہوگیا۔ کہ صوفیہ کی اس قسم کی تعبیرات فی نفسہ اپنے اندر ایک صحیح معنی رکھتی ہیں۔ مگر حالت سکر میں تو معذوری ہے۔ بحالت صحو ایسی تعبیرات کی اجازت نہیں۔ کیونکہ دیدہ ودانستہ ایک امر مفضی الی الفساد کا ارتکاب مصالح دین کے منافی ہے۔ اور ایسی تعبیرات کے مفضی الی الفساد ہونے میں شک ہی نہیں۔ چنانچہ ان کو بعض لوگوں نے کفر تک پہنچا دیا ہے۔ جیسے کہ ایک صاحب کو دیکھا۔ کہ وہ حق تعالیٰ کو عالم کا مادہ خیال کرتے تھے۔ ایک دوسرے صاحب حق سبحانہ کو کلی طبعی سمجھتے تھے۔ اور ان خیالات کا کفر ہونا ظاہر ہے (انتہیٰ)

صاحب مکاشفات کے نزدیک ان ابیات میں انسان کامل سے خطاب ہے۔ اور یہاں اس کو خورشید اور دریا اس کے عموم فیض کے لحاظ سے کہا ہے۔ اور کوہ قاف اس اعتبار سے کہ زمین وزمان کا استقرار اسی کے برکت وجود سے ہے۔ عنقا اس حیثیت سے کہ وہ نایاب وبے نشان ہے۔ سعدی رہ ؎

بسر وقت شاں خلق کے رہ برند　　کہ چوں آب حیواں بظلمت درانند

تُو نہ ایں باشی نہ آں در ذات خویش　　اے فزوں از وہمہا وز بیش بیش

ترجمہ تو اپنی ذات پاک کے لحاظ سے نہ یہ (یعنی کوہ قاف وعنقا) ہے۔ نہ وہ (یعنی خورشید ودریا) ہے۔ اے (وہ ذات اقدس) کہ اوہام سے آگے اور (جو چیز کہ اوہام سے) آگے (ہے اس) سے بھی آگے ہے (یعنی تو وراء الوراء۔ ثم وراء الوراء۔ ثم وراء الوراء ہے)

مطلب اگر شعر سابق کو اسکے ظاہری معنی پر محمول کرکے اس شعر کو اس کی تعبیر قرار دیا جائے۔ تو اس کو حالت سکر کے ساتھ منسوب کرنا پڑیگا (کما اختار صاحب الکلید) اور اس بیت کا صدور بحالت صحو مانا جائیگا۔ جو قول سابق کے فساد کی اصلاح کرتا ہے۔ لیکن یہ بھی بعید نہیں کہ بیت سابق بھی بحالت صحو کہی گئی ہو۔ اور اس سے وہی معنی مولانا کی مراد ہوں۔ جو ترجمہ میں باظہار مقدرات اختیار کئے گئے ہیں۔ اس

صورت میں یہ بیت ان اوہام کا ازالہ کرتی ہے۔ جو بعض سطحی النظر اشخاص کو اس کے مضمون سے ناشی ہوتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔ کہ اس سے کوئی تنگ نظر یہ نہ سمجھے۔ کہ تو اس کائنات سے متحد یا ان میں حلول کئے ہوئے ہے۔ نہیں نہیں تیری ذات بہت بلند ہے۔ جامی رح ؎

گم بر وہم و ترک ہوشے کن | رخ وحجتت وچہی دریکے کن
یکے بین ویکے دان ویکے گوے | یکے خواہ ویکے خوان ویکے جوے

رُوح با علم ست وباعقل ست یار | روح را با ترکی و تازی چہ کار

لغات یارؔ ہمراہ۔ قریب۔ ترکی ترک۔ قوم ترک سے منسوب تازیؔ عربی۔ جو تاز کے ساتھ منسوب ہے۔ اور تاز کا لفظ تاختن بمعنی غارت کردن سے مشتق ہے۔ چونکہ آغاز اسلام میں اہل عرب نے ایران کو خوب تاخت و تاراج کیا تھا۔ اس لئے اہل ایران کی زبان سے یہ لقب پایا۔ جیسے کہ اہل ایران کو اہل عرب نے عجمی (گونگے۔ غیر فصیح) کا خطاب بخشا ہے۔

ترجمہ (جس طرح) روح علم و عقل کے ساتھ موصوف ہے۔ اس کو ترکی و عربی کہلانے سے کوئی تعلق نہیں (اسی طرح اے خدا تو بھی جسمانیت سے منزہ ہے)

مطلب مضمون سابق کی تائید و توثیق ہے۔ یعنی جب رُوح جو متعلق باجسام اور امور ممکنہ کی قبیل سے ہونے کے باوجود مادیات سے اس قدر الگ تھلگ ہے۔ کہ وہ ترکی و عربی وغیرہ مادی اوصاف سے موصوف ہی نہیں ہوتی بلکہ علم و عقل سے متصف ہونا ہی اس کا شعار ہے۔ تو اے خدا تجھ کو جو کہ مادہ۔ اجسام اور امکان کی صفت سے بالکلیہ پاک و منزہ ہے کو وہ دریا وغیرہ سے کیا نسبت!

تشبیہ اور تنزیہ کی تعریف

از تو اے بے نقش با چندیں صُوَر | ہم مُشبّہ ہم مُوحّد خیرہ سر

لغات بےنقشؔ بےصورت بےچون صُوَر صاد کا ضمہ۔ واو کا فتحہ جمع صورت۔ مراد مظاہر مشبّہ اہل تشبیہ۔ وہ لوگ جو خدا کو مخلوقات و ممکنات سے تشبیہ دیتے ہیں۔ موحّد اہل توحید اہل تنزیہ۔ وہ لوگ جو خدا کو ایک ذات یکتا۔ اور ممکنات و مخلوقات کی صفات سے پاک مانتے ہیں۔ خیرہ سر حیران۔ سرگردان۔ **ترکیب** اے حرف ندا بےنقش منادیٰ۔ با چندیں صور اس کا متعلق دوسرا مصرعہ جواب ندا از تو جار مجرور خیرہ سر کے متعلق ہے۔ یا بے نقش اور با چندیں صور معطوف علیہ و معطوف مل کر منادیٰ ہے۔ باقی ترکیب بدستور

ترجمہ اے (خدا اے) بیچون باوجودیکہ تو اس قدر مظاہر (کثیرہ) سے ظاہر ہے۔ (یا اے خدائے بیچون (اور اے ظاہر بمظاہر کثیرہ) تیری کنہ کے ادراک میں اہل تشبیہ اور اہل توحید دونوں حیران ہیں۔

مطلب - اے خداوند قدوس نہ صرف وہی لوگ تیری کنہ کے ادراک سے محروم ہیں۔ جو تجھے مخلوق سے تشبیہ دینے کی غلطی کرتے ہیں۔ بلکہ جن کو تیری تنزیہہ و توحید کا زعم ہے۔ وہ بھی یہاں فائز بمنزل ہونے سے عاجز ہیں جامی رح ؎

چشم مشبّہ زجمال تو کور | عقل منزہ زکمال تو دور
ناقہ تنزیہہ چو تنہا فتاد | پائے زمعمورہ بصحرا نہاد
حادی تشبیہ چو محمل براند | رفت بمعمورہ و در گل بماند

اے ز تو معمورہ و صحرا ہمہ | بود، تو ہم با ہمہ و بے ہمہ
در تو نیند ایں دو صفت جز بہم | چوں بنمایند تجھا دز بہم
ہست ز تنزیہ تو تشبیہ تو | نیست جز ایں غایت تنزیہ تو

صاحب کلید اس کی تفصیل میں فرماتے ہیں۔ کہ مشبہین و منزہین کے درجات میں تفاوت ہے۔ بعض تو مشبہ کامل ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جو مخلوق کی صفات مختصہ کو حق سبحانہ کے لئے ثابت کرتے ہیں جیسے تشکل (شکل پانا) تمکن (مکان میں ہونا) تحیز (کسی حیز میں ہونا) جسمانیت (مجسم ہونا) وغیرہ بعض منزہ تام ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو حق سبحانہ کو ممکن کی جملہ صفات مختصہ و غیر مختصہ سے عاری ٹھہراتے ہیں۔ حتے کہ علم سے بھی۔ پھر مشبہین کاملین کا آپس میں تعیین تشکل وغیرہ میں اختلاف ہوا۔ کوئی ایک تشکل متعین کرتا ہے۔ کوئی دوسری۔ یہاں تک تو مشبہین و منزہین کاملین یعنی غالین کا بیان تھا۔ اب ان لوگوں کی حالت سنو جو جامع بین التشبیہ و التنزیہ ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں۔ جو حق سبحانہ کے لئے صفات غیر مختصہ بالممکن تو ثابت کرتے ہیں۔ مگر صفات مختصہ بالممکن کی نفی کرتے ہیں۔ اُن کے دو گروہ ہیں۔ ایک وہ جو نفس صفات کی نفی کرتے ہیں۔ مگر آثار کو ثابت کرتے ہیں اور ان آثار کا منشا نفس ذاتیات کو بتاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ خدا علیم ہے۔ مگر بصفۃ العلم نہیں بلکہ بذاتہ۔ اسی طرح قدیر ہے۔ مگر بصفۃ القدرۃ نہیں بلکہ بذاتہ۔ علی ہذہ القیاس مرید ہے۔ مگر بصفۃ الارادۃ نہیں۔ بلکہ بذاتہ۔ اور ارادہ کے معنی متفاوت نہیں لیتے بلکہ کچھ اور ہی تراشتے ہیں۔ دوسرے وہ جو نفس صفات کو بھی ثابت کرتے ہیں۔ پھر دوسرے گروہ کے دو گروہ ہو گئے۔ ایک وہ جو ان نصوص کی تاویل کرتے ہیں۔ جن میں استواء علی العرش (عرش پر قائم ہونا) بطش (گرفت و حملہ) ضحک (خندہ)۔ ید (ہاتھ) وجہ (منہ اور چہرہ) وغیرہ واقع ہیں۔ دوسرے وہ جو تاویل نہیں کرتے۔ مگر اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ کہ ان سے مثل صفات مخلوق تو ہرگز مراد نہیں۔ مگر یہ الفاظ اپنے حقیقی معنوں ہی میں مستعمل ہیں۔ رہی یہ بات کہ پھر وہ صفات کیسی ہیں اس کو حق سبحانہ تعالیٰ کے علم کی طرف تفویض کرتے ہیں۔ اور خود کوئی کیفیت متعین نہیں کرتے۔ مسلک اول متکلمین کا ہے۔ اور مسلک ثانی محققین سلف صالحین کا۔ آجکل عام طور پر لوگ متکلمین کے مسلک کے موافق ہی اعتقاد رکھتے ہیں۔ اگر دوسرا مسلک سب سے احتیاط۔ شبہات سے سلامت اور اشبہ بالحق ہے تو پہلا مسلک بھی تجسم وغیرہ کے شبہ سے محفوظ ہے پھر دوسرے گروہ کے دو فرقے ہو گئے فرقہ اولیٰ وہ جو کہتا ہے کہ خدا ممکنات سے ذاتاً تباین محض ہے۔ اور اس کو مخلوقات سے صرف اپنی صفات و افعال کے ذریعہ سے تعلق ہے۔ جیسے علم۔ ارادہ۔ قدرت۔ رازقیت۔ خالقیت۔ غضب۔ رحمت وغیرہ۔ یہ منزہ ہیں ان کے مقابلہ فرقہ ثانیہ کسی حد تک مشبہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ خدا کو ذاتاً بھی اپنی مخلوقات سے کچھ تعلق ہے۔ یہ مسلک صوفیہ کا ہے۔ اور اس تعلق کو وہ کشفاً اور ذوقاً سمجھتے ہیں۔ مگر کافی الفاظ نہ ملنے کے سبب سے وہ اس تعلق کو دوسروں پر ظاہر نہیں کر سکتے۔ وہ اپنے مقصد کو تشبیہات کے پیرایہ میں ظاہر کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس کے لئے اقرب سے اقرب تشبیہات تلاش کرتے ہیں۔ کبھی دریا اور موج کی مثال دیتے ہیں۔ کبھی روح اور جسم کی وغیرہ وغیرہ۔ مگر افسوس کہ ہر تشبیہ ناکافی ہوتی ہے۔ اور پورے مدعا کو ظاہر نہیں کر سکتی۔ لوگ اس کو تشبیہ تام سمجھ کر دھوکے میں پڑ جاتے ہیں۔ اور ایمان تک کھو بیٹھتے ہیں۔ امثلہ متعارفہ میں سب سے اقرب (گو فی نفسہ وہ بھی بعید ہے و للہ المثل الاعلیٰ) سورج اور ایک سوراخدار چھت کی مثال ہے۔ جس کے ساتھ خدا کو اس کے ظہور کو اور اس کے مظاہر کو تشبیہ دے سکتے ہیں۔ دیکھو جب اس چھت پر سورج کی روشنی پڑتی ہے۔ تو اس کے سوراخوں میں سے جن میں سے کوئی سوراخ گول ہے۔ کوئی بشکل مربع ہے۔ آفتاب مختلف شکلوں میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ کسی سے گول دکھائی دیتا ہے کسی سے

مشبہین و منزہین کے درجات

مثلث نظر آتا ہے۔ کسی سے مربع محسوس ہوتا ہے۔ یہ تمام سوراخ اس کے مظاہر مختلفہ ہیں۔ مگر آفتاب ان سب سے متبائن اور جدا گانہ ہے۔ غرض یہ سب فرقے من وجہ مشبہ اور من وجہ منزّہ ہیں ؎

گہ مُشبّہ را مُوحّد میکنی گہ مُوحّد را بصُورت رہزنی

ترکیب رہزنی کی تقدیر رہزن ہستی یا راہ میزنی دونوں طرح درست ہے۔

ترجمہ کبھی تو مشبہ کو موحد بنا دیتا ہے (اور) کبھی موحّد کو بھی) صورت (وشکل کے مشبہ) کے ساتھ (اس کے اپنے) مسلک سے روک دیتا ہے۔

مطلب مضمون سابق کا تتمہ ہے۔ یعنی اے خدا تو اپنی کنہ کے ادراک میں نہ صرف مختلف فرقوں کے ہی اختلاف وحیرانی میں مبتلا ہونے کا باعث ہے۔ بلکہ بعض اوقات ایک مخصوص فرقے کے کسی پیرو پر بھی مختلف پریشانیاں طاری ہوجاتی ہیں۔ چنانچہ کبھی ایک معتقد تشبیہ کو ایسا عقدہ لانیحل پیش آجاتا ہے۔ کہ اس کو اضطراراً تنزیہ کا معترف ہونا پڑ جاتا ہے۔ اور کبھی کسی معتقد تنزیہ کو ایسی مشکل پیش آتی ہے کہ وہ تشبیہ کی طرف مائل ہونے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ غرض یہ بڑا مشکل مقام ہے۔ بقول فیضی غفرلہ ؎

دانا کہ سخن بکنہ او بست — برگنگرِ شعلہ تارِ مو بست
ایں رہ کہ حریف او قدم نیست — در نیروئے نازک قلم نیست

گہ ترا گوید زمستی بوالحسن یا صغیر السّن یا رطب البدن

لغات ابوالحسن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کنیت ہے۔ یہاں مطلق ایک عارف کامل مراد ہے۔ جس کے لئے حضرت شاہ ولایت صدر نشین منزل عرفان یعنی حضرت علی رض کی کنیت کا اطلاق زیادہ موزوں سمجھا۔ صغیر السّن کم عمر۔ ننھا منا رطب البدن۔ نازکبدن۔ تر وتازہ جسم والا۔

ترجمہ کبھی ایک عارف کامل (غلبۂ شوق کی) مستی میں (مائل بہ تشبیہ ہوکر تجھ سے) یوں مخاطب ہوتا ہے۔ کہ اے ننھے منے نازکبدن لڑکے!

مطلب ایک عارف پر مختلف کیفیات کے طاری ہونے کی مثال ہے۔ یعنی اے خدا کبھی وہ تیرا جلوہ ایک کم عمر وخوبصورت بچے میں دیکھتا ہے۔ تو حق کو ممکن کے ساتھ متعلق پاکر مائل بہ تشبیہ ہوجاتا ہے۔ اور تجھے یوں پکارنے لگتا ہے۔ جیسے کسی لڑکے کو پیار کے لہجے میں بلاتے ہوں۔ جامی رح ؎

بسکہ در جانِ فگار و چشمِ بیدارم توئی — ہرچہ پیدا مے شود از دُور پندارم توئی

گاہ نقش خویش ویراں میکند از پئے تنزیہ جاناں میکند

لغات نقش خویش۔ اپنی ہستی۔ اپنا وجود۔ ویران فنا۔ نابود۔ جاناں بمعنی جان آخر میں الف ونون زائد ہے۔ جیسے جاوداں میں پہلے مصرعہ کا میکند بضم کاف کردن سے اور دوسرے مصرعہ میں بفتحہ کاف کندن سے مشتق ہے۔ جاناں میکند۔ جاں کنی میکند۔ مرجاتا ہے۔ فنا ہوجاتا ہے۔

ترجمہ (اور) کبھی (غلبۂ تنزیہ سے تیری ذات کو ممکنات سے اس قدر دور سمجھنے لگتا ہے۔

کہ اس مقام میں) اپنے وجود تک کو بھی معدوم (یقین) کرنے لگتا ہے۔ اور تنزیہ کے لئے اپنی جان کو نابود (خیال) کرتا ہے۔

مطلب اے خدا! پس تیری توحید و تنزیہ کا اس قدر غلبہ ہوتا ہے کہ وہ تیرے جلوہ کے آگے اپنے وجود کو موجود سمجھنا بھی شرک کا مترادف قرار دینے لگتا ہے۔ اس لئے موحد ہو کر ذات بحت کی طرف توجہ کرتا ہے۔ سعدی رح ؎

اگر یاری از خویشتن دم مزن — کہ شرک است با یار و با خویشتن

ونیز ؎ عجب ست با وجودت کہ وجود من بماند — تو بگفتن اندر آئی و مرا سخن بماند

چشم حس را ہست مذہب اعتزال — دیدۂ عقل ست سنّی در وصال

لغات چشم حس ظاہری آنکھ جو اجسام کو ہی دیکھ سکتی ہے۔ اعتزال فرقہ معتزلہ کا مذہب جن کے عقائد باطلہ میں سے ایک عقیدہ یہ بھی ہے۔ کہ قیامت میں مومنوں کو حق تعالیٰ کا دیدار ہونا محال ہے۔ اعتزال کے معنے ہیں کنارہ کشی اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے۔ کہ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ صدر اسلام میں ایک مشہور محدث علوم ظاہری میں امام وقت، اور معارف باطنی میں شیخ الکل گذرے ہیں۔ ان کا کچھ ذکر مفتاح العلوم کے پہلے حصے میں بذیل ذکر حضرت حذیفہ ابن الیمان رضی اللہ عنہ بھی ہوا ہے ان کے شاگردوں میں ایک شخص واصل ابن عطا نامی بڑا ذہین و ذکی اور بلیغ واہل قلم تھا۔ مگر اس کے عقائد و خیالات فلسفہ یونان سے متاثر تھے۔ ایک مرتبہ اس نے یہ دعوی کیا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب نہ مومن رہتا ہے نہ کافر ہوتا ہے۔ بلکہ اس کی حیثیت ان دونوں درجوں کے بین بین ہو جاتی ہے۔ خواجہ حسن بصری رح نے اس کا یہ قول سنکر فرمایا۔ اِعْتَزَلَ عَنَّا یعنی یہ شخص ہم سے الگ ہو گیا۔ اب ہماری جماعت میں شامل نہیں رہا۔ اس سے اس فرقہ کا نام اہل اعتزال یا معتزلی پڑ گیا۔ اور واصل مذکور اس فرقہ کا بانی ہے۔ دیدۂ عقل بصیرت باطنی سنّی اہل سنت والجماعت کے مذہب کا پیرو جو معتزلی کے مقابلے میں اس کا مدّمقابل ہے۔ در بمعنی ظرفیت ہے یعنی بحالت وصال یا بمعنی تعلیل یعنے برائے حصول وصال صورت دوم مولانا کے کلام میں بکثرت ہے۔ وصال قرب۔ دیدار مشاہدہ حق

ترجمہ ظاہر آنکھ کا (شیوہ تو یہ ہے۔ کہ مشاہدہ حق نہ کرے جیسے کہ) مذہب معتزلی (کا عقیدہ) ہے (کہ دیدار الٰہی ناممکن ہے۔ اور) بصیرت باطن (کا یہ درجہ ہے کہ) مشاہدہ حق میں (مستغرق ہو جس طرح) سنی المذہب (دیدار الٰہی کا قائل) ہے۔

مطلب پیچھے فرمایا تھا۔ کہ حس مادی کو جو عالم ناسوت کی پابند ہے بیکار کر کے حس مجرد سے کام لینا چاہیئے اس مضمون کی طرف پھر عود کرتے ہیں۔ کہ چشم حس عملاً معتزلی المذہب ہے۔ کیونکہ وہ حق بینی کے لئے کوشش نہیں کرتی۔ اس لئے وہ گویا رویت حق کی منکر ہے۔ اور دیدۂ عقل و حس مجرد حالت قرب و دیدار حق میں عملاً سنی المذہب ہے جو مثبت رویت باری تعالیٰ ہے

مسخرۂ حس اند اہل اعتزال — خویش را سنّی نمایند از ضلال

لغات مسخرہ مسخر، مقید۔ نمایند ظاہر کرتے ہیں۔ ضلال گمراہی، غلطی۔ **ترکیب** مسخرہ حس مبتدا اہل اعتزال اس کی خبر یعنی مسخرہ حس اہل اعتزال اند۔ رابطہ کے بے محل وقوع سے ترکیب معکوس معلوم ہوتی ہے۔

ترجمہ (جو سنی لوگ حس (مادی) کے مقید ہیں۔ وہ عملاً) معتزلی المذہب ہیں (اور) غلطی سے اپنے

واصل بن عطا اور معتزلہ

آپ کو سنّی کہتے ہیں۔

مطلب مقیدانِ حس مادی کے عملاً معتزلی المذہب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ حس مجرد سے کام لیکر رویت حق کی کوشش نہیں کرتے۔ اور یہی مسلک اہل اعتزال کا ہے۔ جو سرے سے رویت باری کے ہی منکر ہیں بقول باری تعالیٰ مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى۔ جو کوئی یہاں اور اک حقائق سے کور چشم ہے وہاں بھی بے بصیرت (دیدار الٰہی سے محروم) رہے گا۔

ہر کہ در حس ماند او معتزلی ست گرچہ گوید سنّیم از جاہلی ست

عروض معتزلی میں تاء فوقانی مفتوح اور زاء معجمہ مکسور ہے۔ مگر اس لفظ کو اس ہیئت کے ساتھ پڑھنے سے وزن بیت درست نہیں بیٹھتا۔ لہٰذا ضرورۃً اس لفظ کو فتحۂ تا کے اشباع سے معتا زلی۔ یا زائی تشدید سے معتزّلی پڑھنا ہوگا۔ مثنوی شریف کے ناپیدا کنار دریائے معانی کی روانی میں ان لفظی مسامحتوں کے خس و خاشاک کی پروا نہیں کی جاتی۔

ترجمہ جو شخص حس مادی میں (مقید) رہے وہ (عملاً) معتزلی ہے۔ اگرچہ وہ (یہ) دعوٰے کرے کہ میں سنّی ہوں تو (اس کا یہ دعویٰ) نادانی پر مبنی ہے۔

ہر کہ بیروں شد ز حس او سنّی ست اہل بینش چشم حس خویش بست

لغات بیروں شد۔ برطرف ہوگیا۔ کنارہ کش ہوگیا۔ اہل بینش صاحب بصیرت باطن۔ صاحب حس مجرّد معتقد رویت باری تعالیٰ۔

ترجمہ جو شخص حس (مادی) کو چھوڑ چکا۔ (درحقیقت) وہی سنّی ہے (اس لئے کہ) اہل بصیرت (یا معتقد رویت حق تعالیٰ) اپنی چشم ظاہری کو (رویت ممنوعات سے) بند رکھا کرتے ہیں۔

مطلب اہل تحقیق اور اہل بینش کا شیوہ ہے۔ کہ وہ عالم ناسوت کی طرف سے اپنی التفات کو ہٹا کر عالم غیب کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ چشم ظاہری کو بند کرنے سے یہ مراد ہے۔ کہ اس سے مدرکات ممنوعہ کے احساس کا کام نہیں لیتے۔ گویا اس حیثیت سے اس کو بیکار کر لیتے ہیں۔ ورنہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہمہ وقت آنکھیں بند کئے رہتے ہیں اور مباحات کی رویت سے بھی مجتنب رہنا ضروری سمجھتے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ آلۂ بصارت کے اس کثرت استعمال سے پرہیز کرتے ہیں۔ جو احوال باطنی سے غافل ہونے کا باعث ہو جائے۔

کما قال ظہوری غفرلہ ؎

دیدہ را پردۂ خود کردہ بدیدن رفتم پنبہ بر گوش نہادم بشنیدن رفتم

ہر کہ از حس خدا دید آیتے در بر حق داشت بہتر طاعتے

لغات حس خدا سے حس باطن یا حس مجرد مراد ہے۔ اور حس کی خدا کے ساتھ اضافت بادنیٰ ملابست ہے یعنی حس موصل بخدا۔ آیت نشانی۔ تر بمعنی پیش جیسے "قدر کن زنا ایدلش برخدا"۔ ہیں ترکیب دوسرے مصرعہ میں داشت کے دو مفعول ہیں۔ پہلا مفعول مقدر یا تو "دید آیت" ہے۔ یا "ہر طاعت کہ کند" دوسرا مفعول

بہتر طاعتے۔ لہٰذا ترجمہ دو طرح ہو سکتا ہے۔
ترجمہ جس شخص نے (جمال) خدا (کا مشاہدہ کرنے) والی حس (باطن) سے (حق سبحانہ کی) کوئی نشانی دیکھ لی تو (وہ نشانی کا دیکھنا) اس کے لئے بہترین طاعت ہے (یا یوں کہو کہ اس کی ہر طاعت بمقابلہ دوسرے لوگوں کے بہترین طاعت ہے) صائب رہ ؎

زطاعت ست فزوں آبروے تقصیرش　　نماز ہر کہ ز نظارہ است قضا گردد

اختلاف یہ بیت بعض نسخوں میں موجود نہیں ہے۔ اس کے متعلق مولانا بحر العلوم ایک شارح کا قول نقل فرماتے ہیں کہ یہ الحاقی ہے۔ اور بعض نسخوں میں درج ہے تو بیت سابق سے مقدم درج ہے۔

گر بدیدے حسّ حیواں شاہ را　　پس بدیدے گاؤ خر اللہ را

لغات حس حیواں سے حس ظاہری مادی مراد ہے۔ جو انسان اور باقی تمام حیوانات میں مشترک ہے۔ گاؤ و خر میں پہلی واؤ گاؤ کا جزو کلمہ ہے۔ دوسری واؤ عاطفہ ہے۔ بعض نسخوں میں اس کو گاؤ خر صرف ایک واؤ سے لکھا ہے۔ یہ غیر صحیح ہے۔

ترجمہ اگر (یہ) ظاہری مادی حس شاہ (حقیقی تعالیٰ شانہ) کو دیکھ سکتی۔ تو بیل اور گدھے تک (بھی) رویت حق تعالیٰ سے بہرہ ور ہو جاتے۔

مطلب اوپر کے مضمون پر سوال ہو سکتا ہے۔ کہ حس مادی کو چھوڑ دینے اور حس مجرد پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے کیا حس مادی سے مشاہدہ حق نہیں ہو سکتا۔ یہاں اس کا جواب دیا ہے۔ یعنی اگر حس مادی سے یہ کام ہو سکتا۔ تو باقی حیوانات بیل گدھے وغیرہ بھی مشاہدہ حق سے بہرہ اندوز ہو سکتے۔ جب ایسا نہیں ہے۔ تو معلوم ہوا کہ کوئی اور ہی قوت خدا بینی میں کام دیتی ہے۔ اور وہ قوت وہی ہے جسکو اوپر حس خدا کہا ہے۔ عراقی رہ ؎

ہم دیدۂ او باید تا حسن رخش بینی　　کا نجا کہ جمال اوست ابصار نمے گنجد

گر نبودے حسّ دیگر مر ترا　　جز حس حیواں ز بیرونِ ہوا
پس بنی آدم مکرّم کے بُدے　　کے بحسّ مشترک محرم شدے

لغات ز بیرونِ ہوا ہوا و ہوس سے خارج مکرّم معزز و ممتاز حسّ مشترک لغوی اعتبار سے وہ حس جو انسان و بہائم میں مشترک ہے یعنی باصرہ سامعہ وغیرہ اور اصطلاحاً حواس خمسہ باطنیہ میں سے پہلی حس کا نام ہے۔ مگر یہاں لغوی معنی مقصود ہیں۔ محرم میم اور راء کے فتحہ سے محرم راز واقف و شناسا **ترکیب** پہلا شعر شرط ہی دوسرا جزا اور دوسرے شعر میں مکرم کے بُدے اور کے بحس مشترک محرم شدے معطوف علیہ اور معطوف ہیں۔ صاحب کلید نے اس ترکیب عطفی کو بڑی نازک اور پر اشکال قرار دیا ہے۔ اور اس کی توضیح پر خاص زور دیا ہے۔ حالانکہ ایک معمولی بات تھی۔ **صنائع** بنی آدم کے مکرم ہونے میں اس آیت کے مضمون کی طرف تلمیح ہے وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا اور البتہ ہم نے بنی آدم کو عزت دی اور خشکی اور تری میں ان کو (جانوروں اور کشتیوں

پر) سوار کیا۔ اور عمدہ چیزیں انہیں (کھانے کو) دیں اور جتنی مخلوقات ہم نے پیدا کی ہے۔ ان میں سے بہتیروں پر اُن کو برتری دی (سورہ بنی اسرائیل، ۷۰)

ترجمہ اگر تمہارے اندر ایک اور (باطنی) حس نہ ہوتی۔ جو حیوان (وانسان) کی (مشترکہ) حس کے علاوہ (اور) ہوا (وہوس) سے خارج ہے۔ تو بنی آدم (خدا کے نزدیک) کب معزز (وممتاز) ہوتے اور اکیلی اس حس مشترک (بین الانسان والبہائم) کی (کیا حقیقت تھی۔ صرف اسی کی) بدولت کب محرم (راز حق) ہو سکتے۔

نامصوّر یا مصوّر گفتنت باطل آمد بے زصورت رفتنت

لغات۔ نامصور۔ بلا صورت۔ قید صورت سے منزہ مصوّر موصوف بصورت زصورت رفتن۔ قید صورت سے آزاد ہو جانا۔ ترکیب آمد فعل ناقص گفتن مصدر اور نامصور یا مصور بترکیب عطفی اس کا مفعول ملکر اس کا اسم۔ باطل اس کی خبر۔ بے حرف جار۔ رفتن مصدر اس کا مجرور زصورت جار و مجرور متعلق رفتن کے۔ پھر وہ جار و مجرور متعلق خبر کے۔

ترجمہ تیرے صورت سے آزاد ہوئے بغیر خداوند تعالیٰ کو صورت سے منزہ یا صورت سے موصوف کہنا لاحاصل ہے۔ (اس سے دولت عرفان حاصل نہیں ہو سکتی)۔

مطلب۔ یہاں حصول مشاہدہ کا طریقہ بتاتے ہیں۔ یعنی تم قید صورت سے آزاد ہو جاؤ۔ اور عالم ناسوت سے اپنا تعلق منقطع کرو۔ اگر یہ نہیں کرو گے۔ تو پھر خواہ تم اہل تنزیہ میں شامل ہو کر اس کو صورت وغیرہ صفات اجسام سے پاک ومنزہ پکارتے رہو۔ یا اہل تشبیہ کے زمرے میں داخل ہو کر اس کو موصوف بصورت قرار دیتے رہو۔ اس قیل وقال اور بحث وجدال سے خاک بھی فائدہ نہیں۔ کیونکہ دولت مشاہدہ اور فضیلت عرفان مجاہدہ وعمل کا ثمرہ ہے نہ کہ زبانی جمع خرچ کا۔ غرض اس دولت کے حصول کی بہترین تدبیر ترک صورت ہے۔ جامی رحمۃ اللہ علیہ ؎

یا طالب الوصول تجرد لکے تصل مستے زدایں ترانہ بآواز چنگ ودف

نظامی رحمۃ اللہ علیہ ؎

یا فلک رقص کے تواں کردن دام در پا و کوہ بر گردن

نامصوّر یا مصوّر پیش اوست کہ ہمہ مغز است و بیروں شد ز پوست

ترکیب او مبین اور دوسرا مصرعہ اس کا بیان۔ ملکر مضاف ہوا پیش کا۔

ترجمہ (خدا کا) منزہ از صورت یا موصوف بصورت (ہونا) تو اس (عارف کامل) کے نزدیک (متحقق) ہے۔ جو کمال تحقیق سے) سراپا مغز (بن گیا) ہے۔ اور (الفاظ پرستی کے) پوست سے نکل گیا۔ (نہ تم صرف اپنی زبانی ولسانی قیل وقال سے یہ رتبہ حاصل نہیں کر سکتے۔ مجاہدہ کرو)

گر تو کوری نیست بر اعمیٰ حرج ورنہ رو کالصبر مفتاح الفرج

لغات کوری کورہستی۔ تو اندھا ہے۔ اعمیٰ نابینا۔ اندھا۔ حرج تنگی۔ مضایقہ۔ کالصبر کی تقدیر کہ الصبر ہے۔ اور اس میں کاف تعلیلیہ حرف فارسی ہے۔ عربی فقرہ کا جز نہیں۔ صنائع پہلے مصرعہ میں اس آیت کریمہ کی طرف تلمیح

ہے ۔ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ ۔ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ الخ یعنی نہ تو اندھے آدمی کے لئے کچھ مضائقہ ہے اور نہ لنگڑے کے لئے کچھ مضائقہ ہے اور نہ بیمار کے لئے کچھ مضائقہ ہے اور نہ عموماً تم مسلمانوں کے لئے اس میں کچھ مضائقہ ہے کہ اپنے گھروں سے کھانا کھاؤ ۔ یا اپنے باپ کے گھر سے الخ (سورۂ نور ع۶) دوسرے مصرعہ میں اس حدیث کا اقتباس ہے جو دیلمی نے امام حسین ابن علی سے مرفوعاً روایت کی ہے ۔ الصبر مفتاح الفرج والزھد غنی الابد یعنی صبر فراخی کی کنجی ہے ۔ اور ترک خواہشات ہمیشہ رہنے والی تونگری ہے ۔

ترجمہ اگر تم اندھے (اور مسلوب الاستعداد) ہو ۔ تو (پھر تم سے ہم کچھ نہیں کہتے کیونکہ) اندھے پر کوئی مضائقہ نہیں (وہ معذور ہے) اگر یہ بات نہیں ۔ تو جاؤ (مجاہدہ کرو) کیونکہ (مجاہدہ پر) صبر کرنا خزائن معرفت کی) کشائش کی کنجی ہے ۔

مطلب ۔ یہاں عالم ناسوت سے قطع تعلق کرنے کا طریقہ بتلاتے ہیں ۔ لیکن توبیخ کے لہجے میں ۔ یعنی اگر تم اندھے ہو نے کی وجہ سے معذور ہو ۔ تو خیر ورنہ مجاہدہ کرو ۔ اس کے بغیر عالم ناسوت سے یکسوئی حاصل نہیں ہو سکتی ۔ صاحب

ے خویش را گر زخور و خواب توانی گذرانند کشتی خود بسبک از آب توانی گذرانند

فغانی ے خواب و خورت ز مرتبہ عشق دور کرد آندم رسی بدوست کہ بیخواب و بیخور شوی

پردہائے دیدہ را دار وئے صبر ہم بسوزد ہم بسازد شرح صدر

لغات پردہائے دیدہ آنکھ کے جالے جو رمد مزمن ۔ شعر منقلب ۔ جرب الاجفان وغیرہ امراض چشم سے آنکھ کے ڈھیلے پر پیدا ہو کر مانع بصر ہو جاتے ہیں ۔ دار وئے آنکھ میں ڈالنے کی دوا مراد ہے ۔ بسازد فعل بسیط ہے یعنی پیدا میکند ۔ بظہور سے آرد ۔ سوزد یعنی قطع کند صنائع سوزد اور سازد میں تجنیس لاحق ۔

قافیہ صبر و صدر کا قافیہ محل نظر ہے ۔

ترجمہ چشم باطن (پر چھائے ہوئے غفلت) کے جالوں کو بھی صبر کی دوا کاٹ دیگی (اور) سینہ کو (نور عرفان کے لئے) کشادہ بھی کر دیگی ۔

مطلب ۔ ریاضت و مجاہدہ کے فوائد بیان فرماتے ہیں جس کو صبر کے لفظ سے تعبیر کیا ہے ۔ فرماتے ہیں ۔ کہ صبر سے تمام معائب روحانیہ زائل اور ہر قسم کے فضائل و کمالات حاصل ہو سکتے ہیں ۔ حافظ ے

گویند سنگ لعل شود در مقام صبر آرے شود و لیک بخون جگر شود

آئینہ دل چوں شود صافی و پاک نقشہا بینی بروں از آب و خاک

لغات آئینہ دل میں فک اضافت ہے ۔ صافی صاف نقشہا نقش کی جمع مراد صورتیں اور مصنوعات حالات ۔ آب و خاک سے عالم ناسوت مراد ہے ۔

ترجمہ جب تمہارے دل کا آئینہ (ریاضت صبر کی بدولت) پاک وصاف ہو جائیگا ۔ تو عالم ناسوت سے باہر کے حالات مشاہدہ کرنے لگوگے ۔

مطلب ۔ ریاضت سے آئینہ دل صاف ہوتا ہے اور اس کی صفائی سے ماورائے دنیا کے احوال منکشف ہونے

لگتے ہیں۔ صائب رح ؎

سینہ بر سنگ زناں محرم ایں درگاہ اند　　　در توفیق بہر خام کجا بکشا یند

ماوراء الدنیا کے احوال جن کو مولانا نے نقوش سے تعبیر کیا ہے۔ دو طرح کے ہیں۔ ایک کونیات جیسے عالم برزخ۔ بہشت۔ دوزخ وغیرہ کے حالات دوسرے الٰہیات یعنے معاملات عالم قدس۔ اور اولیاء اللہ پر ان حالات میں سے اکثر یا بعض منکشف ہوتے ہیں۔ چنانچہ شیخ عبدالکریم جیلیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دریا دیکھا جس کی ایک موج مابین السماء والارض سے دس لاکھ حصہ بڑی ہے۔ اور میں نے دوزخ کے تمام طبقات کی پیمایش کی ہے۔ اور غالباً شیخ محی الدین ابن عربی رح پر تمام اہل دوزخ اور اہل جنت کی تعداد منکشف ہوئی۔ مگر یہ حضرات قصداً کونیات کی سیر کرنے اور ان کے حصول علم کو کفر اہل طریقت اور شرک فی الطریق سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہاں اگر بلا قصد و ارادہ ایسا ہو جائے۔ تو خیر۔ البتہ الٰہیات پر متوجہ ہونا ان کا مقصود ہوتا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ کی صفات و افعال کا کشف جسکو علم مکاشفہ کہتے ہیں اور معاملات بین الحق والعبد کا وہ کشف جسکو قرب الی الحق میں دخل ہو۔ اور اس کا نام علوم معاملہ ہے۔ پہلا غیر لازم دوسرا حسب استعداد لازم ہے۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ کا ارشاد ہے۔ کہ الٰہیات کے سوا باقی تمام مکاشفات قابل نفی ہیں۔ اگرچہ وہ انوار ملکوتیہ سے متعلق ہی ہوں۔ کیونکہ وہ بھی حجابات ہیں۔ بلکہ حجابات نورانیہ حجابات ظلمانیہ سے زیادہ مضر ہیں۔ کیونکہ حجابات ظلمانیہ کا محجوب اپنے آپ کو محجوب اور محتاج ترقی تو سمجھتا ہے۔ بخلاف اس کے حجابات نورانیہ کا محجوب اپنے آپ کو واصل الی الحق اور فائز بمرام سمجھ کر اس مقام پر محصور ہو جاتا ہے۔ اور ان انوار کو ذات حق کی تجلیات سمجھ کر عمر بھر اس تلذذ میں مستغرق ہو جاتا اور قرب حق سے محروم رہ جاتا ہے۔ چنانچہ بعض صوفیہ سالہا سال روح کی تجلی کو تجلی ذات سمجھ کر اس کی پرستش میں مبتلا رہتے ہیں (از کلید تبدیل عبارت) غرض مولانا فرماتے ہیں۔ کہ عالم ناسوت کی تمام اشیاء کی نفی کر کے عالم بالا کی طرف متوجہ و ملتفت ہو جاؤ۔ اور تماشائے قدرت دیکھو۔ صائب رح ؎

بر بساط بوریا سیر دو عالم میکنیم　　　باوجود نے سوار سے برقی جولانیم ما

ہم بہ بینی نقش و ہم نقاش را　　　فرش دولت را و ہم فراش را

لغات نقش مصنوع۔ مخلوق نقاش نقش بنانیوالا۔ صانع مراد حق تعالیٰ فرش دولت دربار شاہی۔ فراش فرش بچھانیوالا۔ فراش فرش دولت ناظم دربار صدر نشین۔ مراد حق تعالیٰ۔

ترجمہ (پھر) تم ہر مصنوع اور اس کے صانع کا بھی مشاہدہ کرنے لگوگے دربار قدس اور صدر نشین دربار (کا جلوہ) بھی (دیکھوگے)

اختلاف یہ شعر بعض نسخوں میں نہیں ہے۔

مطلب۔ اس تقریر سے تمام غیر اللہ کی نفی مفہوم ہوتی ہے۔ اس لئے سوال ہوتا ہے۔ کہ پھر شیخ بھی تو غیر اللہ ہے اس کی بھی نفی ہونی چاہیئے۔ اور عالم ناسوت کی طرح اس کو بھی کیوں نہ ترک کیا جائے۔ آگے اس کا جواب دیتے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ گو بظاہر تعلق شیخ بمنزلہ بت ہے۔ مگر درحقیقت یہ بت شکن اور معلم توحید ہے۔

چوں خلیل آمد خیال یار من　　　صورتش بت معنی او بت شکن

لغات خلیل دوست۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لقب خلیل اللہ کا مخفف ہے یار سے مرشد مراد ہے۔ خیال یار

تصور شیخ بت نیست بلکہ بت شکنی ہے

تصورِ شیخ۔

ترجمہ حضرت خلیل اللہ ع (کے کلمات ہذا ربی) کی طرح میرے مرشد کا خیال بظاہر بت (مگر) درحقیقت بت شکن ہے۔

مطلب بے شک مرشد کی ذات غیر اللہ ہے۔ اس لئے بظاہر اس کو "بُت" کہہ سکتے ہیں۔ مگر اس کی طرف التفات و التجا اس لئے نہیں کی جاتی۔ کہ وہی مقصود ہو۔ اور اس بنا پر اسپر بت پرستی کا اطلاق ہو سکے۔ بلکہ ہم تو اس کی طرف اس لئے ملتجی ہوتے ہیں۔ کہ وہ ہمارے دل سے غیر اللہ کا نقش مٹا دے اور وصول الی اللہ کے طریقے بتائے۔ پس وہ بت شکن ہوا۔ اور موصل الی اللہ۔ اور ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ خیال یار یا تصور شیخ غیر اللہ نہیں۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ وہ عین حق ہے۔ کیونکہ صوفیہ کے عرف میں غیر اللہ وہ ہے جس سے خدا کے لئے تعلق نہ ہو۔ اور خیال یار یا تصور شیخ سے تعلق محض خدا کے لئے ہے۔ پس وہ نہ غیر حق ہے۔ نہ عین حق۔ بلکہ موصل الی الحق ہے۔ حضرت خلیل اللہ کے ساتھ اس کی تشبیہ اس لحاظ سے ہے کہ انہوں نے ایک ستارہ کو دیکھ کر کہا تھا۔ ھٰذا ربی۔ پھر چاند کو دیکھکر بھی کہا۔ ہذا ربی اس کے بعد سورج کو دیکھ کر کہا ہذا ربی ہذا اکبر۔ یہ الفاظ بظاہر شرک و بت پرستی کا عنوان ہیں۔ مگر درحقیقت یہی الفاظ بتوں کو پامال اور شرک کو تباہ کرنے والے ہیں۔ کیونکہ ان الفاظ کے ساتھ پہلے تو بت پرستی کا دعوٰی متعین کیا گیا ہے۔ جس کا ابطال حضرت خلیل اللّٰہ کا مقصود تھا۔ اس کے بعد اس کا ابطال کر دیا۔ اور مناظرہ میں کسی دعوٰی کے ابطال کے لئے پہلے اس کا تعین بصورت اثبات کیا جاتا ہے۔ پھر ابطال کرتے ہیں۔ مناظرہ کے اس قاعدہ متعارفہ کے مطابق حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کے قول ھٰذا ربی کیساتھ ہر مرتبہ ابطال کا کلمہ موجود ہے۔ یعنی پہلے کہا لا احب الآفلین۔ پھر کہا لئن لم یہدنی ربی لاکونن من القوم الضالین۔ اس کے بعد ارشاد کیا۔ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ پس ہذا ربی کے الفاظ گو بظاہر بت ہیں۔ مگر وہ جس حجت کے جوڑ توڑ میں استعمال ہوئے ہیں۔ اس سے اساس بت پرستی کا ہدم و استیصال مقصود ہے۔ لہٰذا یہ لفظ درحقیقت بُت نہیں۔ بلکہ بت شکن ہیں۔

شکر یزداں را کہ چوں او شد پدید در خیالش جاں خیال خود بدید

ترکیب ضمیر او کا مرجع خیال مرشد ہے۔ یا مرشد ہی ہو تو بھی بعید نہیں۔ بلکہ بلحاظ سیاق اقرب ہے۔ اور خیالش میں ضمیر شین کا مرجع مرشد ہی ہے۔

ترجمہ خداوند تعالیٰ کا شکر ہے جب وہ (یعنی مرشد کا خیال دل میں) پیدا ہوا تو اس کے خیال میں جان نے اپنا نقشہ دیکھ لیا۔

ادراک نقص

مطلب بقول مشہور تعرف الاشیاء باضدادھا یعنی ہر چیز کا احساس اس کی ضد کے مقابل میں آنے سے ہوتا ہے جب مرید اپنی روحانیت ناقصہ کو اپنے مرشد کے کمالات کے سامنے رکھ کر دیکھے گا۔ تو وہ اس کے آئینہ کمال میں اپنے نقص کا مشاہدہ کر سکے گا۔ اور یہ احساس و ادراک اس کو جبر نقصان اور تحصیل کمال پر آمادہ کریگا۔ نیز بفحوائے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِذَا رُءُوْا ذُکِرَ اللّٰہُ بزرگان دین کی صحبت و قرب سے اہل ارادت پر خود بخود ایک خاص تاثیر پڑتی ہے جس سے ان کو اپنے روحانی نقائص کا احساس ہوتا ہے۔ اسی کو معرفت نفس کہتے ہیں۔ اور معرفت نفس معرفت پروردگار کا زینہ ہے۔ جس پر قول مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ شاہد ہے

نظامی رحمہ اللہ

بداں خود را کہ از راہِ معانی خدا را دانی ار خود را بدانی

صائبؒ ؎ از خود نشناساں مطلب دیدۂ حق بیں — حق را چو شناسند ز خود بیخبرے چند

اور ان سب باتوں سے عزوت شیخ ثابت و مبرہن ہوتی ہے۔

اختلاف شرح بحرالعلوم کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متن میں دوسرا مصرعہ یوں ہے در خیال او خیالِ حق رسید مطلب ظاہر ہے۔

شکر معطی را کہ چوں او در رسید — در خیالش جاں خیالِ خود ندید

لغات معطی عطا کرنے والا محسن۔ مربّی۔ کریم۔

ترجمہ شکر ہے اس محسن (حقیقی تعالیٰ شانہ) کا کہ جب وہ (خیال یار) سامنے آگیا۔ تو اس کے خیال میں جان کو اپنا خیال نہ رہا۔

مطلب یعنی تصور شیخ کے غلبہ سے اپنی ہستی فراموش ہو گئی۔ جس کی بدولت اپنے تعین سے نظر ہٹ گئی اور اس پردہ کے اٹھ جانے سے مشاہدہ حق کا درجہ حاصل ہو گیا ؎

میان عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست — تو خود حجاب خودی حافظ از میان برخیز

ولہ ؎ حجاب چہرۂ جاں میشود غبار تنم — خوشا دمے کہ ازیں چہرہ پردہ برفگنم

اختلاف ۔ بیت صرف بحرالعلوم کے متن میں مندرج ہے۔ اور کسی نسخے میں نہیں ملی۔

خاکِ درگاہت دلم را میفریفت — خاک بر وے کو زخاکت مے شکیفت

لغات میفریفت۔ ماضی ناتمام فریفتن سے مفتون بنانا۔ فریفتہ کرنا۔ مے شکیفت شکیفتن سے صبر کرنا بے نیاز ہونا

ترجمہ (اے مرشد!) تیری درگاہ کی خاک میرے دل کو فریفتہ کر رہی ہے۔ جو شخص تیری (درگاہ کی) خاک سے بے نیاز ہو۔ اس (کے سر) پر خاک!

مطلب شیخ پیر ہیں اب غیبت سے خطاب کی طرف التفات فرماتے ہیں۔ اور آستانہ مرشد پر حاضری کا شوق ظاہر کرتے ہیں۔ حافظؒ ؎ جز آستان توام در جہاں پناہے نیست۔ سر مرا بجز ایں در حوالہ گاہے نیست۔

گفتم ار خوبم پذیرد ایں ازو — ورنہ خود خندید بر من زشت رو

لغات ار اگر خوبم خوب ہستم۔ زشت رو۔ بدصورت۔ کریہ منظر۔ اس لفظ سے یا تو معنی ظاہری مراد ہیں یا یہ کنایہ ہے شیطان سے **ترکیب** اس بیت میں ضمائر کے مرجع قائم کرنے اور اس کے مطلب کو ابیات سابقہ و لاحقہ کے ساتھ ربط دینے میں شارحین کے اقوال مضطرب ہیں۔ بظاہر پذیرد کی ضمیر حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف پھرتی ہے۔ جس کے لئے ایزد اور معطی کے کلمات اوپر آئے ہیں۔ ایں کا اشارہ اپنی خوبی کی استعداد کی طرف ہے۔ ازو کی ضمیر قلب کی طرف راجع ہے۔ جو کہ شعر سابق "خاک درگاہت دلم را میفریفت" میں درج ہے۔ پس ازو بمعنی از من ہوا۔ کیونکہ قلب اور ذی قلب کے احکام متلازم ہیں اور ہمارا اختیار کردہ ترجمہ انہی تقدیرات پر مبنی ہے۔ مگر شارح کلید فرماتے ہیں۔ اگر شعر "خاک درگاہت" میں خطاب بحق سبحانہٗ ہو ضمیر پذیرد کا مرجع حق سبحانہ ہو۔ اور ایں کا مشار الیہ فریفتگی ہو۔ تو زیادہ نمایاں ہے۔ ور درگاہت کا مخاطب شیخ کو بنا کر پذیرد کی ضمیر کو بسوئے حق سبحانہ راجع بنانے میں تشتت معلوم ہوتا ہے۔ حضرت بحرالعلوم فرماتے

نہیں ہے کہ اگر اہرِ خیالِ یار سے یادِ حق مراد ہو تو خاک درگاہت سے خطاب شیخ کی طرف انتقال ہے۔ مگر جو لوگ وہاں بھی خیال مرشد مراد لیتے ہیں۔ ان کو یہاں انتقال تسلیم کرنے کی ضرورت نہیں۔ مولانا بحر العلوم خندید کا فاعل بھی پذیرد کے فاعل کو قرار دیتے ہیں۔ اور زشت رو کو من کی صفت۔ مگر صاحب کلید خندید کا فاعل زشت رو کو بناتے ہیں۔ اور زشت رو سے مراد شیطان۔

صنائع خوب اور زشت رو میں صنعت تضاد ہے۔

ترجمہ میں نے (اپنے دل میں) کہا۔ کہ اگر میں خوب ہوں۔ تو (حق سبحانہ تعالیٰ بھی) اس (خوبی) کو اس (دل) سے (یعنی مجھ سے) قبول کرے گا۔ ورنہ وہ خود مجھ بدصورت پر ہنس دیگا (یا بقول صاحب کلید ورنہ پھر خود ابلیس بھی مجھ پر ہنسے گا)

مطلب مجھے جو آپ کی خاک درگاہ کی جانب ایک خاص میلان اور فریفتگی ہے۔ تو یہ مجھ میں کچھ استعداد وصلاحیت ہونے کی نشانی ہے۔ ورنہ یہ جذبہ کیوں ہوتا۔ اب دیکھیے یہ صلاحیت اصلی ہے یا عارضی۔ اگر اصلی ہے۔ تو درجہ قبولیت پر پہنچا دیگی۔ ورنہ موجب مضحکہ ہوگی۔ حافظ رح ؎

دلم مقیم در تست حرمتش میدار — بشکر آنکہ خدا داشتہ است محترمت

چارہ آں باشد کہ خود را بنگریم — درخورِ آنیم یا نا درخوریم

لغات چارہ تدبیر۔ علاج۔ بنگریم ہم بینیم۔ درخور قابل۔ لائق۔ درخور آنیم لائق آں ہستیم۔

ترجمہ (اس کی) تدبیر یہ ہے۔ کہ ہم خود اپنے آپ کو دیکھیں۔ کہ ہم اس کی قبولیت کے لائق ہیں یا نہیں۔

مطلب قبولیت کا درجہ حاصل کرنے کے لئے پہلے خود شناسی لازم ہے۔ تاکہ اپنا کمال ونقص یا اپنی صلاحیت کا اصلی یا عارضی ہونا معلوم ہو جائے۔ جس پر مقبول یا غیر مقبول ہونا موقوف ہے۔ جامی رح ؎

قدر شناسِ گہرِ خویش باش — صیرفی سیم وزرِ خویش باش
گر زرِ خالص شوی خوش ترا — ورنہ چہ چارہ ست ز آتش ترا

او جمیل ست و یحب للجمال — کے جوانِ نو گزیند پیرہ زال

لغات جمیل خوبصورت۔ حسین۔ یحب پسند کرتا ہے۔ جوانِ نو نوجوان گزیند اختیار کرتا ہے۔ نکاح میں لانا مراد ہے۔ پیرہ زال بڑھیا۔ **صنائع** اقتباس۔

ترجمہ۔ وہ (خود) صاحب جمال ہے۔ اور جمال ہی کو پسند کرتا ہے (اور کیوں نہ کرے) ایک نوجوان (مرد) کسی بڑھیا ضعیف عورت کو (اپنے نکاح کے لئے) کب پسند کرتا ہے؟

مطلب۔ مصرعہ اولیٰ کا مضمون اس حدیث سے مقتبس ہے۔ کہ ان اللہ جمیل یحب الجمال۔ جو بقول صاحب تمییز الطیب صحیح مسلم وغیرہ میں ابن مسعود رضہ سے مروی ہے۔

طیبات از بہر کہ للطیبین — خوب خوبی را کند جذب از یقین

لغات طیبات پاک و پرہیزگار عورتیں۔ طیبین پاک باز مرد خوبی میں یا تو یائے معروف مصدری ہے یا یائے مجہول تنکیر کے لئے۔ جذب کشش۔ **صنائع** اقتباس۔

ترجمہ پاک عورتیں کن کے لئے ہوتی ہیں؟ پاک مردوں کے لئے (بیشک) خوبصورت آدمی خوبصورتی (یا کسی خوبصورت) ہی کو (اپنی طرف) کھینچتا ہے۔ (اور یہ بات) یقینی ہے۔

مطلب۔ ہر چیز کا میلان اپنی جنس کی طرف ہوتا ہے۔ بقول کسے۔

کبوتر با کبوتر باز با باز کند ہمجنس با ہمجنس پرواز

مصرعہ اولیٰ میں اس آیت سے اقتباس ہے۔ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ۔ گندی عورتیں گندے مردوں کے لئے۔ اور گندے مرد گندی عورتوں کے لئے ہیں۔ اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لئے ہیں۔ بہتان باندھنے والے جو بکتے پھرتے ہیں۔ یہ ان کی تہمتوں سے بری ہیں۔ ان کے لئے آخرت میں بخشش ہے اور عزت کی روزی۔ (سورہ نور ع ۳)

در ہر آں چیزے کہ تو ناظر شوی میکند با جنس سیرائے معنوی

لغات ناظر دیکھنے والا۔ مشاہدہ کرنے والا۔ جنس ہم جنس۔ سیر چلنا پھرنا۔ معنوی اہل معنی۔

ترجمہ اے معنی شناس! تم جس چیز کو بھی دیکھو گے وہ اپنی ہم جنس (چیز) کے ساتھ چل پھر رہی ہے۔

مطلب یہ اس مشہور اصول حکمت کی طرف اشارہ ہے اَلْجِنْسُ اِلَی الْجِنْسِ یَمِیْلُ۔ یعنی ایک جنس کی چیز اپنی ہم جنس کی طرف میلان رکھتی ہے۔ پہلے دفتر میں بھی فرما چکے ہیں۔

انبیاء را کار عقبیٰ اختیار جاہلاں را کار دنیا اختیار
زانکہ ہر مرغے بسوئے جنس خویش مے پرد او در پس و جاں پیش پیش

اوپر بیان کیا تھا کہ جذب مطلوب کے لئے طالب کے اندر حسن معنوی اور قابلیت ذاتی کا ہونا ضروری ہے۔ اور اس کی وجہ طالب و مطلوب میں مناسبت خاص قرار دی تھی۔ یہاں اس کو مختلف تمثیلات کے ذریعہ ذہن نشین کرنا چاہتے ہیں۔

در جہاں ہر چیز چیزے جذب کرد گرم گرمے را کشید و سرد سرد

ترجمہ دنیا میں ہر چیز کسی (ایسی) چیز کو کشش کرتی ہے (جو اس کے ساتھ جنسی و نوعی مناسبت یا کسی خاص کیفیت میں اشتراک رکھتی ہو۔ چنانچہ) گرم (چیز) گرم کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اور سرد چیز سرد کو۔

قسم باطل باطلاں را مے کشند باقیاں را میکشند اہل رشد

لغات۔ قسم۔ فریق۔ فرقہ باطل۔ اہل ضلالت۔ گمراہ لوگ۔ اہل رشد۔ اہل ہدایت۔ راستی پسند

ترجمہ فریق گمراہ گمراہ لوگوں کو (اپنی طرف) کھینچتا ہے۔ باقی لوگوں کو (جو گمراہ نہیں ہوتے) اہل ہدایت اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں۔

ناریاں مر ناریاں را جاذب اند — نوریاں مر نوریاں را طالب اند

لغات ناری۔ مستوجب آتش مراد جہنمی دوزخی یا آگ سے بنا ہوا مراد جن۔ نوری نور والا مراد ناجی۔ جنتی اہل ایمان یا نور سے پیدا کیا ہوا مراد ملائکہ طالب خواہاں۔ جویاں **صنائع** ناری و نوری میں تجنیس لاحق۔ اور شعر مرصع ہے۔

ترجمہ اہل آتش اہل آتش کو اپنی طرف بلاتے ہیں۔ نوری نوریوں کے طالب ہیں (سچ ہے۔ جیسی روح ویسے فرشتے)

صاف را ہم صافیاں طالب شوند — دُرد را ہم تیرگاں جاذب بوند

لغات صاف مصفا۔ خالص شراب کے لئے بولتے ہیں۔ دُرد تلچھٹ نیچے کی شراب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جس میں کچھ خاک دھول تہ نشین ہوتی ہے۔ تیرگاں مکدر طبع لوگ۔

ترجمہ (جو) صاف دل (ہیں وہ) صاف (چیز) چاہتے ہیں۔ اسی طرح گندے لوگ میلی کچیلی چیز کو اختیار کرتے ہیں۔ امیر خسرو رح ؎

عندلیباں را غذا سے روح باشد بوئے گل — مرغ گشتہ ست آنکہ قانع با جوے یا ارزنے ست

وکما قال المتنبی ؎

خیر الطیور علی القصور وشرها — یاوی الخراب ولیسکن النّاؤسا

مولانا جامی رحہ اس کے ہم معنی فرماتے ہیں ؎

زاہد بخلد ذیل و عاشق بکوے دوست — بلبل بباغ و چغد بویرانہ مے رود

زنگ را ہم زنگیاں باشند یار — روم را با رومیاں افتاد کار

لغات زنگ زنگی۔ زنگبار کا باشندہ۔ سیہ فام آدمی۔ روم۔ رومی۔ ملک روم کا رہنے والا۔ مراد سرخ اندام آدمی۔

ترجمہ زنگیوں کے رفیق زنگی ہی ہوتے ہیں (اور) رومی کو رومیوں ہی کے ساتھ کام پڑتا ہے۔

مطلب اوپر کی تمام مثالوں سے یہ مقصد تھا کہ ہر چیز کا میلان اپنے ہم جنس کی طرف ہوتا ہے۔ اب آگے اس پر تفریع فرماتے ہیں

چشم چوں بستی ترا تاسہ گرفت — نور چشم از نور روزن میشگفت

لغات تاسہ بیقراری۔ گھبراہٹ۔ گرفت عارض ہوتی ہے۔ روزن روشندان۔ مے شگفت شگفتہ ہوتا ہے چمکتا ہے۔ تازگی پاتا ہے۔

ترجمہ (دیکھو) جب تم آنکھ بند کر لیتے ہو۔ تو تم کو بیقراری عارض ہو جاتی ہے۔ (کیونکہ) بصارت چشم روشندان کی روشنی سے تازگی پاتی ہے (جو آنکھ کھلی رکھنے ہی سے ممکن ہے)

مطلب آنکھ کو بند کرنے سے گھبراہٹ طاری ہونے کا سبب یہ ہے کہ نورِ آفتاب اور نورِ بصارت میں ایک قسم کی مجانست ہے۔ لہذا اگر آفتاب کی روشنی میں آنکھ بند کرلیں تو قوت باصرہ کا نور آفتاب کی طرف میلان آنکھ کو کھولدینے پر مجبور کرنے لگتا ہے۔ اس لئے آفتاب کی روشنی یا اور کسی روشنی میں عموماً نیند نہیں آتی۔ اور جب اندھیرا ہو۔ تو جلد نیند آتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ روح نورانی چیز ہے۔ اور نور کی طرف اس کا میلان ایک فطری امر ہے۔ جب بیرونی فضا منور ہوتی ہے۔ تو روح اس کی طرف متوجہ رہنا چاہتی ہے۔ اور یہ توجہ اس میں ایک انبساط و نشاط پیدا کرتی ہے۔ جو نیند کی مانع ہے۔ لیکن جب باہر اندھیرا ہوتا ہے۔ تو روح اس سے گھبرا کر اندر کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے۔ جو اس کے سکون و استراحت کا موجب ہے۔ یہی نیند ہے۔

خواب و بیداری کی فلسفی

اختلاف بعض نسخوں میں مصرعہ ثانیہ میں ے شگفت کی بجائے کے شُکفت بکاف تازی ہے۔ پھر ترجمہ یوں ہوگا۔ "بصارت چشم روشندان کی روشنی سے کب صبر کرتی ہے" شُکفت شکیفتن بمعنی صبر کردن کا مخفف ہے۔

تا سُہ تو جذبِ نورِ چشم بُود ۔۔۔ تا بہ پیوندد بنُورِ رُوز زُود

ترجمہ (اور) تمہاری گھبراہٹ (کا سبب) نور بصارت کا (باہر کی طرف) میلان ہے تاکہ وہ جلدی دن کی روشنی کے ساتھ مل جائے۔

مطلب۔ یہ شعر سابق کے مضمون کی توضیح ہے۔ چونکہ بعض اوقات آنکھوں کو کھلا رکھنے کے باوجود بھی گھبراہٹ محسوس ہوا کرتی ہے۔ اب اس کی توجہ سے ایک صوفیانہ نکتہ نکالتے ہیں۔

چشمِ باز اَرْ تا سہ گیرد مَر تُرا ۔۔۔ داں کہ چشمِ دل بہ بستی، بر گشا

ترکیب چشم باز کھلی آنکھ۔ حال ہے۔ اور ضمیر مخاطب اس کا ذوالحال ہے۔

ترجمہ اگر آنکھ کھلی ہونے کی حالت میں بھی تم کو گھبراہٹ محسوس ہو۔ تو (اس کا سبب یہ) سمجھو کہ تم نے دل کی آنکھ کو بند کرلیا ہے (یہ الجھن اسی کے بند کرنے سے ہے لہذا) اس کو کھولدو۔

مطلب چشم ظاہری کے کھلا ہونے کے باوجود اگر کوئی گھبراہٹ ہوسکتی ہے۔ تو وہ اس نوعیت کی گھبراہٹ نہ ہوگی جو آنکھ کو بند کرنے سے عارض ہوتی ہے۔ بلکہ کسی اور قسم کی ہوگی۔ اور اس کے بیسیوں اسباب مثلاً مرض تعب فکر۔ غم۔ غصہ۔ خوف۔ عطش۔ جوع۔ انتظار وغیرہ ہوسکتے ہیں۔ مگر مولانا رح کو تو بس معرفت و سلوک کا معاملہ ہی یاد ہے۔ جب کچھ فرمائینگے۔ تو یہی بات زبان پر آئیگی۔ کما قیل ؎

چوں کشائم لب ہمے نام تو آید بر زبان ۔۔۔ چہ کنم جاناں کہ جز نام تو ہیچم یاد نیست

وہ اس گھبراہٹ کی توجیہہ بھی یہی کرتے ہیں۔ کہ تم نے چشم باطن کو بند کرلیا ہے۔ یہ گھبراہٹ اسی سے ہے چشم ظاہر کے بند کرنے سے نہیں۔

ایں تقاضاے دو چشمِ دل شناس ۔۔۔ کو ہمے جوید ضیاے بیقیاس

لغات دو چشم دل باطن کی دونوں آنکھیں۔ ضیا روشنی بیقیاس فراواں۔ بیکراں۔ لا انتہا۔

ترجمہ یہ گھبراہٹ دل کی دونوں آنکھوں کے تقاضے سے سمجھو۔ جو لا انتہا روشنی چاہتی ہیں۔

مطلب ظاہری آنکھوں کی طرح چشم دل کا دو کی تعداد میں ہونا لازم نہیں۔ صرف ظاہری آنکھوں کی تشبیہ یا مشاکلت کے اعتبار سے دو کی تعداد لکھدی۔ بنیاس کے لفظ میں یہ نکتہ ہے کہ نور آفتاب اور باقی اور بات کے انوار محدود ہیں مگر انوار الٰہیہ جسکی چشم باطن کو طلب ہے بے پایاں ہیں۔ نیز اس میں ایک لطیف رمز بھی ہے۔ کہ عارف کی روح تجلیات الٰہیہ کے ادراک اور مراتب معرفت کے حصول میں کسی حد معین پر بس نہیں کرتی۔ اگر بفحوائے کل یوم ھو فی شان ادھر ہمیشہ نئے سے نئے جلوہ ہائے بیکراں ہیں۔ تو ادھر شوق فراواں بیش از بیش موجزن ہے۔ امیر خسرو رح سے

هزار سال ترا بینم و نگردم سیر — ولے دریغ کہ بنیاد عمر محکم نیست

چُوں فراقِ آں دو نورِ بے ثبات — تا سہ آوردت گشادی چشمہات

پس فراقِ آں دو نُورِ پایدار — تا سے آرد مرآنرا پاس دار

لغات۔ بے ثبات ناپایدار۔ فانی۔ غیر مستقل۔ پاس دار لحاظ رکھو۔ احتیاط رکھو۔

ترکیب۔ چوں فراق تا آخر بیت شرط ہے۔ پس فراق (تا) تاسہ مے آرد اس کی جزا شرط و جزا مکر علت ہوئی پاس دار جملہ انشائیہ اس کا معلول ہے۔

ترجمہ۔ جب ان دو فانی نوروں (یعنی نور بصارت اور نور آفتاب) کی (باہمی) جدائی نے تم پر گھبراہٹ طاری کردی۔ اور تم نے (اس کا علاج یہ کیا کہ) اپنی آنکھیں کھول دیں۔ تو ان دو پایدار نوروں (یعنی نور قلب اور نور بے قیاس) کی جدائی (تو ضرور ہی) گھبراہٹ میں ڈال دیگی۔ (پس) تم کو اس کا بھی تدارک کرنا چاہیے۔

مطلب۔ وہ تدارک یہ ہے۔ کہ چشم ظاہری کی طرح چشم باطن کو بھی کھول لو۔ ورنہ چشم ظاہر کس کام کی جب چشم باطن بے نور ہے۔ صائب رح سے

چشمے کہ فروغ از دلِ بیدار ندارد — شمعیست کہ شائستۂ بالین مزارست

وله سے بے بصیرت چشم ظاہر بیں نے آید بکار — روزنے حاجت نباشد خانۂ آئینہ را

اُو چو میخواند مرا من بنگرم — لائقِ جذبم و یا بد پیکرم

لغات۔ بنگرم۔ بینم۔ اندیشم۔ لائق جذب قابل قرب و وصل۔ بد پیکر زشت رُو۔ بدصورت۔

عروض مصرعہ ثانیہ میں واؤ کا پورا تلفظ رسم شعر میں غیر متعارف ہے۔ اور اگر بطریق متعارف تمام ضمہ ماقبل کے ساتھ اس کو ادا کریں تو بیت وزن سے گر تی ہے۔ اللھم الا ان یقال شان المثنوی عال عن ھکذا القیود اللفظیۃ اگر جذبم میں ضمیر واحد متکلم کی بجائے جمع متکلم ہوتی۔ تو یہ لفظی خرخشہ مٹ جاتا البتہ تطابق ضمائر ناقص ہو جاتا۔ یہاں تک لکھ چکنے کے بعد بحر العلوم کا متن دیکھا۔ تو اس میں اپنے خیال کے مطابق جذبیم لکھا پایا۔ فالحمد للہ۔

ترجمہ جب وہ مطلوب مجھے اپنی طرف بلاتا ہے۔ تو میں سوچنے لگتا ہوں۔ کہ (آیا) میں خوبصورت اور لائق قرب و وصل ہوں۔ یا بدصورت (اور قابل نفرت)

گر لطیفے زشت را در پے کند — تسخرے باشد کہ او با وَے کند

لغات نظیف پاکیزہ رو۔ خوش منظر۔ در پے پیچھے تسخر تمسخر۔ استہزا۔ ٹھٹھا۔
صنائع شعر ذو القافیتین ہے۔
ترجمہ اگر ایک پاکیزہ رو آدمی کسی بدصورت کے پیچھے پیچھے (باندازِ اشتیاق) جائے تو (یہ ضروری نہیں کہ وہ اس کا مشتاق ہی ہو بلکہ ممکن ہے کہ وہ اس کے ساتھ تمسخر کر رہا ہو۔
مطلب اوپر کہا تھا کہ چشم باطن کھول لو۔ تاکہ نورِ قلب اور نورِ حق باہم آپس کی مناسبت کے تقاضے کے مطابق متواصل ہو جائیں۔ پھر کہا کہ مطلوب یعنی مرشد نے جو مجھ کو اپنی طرف جذب کیا تو معلوم ہوا کہ مجھے بھی اس کے ساتھ مناسبت ہے۔ جس نے مجھے طالب سے مطلوب بنا دیا۔ کما قال حضرت میرزا جانجاناں المظہر الشہید علیہ الرحمۃ والغفران

ز تاثیر محبت در دلش کردیم جا مظہر بجا باشد اگر خوانند یاران جانجاں ما را

مگر سوچتا ہوں کہ یہ میری مناسبت قریب اور صلاحیت قبول اصلی بھی ہے یا نری عارضی ہے۔ یہ اشتباہ اس سے ہوا کہ مطلوب کا اپنے طالب کے پیچھے پیچھے پھرنا ہمیشہ اس کے پیچھے اشتیاق کی دلیل نہیں ہوتا۔ بلکہ کسی اور وجہ پر بھی مبنی ہو سکتا ہے۔ جیسے کوئی خوبصورت کسی بدصورت کو بنانے کے لئے اس کے پیچھے پیچھے پھرے۔ تو خوبصورت کو اس کا اشتیاق نہیں ہوتا۔

گہ بہ بینم نقش خود را اے عجب تا چہ رنگم ہمچو روزم یا چو شب
نقش جان خویش میجستم بسے ہیچ مے ننمود نقشم از کسے

ترکیب پہلی بیت میں جو اے عجب کا کلمہ واقع ہے۔ اس کا تعلق دوسری بیت کے جملہ ہیچ ننمود الخ کے ساتھ ہے۔
ترجمہ میں (اسی شک و تذبذب میں) کبھی اپنی صورت کو دیکھتا ہوں۔ کہ (دیکھوں) میرا کیسا رنگ ہے آیا میں دن کی طرح (گورا اور خوبصورت) ہوں (اور مجھ میں محبوبیت کی کوئی شان ہے) یا رات کی طرح (سیہ فام اور بدصورت) ہوں (اور مطلوب کا مجھے بلانا کسی اور وجہ پر مبنی ہے) میں (اسی کشمکش و پیچ میں) اپنی صورت پر خوب غور کرتا ہوں (مگر) نہایت تعجب ہے۔ (کہ) کسی سے مجھے اپنی اصلی حالت کا سراغ نہیں ملتا۔

گفتم آخر آئینہ از بہر چیست؟ تا بہ بیند ہر کسے کو چیست و کیست؟

ترجمہ آخر میں نے کہا آئینہ کس لئے ہے؟ اسی لئے (تو ہے) کہ ہر شخص اس میں (اپنی شکل و صورت) دیکھ (کر معلوم کر) سکے کہ وہ کیا ہے؟ اور کون ہے؟ کما قیل ؎

خبر آں ماہ را از حسن او داد الہی خانۂ آئینہ آباد

آئینہ آہن برائے لونہاست آئینۂ سیمائے جاں سنگیں بہاست

لغات آئینہ آہن لوہے کا آئینہ۔ اگلے زمانے میں لوہے کی ایک صاف و مسطح طشتری کو صیقل کر کے اس سے آئینہ طیار کرتے تھے۔ اور کنج کا آئینہ جدید زمانے سے بننے لگا ہے۔ لون رنگ۔ سیما نشان۔ علامت عربی لغت ہے۔ مگر فارسی میں بمعنی پیشانی و چہرہ مستعمل ہے۔ سنگین بہا۔ بیش قیمت۔

ترجمہ (یہاں آئینے سے) لوہے کا آئینہ (نہ سمجھ لینا وہ) تو (صرف) رنگوں (کے معلوم کرنے) کے لئے ہوتا ہے۔ (جو اجسام کی صفات سے ہیں بلکہ ہماری مراد) چہرہ روح کا آئینہ (ہے۔ اور وہ) نہایت بیش قیمت ہے۔

آینہ جاں نیست اِلّا رُوے یار رُوے آں یاریکہ باشد زاں دیار

ترجمہ (لو سنو وہ) روحانی آئینہ صرف یار کا چہرہ ہے۔ (مگر کسی دنیاوی یار کا چہرہ نہیں بلکہ) اس یار کا چہرہ جو اس اقلیم (عالم ملکوت) سے (تعلق رکھتا) ہو (یعنی مرشد کامل)

فائدہ مرشد کو آئینہ اس لحاظ سے قرار دیا ہے۔ کہ جس طرح آئینے سے جسم کی حالت ظاہری محسوس ہوتی ہے اسی طرح مرشد کی صحبت سے اپنی روحانی حالت معلوم ہو سکتی ہے جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اہل اللہ کی صحبت سے عموماً دل کو ایک خاص تنبہ ہو جاتا ہے۔ اِذَا رُؤُا ذُكِرَ اللهُ۔ دوسرے مرشد کی خدمت میں حاضر ہونے سے ایک ایسی دلجمعی حاصل ہوتی ہے۔ کہ تمام علائق دنیا سے یکسو ہو کر اپنے نفس کے مطالعہ اور اس کی اصلاح کا موقع مل جاتا ہے۔ صاحب کلید نے یہاں ایک نہایت کار آمد بحث کی ہے۔ لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کو مرشد کی صحبت میں یہ کیفیات قلب میسر نہ ہوں۔ بلکہ ان کے متضاد حالات پیش آئیں۔ تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو وہ مرشد خود ہی ناقص ہے "خفتہ را خفتہ کے کند بیدار" اور ایسا مرشد یہاں محل کلام ہی نہیں۔ یا کامل ہے۔ پس اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ خاص اسی شیخ کی صحبت میں یہ متضاد کیفیات رونما ہوتی ہیں۔ دیگر کاملین کی صحبت میں یہ بات نہیں۔ ایسی صورت میں سمجھنا چاہیئے۔ کہ شیخ بھی کامل ہے۔ اور اپنی حالت بھی فی نفسہ محمود ہے۔ مگر اس شیخ سے فیض پہنچنا غیر متوقع ہے۔ لہذا کوئی اور مرشد تلاش کرنا چاہیئے۔ دوسری صورت یہ کہ ہر شیخ کی صحبت میں یہی قصہ پیش آتا ہے۔ تو پھر سمجھا جائیگا۔ کہ اپنی حالت اچھی نہیں۔ مگر اس سے قابلیت استعداد کے بطلان کا فیصلہ نہیں کر لینا چاہیئے۔ بلکہ سمجھنا چاہیئے۔ کہ وہ قابلیت و استعداد کسی حد تک مضمحل و کمزور ہو گئی ہے۔ لہذا کسی حاذق طبیب روحانی کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ جو اپنی مہارت تامہ سے اس کو تقویت پہنچا دے انتہیٰ۔

گفتم اے دل آینہ کُل را بجو رَو بدریا کار برنا ید زجُو

لغات آئینہ کل مراد شیخ کامل جُو نہر صنائع جو کے ہر دو کلمات میں تجنیس

ترجمہ (جب) میں نے (دیکھا کہ یہ کام آئینے سے نکل سکتا ہے۔ تو) کہا۔ اے دل! آئینہ دل (یعنی مرشد) کی تلاش کر۔ (اور جب مرشد بنانا ہے۔ تو) دریا (کے سے کسی کامل) کے پاس جاؤ۔ ندی نالے (کے سے کسی ناقص) سے یہ کام نہ چلے گا۔

مطلب استفاضہ کے لئے شیخ کامل کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ ناقص کے پاس کیا دھرا ہے۔ وہاں تو اپنی سابقہ صلاحیت کے بھی رو بفساد ہونے کا اندیشہ ہے۔ پس اپنے روحانی چہرہ کے معائنہ کے لئے کسی آئینہ کی

تلاش لازم ہے۔ سعدی رح ؎

روے اگرچند پر یچہرہ و زیبا باشد — نتواں دید در آئینہ کہ نورانی نیست

زیں طلب بندہ بکوے تو رسید — درد مریم را بخرما بن کشید

لغات مریم ع حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام ہے۔ خرما بن کھجور کا درخت اس شعر میں حضرت مریم کے قصے کی طرف تلمیح ہے۔ یعنی جب حضرت عیسٰے علیہ السلام کے پیدا ہونے کا وقت قریب آیا۔ اور ان کی والدہ حضرت مریم ع کو دردِ زہ عارض ہوا۔ تو وہ جنگل کی طرف نکل گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر قرآن مجید میں یوں فرمایا ہے۔ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يٰلَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۔ یعنی پھر درد زہ ان کو ایک کھجور کے درخت کی جڑ میں لے پہنچا۔ (اور شدت درد کے وقت) وہ بولیں۔ اے کاش میں اس سے پہلے مر چکی ہوتی۔ اور بھولی بسری ہو گئی ہوتی (سورہ مریم) غرض خدا کی قدرت سے وہاں ایک چشمہ بھی نمودار ہو گیا اور اس کے فضل سے حضرت مریم ع کے لئے اس پریشانی اور گھبراہٹ میں چشمہ کا ٹھنڈا پانی پینا کھجور کا تازہ پھل کھانا اور اپنے پیارے فرزند کا دیدار موجب طمانینت ہو گیا۔

ترجمہ (اے مرشد کامل!) بندہ اس تلاش میں (مارا مارا) آپ کے کوچے میں پہنچا ہے۔ (کیونکہ یہاں مجھے اپنے دکھ کی دوا ملنے کی توقع ہے۔ جس طرح) حضرت مریم کو درد (زہ) کھجور کے درخت کی طرف لے گیا (تو وہاں ٹھنڈا پانی کھجور کا پھل اور فرزند کا دیدار ان کے لئے موجب اطمینان ہو گیا تھا) حافظ رح ؎

شکستہ وار بدرگاہت آمدم کہ طبیب — بمومیائے لطف تو ام نشانے داد

دیدۂ تو چوں دلم را دیدہ شد — صد دلِ نادیدہ غرقِ دیدہ شد

لغات دیدہ آنکھ۔ مگر یہاں تینوں جگہ اس سے نور معرفت۔ شہود۔ روشنضمیری۔ بصیرت قلب وغیرہ مراد ہو سکتی ہے۔ چوں استفہامیہ ہے۔ یا شرطیہ بہر دو تقدیر ترجمہ دو طرح ہو گا۔ نادیدہ نابینا۔ بے بصیرت۔

صنائع ردّ العجز علی الصدر۔

ترجمہ (۱) آپ کی روشنضمیری میرے دل کے لئے نور بصیرت کیوں بنی؟ (اس کا جواب یہ ہے کہ) اس روشنضمیری (کے بحر ناپیدا کنار) میں صدہا بے بصر دل غرق ہوئے (اور صاحب بصیرت ہو کر نکلے۔ پھر میں کیوں محروم رہتا)

ترجمہ (۲) جب آپ کی روشنضمیری میرے دل کے لئے نور بصیرت بن گئی تو (میرا بے بصیرت دل جو ایک سو بے بصیرت دلوں کے برابر تھا۔ اس طرح غرق نور ہو گیا۔ کہ گویا پورے) ایک سو بے بصیرت دل نور بصیرت میں غرق ہو گئے۔ (کذا فی بحر العلوم)

آینہ کُلّی برآوردم ز دُود — دیدم اندر آینہ نقشِ تو بُود

لغات آینہ کلی اصطلاح میں ذات حق مراد ہے۔ دود دھواں۔ اصطلاحاً تعینات مراد ہیں۔ تو ضمیر مخاطب سے اپنے آپ کو خطاب ہے۔

ترجمہ (اے دل! مرشد کے فیض سے) میں نے انوارِ حق کے آئینے کو (تعینات کے) دھوئیں سے نکالکر دیکھا تو اس آئینے میں تیری صورت نظر آئی۔

مطلب اوپر کی ابیات میں مرشد سے خطاب تھا اور اس کے آئینہ سیما میں اپنی صورت نظر آنے کا ذکر تھا۔ اگر اس بیت میں بھی مرشد سے خطاب تسلیم کیا جائے۔ تو مضمون بے ربط ہو جاتا ہے۔ لہذا شارحین نے لکھا ہے۔ کہ اس بیت میں التفات ہے۔ اور اپنی طرف خطاب کیا ہے۔ تاکہ مضمون مربوط اور روحانی آئینے اپنی صورت دیکھنے کا سلسلہ بیان قائم رہے۔

اختلاف یہ بیت اکثر نسخوں میں درج نہیں ہے۔ مگر ہمارے پرانے قلمی نسخے میں موجود ہے۔ مولانا بحر العلوم ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ اس کو بعض شارحین الحاقی شعر سمجھتے ہیں۔ شیخ افضل بھی لکھتے ہیں کہ قدیم نسخوں میں یہ شعر نہیں ہے۔

آینہ کلی ترا دیدم ابد دیدم اندر چشم تو من نقش خود

ترجمہ (اے مرشد کامل!) میں نے تو ہمیشہ آپ کو آئینہ کلی پایا ہے۔ آپ ہی کے نور بصیرت میں میں نے اپنی تصویر مشاہدہ کی ہے۔

مطلب اوپر کا شعر اگر اصلی اور صحیح مان لیا جائے۔ تو آئینہ کلی سے وہاں ذات حق اور یہاں مرشد کامل مراد لینا بظاہر متعارض معلوم ہوتا ہے۔ اس کی تطبیق یوں ہوسکتی ہے کہ وہاں انوار الٰہیہ کو آئینہ قرار دیا تھا۔ تو یہاں مرشد کو انہی انوار کا مظہر ہونے کے اعتبار سے آئینہ کہا ہے۔ آئینہ ایک ہی ہے۔ تفاوت ہے تو اعتبارات میں ہے۔

گفتم آخر خویش را من یافتم در دو چشمش راہِ روشن یافتم

ترجمہ اب تو میں نے (اطمینان کے ساتھ) کہا۔ کہ میں نے اپنے آپ کو پالیا۔ اس (مرشد کامل کے قلب روشن) کی دونوں (باطنی) آنکھوں میں نورانی راستہ پالیا۔

مطلب یعنی میری صورت اس کے قلب روشن یا آئینہ کلی میں منطبع ہوگئی۔ تو اس کو دیکھ کر مجھے اطمینان ہوگیا کہ میری حالت اچھی ہے۔ جامی رح ؎

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی مرا با جانِ جاں ہمراز کردی

گفت وہمم کاں خیالِ تست ہاں ذاتِ خود را از خیالِ خود بداں

لغات خیال۔ خیالی امر۔ فرضی چیز۔ ہاں حرف تنبیہ۔ ذات صورت منطبع مراد ہے از خیال میں حرف از یا تو امتیاز کے معنی دیتا ہے۔ یا سببیت کے۔ بہر دو تقدیر شعر کا ترجمہ دو طرح ہو سکتا ہے۔

ترجمہ۔ ۱۔ (مگر معًا) میرے وہم نے یہ بات کان میں پھونکی کہ دیکھنا! کہیں یہ تمہارے خیالی پلاؤ ہی نہ ہوں۔ ذرا اور غور و توجہ سے کام لیکر اپنی اصلی صورت اور خیالی صورت میں امتیاز کرلو۔

ترجمہ۔ ۲۔ (مگر معًا) میرے وہم نے یہ بات سوجھائی۔ کہ یاد رکھو۔ یہ محض تمہارا ایک خیالی پلاؤ ہے اپنی اس صورت (منطبع) کو محض خیال پر مبنی سمجھو۔

مطلب حصول طمانینت کے بعد توہم کا غلبہ ہوتا ہے۔ اور ایسا ہونا مستبعد نہیں۔ کیونکہ مقصود جس قدر اہم اور طلب جس قدر اشد ہوتی ہے۔ اسی قدر زیادہ احتمالات و خدشات اپنی مہیب شکل میں ڈرایا کرتے ہیں۔ مولانا کے مطلوب کی اہمیت میں شک نہیں اور طلب کی شدت میں جو ان کے جوش کلام سے عیاں ہے۔ ہجوم وساوس بھی کچھ محل تعجب نہیں چنانچہ اب یہ وہم دامنگیر ہوتا ہے۔ کہ مجھے اپنی یہ صورت جو آئینہ کلی میں نظر آرہی ہے۔ مبادا محض خیالی ہو۔ اور میرا اس کو اصلی سمجھنا اور مطمئن ہو جانا غلطی پر مبنی ہو۔ نظامی رح ؎

ہر خوشہ لیے کہ آں خیالی است ❊ از نکتہ اعتماد خالی است

بس گندم کاں ذخیرہ کردند ❊ جستند و از جوے نخورند

ہجوم وساوس میں شیخ کامل کی طرف رجوع کرنا چاہیئے

فائدہ صاحب کلید فرماتے ہیں کہ اس قسم کے ہجوم وساوس اور غلبہ توہمات میں کسی ایسے مرشد حاذق کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ جو طالب کو ان یاس انگیز تشویشات سے نجات دلائے وہی اس کی حالت کا مطالعہ کر کے فیصلہ کر سکتا ہے کہ قابل اطمینان ہے یا محل خطر۔ کیونکہ بیمار کی حالت کو سمجھنے کی صلاحیت جس قدر طبیب میں ہوتی ہے۔ خود بیمار میں نہیں ہوتی۔ کما قیل ؎

بیمار اگر ز درد بود غافل از طبیب ❊ دارد دل طبیب ز بیمار آگہی

نقش من از چشم تو آواز داد ❊ کہ منم تو، تو منی در اتحاد

ترجمہ (اے مرشد کامل) میری تصویر تمہاری چشم (قلب) سے (جو اس میں منطبع تھی) پکار اٹھی۔ (کہ دیکھنا مجھے اختراع متخیلہ نہ سمجھنا بلکہ) میں تجھ سے متحد ہوں (اور) تو مجھ سے (یعنی میں تیری اصلی حالت کا صحیح فوٹو ہوں۔ فرضی و خیالی نہیں)

اندریں چشم منیر بے زوال ❊ از حقائق راہ کے یابد خیال

ترکیب از حقائق جار و مجرور متعلق ہے زوال کے نہ کہ یابد کے اور حقائق صفت ثانی ہے چشم کی

ترجمہ (بھلا اتنا تو سوچو کہ) اس چشم (آئینہ کلی) میں جو (نہایت) روشن ہے اور حقائق اشیاء سے کبھی عاری نہیں ہو سکتی۔ خیالی باتوں کی کب گنجائش ہو سکتی ہے!

مطلب۔ منیر کی صفت میں یہ فائدہ ملحوظ ہے۔ کہ آئینہ جس قدر روشن ہو۔ اسی قدر زیادہ صحیح عکس دکھاتا ہے۔ از حقائق کے معنی کو یہاں چسپاں کرنے میں ایک شارح کو بہت تذبذب پیش آیا ہے۔ اور اسکے حل کی متعدد تقدیریں نکالی ہیں۔ اور جس تقدیر کو ترجیح دی ہے۔ وہ بھی پیچیدہ و ناقابل فہم ہے۔ اشکال کی وجہ یہ ہے۔ کہ از حقائق کے جار و مجرور کو یابد سے متعلق سمجھ لیا۔ اگر اس کو زوال سے متعلق قرار دیتے (کما اخترناہ) تو یہ دقت پیش نہ آتی۔ اور بات بھی برجستہ و معقول بن جاتی۔ مولانا بحر العلوم فرماتے ہیں۔ "واین چشم کہ بصر حق ست بے زوال ست۔ از حقائق خیال را اینجا گنجائش نیست پھر اس کے آگے یہ کلمات واقع ہوئے ہیں "عارف کامل را حق مرآت میگردد و اعیان عالم کہ شیونات حق اند در ذات حق مشہود میگردد واین مشاہدہ اکمل ست۔ پس ایں علم قابل زوال نیست" اگر اس جار و مجرور کو یابد کے متعلق ہی تسلیم کیا جائے۔ تو "از" سے معنی انصراف و انتقال مراد لینا اولیٰ ہے۔ پھر مصرعہ کے یوں معنی ہونگے۔ کہ اس آنکھ میں حقائق (یعنی حقیقی و واقعی علوم) کی بجائے اختراعات متخیلہ کی گنجائش کہاں ہے؟

در دو چشم غیر من تو نقش خود گر بہ بینی آں خیالی داں ورد

لغات خیالی بیائے نسبت معروف یا بیائے وحدت مجہول۔ ذہنی۔ اختراع قوت متخیلہ۔ ردّ مردود۔ ساقط الاعتبار۔ ناقابل قبول۔ ترکیب بہ بینی فعل با فاعل نقش خود مفعول بہ در دو چشم غیر من اس کا متعلق۔ یہ جملہ فعلیہ خبریہ شرط ہے۔ دوسرا جملہ فعلیہ انشائیہ اس کی جزا۔ چشم غیر من کی تقدیر چشم غیر چشم من ہے۔ اور چشم من کی اضافت ظرفی ہے یعنی میں جس آنکھ میں موجود ہوں اس کے سوا کوئی اور آنکھ۔

ترجمہ (بلکہ اگر اس) میری (تصویر دکھانے والی) آنکھوں کے سوا کسی (ناقص) کی آنکھوں میں تم اپنی صورت دیکھو (جو اپنے محل کے نقص کے باعث ناقص ہی ہوگی) تو اس کو (محض) خیالی اور ناقابل قبول سمجھو۔

مطلب برے لوگوں کے دلوں میں اچھے لوگوں کی بری تصویر ہی منتقش ہوتی ہے المرء یقیس علی نفسہ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ ناقص لوگوں کی صحبت موجب خسران اور ان کے ساتھ قلبی تعلق باعث وساوس شیطان ہے۔ ایسی صحبت قابل ترک ہے۔ سعدی رحمہ ؎

طمع در گدا مرد معنی نہ بست نشاید گرفتن در افتادہ دست

آنکہ سرمہ نیستی درمیکشد بادہ از تصویر شیطاں میچشد

لغات نیستی۔ عالم فانی۔ عالم سفلی۔ علائق دنیا۔ بادہ شراب تصویر تخیل۔ وسوسہ۔

ترجمہ جو شخص عالم فانی (کے نظارہ) کو سرمہ چشم بنا رہا ہے۔ وہ شیطانی تخیل کی شراب پی کر سرمست ہو رہا ہے۔

مطلب۔ جو شیخ لذائذ دنیا کا دلدادہ ہے۔ اس کا خرقہ فقر ایک دام مکر ہے۔ اس کا دل شیطانی وساوس سے لبریز ہے۔ وہ خود مردہ دل ہے دوسروں کو روحانی زندگی کیا دلائیگا۔ ناصر علی غفرلہ ؎

اہل دنیا را ز غفلت زندہ دل پنداشتم خفتہ دائم مردگان را زندہ مے بیند بخواب

چشم او خانہ خیال ست و عدم نیستہا را ہست بیند لاجرم

ترجمہ اس کی آنکھ خیالی (ذہنی) اور (بے بود و) غیر موجود چیزوں کا گھر ہے۔ اس لئے وہ معدوم اشیاء کو موجود دیکھتا ہے۔

مطلب شیخ ناقص یا دنیادار کی نگاہ میں فانی و بے بود اشیا رس رہی ہیں۔ کَسَرَابٍ بِقِیْعَةٍ یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً اس لئے اس کے ادراکات و معلومات غیر واقعی و بے اصل ہوتے ہیں۔ پس ایسی صحبت سے کیا حاصل؟

چشم من چوں سرمہ دید از ذو الجلال خانہ ہستی ست نے خانہ خیال

ترجمہ (مگر میری آنکھ نے (جس کے اندر میں جاگزین ہوں) چونکہ نور ذو الجلال کا سرمہ لگا رکھا ہے اس لئے وہ حقیقی و واقعی اشیاء کا گھر ہے نہ کہ خیالی باتوں کا۔

مطلب اوپر مولانا نے آئینہ کلی میں اپنی صورت واقعیہ کے دیکھنے کے ذکر میں ضمناً ناقصین کی حالت پر روشنی

ذاتی تھی۔ کہ وہ غیر واقع اشیاء کو واقعیات کی شکل میں دیکھنے کی غلطی کیا کرتے ہیں۔ اب آگے اس کی مزید توضیح فرماتے ہیں۔

تا یکے مُو باشد از تو پیشِ چشم　　　در خیالت گوہرے باشد چو یشم

لغات یکے مُو شئے قلیل سے کنایہ ہے یشم بیائے تحتانی مفتوح۔ ایک قسم کا پتھر ہے کم قیمت۔
ترجمہ جب تک (عالم ناسوت کے ساتھ) ایک بال (برابر تعلق) بھی تم کو مدنظر ہوگا۔ (تمہاری بصیرت اس قدر مبتلائے خطا رہیگی۔ کہ) تم ایک موتی (جیسی بیش قیمت چیز) کو سنگِ یشم سمجھتے رہوگے۔

یشم را آنگہ شناسی از گہر　　　کز خیالِ خود کنی کلّی عبر

لغات از پہلے مصرعہ میں حرف امتیاز ہے دوسرے مصرعہ میں حرف مجاوزت ہے۔ عبر۔ عبور کرنا۔ آگے گزر جانا۔
ترجمہ۔ تم سنگ یشم اور موتی میں اس وقت امتیاز کر سکتے ہو کہ اپنے تخیلات (باطلہ) سے بالکل تجاوز کر جاؤ۔ حافظ رح ؎

اگر از وسوسۂ نفس و ہوا دُور شوی　　　بے شکے رہ ببری در حرمِ دیدارش

یک حکایت بشنو اے گوہر شناس　　　تا بدانی تو عیاں را از قیاس

ترجمہ اے گوہر شناس (بننے کے متمنی!) ایک کہانی سُن لو۔ تاکہ تم کو مشاہدہ (کی اصلی و حقیقی) اور قیاس (کی فرضی و تخمینی چیزوں) میں فرق معلوم ہو جائے۔

ہلال پنداشتن آں شخص خیال را در عہدِ عمر رض و تنبیہ نمودن اورا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں اس شخص کا (جسکی یہ حکایت ہے) اپنے خیالی تصور کو ہلال سمجھنا اور آپ کا اسکو متنبہ کرنا
مطلب یہ حکایت اوپر کے شعر "تا یکے مو باشد از تو پیش چشم" سے تعلق رکھتی ہے۔

ماہِ روزہ گشت در عہدِ عمر رض　　　بر سرِ کوہے دویدند آں نفر

تا ہلالِ روزہ را گیرند فال　　　آں یکے گفت اے عمر! اینک ہلال

لغات گشت فعل تام ہے بمعنی آمد نفر جماعت۔ لوگ فال کسی نیک امر سے سعادت و فلاح اور خیر و صلاح پر استدلال کرنا۔ اینک ایلو۔ وہ دیکھو۔
ترجمہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں ماہِ رمضان آیا۔ تو وہ لوگ (جو حاضر الوقت تھے۔) ایک پہاڑ پر دوڑے گئے۔ تاکہ رمضان المبارک کے چاند (کو دیکھکر اس مبارک مہینے) کی (برکات

گی) فال لیں۔ اس (جماعت میں سے) ایک شخص نے کہا یا امیرالمومنین! دیکھو ہلال وہ رہا!

چوں عمر بر آسماں مہ را ندید　　گفت کیں مہ از خیالِ تو دمید

لغات کیں کہ ایں دمید دمیدن سے جس کے معنے سبزہ کا اُگنا۔ یہاں پیدا ہونا مراد ہے۔

ترجمہ جب حضرت عمرؓ نے (اس کے کہنے پر) آسماں پر (نگہ کی اور) ہلال کو نہ پایا۔ تو فرمایا۔ یہ ہلال تمہارے خیال سے پیدا ہوا ہے۔ (ورنہ حقیقت میں یہ ہلال نہیں ہے)

ورنہ من بیناترم افلاک را　　چوں نمے بینم ہلالِ پاک را

ترجمہ ورنہ میں آسمانوں کے متعلق خوب بصیرت رکھتا ہوں۔ پھر کیا بات تھی کہ میں ہلال مبارک کو نہ دیکھ سکتا

مطلب افلاک کے لئے بیناتر ہونے سے ظاہری نظر کی تیزی اور رفتار کواکب و سیارہ کی آگاہی مراد ہے۔ جو حضرت عمرؓ میں تھی۔ اور اس شخص میں نہ تھی۔ مولانا بحرالعلوم فرماتے ہیں۔ کہ اس میں یہ لطیف اشارہ بھی ہے۔ کہ حضرت امیرالمومنین عمرؓ اپنی کشف و شہود کی نظر سے ارواح و ملائکہ وغیرہ کائنات فلک کے احوال پر آگاہ تھے۔

گفت تر کُن دست و بر ابرو بمال　　آنگہاں تو بر نگر سوئے ہلال

ترجمہ (پھر) فرمایا۔ اپنا ہاتھ (پانی سے) تر کرو اور ابرو پر ملو (اور) پھر (اپنے اس) ہلال کی طرف دیکھو۔

چونکہ او تر کرد ابرو مہ ندید　　گفت اے شہ نیست مہ شد ناپدید

ترجمہ جب اس نے ابرو (پر گیلا ہاتھ پھیر کر اس) کو تر کر لیا (پھر نگاہ اُٹھائی اور) چاند نہ دیکھا۔ تو عرض کیا یا امیرالمومنین (اب) چاند (نظر) نہیں (آتا) گم ہو گیا۔

گفت آرے موئے ابرو شد کماں　　سوئے تو افگند تیرے از گماں

صنائع گماں و کماں میں تجنیس مضارع ہے تیر و کمان کا ذکر مناسبات سے ہے۔ ابرو کے بال کو جو دائرہ ابرو سے سرک کر آنکھوں کی طرف سیدھا ہو گیا تھا۔ کمان سے نکلنے والے تیر کے ساتھ تشبیہ دینا خصوصًا جبکہ کمان ابرو کی تشبیہ متعارف ہے شعری لطافت کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتا ہے۔ اور اس شعر کی روانی بھی بلاغت کی جان ہے۔ فللّٰہ درّہٗ

ترجمہ آپ نے فرمایا ہاں (ناپید کیوں نہ ہوتا) ابرو کا (کوئی) بال (موجب) توہم ہو گیا تھا جس نے (کمانِ ابرو سے تیر کی طرح نکل کر) تم پر (توہم و تخیل کا) تیر پھینکا۔

چوں یکے مو کژ شد از ابروئے او　　شکلِ ماہ تو نمود آں موئے او

ترجمہ جب ابرو کا ایک بال مڑ کر اس کی آنکھ کے آگے آ گیا۔ تو اس (خدار) بال نے اس کو ہلال کی شکل دکھا دی۔

مُوئے کژ چوں پردہ گردوں شود　　چوں ہمہ اجزات کژ شد چوں بود؟

ترجمہ جب (تمہارے وجود میں سے) ایک بال (کی سی بے حقیقت چیز) کج ہو کر (یہ غضب ڈھائے کہ وہ) آسمان (جیسی بے پایاں ہستی) کا پردہ بن جائے (اور تم ہلال دیکھنے میں غلطی کرنے لگو) تو (قیاس کرو کہ) اگر تمہارے (وجود کے) تمام اجزا کج ہو جائیں۔ تو پھر کیا (حال) ہو؟

چوں یکے مُو کژ شد او را راہ زد　　تا بدعوئے لاف دیدِ ماہ زد

لغات راہ زد راہزن ہوگیا۔ راست روی سے روک دیا۔ لاف غلط اور بیہودہ دعوی کرنا۔

ترجمہ جب ایک بال ٹیڑھا ہوگیا۔ تو وہ اس کی راست روی کا مانع بن گیا۔ یہاں تک کہ وہ زور کے ساتھ ہلال کے دیکھنے کا غلط دعوے کرنے لگا۔

مطلب جب اس رویت ہلال کے مدعی کا ایک مُوئے ابرو ٹیڑھا ہو کر ہلال کی فرضی صورت اس کے تخیل میں پیدا کر دیتا ہے۔ اور وہ بصارت اور صورت فلک میں حائل ہو کر حقیقت شناسی کا مانع ہو جاتا ہے۔ تو خیال کرو کہ تمہارے وجود کے ایک دو بال نہیں دس بیس یا سو ہزار نہیں بلکہ سارے کے سارے اجزا ٹیڑھے ہو جانے کی صورت میں کیا نتیجہ ہوگا۔ کیا ایسی صورت میں تمہارے حواس مادیہ ادراک حقائق کماہی کے لئے کافی ہو سکتے ہیں؟ نظامی رح ؎

رہا کن رہے کاں زیاں آورد　　رو بد خلل در کماں آورد
کرا بار باژگونہ بود پیرہن　　نہ حاجت بود بازگشتن بہ تن!
تو زاں رہ کہ شد بازگونہ نورد　　بخواہ از خدا حاجت باز گرد

راست کُن اجزات را از راستاں　　سر مکش اے راست رو زاں آستاں

لغات راست کن اصلاح کرو۔ راستاں اہل استقامت عارفین کاملین۔ سر مکش روگردانی نہ کرو۔

ترجمہ اے راست رو (بننے کے تمنائی!) اپنے ٹیڑھے اجزاے وجود کو اہل استقامت (یعنی عارفین کاملین) کی مدد سے سیدھا کرلو (اور) اس آستانہ سے روگردانی نہ کرو۔

مطلب روحانی کجی کا بہترین علاج کسی کامل کی بیعت ہے۔ سعدی رح ؎

داروے تربیت از پیر طریقت بستاں　　کادمی را بتر از علت نادانی نیست

اور پیرِ طریقت کے آستانہ کی حاضری غنیمت سمجھنی چاہیئے۔ ؎

حافظا مقیم در گہ او باش و عیش کن　　کاندر بہشت بہتر ازیں نیست ہیچ جائے

ہم ترازو را ترازو راست کرد　　ہم ترازو را ترازو کاست کرد

لغات ترازو سے یہاں مجازاً ترازو کا بٹہ مراد ہے۔ اور ظرف بول کر مظروف مراد لینا مجاز مرسل کی ایک قسم ہے۔ جیسے پرنالہ گرتا ہے۔ یا نہر چلتی ہے کہتے ہیں۔ تو اس میں مظروف یعنی پانی کا گرنا یا چلنا مراد ہوتا ہے۔ نہ کہ بزخود پرنالہ یا نہر کا کاست کم۔

ترجمہ دیکھو ترازو کا باٹ ہی باٹ کو پورا کرتا ہے۔ اور ترازو کا باٹ ہی باٹ کو گھٹا دیتا ہے۔

مطلب جس طرح ایک ناقص باٹ کو ترازو میں رکھ کر پورے باٹ کے ساتھ وزن کریں۔ اور پھر زیادتی کی صورت میں اس کا زائد حصہ کاٹ ڈالیں اور کمی کی صورت میں کوئی کیل وغیرہ ٹھونک کر اس کے برابر کر لیں۔ تو وہ اس کو پورا بنا دیگا۔ اور اگر اس کو کسی ناقص باٹ کے ساتھ تولیں اور کانٹ چھانٹ کر اس کے برابر کر لیں۔ تو وہ اس کو اپنی طرح ناقص بنا دیگا۔ اسی طرح کاملین اور ناقصین کا قرب بھی بڑی تاثیر رکھتا ہے۔ کامل کی صحبت سے کمال حاصل ہوتا ہے ناقص کے قرب سے روحانی و اخلاقی نقائص پیدا ہو جاتے ہیں۔ سعدی رح ؎

پسر نوح بابداں بنشست — خاندانِ نبوتش گم شد
سگ اصحاب کہف روزے چند — پئے نیکاں گرفت و مردم شد

ہر کہ با نا راستاں ہم سنگ شد — در کمی افتاد و عقلش دنگ شد

لغات ہم سنگ۔ ہموزن۔ ترازو میں رکھا جانا۔ مراد رفاقت و صحبت۔ دنگ ماند۔ خیرہ۔

ترجمہ جو شخص گمراہ لوگوں کے ساتھ قرین ہوا۔ وہ کمی میں مبتلا ہوا۔ اور اس کی عقل ماری گئی۔

سعدی رح ؎
رقم بر خود بنادانی کشیدی — کہ ناداں را بصحبت بر گزیدی
طلب کردم ز دانایاں یکے پند — مرا گفتند با ناداں مپیوند
کہ گر دانائے دہری خر بباشی — وگر نادانی ابلہ تر بباشی

رَو اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّار باش — خاک بر دلداریِ اغیار پاش

لغات اشدا۔ جمع شدید۔ سخت۔ تند۔ اغیار جمع غیر۔ بیگانہ پاش پاشیدن چھڑکنا ہے۔

صنائع شعر ذوالقافیتین ہے اور اس آیت قرآنی سے اقتباس ہے۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ تَرٰىہُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا۔
محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر تو بہت سخت ہیں (اور) آپس میں رحمدل ہیں۔ (اے مخاطب!) تو ان کو دیکھے گا۔ کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں۔ کبھی سجدہ کرتے ہیں۔ اور خدا کے فضل اور خوشنودی کی طلبگاری میں لگے ہوئے ہیں۔ (فتح ع ۴)

ترجمہ جاؤ! کافروں پر سخت (اور بھاری) ہو کر رہو ان (حق سے) بیگانہ رہنے والوں کی دلداری پر خاک ڈالو۔

مطلب اوپر راستی کی ضرورت بیان کی تھی۔ جس کے لئے ایک اچھا نمونہ ہونا چاہئے۔ مگر صرف نمونہ کا ہونا کافی نہیں بلکہ اس نمونے کی اضداد سے قطع تعلق بھی لازم ہے۔ لہٰذا صلحا کی صحبت کے ساتھ اشرار سے کنارہ کشی اور بے تعلقی بھی ضروری ہے۔ کہ پاک نہاد آدمی بھی بدوں کی صحبت سے بدنہاد بن جاتا ہے۔ حافظ رح ؎

نازنینے چو تو پاکیزہ رخ و پاک نہاد — بہتر آنست کہ با مردم بد ننشینی

اشداء علی الکفار بننے سے یہ مراد نہیں۔ کہ دنیا جہان سے خواہ مخواہ جھگڑتے پھرو۔ بلکہ یہ مراد ہے۔ کہ اگر وہ لوگ کوئی زبردستی کریں۔ تعدّی کریں۔ بے جا ستائیں۔ گستاخی، استہزاء، استخفاف سے پیش آئیں۔ تو

نرمی و مداہنت کرنا۔ ان سے دبنا اور درگزر کرنا نہیں چاہیئے۔ سعدی رح ؎

باخلاق نرمی مکن با درشت | کہ سگ را نمالند چوں گربہ پشت
گر انصاف خواہی سگ حق شناس | بہ سیرت بہ از مردم ناسپاس
بہ برف آب رحمت مکن بر خسیس | چو کردی مکافات بر یخ نویس

اغیار میں غیر سے مقابل عین مراد نہیں۔ بلکہ حق سے بیگانہ و بے تعلق مراد ہے۔ جس کی صحبت باعث غفلت ہو۔ خواہ مال و دولت۔ زن و فرزند۔ دوست و آشنا پیر و مرشد کوئی ہو۔ جامی رح ؎

باغ زندان ست بر صاحب دلاں | ہر کجا بوے ز وصل یار نیست
ہیچ زندان عاشق مشتاق را | تنگ تر از صحبت اغیار نیست

بر سر اغیار چوں شمشیر باش | ہیں مکن روباہ بازی شیر باش

لغات روباہ بازی لومڑی کے سے چلتر کھیلنا۔ مراد مکر و حیلہ۔ **صنائع** روباہ و شیر میں مناسبت ہے۔

ترجمہ ان (حق سے) بیگانوں کے سر پر (لٹکنے والی) تلوار بن جاؤ۔ یاد رکھو مکر و فریب اختیار نہ کرو۔ کہ کمزوری کی علامت ہے) بلکہ شیر بنو۔

مطلب ہم اوپر بتا چکے ہیں۔ کہ اس بیان سے مولانا رح کا یہ مقصد نہیں ہے کہ آپ سے آپ لوگوں سے دنگا فساد کرتے پھرو۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ اگر بیگانگان حق خود دنگا فساد کرنے پر آئیں۔ تو پھر نرمی سے سروکار نہ رکھو اور شیر بن جاؤ۔ اسی لئے ہم نے شمشیر باش کا ترجمہ لٹکتی تلوار کیا ہے۔ سر پر پڑتی ہوئی تلوار نہیں کیا۔ (فافہم) اور عموماً شیر کا بھی یہی شیوہ ہے۔ کہ جب تک کوئی نہ چھیڑے کچھ نہیں کہتا۔ بلکہ سنا ہے کہ اگر اس کے ساتھ آدمی دور سے آنکھ ملائے۔ تو وہ نگاہ نیچی کر لیتا ہے۔ لیکن جب اس پر وار کیا جائے۔ تو پھر وہ آگ بنجاتا ہے۔ سعدیؒ ؎

نکوئی و رحمت بجائے خود ست | وے بابداں نیکمردی بدست

تا ز غیرت از تو یاراں نگسلند | زانکہ ایں خاراں عدوے آں گلند

لغات یاراں سے اہل اللہ مراد ہیں۔ نگسلند گسلیدن سے قطع نکریں۔ **صنائع** گل استعارہ ہے حق سے اور خار بیگانہ از حق سے۔

ترجمہ (اغیار سے الگ تھلگ رہنا اس لئے ضروری ہے) تاکہ اہل اللہ از راہ غیرت تم سے قطع تعلق نہ کر لیں۔ کیونکہ یہ (حق سے بیگانہ لوگ جو گویا موذی) کانٹے (ہیں) اس (رنگیلا) گل (بستان احدیت) کے دشمن ہیں۔

مطلب اہل اللہ کی غیرت گوارا نہیں کرتی کہ اعداء اللہ کے ساتھ تعلق رکھنے والا ان کے ساتھ تعلق رکھے کیونکہ جو شخص محبوب کے دشمن کا دوست ہو وہ بھی بمنزلہ دشمن ہوتا ہے خصوصاً جبکہ محبوب حقیقی تاکید کرے کہ میرے دشمن کو دوست نہ بناؤ۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ اے ایمان والو! ہمارے اور (ہمارے دوستوں کے یعنی) خود اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تو ان اعدائے حق سے کنارہ گیری نہایت ضروری ہے۔ سعدیؒ ؎

نظر دوست نادر کند سوئے تو | چو در روئے دشمن بود روئے تو

گرت دوست باید کزو برخوری		نباید کہ زمانِ دشمن بری

## آتش اندر زن بگرگاں چوں سپند		زانکہ ایں گرگاں عدوئے یوسفند

لغات آتش زدن پھونک ڈالنا کنایہ ہے تباہ و برباد کردینے سے سپند حرمل جو جلدی آگ لگنے کے باعث یا اس لئے کہ لوگ اسکو نظر بد کے دفع ہونے کے لئے اکثر جلاتے ہیں جلنے میں ضرب المثل ہے۔ صنائع گرگاں یوسف کے ذکر میں حضرت یوسف ؑ کے اس قصے کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے بھائیوں نے ازراہ حسد ان کو ایک کوئیں میں گرا کر باپ کے سامنے یہ جھوٹا عذر کیا تھا۔ کہ ان کو بھیڑیا کھا گیا۔ پس گرگ کو عدوے یوسف کہنا بلحاظ ظاہر ہے۔ ورنہ در حقیقت کسی بھیڑیے نے ان کو ایذا نہیں پہنچائی تھی۔ بلکہ بھائیوں نے پہنچائی تھی۔ وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ یعنی اور وہ رات کے وقت اپنے باپ کے پاس روتے آئے۔ کہا اے ہمارے باپ ہم تو دوڑ بھاگ کر کھیلنے لگے اور یوسف کو ہم نے اپنے اسباب کے پاس چھوڑ دیا۔ تو اس کو بھیڑیا کھا گیا۔ اور آپ تو ہماری بات کا یقین نہیں کرینگے۔ اگرچہ ہم سچ ہی کہہ رہے ہوں اور یوسف کے کرتے پر بناوٹی خون بھی لگا لائے (سورہ یوسف ؑ) گرگاں اعداء اللہ سے اور یوسف محبوب حقیقی یعنی حق تعالیٰ سے استعارہ ہے۔

ترجمہ (بس چلے تو) ان بھیڑیوں (کے سے موذی اعداء اللہ) کو تباہ و برباد کردو۔ کیونکہ یہ بھیڑیے یوسف (یعنے محبوب حقیقی) کے دشمن ہیں۔

مطلب۔ یہاں بھی وہی بات ملحوظ رہے کہ اس سے کسیکو بلا وجہ ایذا دینا مقصود نہیں نظامی رح ؎

بغفلت بر میاور یک نفس را		میازار و مرنجاں ہیچکس را

ہاں جب ان کی شر متعدی اپنے دائرے سے متجاوز ہو جائے تو پھر ان کا علاج کرنا لازم ہے۔ امیر خسرو رح ؎

دواے ایں سفہا نیست جز بخنجر تیز		چو تند رستی خرکان غیش بیطار نیست

## جان بابا گویدت ابلیس ہیں!		تا بدم نفریبدت دیو لعیں

لغات بابا پدر۔ جانِ بابا جانِ پدر یعنی فرزند عزیز۔ لاڈلا بیٹا ہیں کلمہ تنبیہ دم فریب۔ دیو شیطان۔ لعین ملعون۔

ترجمہ ابلیس تم کو (بناوٹی شفقت سے) پیارا فرزند کہکر پکارتا ہے۔ خبردار! یہ شیطان لعین کہیں تم کو اپنی حیلہ بازی سے دھوکا نہ دے۔

مطلب اوپر اغیار کی صحبت سے بچنے کی ہدایت کی تھی۔ اب ایک سب سے بڑے غیر اور شدید ترین دشمن کے دھوکے سے بچنے کی تاکید فرماتے ہیں۔ وہ دشمن شیطان لعین ہے۔ جو ہر وقت مقتضیات نفس کی مساعدت کرکے اور بظاہر دلخوش کن صورتیں دکھا کر لوگوں کو اپنا پدر مشفق ہونا ظاہر کرتا ہے تاکہ اس دھوکے سے وہ ان کو راہ مستقیم سے پھیر کر چاہِ ضلالت میں گرادے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ۔ سعدی رح ؎

آں راہ دوزخ است کہ ابلیس میرود		بیدار باش تا نہ پئے او براہ نسپری

اینچنیں تلبیس با بابات کرد آدمے را آں سیہ دل مات کرد

لغات تلبیس فریب کرنا۔ اشتباہ میں ڈالنا۔ آدمے میں یائے مجہول بغرض تفخیم نہ کہ زائد جیسے کہ ایک شارح نے غلطی سے لکھا ہے۔ مات۔ شطرنج بازوں کی اصطلاح میں شاہ شطرنج کے گرفتار و مقید ہونے کو کہتے ہیں یہاں مات کردن سے شکست دینا۔ ہرا دینا مراد ہے۔

ترجمہ اسی طرح اس سیہ دل نے تمہارے جد امجد کے ساتھ فریب کیا تھا۔ (یعنی) حضرت آدم علیہ السلام جیسے عالی پایہ انسان کو شکست دی تھی۔

مطلب شیطان کے پیرو ہو کر اپنی ذلت کا سامان نہ کرو۔ نظامی رحمہ

نیکلی پیروِ شیطاں مباش شیر ابیری، سگِ درباں مباش

شیطان کے حضرتِ آدم علیہ السلام کو دھوکا دینے کا قصہ قرآن مجید میں کئی جگہ آیا ہے۔ مثلاً سورۂ اعراف رکوع ۲۲ میں فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ اور فَدَلّٰهُمَا بِغُرُوْرٍ وغیرہ آیات میں اس کی تفصیل آئی ہے۔ جس کا ذکر اس کتاب میں پیچھے گذر چکا ہے۔

بر سرِ شطرنج چُست ست ایں غُراب تو مبیں بازی بچشمِ نیمخواب

لغات شطرنج بکسر شین صحیح ہے ایک کھیل کا نام ہے۔ غراب کوا۔ نیمخواب اونگھنا۔

صنائع اوپر کے شعر میں لفظ مات استعمال ہوا تھا یہاں شطرنج اور بازی اس کے مناسبات ہیں۔ اور غراب کے لئے کلمہ بازی بمعنی باز ایہام تناسب ہے۔ عربی میں باز کو بازی کہتے ہیں۔ غراب استعارہ ہے۔ شیطان کے لئے جس میں عیاری چالاکی اور ڈھٹائی وجہ استعارہ ہے۔

ترجمہ یہ کالا کوا (شیطان) بساط شطرنج پر (جو تمہارے اور اس کے درمیان بچھی ہوئی ہے)۔ (بڑا) چست (ہو کر بیٹھا) ہے۔ تم (اس کے) کھیل کو (غفلت زدہ) اونگھتی آنکھ سے (بے پروائی کے ساتھ) نہ دیکھو۔

زانکہ فرزیں بندہا داند بسے کو بگیرد در گلویت چوں خسے

لغات فرزیں بفتح فا رشطرنج کا ایک اہم مہرہ جو بمنزلہ وزیر ہوتا ہے۔ اور اس کی دورخی چال بادشاہ کی حفاظت کرتی ہے۔ لیکن جب وہ حریف کی چال سے مرجائے یعنی ساقط ہو جائے۔ تو پھر بادشاہ کو مات کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ فرزیں بندوہ چال جس سے فرزیں مقید یا ساقط کیا جاتا ہے۔ بگیرد اٹک جاتا ہے خس تنکا۔ تیلی۔ گھاس پھونس۔

ترجمہ کیونکہ وہ فرزیں کو مقید کرنے کی بہت سی چالیں جانتا ہے۔ جو تمہارے گلے میں تنکے کی طرح اٹک (کر باعث تکلیف ہو) جائیں۔

مطلب فرزیں سے مراد نیکی کی استعداد فطری ہے۔ شیطان سب سے پہلے اس پر ہاتھ ڈالتا ہے۔ جب وہ اس کے قابو میں آجائے۔ تو پھر انسان کو تباہ و برباد کرنا مشکل نہیں۔

شیطان نے انسان کے خلاف اپنی ان شطرنجی چالوں کا ذکر حق تعالیٰ کے سامنے ان لفظوں میں کیا تھا

قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ثُمَّ لَآتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ (ابلیس نے) کہا خدایا جب تو نے مجھے بے راہ کر دیا۔ تو میں بھی تیری سیدھی راہ پر ان کی تاک میں بیٹھونگا۔ پھر ان کے آگے سے انکے پیچھے سے ان کی داہنی طرف سے اور ان کی بائیں جانب سے انکے پاس آؤنگا۔ اور تو اکثر آدمیوں کو شکر گذار نہیں پائیگا۔ (اعراف ۲۲۶)

شطرنج بازوں کو فرزیں کا مہرہ نہایت عزیز ہوتا ہے۔ وہ دو مہرے دیگر بھی اس کا بچا لینا ضروری سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اس کے مقید ہونے سے بازی اس قدر کمزور ہو جاتی ہے۔ کہ مقید فرزیں کی طرف مات ہو جانے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے۔ مگر تاہم مات سے بچنے کی امید بالکل معدوم نہیں ہوتی۔ کھیلنے والا نہایت ہوشیار و شاطر ہو۔ تو پھر بھی ڈوبتی بازی کو سنبھال ہی لیتا ہے۔ اس لئے مولانا کے کلام میں یہ نہایت لطیف اشارہ ہے کہ تمہاری استعداد فطری جو بمنزلہ فرزین ہے۔ اول تو اس کو شیطان کی دستبرد سے بچاؤ۔ لیکن اگر اس کا اسپر داؤ چل ہی جائے۔ تو اس سے بازی کے مات ہونے کا قطعی نتیجہ نہیں نکلتا۔ صرف ایک تنکا گلوگیر ہوا ہے۔ ابھی حلق پوری طرح بند نہیں ہوا۔ لہذا کسی حکیم حاذق سے یہ تنکا نکلوالو۔ یعنی کسی شیخ کامل کی مدد سے اپنے فرزین استعداد کو شیطان کی گرفت سے بچالو۔ حافظ رح ؎

دامن دوست بدست آر و ز دشمن بگسل | مرد یزداں شو و ایمن گذر از اہرمناں

در گلو ماند خس او سالہا | چیست آں خس؟ مہر جاہ و مالہا

ترجمہ (گھانس کا تنکا تو فوراً گلے سے نکل جاتا ہے۔ مگر اس (شیطان) کا گلوگیر کیا ہوا) تنکا برسوں گلے میں (اٹکا) رہتا ہے۔ (اب یہ بھی سن لو کہ) وہ تنکا ہے کیا؟ (وہ) شان (و شکوہ) اور مال و دولت کا شوق ہے۔

مطلب حب جاہ و مال کا مرض بڑی مشکل سے علاج پذیر ہوتا ہے۔ خصوصاً حبِ مال تو وہ بد بلا ہے۔ کہ انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ بلکہ بعض اوقات اس کے لئے انسان جاہ و عزت کو بھی قربانی کر دیتا ہے کما قیل ؎

اگرچوں غنچہ بکشاید نمے ریزد زر از دستش | بخون دل بدست آورد ہرکس مال دنیا را

اس لئے مولانا بھی مال کی محبت کے زیادہ مضر ہونے پر زور دیتے ہیں۔

مال خس باشد چو ہست او بے ثبات | در گلویت مانع از آب حیات

گر برد مالت عدوے پرفنے | رہزنے را بردہ باشد رہزنے

ترجمہ مال چونکہ (ایک) ناپائیدار چیز ہے (اس لئے) ایک تنکے کی سی حقیقت رکھتا ہے (اور اس لحاظ سے کہ) تمہارے حلق میں آبحیات کے جانے کا مانع ہے (ایک بڑی خطرناک چیز بھی ہے۔ پس) اگر کوئی مکار دشمن (تم سے) تمہارا مال چھین) لے جائے (تو غم نہ کرنا چاہیے۔ بلکہ اطمینان رکھو کہ) ایک (مال کا) ڈاکو (دوسرے ایمان کے) ڈاکو کو اڑا لے گیا۔ (اور تم اس کی شر سے بچ گئے)

مطلب مال کے باطل و بے حقیقت اور (مالداروں کے باطل پرست) ہونے پر کسی کا کیا اچھا شعر ہے ؎

آیہ بطلاں بشانِ زر پرستاں آمدہ است ‌ ‌ ‌ باطلا، صاحب طلا، مصداق ھذا باطلا ست

پس جب مال ہاتھ سے جاتا رہے۔ تو غم نہ کرنا چاہیئے۔ ایک بے حقیقت چیز جاتی رہی تو کیا ہوا۔ اور اگر یہ خیال کیا جائے کہ ایک بلائے امن و راحت اور دشمنِ دین و ایمان دفع ہو گیا۔ تو غم کرنے کی بجائے خوشی منانی چاہیئے۔ اگلی کہانی اس بات کی تائید میں ہے۔

دُزدیدن شخصے مار را از مارگیرے و گزیدنِ مار دُزد را و کُشتنِ او

ایک شخص کا کسی سپیرے کے سانپ کو چرا لینا اور سانپ کا چور کے کاٹ کھانا اور اس کو مار ڈالنا

دُزدکے از مارگیرے مار بُرد ‌ ‌ ‌ زابلہی آں را غنیمت مے شمُرد

لغات دزدک چوٹا۔ کاف تصغیر بغرض تحقیر ہے۔ مارگیر سانپ کو پکڑنے والا اس کا تماشا دکھانے والا سپیرا۔

ترجمہ ایک چوٹا کسی سپیرے کے سانپ کو (جو پٹاری میں بند تھا) چرا لے گیا (اور) بیوقوفی سے اسکو غنیمت سمجھتا تھا (کہ پٹاری میں کچھ مال ہوگا)

وا رہید آں مارگیر از زخمِ مار ‌ ‌ ‌ مار کُشت آں دُزد خود را زار زار

لغات وارہید نجات پاگیا۔ رہیدن سے۔ حرف وا زائد ہے۔ زخم ڈسنا۔ زار بری حالت۔ زار زار نہایت بری حالت

ترجمہ وہ سپیرا تو سانپ کے زخم سے بچ گیا۔ (ادھر) سانپ نے اپنے اس چور کو (ڈس کر) مار ڈالا (جو منہ سے جھاگ اور خون کے بہنے اور بدن کے سوجنے اور پھٹ جانے سے) نہایت بری حالت میں (تھا)

سوال مارگیر کا تو یہ فن ہے کہ سانپ کو پکڑے۔ اپنے پاس رکھے اور اس کا تماشا دکھائے۔ پھر اس کو سانپ سے ضرر پہنچنے کا کیا احتمال تھا جس کے لئے وارہید فرمایا ہے۔

جواب بعض سانپ نہایت زہریلے ہوتے ہیں خصوصاً ناگ۔ پھنیر۔ جلیبیا وغیرہ جن کو پکڑنے اور تسخیر کرنے کی کوشش میں بعض اوقات اچھے اچھے مارگیر بھی جان دے بیٹھتے ہیں۔ سپیرے بھی ان کو بعض تدابیر سے ضعیف السّم اور دنداں شکستہ بنا لیتے ہیں۔ تو پھر اپنے پاس رکھنے کی جرأت کرتے ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ سانپ ابھی تازہ پکڑا گیا ہو۔ دانت وغیرہ نہ توڑے ہوں۔ اور وہ ایسا تند و غضبناک ہو کہ جو سامنے آئے اس کا وار کرنا یقینی ہو۔ جس سے سپیرا ابھی نہ بچ سکتا ہو۔ اب وہ جو سانپ چوری جاتا رہا۔ تو سپیرا اس کے وار سے بچ گیا اور چور مارا گیا۔

مارگیرش دید و پس بشناختش ‌ ‌ ‌ گفت از جاں مارِ من پرداختش

لغات پرداخت خالی کر دیا۔ پرداختن سے۔

ترجمہ سپیرے نے اس کو دیکھا اور (غور کیا) پھر (بعض قرائن سے) اُسے پہچان لیا۔ (کہ میرا سانپ اسی نے چرایا تھا۔ اور لوگوں سے) کہا۔ اس کو میرے ہی سانپ نے بیجان (یعنی ہلاک) کیا ہے۔

نوٹ:- بشناختش اور گفت کے لفظ قابل توجہ ہیں۔ سپیرا اپنے سانپ کی گم شدگی پر حیران و پریشان تھا۔ کہ کون لیگیا۔ اور جب وہ چور سانپ کے ڈسنے سے مر گیا۔ اور سانپ کہیں غائب ہوگیا۔ تو لوگ اس کی لاش پر جمع ہو کر اظہار حیرت کرتے تھے۔ کہ یہ کل چنگا بھلا تھا۔ آج ناگہاں کیونکر مر گیا۔ اتفاق سے وہاں سپیرا بھی آنکلا۔ تو اس نے دیکھا کہ یہی شخص میرے پاس آتا جاتا تھا۔ اور ساتھ ہی وہاں پٹاری کھلی پڑی بھی اس کو نظر آگئی۔ تو معاً اس کی موت کا راز اس کے دل پر منکشف ہوگیا۔ جس سے اس کی اپنی حیرت بھی رفع ہوگئی۔ جو کہ چور کے متعلق تھی۔ اور اس نے لوگوں کی حیرت بھی رفع کر دی۔ جو انہیں اس شخص کی موت کے متعلق ہو رہی تھی۔

در دُعا میخواستے جانم ازو کش بیابم مار بستانم ازو

لغات میخواستے ازو۔ یعنی از خدا مے طلبیدے کش کہ اورا یعنی دزد را۔

ترجمہ میں دل و جان سے خدا سے یہ دعا کرتا تھا۔ کہ مجھے وہ (چور) مل جائے۔ تو اس سے (اپنا) سانپ (واپس) لے لوں۔

شکر حق را کاں دُعا مردود شد من زیاں پنداشتم آں سُود شد

لغات مردود۔ نامقبول۔ رد۔ زیان نقصان۔ سود فائدہ۔ مفید۔

ترجمہ خدا کا شکر ہے۔ کہ میری وہ دعا رد ہوگئی (اور مجھے سانپ نہ ملا) میں تو (سانپ کی گم شدگی کو) اپنے لئے نقصان سمجھتا تھا۔ (مگر خوش قسمتی سے) وہ میرے لئے مفید ثابت ہوئی۔ (کیونکہ میں اس کے زخم سے بچ گیا)

مطلب اوپر ذکر تھا۔ کہ مال کو چور لیجائے تو شکر کرو۔ کہ ایک دشمن کو دوسرا دشمن لے اڑا۔ اور تم اس کی شر سے بچ گئے۔ جیسے کہ سپیرے کے سانپ کو چور لے گیا۔ تو سپیرے کی جان بچ گئی۔ صائب کے ایک شعر میں اس مضمون کا کیا مزیدار توارد ہوا ہے۔ ؎

دزدیده اند مار بافسونِ مارگیر آنانکہ مالِ خلق بہ تزویر مے برند

بس دُعاہا کاں زیانست و ہلاک وز کرم مے نشنود یزدانِ پاک

ترجمہ بہتیری دعائیں (باعث) نقصان اور (موجب) ہلاک ہوتی ہیں۔ (مگر جب بندہ ایسی دُعائیں غلطی سے مفید سمجھ کر کرنے لگتا ہے) اور خداوند پاک (محض) اپنے کرم سے (نہ کہ از راہ استغنا) انکو نہیں سنتا۔ (یعنی قبول نہیں کرتا۔ تاکہ یہ بندہ زیان و ہلاک سے بچ جائے)

مُصلِح ست و مُصلِحت را داند او کاں دُعا را باز مے گرداند او

ترجمہ (تو اس کی وجہ یہ ہے کہ) وہ (یعنی خداوند تعالیٰ) بہتری کرنے والا ہے اور مصلحت کو جانتا ہے جو (کسی نہ کسی مصلحت کی بنا پر) اس دعا کو (غیر مقبول) لوٹا دیتا ہے۔

سعدی ؎ آنکس کہ تو نگرت نمے گرداند او مصلحتِ تو از تو بہ مے داند

وان دُعاگوینده شاکی میشود　　　میبرد ظن بد و آں بد بُود

ترجمہ اور (تماشا یہ کہ) وہ دعا کرنے والا (الٹا) شاکی ہوتا ہے۔ (کہ خداوند تعالیٰ نے میری دعا قبول نہ کی اور خدا کی رحمت و رافت کے متعلق) بدگمانی کرنے لگتا ہے۔ حالانکہ (دعا کا قبول نہ ہونا برا نہیں بلکہ اس کی) وہ شکایت و بدگمانی) بری ہے۔ صائب رح ؎

شکوه در مشرب ما سوختہ جاناں کفرست　　　شمع داغ ست ز خاموشی پروانہ ما

مے نداند کو بلائے خویش خواست　　　وز کرم حق آں بدو ناورد راست

لغات کو کہ او۔ بدو باو۔ بر و۔ ناورد۔ نیاورد۔ راست۔ مقبول۔

ترجمہ وہ شخص نہیں جانتا۔ کہ وہ خود اپنے لئے بلا چاہتا تھا۔ اور حق تعالیٰ نے محض اپنے کرم سے اس (دعا) کو اس کے حق میں مقبول نہیں کیا۔

مطلب خلاصہ یہ کہ مال وجاہ کی محبت سے دست بردار ہو کر خاص خدا سے محبت رکھنی چاہیے۔ اور اسی پر پورا بھروسہ رکھنا لازم ہے۔ اگر وہ کوئی کام تمہاری مرضی کے خلاف بھی کرے۔ تو اس پر ناخوش ہونا زیبا نہیں۔ کیونکہ وہ خداوند تعالیٰ بقول سعدی رح ؎

لطیف و کرم گستر و کارساز　　　کہ دارائے خلق ست و دانائے راز

ہے وہ ہمارے تمہارے فوائد و مصالح کو خوب جانتا ہے۔ اگر ہماری دعا قبول کرے۔ تو الحمد للہ۔ نہ کرے تو بھی سبحان اللہ اس میں کوئی نہ کوئی مصلحت ہوگی۔ بہرحال دعا کے اجر سے دعا کرنے والا پھر بھی محروم نہیں رہتا۔ مولانا رح ؎

اے اخی دست از دعا کردن مدار　　　با اجابت یا رد اویت چہ کار

التماس کردنِ همراهِ عیسیٰ علیہ السلام از و زنده کردنِ استخواں را

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ان کے ایک رفیق کا یہ درخواست کرنا کہ (اس) ہڈی کو (اپنی دعا سے) زندہ کر دیں

گشت با عیسیٰ یکے ابلہ رفیق　　　استخوانہا دید در گوئے عمیق

لغات ابلہ بیوقوف۔ گوے گڑھا۔ بعض نسخوں میں اس لفظ کو گور لکھا ہے جو غلط معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ گور میں عموماً حیوانات کی ہڈیاں نہیں۔ بلکہ انسان کی ہوتی ہیں۔ ہمارے قلمی نسخے میں بھی گوے درج ہے۔ عمیق گہرا۔

ترجمہ ایک بیوقوف آدمی حضرت عیسیٰ ع کا رفیق (سفر) ہو گیا۔ اس نے ایک گہرے گڑھے میں کچھ ہڈیاں دیکھیں۔

گفت اے همراهِ نام آں سنی　　　کہ بداں تو مرده زنده میکنی

مر مرا آموز تا احساں کنم　　　استخوانہا را بداں با جاں کنم

لغات سنی بلند۔ رفیع۔ مراد حق تعالیٰ۔ احسان نیک کام۔ باجان زندہ۔ ذیحیات۔

ترکیب گفت فعل جس کی ضمیر ابلہ کی طرف راجع ہے اس سے آگے دونوں شعروں کی عبارت اس کا قول ہے۔ جس میں آموز فعل با فاعل مرا مفعول بہ اول نام آں سنی الی آخر البیت مفعول بہ ثانی۔ یہ جملہ معلول ہوا۔ تا احسان الی آخر البیت علت۔ یہ جملہ معللہ ہوکر اُسے ہمراہ کا جواب ندا ہوا۔ کہ بداں بیان ہے نام کا نہ کہ سنی کا۔

ترجمہ وہ کہنے لگا اے (میرے مقدس) رفیق! اس (خداوند) رفیع الشان کا وہ نام (یعنی اسم اعظم) مجھے سکھا دو۔ جس (کو پڑھ کر دم کرنے) سے تم مردہ کو زندہ کیا کرتے ہو۔ تاکہ میں بھی ایک نیک کام کروں۔ (یعنی ان) ہڈیوں کو اس (نام) کے ساتھ زندہ کردوں۔

گفت خامش کن کہ آں کارِ تو نیست　　لائقِ انفاس و گفتارِ تو نیست

لغات خامش کن چپ رہو۔ انفاس دم۔ پھونکیں۔ گفتار کلام یہاں متبرک کلمات کا پڑھنا مراد ہے۔

ترجمہ آپ نے فرمایا چپ رہو۔ کیونکہ وہ تمہارا کام نہیں ہے (اسم اعظم) تمہارے دم کرنے اور پڑھنے کے لائق نہیں ہے۔

کاں نفس خواہد ز باراں پاک تر　　وز فرشتہ در روش چالاک تر

ترجمہ کیونکہ وہ اسم اعظم (اپنے پڑھے جانے کے لئے) ایسا دم چاہتا ہے جو آب باراں سے بھی زیادہ پاک ہو۔ اور (مقام اجابت تک پہنچنے میں) فرشتوں سے بھی زیادہ تیز رفتار ہو۔

عمرہا بایست تا دم پاک شد　　تا امینِ مخزنِ افلاک شد

ترجمہ عمریں (ریاضات و مجاہدات میں ختم کر ڈالنی چاہئیں۔ تب (کہیں جاکر) دم (اس درجہ تک) پاک ہوتا ہے۔ کہ خزائن عالم ملکوت کا (حامل اور) امین ہو۔

مطلب یہ ناممکن ہے کہ تم اپنے سانس اور دم میں یہ قابلیت پیدا کئے بدوں اس سے اسم اعظم پھونکنے کا کام لو اور وہ کچھ مفید ہو۔ اس کے لئے صرف سانس کافی نہیں۔ بلکہ خاص قابلیت کی ضرورت ہے۔ سانس سانس میں فرق ہوتا ہے چنانچہ آگے فرماتے ہیں۔ خود گرفتی (یں عصا الخ کہاں یہ تمہاری لکڑی۔ کہاں موسیٰ علیہ السلام کی لکڑی۔

؎ چہ نسبت خاک را با عالم پاک

مندرجہ بالا ترجمہ اس تقدیر پر ہے کہ احیاء موتے کے لئے دم کی پاکیزگی کا عام اصول بیان کیا ہے۔ اور اس لئے بایست اور شد کے مفعول کو بمعنی مستقبل تسلیم کیا ہے۔ لیکن اگر یہاں حضرت عیسیٰ خود اپنے دم کے متعلق فرما رہے ہیں۔ تو ترجمہ یوں ہوگا۔ "مدتوں ریاضت و مجاہدہ کرنا پڑا تب کہیں جاکر میرا دم پاک ہوا۔ جو پھر امین مخزن افلاک ہوگیا"

اختلاف بعض نسخوں میں پہلا مصرعہ یوں ہے "عمرہا بایست کا دم پاک شد" یعنی تا دم کی بجائے کا دم کا کلمہ درج ہے۔ ہمارا قدیمی قلمی نسخہ بھی اسی کے مطابق ہے۔ اس تقدیر پر ترجمہ و مطلب یوں ہوگا۔ کہ بہت سی عمروں کی ضرورت ہوئی تب کہیں جاکر آدم علیہ السلام پاک ہوئے۔ یہاں تک کہ وہ مخزن افلاک کے امین ہوگئے۔ یعنی ان میں وہ استعداد پیدا ہوگئی۔ کہ ان کو کونیات و الہیات اور اسماء وغیرہ کی تعلیم دی گئی۔

سوال حضرت آدم علیہ السلام کو تو فوراً ان کے پیدا ہوتے ہی بفحوائے وعلم آدم الاسماء کلھا اسماء وغیرہ کی تعلیم دی گئی اور معًا اس فضیلت کی بدولت وہ مسجود ملائکہ ہو گئے۔ جبکہ وہ مخزن افلاک کے امین تھے۔ تو عمروں کا صرف ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔ چنانچہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ کہ حضرت آدم علیہ السلام عصر کے وقت پیدا ہوئے تھے۔ اور ابھی آفتاب غروب نہ ہوا تھا۔ کہ جنت سے بھی نکالے گئے۔ اور یہ یقینی ہے۔ کہ ان کا جنت سے نکلنا مسجود ملائکہ ہونے سے بعد کا واقعہ ہے۔

جواب۔ عمرہا میں دنیا کی عمریں مراد ہیں۔ اور آدم علیہ السلام کا واقعہ جس عالم میں ہوا۔ وہاں کا ایک ایک دن یہاں کے ہزار برس کے برابر ہے۔ چنانچہ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاِنَّ یَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ۝ اور تیرے پروردگار کے ہاں کا ایک دن اس مدت کے حساب سے جو تم شمار کیا کرتے ہو۔ ہزار برس کے برابر ہے۔ (سورۂ حج رکوع ۷) اسی مضمون کی ایک آیت سورہ حج کے پہلے رکوع میں ہے۔ فِیْ یَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗۤ اَلْفَ سَنَةٍ الخ اس لحاظ سے گویا آدم علیہ السلام کی اُن کے کمالات کے حصول میں دنیا کے حساب سے پھر بھی کئی عمریں گذر گئیں۔ اور چونکہ یہاں دنیا والوں کو ان کے اپنے حساب سے مدت مجاہدہ بتائی ہے۔ لہٰذا آدم علیہ السلام کے ذکر میں بھی دنیا کا پیمانہ اختیار کیا گیا۔ ایک یہ جواب بھی ہو سکتا ہے کہ چونکہ آدم علیہ السلام کا مادہ وجود پہلے سے موجود تھا۔ جس کی تصریح حدیث میں کی گئی ہے۔ تو کہہ سکتے ہیں کہ ان کے خمیر ہی میں یہ استعداد پیدا ہونی شروع ہوگئی۔ جس پر عمریں گذر گئیں۔

خود گرفتی ایں عصا در دستِ راست　　دست را دستانِ موسیٰ از کجاست

لغات عصا۔ لاٹھی۔ لکڑی۔ راست دایاں۔ دستاں افسون مراد اعجاز۔ **صنائع** اس میں حضرت موسیٰ کے معجزۂ اژدہا کی تلمیح ہے۔ دست اور دستاں میں تجنیس ناقص۔

ترجمہ دیکھو تم نے بھی اپنے دائیں ہاتھ میں یہ لکڑی لے رکھی ہے۔ مگر تمہارے ہاتھ میں حضرت موسیٰ کا اعجاز کہاں ہے۔ (کہ ان کی طرح لکڑی کا اژدہا بنا دکھاؤ)

گفت اگر من نیستم اسرار خواں　　ہم تو بر خواں نام را بر استخواں

ترجمہ اس (ابلہ) نے کہا اگر میں (اس پر) اسرار (کلمے) کو پڑھنے کے قابل نہیں ہوں تو ازراہ مہربانی آپ ہی (ان) ہڈیوں پر اسم (اعظم) پڑھ دیں۔

گفت عیسیٰ یارب ایں اسرار چیست　　میل ایں ابلہ دریں گفتار چیست

ترجمہ حضرت عیسےٰ نے جناب باری میں عرض کیا۔ کہ اے پروردگار یہ کیا بھید ہے۔ اس سادہ لوح کو اس بات پر (اس قدر) میلان کیوں ہو گیا (کہ میری مانتا ہی نہیں)

چوں غمِ خود نیست ایں بیمار را　　چوں غمِ جاں نیست ایں مردار را

ترجمہ اس بیمار (مرض حماقت) کو اپنا خیال کیوں نہیں؟ اس (روحانیت کے) مردار کو اپنی جان (یا اپنی روحانیت) کی فکر کیوں نہیں ہے کہ اپنے مرض کے ازالہ اور اپنی روحانیت کو زندہ کرنے یا اپنی جان کی

حفاظت کے لئے ہی طالب اسم ہونا)

مُردۂ خود را رہا کردہ ست اُو مُردۂ بیگانہ را جوید رفو

ترجمہ اپنی مردہ روحانیت کو تو اُس نے (بلا علاج) چھوڑ رکھا ہے۔ (یا اپنے گھر کے مردہ عزیزوں کو زندہ کرانے کی تو پروا نہیں ہے) اور بیگانہ مردہ کو چنگا بھلا دیکھنے کی آرزو ہے۔

مطلب۔ وہ ہڈیاں دراصل ایک شیر کی تھیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس کے لئے مردہ مردار۔ اپنی جان کی فکر نہ کرنے والا وغیرہ کلمات یا تو اس لئے استعمال کئے کہ اس ابلہ کی روحانیت مردہ تھی۔ وہ اس کو زندہ کرنے کی فکر نہیں کرتا تھا۔ اور اس کو مردہ وار چھوڑ رکھا تھا۔ یا مردہ خود اس کے اپنے مردہ عزیز مراد ہیں۔ یا یہ خیال تھا۔ کہ یہ شیر ابھی زندہ ہو کر اس کو پھاڑ کھائیگا۔ گویا بلحاظ مآل وہ ایسا مردہ ہے۔ پس ایسی پرخطر چیز کے زندہ کرنے پر اصرار کرنے میں کیا بھید ہے۔ اور اس بات سے وہ کیوں نہیں ڈرتا کہ شاید یہ کسی خوفناک چیز کی ہڈیاں ہوں۔

گفت حق ادبار اگر ادبار جُوست خارِ روئیدن جزائے کشتِ اوست

لغات ادبار معنی مدبر یعنی بدبخت جیسے زید عادل کی بجائے زید عدل بطور مبالغہ کہتے ہیں۔

ترجمہ حق تعالیٰ نے فرمایا اگر ایک بدبخت اپنی بدبختی کی تلاش کرتا ہے۔ تو (کرنے دو)۔ اس کی کھیتی کا پھل کانٹا (نہ ہوگا تو اور کیا) ہوگا۔

مطلب کھیتی سے مراد یا تو اعمال بد کی کھیتی ہے۔ جس کا پھل ایک خونخوار جانور کے حملہ کی شکل میں اُسکو ملنا مقدر تھا۔ بقول کسے:۔

از مکافاتِ عمل غافل مشو گندم از گندم بروید جو ز جو

یا اس کے طلب ادبار کی کھیتی مقصود ہے۔ "جیسی نیت ویسی مراد" وہ فضول و لایعنی امور میں اصرار و الحاح کر رہا ہے۔ تو اس کا مزہ کیوں نہ چکھے؟

آنکہ تخمِ خار کارد در جہاں ہاں وہاں اُو را مجو در گلستاں

لغات کارد فعل مضارع ہے کاشتن (بونا) سے۔ ہاں کلمہ تنبیہ و تاکید۔

ترجمہ جو شخص دنیا میں (اعمال بد) کے کانٹوں کے بیج بوئے۔ یاد رکھو! اور خوب یاد رکھو۔ اس کو باغ (یعنی ثمرات محمودہ کے مقام) میں تلاش نہ کرو۔ سعدی رہ ؎

نہ ابلیس بد کرد و نیکی ندید بر پاک ناید ز تخم پلید

گر گلے گیرد بکف خارے شود ور سوئے یارے رود مارے شود

صنائع یار و مار میں تجنیس لاحق ہے۔

ترجمہ اگر وہ ایک پھول بھی ہاتھ میں لیگا۔ تو وہ کانٹا بن جائیگا۔ اگر وہ کسی یار (مہربان) کی طرف جائیگا۔ تو وہ بھی مار (جانستاں) بنجائیگا۔

مطلب - پھول سے اعمال صالحہ اور یار سے شیخ کامل مراد ہے - یعنے اگر وہ اعمال صالحہ بھی اختیار کرے گا - تو ریا وغیرہ آفات کے باعث وہ بھی اس کے لئے مضر ہوں گے - اور اگر کسی شیخ کامل کی خدمت میں حاضر ہوگا - تو اس کی رذالت نفس اس مقدس آستانہ پر اس طرح روحانی موت کی موجب ہوگی جس طرح کرم نجاست پھول کی خوشبو سے ہلاک ہوجاتا ہے - کما قیل ؎

صحبت نیکاں بداں را زود رسوا می کند
مینماید تلخی با دام افزوں در شکر

کیمیائے زہر مارست آں شقی
بر خلافِ کیمیائے متقی

لغات - کیمیا وہ فن جس کے ذریعہ سے معدنی اشیار کی تدب ماہیت کرتے ہیں - یعنے کسی خاص نوع کی ایک چیز کو دوسری نوع کی بنا لیتے ہیں - مثلاً تانبے کو سونا - رانگ کو چاندی وغیرہ - شقی بدبخت - متقی - پرہیزگار - خدا سے ڈرنے اور گناہوں سے بچنے والا -

ترکیب - تقدیر کلام یوں ہے - آں شقی کیمیائے ست (اما) بمنزلہ زہر مار یا کیمیا کو زہر مار کے ساتھ مضاف قرار دیا جائے - مگر کہیں کیمیا کو بمعنے تریاق نہ سمجھ لیا جائے - بلکہ یہ بمعنے مغیر ماہیت ہے - اور ساتھ ہی اضافت توضیحی ہے -

ترجمہ - وہ بدبخت (بے شک خود ایک مجسم) کیمیا ہے (مگر بمنزلہ) زہر مار ہے (کہ تبدیل ماہیت تو کرتا ہے - مگر اس طرح کہ زندہ کو مردہ کر دیتا ہے) بخلاف ایک پرہیزگار و خداترس کی کیمیا کے (کہ مردہ کو زندہ کر دیتا ہے)

مطلب - جس طرح سانپ کے منہ میں جا کر آب حیات بھی زہریلا ہو جاتا ہے - اسی طرح بدبخت کوئی اچھا کام کرنا چاہے - تو وہ بھی مضر ثابت ہوتا ہے - اور وہ کرامت کا دعوے کر کے ندامت اٹھاتا ہے - اس کی مثال میں بحر العلوم رح نے یہ روایت لکھی ہے کہ مسیلمہ کذاب نے دعوے کیا - کہ میں حضرت عیسٰے کی طرح اندھی آنکھ کو بینا کر دیتا ہوں - ایک کانا آدمی آ کر کہنے لگا - میری آنکھ اچھی کر دو - مسیلمہ نے مٹی کی ایک گولی بنائی - اور اس کے خانہ چشم میں ٹھونس کر کچھ افسون پڑھنے لگا - گولی کے خراش اور مسیلمہ کے اناڑی ہاتھ کی مداخلت سے اس کو سخت اذیت پہنچی - اور کنپٹی میں ایسا درد اٹھا - کہ دوسری آنکھ بھی پھوٹ گئی - چلو فیصلہ ہوا - حافظ رح ؎

بدبخت اچھا کام بھی کرے تو اس سے ضرر ہی پہنچتا ہے

سحر با معجزہ پہلو نزند دل خوش دار
سامری کیست کہ دست از ید بیضا ببرد

ہیں مکن بر قول و فعلش اعتمید
کو ندارد میوہ مانندِ بید

لغات - اعتمید اعتماد کا امالہ ہے - بھروسہ - بید - بینت کا درخت جو بے ثمر ہونے میں ضرب المثل ہے - ع
ہرگز از شاخ بید بر نخوری -

ترجمہ - خبردار! اس کے قول و فعل پر بھروسہ نہ کرنا کیونکہ وہ (قول و فعل) درخت بید کی طرح کوئی مفید پھل نہیں لاتا ؎

لاف ہر نا خلف از جا نبرد جامی را
راہ موسٰی نزند بانگ چو گوسالہ کند

اندرز کردن صوفی خادم را در تیمار بہیمہ او

ایک صوفی کا خانقاہ کے خادم کو اپنے سواری کے جانور کی حفاظت کرنے کی ہدایت کرنا

صوفیے میگشت در دورِ افق — تا شبے در خانقاہے شد قنق

لغات - افق بضم الف و فا کنارہ فلک دور افق کنارہ فلک کا چکر مراد اطراف عالم - خانقاہ - مشائخ اور درویشوں کے رہنے کا مکان - قنق - ترکی لفظ ہے بمعنے مہمان -

ترجمہ - ایک صوفی اطراف عالم کی سیاحت کر رہا تھا - حتٰے کہ ایک رات کسی خانقاہ میں جا مہمان ہوا

یک بہیمہ داشت در آخُر ببست — او بصدرِ صُفّہ با یاراں نشست

لغات - بہیمہ چوپایہ - سواری کا جانور گھوڑا - ٹٹو وغیرہ مراد ہے - آخُر - خار کے ضمہ کے ساتھ چوپایہ کو باندھنے کی جگہ - اس کو آخور یا ومعد ولہ بھی لکھتے ہیں - صدر - مجلس کی ممتاز جگہ - صفّہ - بضم صاد و تشدید فار - چبوترہ - دالان - مکان کا مسقف حصّہ -

ترجمہ - اس کے پاس ایک سواری کا جانور تھا (جس کو) اصطبل میں باندھ دیا (اور) وہ (خود) یاران (طریقت) کے ساتھ مکان کی ممتاز جگہ میں بیٹھ گیا -

پس مُراقب گشت با یارانِ خویش — دفترے باشد حضورِ یار بیش

لغات - مراقب مراقبہ کرنے والا اور مراقبہ لغت میں منتظر ہونا، امیدوار رہنا ہے - اور اصطلاح صوفیہ میں ماسوی اللہ سے توجہ ہٹا کر خدا کی طرف حضور دل کے ساتھ متوجہ ہو جانا فقرائے ہنود کی اصطلاح میں اس کو سمادھی کہتے ہیں - حضور یار معیت حق - بیش - بیائے موحدہ بمعنے اکثر احوال اور بیائے فارسی بمعنے مدنظر - دونوں طرح چسپاں ہے -

ترجمہ - پھر وہ اپنے ان یاران طریقت کے ساتھ مراقبہ میں مشغول ہو گیا - اور معیت حق تو (جو لوازم مراقبہ سے ہے - ان لوگوں کے لئے) ایک دفتر ہوتا ہے (جو) اکثر احوال میں (ان کے زیر مطالعہ رہتا ہے) (یہ ترجمہ بیش کی بائے موحدہ کی تقدیر پر تھا - اور پیش بائے فارسی کی تقدیر پر یوں کہیں گے) ایک دفتر ہوتا ہے (جو ان لوگوں کی نظر کے سامنے (رہتا ہے - اور وہ مطالعہ کرتے رہتے ہیں)

دفترِ صُوفی سواد و حرف نیست — جز دلِ اسپید ہمچوں برف نیست

لغات - سواد سیاہی - اسپید - سفید مراد نورانی و روشن کلمہ سپید پر الف زائد بڑھا گیا صنائع - سواد و سپید میں صنعت تضاد -

ترجمہ - صوفی کا دفتر سیاہی (سے لکھا ہوا) اور حروف (کا مجموعہ) نہیں ہوتا - وہ تو صرف قلب روشن

ہے۔ جیسے (صاف سفید) برف۔

مطلب۔ دفتر سے یہ کاغذی دفتر نہ سمجھ لینا۔ جو سیاہ حروف کا مجموعہ ہوتا ہے۔ صوفیوں کو اس سے سروکار نہیں۔ ان کا دفتر تو نورانی دل ہے۔ یہاں سواد و سفید کے تقابل میں یہ لطیف اشارہ بھی مضمر ہے۔ کہ جس طرح سیاہی پر سفیدی کو اور تاریکی پر روشنی کو ترجیح ہے۔ اسی طرح دفتر علم ظاہری پر اس دفتر صوفیہ کو فوقیت حاصل ہے۔

سوال۔ اوپر کہا تھا۔ کہ حضور یار دفتر ہے۔ اب دل سفید کو دفتر کہا ہے۔ فکیف التوفیق۔

جواب۔ دفتر سے متعلق وہ امر مراد ہے۔ جو مرکز توجہ و التفات ہو۔ پس بالذات توجہ تو تجلیات ذات کی طرف ہی ہوتی ہے۔ مگر تبعاً قلب کی طرف بھی توجہ ہو جاتی ہے۔ اس لئے دونوں اپنی اپنی جگہ دفتر ٹھیرے۔

زادِ دانشمند آثارِ قلم   زادِ صوفی چیست؟ انوارِ قدم

لغات۔ زاد خرچ سفر۔ سرمایہ۔ دانشمند اہل علم۔ علوم ظاہری کا طالب و ماہر۔ آثار نشانِ پا۔ آثارِ قلم سے حروف تحریر مراد ہیں۔ انوار قدم ذات قدیمہ کے انوار و تجلیات۔ صنائع۔ شعر ذوالقافیتین ہے۔

ترجمہ۔ اہل علم (ظاہری) کا سرمایہ (بیک) قلم کے نشانِ پا ہیں (اور) صوفی کا سرمایہ ذات قدیمہ کے انوار (و تجلیات) ہیں۔

مطلب۔ اس میں بھی وجہ امتیاز ظاہر ہے۔ کہ کہاں ایک نشان پا۔ محل زوال و معرض فنا۔ اور کہاں ذات قدیمہ کے انوار۔ جو اپنے دوام و استمرار کے لحاظ سے بھی افضل ہیں۔ اور انوار ہونے کے اعتبار سے بھی۔ کلید مثنوی میں لکھا ہے۔ کہ سالک پر اولاً حق سبحانہ کے افعال کا ظہور ہوتا ہے۔ اس کو تجلی افعال کہتے ہیں۔ پھر حسنات کا اس کو تجلی صفات کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اس کے بعد ذات بحت کا وہ تجلی ذات کہلاتی ہے۔ یہاں انوار قدم سے تجلیات افعال مراد ہیں۔ تجلی افعال۔ تجلی صفات۔ تجلی ذات

ہمچو صیادے سوئے اشکار شد   گام آہو دید و بر آثار شد

لغات۔ صیاد شکاری۔ اشکار شکار الف زائد ملحق ہے۔ جیسے اسوار میں۔ گام قدم یہاں نشان قدم مراد ہے وہی آثار کے معنے ہیں۔ شد۔ ہر دو مصرعہ میں بمعنے رفت ہے۔

ترجمہ۔ (صوفی سالک کی مثال ایسی ہے) جیسے ایک شکاری شکار کو گیا۔ اس نے ہرن کا نشانِ قدم دیکھا۔ اور اس نشان پر پڑ لیا۔

چند گاہش گام آہو درخور است   بعد ازاں خود نافِ آہو رہبر است

لغات۔ چندگاہ کچھ دیر تک۔ درخور لائق۔ مطلوب۔ حسب ضرورت۔ نافِ آہو۔ مشکنافہ مراد ہے۔

ترجمہ۔ کچھ دیر تک تو اس کو (سراغ لگانے کے لئے) ہرن کے نشان قدم کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد (جب وہ قریب رہ جائے گا) تو خود ہرن کا مشکنافہ (کافی) رہبر ہے۔

مطلب۔ اسی لئے صوفی سالک کے لئے ابتدا میں تجلیات افعال کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب وہ ان تجلیات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ تو فرط شوق سے مطلوب حقیقی کی طرف منازل قرب طے کرنے میں لگ جاتا ہے۔ اور پھر اس جانب

سے بھی جذب ہوتا ہے۔ تو بتدریج منازل مقصود کی دشواریاں کم ہوتی جاتی ہیں۔ جس طرح بوئے نافہ صیاد کو صید تک پہنچنے کے لئے سُراغ قدم کی تلاش سے مستغنی کر دیتی ہے۔ حافظ رح ؎

گرچہ دانم کہ بجائے نبرد راہ غریب ‌ ‌ ‌ من ببوئے خوشِ آں زلف پریشاں بروم

چوں صبا با دلِ بیمار و تنِ بے طاقت ‌ ‌ ‌ بہواداریٔ آں سروِ خراماں بروم

حتیٰ کہ تجلی صفاتی اور پھر تجلی ذاتی بھی ہو جاتی ہے وہو المقصود۔ اس سے ظاہر ہے کہ وصول الی المطلوب کا مدار زیادہ تر جذب حق پر ہے۔ اگر یہ نہ ہو۔ تو محض ریاضت و مجاہدہ مفید نہیں کسی بزرگ نے فرمایا ہے۔ جذبۃ من جذبات الرحمٰن خیر من عبادۃ الثقلین۔ یعنے فوز مطلوب کے لئے ایک خداوندی کشش تمام جن وانس کی عبادت سے بہتر ہے جامی رح ؎

آنکہ نے نام بدست ست مرا زو نہ نشاں ‌ ‌ ‌ دست بگرفتہ مرا در عقب خویش کشاں

دست در دست من و پا نیز بہمہ جا کہ رود ‌ ‌ ‌ پائے کوباں زپئش می روم و دست افشاں

سلوک کے مقابلے میں جذب میں یہ امتیاز خاص ہے۔ کہ جذب میں کسی شیطانی خطرہ اور نفسانی وسوسہ کا امکان نہیں ہوتا۔ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ۔ حافظ رح ؎

کاروانیکہ بود بدرقہ اش لطف خدا ‌ ‌ ‌ بتجمل بنشیند بجلالت برود

بخلاف محض سلوک کے کہ اس میں ہر وقت ورطہ ضلال میں جا پڑنے کا احتمال ہے۔ کیونکہ اس کا مدار اپنی سعی پر ہے اور سعی میں باغوائے شیطان کوتاہی یا غلطی کا ہر وقت امکان۔ عراقی رح ؎

ہاں تا ننہی پائے ببازی تو دریں راہ ‌ ‌ ‌ زیراکہ دریں راہ بسے شیب و فراز ست

ابلیس جو ہزاروں سال تک ریاضات شاقہ اور مجاہدات طویلہ کرنے کے باوجود راندہ درگاہ ہوا۔ تو اس کی یہی وجہ بیان کی جاتی ہے۔ کہ وہ سالک محض تھا۔ جذبہ ربانیہ نے اس کی دستگیری نہیں کی تھی۔ حافظ رح ؎

اے سکندر ننشین وغم بیہودہ مخور ‌ ‌ ‌ کہ زبخشند ترا آبحیات از شاہی

چونکہ شُکرِ گام کرد و رہ برید ‌ ‌ ‌ لاجرم زاں گام در کامے رسید

لغات۔ شُکر بمعنے قدر۔ رہ بریدن راستہ طے کرنا۔ صنائع گام و کام میں تجنیس مضارع۔

ترجمہ۔ چونکہ اس (صیاد) نے ہرن کے نشان) قدم کی قدر کی اس لئے وہ اس (نشان) قدم سے مراد کو پہنچ گیا (یعنے شکار کو جالیا)۔

مطلب۔ اسی طرح سالک کو چاہیئے کہ تجلی افعال کی قدر کرے۔ اور منازل قرب کے طے کرنے میں لگا رہے حتیٰ کہ تجلی صفات اور تجلی ذات پر فائز ہو جائے۔

رفتنِ یک منزلے بر بوئے ناف ‌ ‌ ‌ بہتر از صد منزلے گام و طواف

ترکیب۔ دوسرے مصرعہ کی تقدیر یوں ہے۔ بہتر ست از رفتن وطواف کردن صد منزل بر نشان گام۔ پس طواف کا معطوف علیہ رفتن مقدر ہے اور معطوفین مضاف ہیں۔ صد منزل کے۔

ترجمہ۔ نافہ آہو کی بو پر ایک منزل چلنا نشان پا کی مدد سے سو منزل تک چلنے اور طواف کرنے سے

بہتر ہے۔

مطلب۔ جس طرح شکاری کے لئے شکار کے نشان پا پر چلنے سے اس کی خوشبو پر چلنا زیادہ موجب کامیابی ہے۔ کیونکہ نشان پا میں غلطی کا بہت امکان ہے اور خوشبو پر چلنے میں غلطی کا امکان نہیں۔ وہ گویا خود شکار کی طرف سے پیغام دعوت ہے۔ جو اس کے نافہ سے اُٹھ اٹھ کر صیاد کو بلا رہی ہے۔ اسی طرح سلوک میں تجلی افعال ہر چند کہ نہایت مفید و مغتنم ہے۔ مگر تجلی صفات اس سے بمدارج افضل ہے۔ کیونکہ یہاں جذبہ ربانیہ خود کشش کرتا ہے۔ جو تجلی افعال میں نہیں ہوتا۔ جس طرح کہ بوئے نافہ صیاد کو اس کے مقصد کی طرف بلانے کے لئے خود آتی ہے۔ اور نشان قدم میں یہ بات نہیں ہوتی۔ امیر خسرو رحمہ ؎

خوشا کسیکہ از و بانت رہ بہ بستانے ۔۔۔ کہ از عنایت و توفیق در وے اثمارت

سَیرِ زاہد ہر مہے تا پیش گاہ ۔۔۔ سَیرِ عارف ہر دمے تا تختگاہ

لغات۔ زاہد سے سالک محض اور عارف سے مجذوب الی الحق مراد ہے۔ پیشگاہ صحن ایوان۔ **صنائع۔** یہ شعر مسجع ہے۔

ترجمہ۔ زاہد (جس کی سیر الی المطلوب کا مدار صرف اس کے زہد و سلوک پر ہے) ہر مہینے چلتا چلتا صرف قصر شاہی کے سامنے کی جگہ تک پہنچتا ہے (ادھر) عارف (جو جذبہ ربانیہ سے کھچا چلا جا رہا ہے) ہر دم تختگاہ تک پہنچ جاتا ہے۔

مطلب۔ جذب اور سلوک کے فرق پر روشنی ڈالنے کے لئے شارح کلید مثنوی نے ایک عجیب مثال لکھی ہے۔ یعنے ایک بادشاہ قصر شاہی کے دریچہ میں بیٹھا سیر کر رہا تھا۔ اتفاقاً اس کی نظر ایک بزرگ پر پڑی۔ تو ان کو آواز دی۔ کہ شاہ صاحب ہم ایک بات آپ سے دریافت کرنی چاہتے ہیں۔ تشریف لائیے۔ شاہ صاحب ابھی پس و پیش ہی دیکھ رہے تھے۔ کہ اس فرمائش کی تعمیل کے لئے کس راستے سے محل میں داخل ہوں۔ کہ بادشاہ نے اوپر سے کمند لٹکا دی۔ جس کے ساتھ وہ شاہ صاحب لٹک گئے۔ اور دوسرے لمحہ میں بادشاہ کے سامنے مسند پر تھے۔ بادشاہ نے کہا۔ حضرت وہ بات یہ تھی۔ کہ آپ خدا تک کیونکر پہنچ گئے۔ انہوں نے جواب دیا۔ اس طرح پہنچ گیا۔ جس طرح آپ کے پاس پہنچا ہوں۔ اگر میں خود چاہتا۔ کہ آپ کے حضور میں پہنچوں۔ تو لاکھ سر پٹکتا۔ مگر نہیں پہنچ سکتا تھا۔ دربانوں کا تشدد، افسر ڈیوڑھی کا مزاج، بادشاہ کی اجازت باریابی۔ یہ مرحلے مجھ سے طے ہونے ناممکن تھے۔ آپ نے چاہا۔ تو لمحے میں ان سارے مرحلوں سے بالا بالا آپ کے سامنے آ بیٹھا۔ اس طرح اگر میں وصول الی الحق کی کوشش کرتا اور ادھر سے جذبہ ربانیہ نہ ہوتا۔ تو میرا وصول ناممکن تھا۔ لیکن جب ادھر سے جذب ہوا۔ تو نامحدود مسافت دم بھر میں قطع ہو گئی۔

آں دلے کو مطلع مہتابہاست ۔۔۔ بہرِ عارف فُتِّحَتْ اَبْوَابُہَا ست

صنائع۔ دوسرے مصرعہ میں اس آیت قرآنی سے اقتباس ہے۔ وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ۝ اور جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہے ان کو ٹولیاں بنا بنا کر بہشت کی طرف لے جائیں گے

یہاں تک کہ جب یہ لوگ بہشت کے پاس پہنچیں گے۔ اور اس کے دروازے کھلے ہوں گے۔ اور بہشت کے ہرکل ان سے سلام علیک کر کے کہیں گے۔ کہ تم مزے میں رہے تو بہشت میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو (زمر ع ۸)

عروض۔ فُتِحَتْ کا کلمہ آیت میں بکسرہ تا، غیر مشدد ہے۔ مگر یہاں بضرورت شعری اس کو مشدد پڑھنا ہوگا۔ ورنہ شعر میں سکتہ رہے گا۔ اور اَبْوَابُھَا کی دوسری با، موقوف پڑھنی ہوگی۔

ترجمہ۔ وہ دل جو (انوار حق کا محل ہونے کی بدولت ہزار دل) مہتابوں کا مطلع ہے۔ عارف کے لئے (معارف کے) بہشتوں کے دروازے کھلنے کا باعث ہے۔

مطلب۔ اوپر جو کہا تھا۔ کہ صوفی کا دفتر قلب پُرنور ہے۔ اب اس کی طرف رجوع فرماتے ہیں۔ یعنے جب وہ اپنے دل کا مطالعہ کرتا ہے۔ تو اس پر معارف کے وہ وہ عجائبات مکشوف ہوتے ہیں۔ جو لا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علٰے قلب بشر کے مصداق ہوں۔

با تو دیوار ست و با ایشاں درست — با تو سنگ و با عزیزاں گوہرست

لغات۔ عزیزاں۔ جن کی عزت و وقعت محفوظ ہو۔ مرید۔ معتقد ہم مشرب اور یاران طریقت ترکیب دیوار اور در دونوں خبریں ہیں۔ جن کا مبتدا این قلب مقدر ہے۔ ایشان کی ضمیر عزیزاں یعنے عارف وصوفی کی طرف راجع ہے۔ جو بظاہر اضمار قبل الذکر ہوا۔ مگر چونکہ اوپر عارف وصوفی کا ذکر مسلسل چلا آرہا ہے۔ اس لئے اس معہود کو مرجع ضمیر بنانے سے یہ محذور لازم نہیں آتا۔

ترجمہ۔ وہ (یعنے عارف کا دل) تمہارے (جیسے عامی محجوب کے) لئے (بمنزلہ) دیوار ہے۔ اور ان (اہل عرفان) کے لئے (گویا) دروازہ ہے۔ تمہارے لئے پتھر ہے۔ اور ہم مشرب صوفیوں کے لئے موتی ہے۔

مطلب۔ عامی کے لئے دیوار اس لحاظ سے کہ وہ اس میں انوار حق کا مشاہدہ کرنے سے قاصر ہے جس طرح کوئی دیوار کے اندر کا حال نہیں دیکھ سکتا۔ اور پتھر اس اعتبار سے کہ وہ اس میں تجلیات حق کی چمک دمک نہیں دیکھتا۔ اس لئے اس سے نفرت کرتا اور اس کو حقیر سمجھتا ہے۔ اور عزیزوں یعنے عارفوں کے لئے دروازہ اس معنی میں ہے۔ کہ اس کے اندر سے وہ انوار حق کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ اور جوہر اس پہلو سے کہ وہ اسے مظہر تجلیات دیکھ کر قابل قدر سمجھتے ہیں۔ حافظ رحمہ ؎

دوستاں عیب من بیدل وحیراں مکنید — گوہرے دارم و صاحب نظرے مے جویم

آنچہ تو در آئینہ بینی عیاں — پیر اندر خشت بیند بیش ازاں

لغات۔ خشت۔ اینٹ۔ لوہے کی وہ پلیٹ جو آئینہ بنانے کی غرض سے تیار کی ہو۔ مگر ابھی صیقل نہ کی گئی ہو۔ کہ آئینہ کا کام دے سکے۔ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ کہ اگلے زمانے میں لوہے کا آئینہ بنتا تھا۔ ترکیب۔ ازاں کی ضمیر تو آئینہ کی طرف پھرتی ہے۔ یعنے پیش ازانکہ آئینہ صیقل گردد۔ یا بینی کے مفہوم کی طرف یعنے پیش ازانکہ تو بینی پیرمے بیند۔

ترجمہ۔ جو کچھ تم آئینے میں (اس کے صیقل ہونے کے بعد) نمایاں دیکھتے ہو۔ پیر اس کو اینٹ میں

دیا لوہے کی غیر صیقل شدہ پلیٹ میں) اس سے پہلے (کہ وہ صیقل ہو یا اس سے پہلے کہ تم دیکھو) دیکھ لیتا ہے۔

مطلب۔ آئینہ مصقول سے عالم بعد تکون مراد ہے۔ اور خشت سے عالم قبل تکون۔ یعنے تم جو کچھ اس وقت عالم کے اندر موجود ہونے کے بعد دیکھ رہے ہو۔ اہل عرفان بتائید حق ان کو منصۂ ظہور پر آنے سے پہلے ہی دیکھ لیتے ہیں۔ صائبؒ ؎

در تہ تودۂ خاکستر ہستی چوں برق　　گرم روشنگر آئینۂ جاناں خود اند

پیر ایشاں اند کایں عالم نبود　　جانِ ایشاں بُود در دریائے جُود

لغات۔ کایں مخفف کہ ایں بوزن کیں پڑھنا چاہئے۔ دریائے جُود۔ معرفت حق۔

ترجمہ۔ یہ اس وقت سے پیر (روشن ضمیر چلے آتے ہیں۔ جبکہ یہ عالم نہ تھا۔ (اور) ان کی روح دریائے معرفت میں (غرق) تھی۔

مطلب۔ وہ دنیا کے پیدا ہونے یا خود اپنے دنیا میں پیدا ہونے سے پہلے عالم ارواح کے اندر معرفت حق میں مستغرق تھے۔ صائبؒ ؎

آسودہ زسیر فلک وگردش چرخ اند　　حیرت زدۂ جلوہ مستانہ یار اند

جب تکون دنیا سے پہلے عالم ارواح میں اشقیائی ارواح بھی حق تعالےٰ کے الست بربکم کہنے پر بلیٰ کا غل مچا چکی ہیں۔ تو اس وقت اہل عرفان جو نہ صرف ان اشقیاء سے بلکہ عامہ اہل ایمان سے بھی بدرجہا افضل ہیں۔ کیوں نہ دریائے جود میں مستغرق ہوں گے۔

پیش ازیں تن عمرہا بگذاشتند　　پیشتر از کشت بر برداشتند

ترجمہ۔ وہ اس جسد عنصری (میں آنے) سے پہلے ہی بہت سی عمریں گذار چکے ہیں۔ وہ (اعمال کی) کھیتی (بونے) سے پہلے ہی (اجر کا) پھل اٹھا چکے ہیں۔

مطلب۔ دنیا دار العمل ہے۔ یہاں کے اعمال پر آخرت کی جزا و سزا مترتب ہوتی ہے۔ مگر ان اہل اللہ نے اس عالم میں آنے سے پہلے ہی عالم ارواح میں مدتیں عرفان حق میں گزاری ہیں۔ اور حق تعالےٰ نے اپنے کرم سے ان کو دنیا میں آنے اور عمل کمانے سے پہلے ہی سور و عنایات بے غایات کر دیا۔

پیشتر از نقش جاں پذرفتہ اند　　پیشتر از بحر دُرہا سُفتہ اند

لغات۔ نقش جسم عنصری مراد ہے۔ پذرفتہ مخفف پذیرفتہ پذیرفتن سے۔ قبول کرنا۔

ترجمہ۔ وہ اپنے جسم عنصری کے وجود میں آنے سے پہلے جان قبول کر چکے ہیں۔ اور دریا کے موجود ہونے سے پہلے موتی پرو چکے ہیں۔

مطلب۔ ابھی وہ عالم دنیا میں پیدا نہیں ہوئے۔ کہ عالم ارواح ہی میں معرفت جو بمنزلہ جان ہے۔ حاصل کر چکے ہیں۔ دریائے عالم کی آفرینش سے پہلے منافع دریا۔ یعنے اعمال اور ثمرات اعمال کے موتیوں سے یعنے عنایات

حق سے متمتع ہو چکے ہیں۔

مشورت کردن خدائے تعالیٰ با فرشتگان در ایجادِ خلق

خداوند تعالیٰ کا فرشتوں کے ساتھ مخلوق کے پیدا کرنے میں مشورہ کرنا

مشورت مے رفت در ایجادِ خلق　　جانِ شاں در بحرِ قدرت تا بحلق

لغات۔ مے رفت بمعنے مے آمد۔ ایجادِ خلق آفرینش عالم۔ دنیا کو نیست سے ہست کرنا۔ ایجاد اس چیز کو موجود کرنا جس کی نظیر پہلے نہ ہو۔ بخلاف اختراع کے کہ اس میں پہلے نظیر ہوتی ہے۔ تا بحلق بمعنے غرق۔ ترکیب شاں کی ضمیر بجانب پیرا جع ہے۔ جس کا ذکر چلا آرہا ہے۔ اور مشورت لینے والے اور دینے والے کا ذکر عنوان میں موجود ہے۔

ترجمہ (دنیا کی) مخلوق کو پیدا کرنے کے لئے (حق تعالیٰ کا فرشتوں کے ساتھ) مشورہ ہو رہا تھا (اور) ان (اہل اللہ) کی روح قدرت حق کے دریا میں حلق تک (ڈوبی ہوئی) تھی (اور وہ اس کی عجائبات کا مشاہدہ کر رہے تھے)

مطلب۔ یعنے فرشتے تو اس مشورہ میں اپنے نقص علم سے حکمت ربانی اور مصالح تخلیق سے کامل واقفیت نہ ہونے کے باعث غلطی کر رہے تھے۔ مگر اولیاء اللہ کو قدرت کے ان بھیدوں کا پورا پتہ تھا۔ حق تعالیٰ کا علم کامل مشورہ کی حاجت سے منزہ ہے۔ پس یہاں مشورہ کے لفظ کا استعمال باعتبار ظاہر ہے۔ یعنے چونکہ حق تعالیٰ کا فرشتوں کے ساتھ یہ مکالمہ کسی حکمت سے بطرز مشورہ تھا۔ اس لئے اس پر مشورہ کا اطلاق کیا گیا۔

چوں ملائک مانعِ آں مے شدند　　بر ملائک خفیہ خنبک مے زدند

لغات۔ مانع خلاف مشورہ دینے والا۔ خنبک زدن تالی بجانا۔ زدند کے فاعل پیر ہیں۔

ترجمہ۔ جب ملائکہ اس کے (یعنے ایجادِ خلق کے) خلاف مشورہ دے رہے تھے۔ تو یہ اولیاء اللہ اپنے علم مصالح کی وجہ سے ملائکہ پر تالیاں بجاتے (ہنستے) تھے۔

مطلب۔ فرشتے تو یہ مشورہ دیتے تھے۔ کہ اتجعل فیھا من یفسد فیھا ایسے فسادی مخلوق کو پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ مگر ان حضرات کو علم تھا۔ کہ یہ مخلوق ضرور پیدا ہوگی۔ کیونکہ دنیا میں خلافت الٰہی کا منصب آدمؑ کے لئے مقرر ہو چکا ہے۔ ملائکہ خواہ مخواہ دخل در معقولات دے رہے ہیں۔ اس لئے وہ فرشتوں کی ان باتوں پر ہنس رہے تھے۔ ہنسنے سے یہاں صرف استعجاب مراد ہے۔ کیونکہ استہزاءً ہنسنا اور تالیاں بجانا تو اولیاء اللہ اور ملائکہ دونوں کے لحاظ سے غیر ملائم ہے۔ باقی رہا یہ سوال کہ مولانا نے مشورہ اور خنبک جیسے کلمات موہم سوء ادب کیوں استعمال کئے۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ ارباب عشق جوش کی کیفیت میں بعض اوقات بے ساختہ ایسے الفاظ بول جاتے ہیں۔ جو میزان ادب میں کسی قدر گرانبار معلوم ہوتے ہیں۔ یہ ان کے اختیار کی بات نہیں ہوتی۔ لہذا اس کو سوء ادب سے تعبیر نہیں کر سکتے۔ خود مولانا ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

گفتگوئے عاشقاں در امر رب — جوششِ عشق ست نے ترکِ ادب

مُطّلع بر نقش ہر کہ ہست شُد — پیش ازاں کیں نقشِ گل پابست شُد

لغات مطّلع بہ تشدید طاء۔ واقف۔ آگاہ۔ نقش موجودِ مخلوق کیں کہ ایں گل عناصر۔ ترکیب نقشِ گل میں یا تو اضافت ہے۔ یا نقش مبتدا گل پابست باضافت مقلوب اس کی خبر ترجمہ بہر دو تقدیر جداگانہ ہوگا۔

ترجمہ۔ وہ (اہل اللہ) ہر موجود (شخص) پر جو وجود میں آیا۔ مطلع (تھے) قبل اس کے کہ یہ عنصری مخلوق وجود میں آئے (یا یوں کہو۔ قبل اس کے کہ یہ مخلوق عنصری وجود کی پابند ہو)

دفعِ اشتباہ۔ یہاں یہ شبہ نہ ہونا چاہیے۔ کہ اس سے ان کے علم کا محیط ہونا لازم آتا ہے۔ جو خاص خداوند تعالے کی صفت ہے۔ کیونکہ مولانا کے قلم و زبان سے ایسی بات مترشح نہیں ہوسکتی۔ جو صریحًا ادلہ شرعیہ کے خلاف ہو بلکہ اس سے محض کثرت علم مراد ہے۔ فلا ضیر اگلی ابیات میں بھی یہی تاویل ملحوظ رہے۔

پیشتر ز افلاک کیواں دیدہ اند — پیشتر از دانہا ناں دیدہ اند

لغات۔ کیوان زحل۔ ایک سیارہ کا نام ہے۔ جو اپنی بلندی میں اور بقول اہل نجوم نحوست میں سب سیاروں پر فائق ہے۔ ترکیب۔ پیشتر ظرف ہے۔ مصدر محذوف یعنے خلق کی۔ نہ کہ دیدہ اند کی ورنہ پھر یہ معنے ہونگے کہ انہوں نے ابھی آسمان اور غلہ نہیں دیکھا تھا۔ کہ زحل اور روٹی کو دیکھ لیا۔ یہ معنے خلاف مقصود ہیں۔ بلکہ مراد یہ ہے۔ کہ ابھی فلک و غلہ پیدا بھی نہ ہوا کہ زحل اور روٹی ان کو نظر آگئی۔ پھر اس کے ساتھ خود فلک اور غلہ کی رویت تو بطریق اولے ہوگی۔

ترجمہ۔ انہوں نے آسمانوں (کے پیدا ہونے) سے (بھی) پہلے زحل کو دیکھ لیا ہے۔ وہ غلہ (کے پیدا ہونے) سے پہلے روٹی کو دیکھ چکے ہیں۔

بے دماغ و دل پُر از فکرت بُدند — بے سپاہ و جنگ بر نُصرت زدند

ترجمہ۔ وہ دماغ اور دل کے بغیر ہی (جو محل فکر ہیں) فکر کرلیا کرتے تھے۔ وہ سپاہ (کے بغیر ہی جو آلہ فتح ہے) اور جنگ کے بغیر ہی (جو محل فتح ہے) فتحیاب ہوتے تھے۔

مطلب۔ پہلے مصرعہ میں ان کے کمال قوت علمیہ اور دوسرے میں کمال قوت عملیہ کا ذکر ہے۔ فکر سے حصول علم مراد ہے۔ یعنے دل و دماغ میں ارتسام علم کے بغیر ہی ان کو علم حاصل تھا۔ اور وہ اپنے "عدو مبین" یعنے شیطان لعین سے جنگ آزما ہوئے بغیر ہی اس پر فتحیاب تھے۔ کیونکہ ان کو اللہ تعالے کے اس فرمان واجب الاذعان کا علم تھا۔ کہ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطَانٌ یعنے اے شیطان تجھ کو ان خاصان خدا پر غلبہ حاصل نہیں ہوگا اس بیت میں اہل اللہ کے لئے "پر از فکرت" کا جو کلمہ نکل گیا۔ تو وہ اس لحاظ سے کھٹکنے لگا۔ کہ فکرت کا درجہ رویت سے کمتر ہے۔ اہل اللہ تو ہر چیز کی رویت پر قادر ہو چکے ہیں۔ یعنے اُس کو بچشم عیاں دیکھتے ہیں۔ پھر فکرت کی ان کو کیا ضرورت ہے۔ مولانا اس کے متعلق بطور دفع دخل مقدر ایک بات اگلے شعر میں ارشاد فرماتے ہیں مگر اس شعر کی پیچیدگی نے شارحین میں عجیب اختلاف پیدا کیا ہے۔ ہر شارح اس کے حل میں اپنی اپنی الگ

بولی بول رہا ہے۔

آں عیاں نسبت بایشاں فکرت است
ورنہ خود نسبت بدوراں رویت است

لغات۔ عیاں معاینہ مشاہدہ۔ آنکھوں سے دیکھنا۔ فکرت ماضی کے احوال کو تصور میں لانا یا مستقبل کے احوال کا علم قوت ذہنیہ کے ساتھ حاصل کرنا۔ دور تجلی حق سے دور یعنے محجوب۔ رویت عیاں۔ مشاہدہ۔

ترجمہ۱۔ (از شیخ ولی محمدؒ) وہ مشاہدہ (ان اہل اللہ) کے نزدیک فکرت (بمعنے کشف) ہے۔ ورنہ دوسرے لوگوں کے نزدیک آنکھوں دیکھی بات ہے۔

اس ترجمہ پر مولانا بحرالعلوم کا یہ اعتراض ہے۔ کہ فکرت کو باصطلاح صوفیہ کشف قرار دینا ایجاد بندہ ہے۔ اور محض تکلف۔

ترجمہ۲۔ (از مولانا بحرالعلومؒ) وہ مشاہدہ ان (ملائکہ یا نعین خلق) کے نزدیک (محض) فکرت ہے (اسی لئے وہ غلطی میں پڑ گئے) ورنہ (اہل اللہ) جو (جنساً فرشتوں سے) دور ہیں۔ ان کے لئے تو آنکھوں دیکھی بات ہے (پھر وہ کیونکر غلطی کرتے)

ترجمہ۳۔ (از صاحب مکاشفات) یہ (فکرت ایک طرح کا مشاہدہ (ہے) جو عوام کی فکرت سے مشابہ نہیں بلکہ) انہی (اہل اللہ) کی (مخصوص) فکرت ہے۔ ورنہ جو (لوگ اسرار الٰہی کی دریافت سے) دور ہیں۔ ان کے لئے بمنزلہ رویت ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ جو تسلی دوسروں کو رویت چشم سے حاصل ہوتی ہے۔ خاصان حق کو فکرت سے حاصل ہو جاتی ہے۔ اور جو کچھ وہ مرتبہ غیب میں چشم فکر کے ساتھ صاف طور پر مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس کو اس جماعت کے علو مرتبت کے لحاظ سے فکرت کہدیا جاتا ہے۔ ورنہ مہجورین کی نسبت سے وہ رویت عین اور عین رویت ہے ہمارے نزدیک یہ ترجمہ اقرب الی الصواب ہے۔ جس کو ہم دوسرے الفاظ میں لکھیں گے۔

ترجمہ۴۔ (از صاحب کلید مثنوی) یہ معاینہ ان (اہل اللہ) کی نسبت سے تو فکر ہے (کیونکہ ان کو جو علوم و معارف حاصل ہیں۔ ان کے مقابلہ میں یہ کچھ بھی نہیں) ورنہ جو لوگ (معرفت حق سے) دور ہیں۔ ان کی نسبت سے (مثل) رویت ہے (کہ ان کو یہی حاصل ہو جانا بہت غنیمت ہے)

ترجمہ۵۔ (از راقم ناچیز) وہ معاینہ (بالکل آنکھوں دیکھی بات تھی۔ کوئی حرکت فکری نہ تھی صرف) ان (اہل اللہ) کی نسبت سے (اس کو مجازاً) فکرت (کہدیا) ہے (کیونکہ یہاں حرکت فکری کا جو محل خطا ہے احتمال ہی نہیں ہو سکتا) ورنہ (وہی معاینہ اگر ان لوگوں کو حاصل ہوا جو (اس مقام سے) دور ہیں۔ (یعنے اس کے اہل نہیں ہیں) ان کے ساتھ نسبت کرنے سے (بالکل آنکھوں دیکھی بات ہے۔ (اس کو فکرت کہہ ہی نہیں سکتے)۔

ان پانچوں ترجموں میں سے جو ترجمہ واضح اور اقرب لعبارت ہے۔ اس کا فیصلہ ہم ناظرین پر چھوڑتے ہیں۔

فکرت از ماضی و مستقبل بود
چوں ازیں دو رست مشکل حل بود

ترکیب۔ ازیں کا مشار الیہ ماضی و مستقبل ہے۔ دو رست کا مبتدا فکرت مقدر ہے۔

ترجمہ۔ (دیکھو) فکرت ماضی و مستقبل (پر نظر کرنے) سے ہوتی ہے (جس کی اہل اللہ کو احتیاج نہیں) جب (ان کی فکرت) اس (نظر ماضی و مستقبل) سے دور ہے۔ تو (یہ شبہ رفع اور) عقدہ حل ہوگیا۔ (کہ اہل اللہ کا فکر فکر نہیں بلکہ معاینہ و مشاہدہ ہے)

نوٹ۔ یہ دو شعر صرف لفظ فکرت کے متعلق ایک شبہ رفع کرنے کے لئے بطور جملہ معترضہ آگئے تھے۔ اب پھر وہی مضمون اولیاء اللہ کے کثرت علم کا چلتا ہے۔

دیدہ چوں بے کیف ہر باکیف را   دیدہ پیش از کاں صحیح و زیف را

لغات۔ بےکیف۔ غیر موجود۔ وہ اشیا جن کی محض حقائق ملحوظ ہیں نہ کہ ان کے آثار وجود کبھی اس سے حق تعالے کی ذات اقدس مراد لیتے ہیں۔ جو تمام کیفیات سے منزہ ہے۔ باکیف۔ موجود۔ وہ شے جو آثار وجود کے ساتھ ملحوظ ہے۔ مخلوق۔ زیف کھوٹا۔ کاسد۔ ترکیب اگر کلمہ چوں کو حرف شرط قرار دیا جائے۔ تو سارا شعر جملہ شرطیہ ہوگا اور اگر یہ حرف تشبیہ ہو۔ تو دو الگ جملے ہیں۔ اور اس صورت میں دوسری طرح معنے ہوں گے کہ کما سیأتی۔

ترجمہ (۱) چونکہ انہوں نے ہر موجود چیز کو (اس کے) آثار وجود کے بغیر (محض حقایق کے درجے میں) دیکھ لیا ہے (اس لئے) وہ کان (وجود) سے پہلے ہی (اس کے) تمام کھرے کھوٹے (جواہر) کو دیکھ چکے ہیں (یعنے آفرینش عالم سے پہلے ہی تمام سعید و شقی ان کو اپنے اپنے علمی رنگ میں نظر آچکے ہیں)

(۲) انہوں نے ہر موجود (مقید بوجود) کو مثل شے غیر مقید بوجود (یعنے درجہ اطلاق میں) دیکھا ہے (جو اس کو بحالت وجود دیکھنے سے اوسع و اشمل ہے) الخ

فائدہ۔ اس بیت کے مصرعہ اولیٰ کے حل میں بھی شارحین مضطرب ہیں۔ مولانا بحر العلوم نے شیخ ولی محمد کا یہ ترجمہ نقل کیا ہے۔ اور اس کو ایک مطلب عالی قرار دیا ہے "ہر موجود کو ان اہل اللہ نے اس طرح نمایاں دیکھا ہے۔ جیسے وہ منزہ از کیف (یعنے حق تعالیٰ) دیکھتا ہے۔ اور یہ مطلب اس اعتبار سے ہے۔ کہ ان کا علم بھی علم باری تعالیٰ کے موطن سے مقتبس ہے۔ مگر ہمارے خیال ناقص میں اگر اصل مصرعہ یوں ہو۔ کہ "دیدہ چوں باکیف ہر بےکیف را" یعنے انہوں نے ہر غیر موجود چیز کو اس کے وجود سے پہلے ایک موجود چیز کے رنگ میں دیکھا ہے تو عبارت بالکل صاف اور مطلب واضح تھا۔ ممکن ہے کہ مولانا کا مقصد یہی ہو۔ مگر کلام دوسری طرح مترشح ہوگیا۔ یا ناقلین کے غلط تصرف سے بےکیف و باکیف کی تقدیم و تاخیر واقع ہوگئی ہوگی۔ اللہ اعلم

پیشتر از خلقتِ انگورہا   خوردہ مے ہا و نمودہ شورہا

ترجمہ۔ انہوں نے انگوروں کے پیداوار بننے سے پہلے ہی (وہ) شرابیں پی ہیں (جو ان انگوروں سے نکلتی تھیں) اور (مستان شراب کی طرح) غل مچایا ہے۔ کما قیل فیہم ؎

نخوردہ مے و سرگراں از شراب   دروں کردہ معمور و بیروں خراب

رفع اشتباہ۔ شراب اور شراب نوش کی مستانہ حرکات محض استعارہ ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ وہ ان تمام امور کے پیدا ہونے سے پہلے ہی جو بعض خاص کیفیات کے منبع تھے۔ ان کیفیات سے متکیف ہو چکے تھے۔

در تموزِ گرم مے بینند دَے　　　در شعاعِ شمس مے بینند فَے

لغات۔ تموز موسم گرما کی شدت۔ دَے ایام سرما۔ فَے سایہ

ترجمہ۔ وہ شدت کی گرمی میں سردی کا موسم دیکھتے ہیں۔ سورج کی روشنی میں سایہ دیکھتے ہیں۔

در دلِ انگور مَے را دیدہ اند　　　در فنائے محض شَے را دیدہ اند

ترجمہ۔ انہوں نے شراب کو (قبل اس کے کہ وہ مختلف تحولات و تغیرات کی منازل طے کر کے تیار ہو) انگور کے اندر دیکھا ہے۔ انہوں نے ہر چیز کو عدم محض میں مشاہدہ کیا ہے۔

آسماں در دورِ ایشاں جرعہ نوش　　　آفتاب از جودِ شاں زربفت پوش

لغات۔ دور۔ دور ساغر۔ جرعہ دم مَے۔ شراب کی گھونٹ۔ زربفت ایک قسم کا سنہری کپڑا۔

ترجمہ۔ آسمان (جو اس طرح چکر لگا رہا ہے) انہی کے دور (ساغر) میں (شراب کا) گھونٹ پی (کر مست ہو) رہا ہے۔ آفتاب (جو اپنی سنہری کرنوں سے جگمگا رہا ہے۔ وہ) انہی کی سخاوت سے زربفت (کا خلعت) پہنے ہوئے ہے۔

مطلب۔ اوپر تک تو ان کے کمالات علمیہ و عملیہ کا ذکر تھا۔ اس شعر میں ان کے فیض کا بیان مضمر ہے۔

چوں ازیشاں مجتمع بینی دو یار　　　ہم یکے باشند و ہم سی صد ہزار

ترجمہ۔ جب تم ان میں سے دو یاران (طریقت) کو اکٹھے دیکھو۔ تو (یوں سمجھو کہ) وہ (باعتبار حقیقت کے) ایک بھی ہیں۔ اور (بلحاظ تشخصات کے متعدد بلکہ ان کی قوت کو دیکھو۔ تو وہ دو نہیں۔ دس بیس نہیں بلکہ) تین لاکھ بھی ہیں۔

مطلب۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ اہل اللہ متحد الحقیقت اور متعدد فی الصفت ہیں۔ کما قیل ؎

دوئی کجاست زنیرنگ احولی بگذر　　　کہ یک نگاہ میانِ دو چشم مشترک ست

آشنائے یم طریقت حضرت شارح کلید مثنوی نے اس مسئلہ پر جس عمدگی سے روشنی ڈالی ہے۔ قابل ستائش ہے ان کے بیان کو بقدرے تصرف ہم یہاں نقل کر دینا مناسب سمجھتے ہیں۔ لکھتے ہیں۔ کہ اہل تصوف کی اصطلاح میں حقیقت سے "ظاہر" مراد ہوتا ہے۔ اور صورت و مرآۃ سے "مظہر"۔ مثلاً آئینہ میں کوئی شخص اپنی صورت دیکھتا ہے۔ تو وہ شخص خود "ظاہر" یا حقیقت کہلائے گا۔ تو آئینہ کو صورت۔ مظہر۔ مرآۃ وغیرہ کہیں گے۔ اس کے بعد واضح ہو۔ کہ سارے عالم میں جس قدر اشیاء ہیں۔ وہ انواع و اشخاص میں منقسم ہیں۔ اور ہر نوع کے لئے کچھ آثار مخصوص ہوتے ہیں۔ جو دوسرے انواع میں نہیں ہوتے۔ مثلاً پانی کی خاصیات جدا ہیں۔ آگ کی جدا۔ ہوا کی جدا۔ مٹی کی جدا۔ اور ان آثار مختصہ کا ایک خاص مصدر و منشا ہوتا ہے۔ فلاسفہ اس کو صورت نوعیہ کہتے ہیں۔ اور صوفیہ اس کو روح کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اور نوع کی روح کے افراد اس نوع کے افراد سے متعلق ہو کر ان کے آثار شخصیہ کا مصدر ہوتے ہیں۔ مثلاً جمادات کے لئے ایک نوع روح ہے۔ جس کا

اہل اللہ متحد الحقیقت اور متعدد فی الصفت ہوں　　ظاہر اور مظہر یا حقیقت و صورت　　صورت نوعیہ یا روح

اثر حفظ ترکیب ہے۔ تو اس نوع روح کے افراد جمادات سے وابستہ ہو کر ان کی تراکیب مخصوصہ کی حفاظت کریں گے۔ اسی طرح نباتات کی روح نوع کا اثر تغذیہ وتنمیہ اور حیوانات کی روح نوع کا اثر تولید مثل اور احساس وادراک ہے۔ وہ اپنے اپنے افراد نوع سے متعلق ہو کر ان کاموں کو سرانجام دیتے ہیں۔ انسان کی روح نوع کا اثر حقائق کونیہ اور معارف واسرار الٰہیہ کا ادراک ہے۔ اس روح کے اشخاص خاص خاص افراد انسانی سے متعلق ہو کر اس کام کو سرانجام دیتے ہیں۔

روح اعظم یا نفس کلی

ان تمام ارواح کے علاوہ ایک روح اور ہے۔ جس کو روح اعظم اور نفس کلی کہتے ہیں یہی روح حق سبحانہ تعالےٰ سے صادر اول (سب سے پہلے صدور پانے والی) ہے اور ان سب ارواح جزئیہ کی مربی ہے۔ اور ارواح جزئیہ اس کے فیض سے مستفیض اور اسی کے محکوم وتابع ہیں۔ لیکن یہ تربیت اختیاری نہیں۔ بلکہ اضطراری ہے۔ جیسے پانی نباتات واشجار کی اور آفتاب فواکہ واثمار کی تربیت کرتا ہے۔ اس لئے یہ ضروری نہیں۔ کہ اس کو اپنے مربیات کا علم اور اپنے طرق تربیت کی تفصیل بھی معلوم ہو۔ اور چونکہ اس روح اعظم کے آثار کا "مظہر" ہیں۔ اور روح اعظم اپنے آثار کے لحاظ سے ان میں "ظاہر" ہے۔ اس لئے روح اعظم کو ارواح جزئیہ کی حقیقت اور ارواح جزئیہ کو اس کے مظاہر اور مرایا کہا جاتا ہے۔ پھر تمام ارواح جزئیہ میں سے بالخصوص ارواح جزئیہ انسانیہ کو روح اعظم کے مظہر اتم ہونے کی وجہ سے ارواح زجاجیہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اور ان ارواح کے لحاظ سے روح اعظم کو جو ارواح انسانیہ میں بوجہ اکمل ظاہر ہے۔ روح سراجی کہتے ہیں۔ مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھا مصباح المصباح کالزجاجۃ۔

ارواح زجاجیہ اور روح سراجی

جب یہ معلوم ہو چکا۔ کہ مظاہر مختلفہ میں جو ظاہر ہے۔ وہ صوفیہ کی اصطلاح میں ان مظاہر کی حقیقت ہے۔ اور وہی روح اعظم ہے۔ تو اس لحاظ سے یہ کہنا صحیح ہے۔ کہ تمام عالم کی حقیقت ایک ہے۔ انہی میں اہل اللہ کی ارواح بھی شامل ہیں۔ اور اس سے اہل اللہ کی ارواح کا متحد فی الحقیقت ہونا ثابت ہو گیا۔

رہا ان کا متحد فی الصفت ہونا۔ پس وہ صفت جس میں سب متحد ہیں اہتداء۔ اتباع مرضات اللہ۔ ترک خواہشات نفسانیہ اور سعی تقرب الی اللہ ہے۔ اور چونکہ افتراق وتخالف کا اصلی سبب تزاحم اغراض ہیں۔ جو کہ اہل اللہ میں مفقود ہے۔ اس لئے وہ سب باہم متحد ومتفق ہیں۔ بخلاف ان کے جن لوگوں میں غلبہ بہیمیت وسبعیت کی وجہ سے تزاحم اغراض موجود ہے۔ ان میں تفرق وتشتت اور تباغض وتحاسد رونما ہوتا رہتا ہے۔

روح اعظم روح محمدی ہے

چونکہ صوفیہ کرام روح اعظم کو جو حقیقت ارواح ہے۔ حق سبحانہ سے صادر اول اور اس کا مظہر اتم واکمل مانتے ہیں۔ اور یہ دونوں باتیں سوائے روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی روح میں نہیں پائی جاتیں۔ بفحوائے حدیث اوّل ما خلق اللہ نوری۔ بس بلاشک وریب یہ مسلم ہے۔ کہ جناب سرور کائنات فخر موجودات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک ہی روح اعظم اور حقیقت ارواح ہے۔ فیضی عفا اللہ لہ ؎

آں مرکز دور ہفت جدول ۔ گرداب نشین موج اول
چابک قدم بساط افلاک ۔ والا گہر محیط لولاک
قدرش بزمانہ ماہ واکلیل ۔ نورش بفلک چراغ وقندیل

آدم سر و تن در آب و گل داشت کو حکم بملک جان و تن داشت

ازالہ اوہام - صاحب کلید نے یہ بھی لکھا ہے - کہ بعض مدعیان تصوف روح محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کے مراتب کو سمجھنے میں مختلف غلطیاں کرتے ہیں - جس کا منشا علوم شرعیہ اور اصطلاحات صوفیہ سے ان کی ناواقفیت ہے - ان میں سے ایک غلطی یہ ہے - کہ وہ روح اعظم حقیقت محمدیہ کو سمجھتے ہیں - حالانکہ یہ دونوں جدا گانہ ہیں - روح اعظم وہ روح ہے جس کا تعلق بلا واسطہ جسد اطہر سرور کائنات علیہ افضل الصلواۃ سے ہے - اور وہ مخلوق وممکن ہے - اور حقیقت محمدیہ مرتبہ ثانیہ ہے - مراتب وجوب میں سے - یعنے صفات کا مرتبہ اجمالی جس کو مرتبہ علم بھی کہتے ہیں - وہ واجب ہے - نہ کہ ممکن ومخلوق - چونکہ یہ مرتبہ مربی ہے - روح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اس لئے اس کو حقیقت محمدیہ کہا جاتا ہے -

دوسری غلطی یہ کرتے ہیں - کہ جب وہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو مظہر اتم واکمل مانتے ہیں جیسا کہ سب کے نزدیک مسلم اور بالکل صحیح ہے - اور اس کے لئے ضروری ہے - کہ ظاہر ومظہر دونوں کا مصداق ایک ہو - پس انہوں نے روح اعظم یعنے روح محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو مربی ارواح پاکر خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رب العالمین سمجھ لیا - اور اپنے عقیدہ کا اظہار نہ صرف احمد بلا میم اور عرب بلا عین وغیرہ مختلف تعبیرات کنایات سے بلکہ صاف وصریح الفاظ میں کرنے لگے - یہ لوگ نحو تربیت سے واقف نہیں ہیں - محض افراط عقیدت میں ادب کی حدود کو توڑتے چلے گئے "گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی"

اگر محض تربیت نوع کی بنا پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو رب العالمین کہنا جائز ہو - تو پانی کو رب النباتات والاشجار اور آفتاب کو رب الفواکہ والاثمار کہنا بھی صحیح ہوتا - اور اس طرح تمام عالم ہندوؤں کے تینتیس دیوتاؤں کی طرح غیر محدود ارباب سے پر ہو جاتا - ءَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ - اگر اس کا یہ جواب دیا جائے - کہ پانی وغیرہ تو بہ تربیت روح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مربی ہیں - نہ بالذات اس لئے ان کو ارباب نہیں کہا جاسکتا - تو ہم کہیں گے - کہ روح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی بہ تربیت رب العالمین جل مجدہ ارواح کی مربی ہے نہ بالذات اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی رب العالمین کہنا صحیح نہیں -

تیسری غلطی یہ کرتے ہیں - کہ روح محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی تربیت ارواح کو اختیاری سمجھتے ہیں - حالانکہ وہ اضطراری ہے - جیسے کہ ہم پیچھے لکھ آئے ہیں - کہ "روح اعظم کی تربیت ارواح اختیاری نہیں بلکہ اضطراری ہے - جیسے پانی نباتات واشجار کی اور آفتاب فواکہ واثمار کی تربیت کرتا ہے - اس لئے یہ ضروری نہیں - کہ اس کو اپنے مربیات کا علم اور اپنے طرق تربیت کی تفصیل بھی معلوم ہو" اور اس روح اعظم کی تربیت ارواح کو اختیاری سمجھنے کے لئے علم محیط کا ثابت کرنا لازم ہے - جو بنا فاسد علی الفاسد ہے - ہاں اس تربیت کا منصب بھی باوجود اضطراری ہونے کے خداوند تعالیٰ وتقدس کی جناب سے ایک نعمت عظمیٰ اور موہبت کبریٰ ہے جو ذات والا صفات سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص ہے - اور کوئی مخلوق آپ کے ساتھ اس میں شریک نہیں والحمد للہ علےٰ ذالک - فیضی عفر اللہ لہ ؎

ارواح بخارے از دماغش اشباح دخانے از چراغش

عالم کہ سر از عدم کشیدہ از سایۂ اوست آفریدہ

نظامی ؎ ضمانۂ دار عالم سیہ تا سفید شفاعت کن روز بیم وامید

ولہ ؎ صاحبِ طرفِ ولایت جود مقصودِ جہان جہانِ مقصود

بر مثالِ موجہا اَعدادِ شاں در عدد آوردہ باشد بادشاں

لغات ۔ اعداد بمعنے تعدد ۔ ایک سے زیادہ ہونا ۔ **ترکیب** آوردہ باشد کا فاعل باد اور مفعول بہ شان ہے۔
قافیہ ۔ اعدادِ شاں میں دال مکسور بکسرہ اضافت اور بادشان میں دال موقوف ہونے کے باعث قافیہ محلِ نظر ہے۔

ترجمہ ۔ ان کے تعدد کی مثال (ایسی ہے ۔ جیسے) پانی کی موجیں ہیں ۔ جن کو ہوا نے (ہزاروں کی) تعداد میں پیدا کر رکھا ہے ۔

مطلب ۔ جس طرح یہ موجیں اپنی حقیقت کے لحاظ سے ایک ہیں ۔ کیونکہ سب کی حقیقت پانی ہے ۔ اور محض تشخصات و تشکلات نے ان کو متفرق کر رکھا ہے ۔ یہی صورت اہل اللہ کی ہے ۔ یہ تو ایک حقیقت واحدہ کے متعدد افراد میں متفرق ہونے کی مثال تھی ۔ اب ان افراد کی حقیقت واحدہ میں متحد ہونے کی تفصیل فرماتے ہیں ۔

مُفترق شد آفتابِ جانہا در درونِ روزنِ ابدانہا

لغات ۔ مفترق ۔ متفرق ۔ متعدد ۔ روزن دریچہ ، روشندان ۔ ابدان جمع بدن ۔
ترجمہ ۔ روحوں کا آفتاب (یعنے روح اعظم) (مختلف) بدنوں کے دریچوں میں متفرق ہو کر نظر آتا ہے (ورنہ قرص خورشید ایک ہی ہے) ۔

چوں نظر بر قرص داری خود یکےست آنکہ شد محجوبِ ابداں در شکےست

ترجمہ ۔ جب تم قرص خورشید (کی ذات) پر نظر کرو ۔ تو وہ ایک ہی ہے لیکن جو شخص (متعدد) ابدان کے حجاب میں (حقیقت بینی سے محروم) ہے ۔ وہ تو شک ہی میں ہے (وہ تعدد روزن سے ان میں ظاہر ہونے والی روشن ہستی کو بھی متعدد ہی سمجھتا ہے) ۔
مطلب ۔ یعنے جس طرح متعدد روزن سے ان میں ظاہر ہونے والی روشن ہستی بھی متعدد نظر آتی ہے ۔ محجوب اہل اللہ کو بھی ان کے اپنے الگ تشخصات و تشکلات کے باعث غیر متحد سمجھتا ہے ۔

تفرقہ در روحِ حیوانی بود نفسِ واحد روحِ انسانی بود

ترجمہ ۔ تفرقہ روح حیوانی میں ہوتا ہے ۔ روح انسانی تو نفس واحد ہے (پھر اس میں تفرقہ کیسا ؟)
مطلب ۔ روح حیوانی کا خاصہ ہے ۔ سبعیت (تجاذب و تدافع کا جوش) اور بہیمیت (شہوت شکم و فرج) اور اس کا نتیجہ ہے ۔ آپس میں تفرقہ و عناد ۔ فتنہ و فساد ۔ مار پیٹ ۔ چھینا جھپٹی ۔ کھینچا تانی ۔ پس یہ افعال روح حیوانی کا خاصہ ہیں ۔ روح انسانی باوجود تعدد افراد کے متحد الحقیقت ہے ۔ کیونکہ اس میں مذکورہ موجبات تفرقہ نہیں ہیں اور سب کا نصب العین ایک ہے ۔ صائب ؎

اگر تن راز تن گردوں سنگیں دل جدا سازد درین وحدت سر اول راکہ از دل باز مے دارد

دوسرے مصرعہ میں اس آیت قرآنی کی طرف بھی اشارہ ہے۔ جو سورہ انعام میں واقع ہے۔ هُوَ الَّذِیْ اَنْشَاَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وہ ذات پاک جس نے تم کو ایک نفس سے پیدا کیا ہے۔

چونکہ حق رَشَّ عَلَیْھِمْ نُوْرَہٗ مفترق ہرگز نگردد نورِ او

ترجمہ۔ چونکہ حق تعالیٰ نے ان پر اپنا نور چھڑکا ہے۔ (لہٰذا ان میں تفرقہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اس کا نور ہرگز متفرق نہیں ہو سکتا۔

مطلب۔ جن لوگوں پر یہ نور چھڑکا گیا ہے۔ ان میں تفرقہ ممکن نہیں۔ کیونکہ تفرقہ محل سے تفرق حال لازم آتا ہے اور وہ بمجوائے مصرعہ ثانیہ ناممکن ہے۔ یہ اس حدیث کا مضمون ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی خَلَقَ الْخَلْقَ فِیْ ظُلْمَۃٍ فَرَشَّ عَلَیْھِمْ مِّنْ نُّوْرِہٖ فَمَنْ اَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ النُّوْرِ فَقَدِ اھْتَدٰی وَمَنْ اَخْطَاَ فَقَدْ ضَلَّ یعنے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کیا۔ پھر ان پر اپنا نور چھڑکا۔ تو جس نے اس نور کو پا لیا۔ اس نے ہدایت پائی۔ اور جس نے نہ پایا، وہ گمراہ ہوا۔ حافظ رح ؎

مددے گر بچراغے نکند آتش طور چارۂ تیرہ شب وادیٔ ایمن چہ کنم

روحِ انسانی کنفسٍ واحدست روحِ حیوانی سفالِ جامدست

لغات۔ کنفس واحد مثل ایک نفس کے۔ سفال ٹھیکری۔ ٹھیکرا۔ جامد جمادی۔ بے نور۔ بے قدر۔

ترجمہ۔ ارواحِ انسانی تو (اتحاد میں) گویا (صرف) ایک روح ہیں۔ (بخلاف اس کے) روح حیوانی جمادی ٹھیکرے ہیں (جن میں تفرقہ و عناد سے ٹھیکرے کے ساتھ ٹھیکرا الجھا رہتا ہے) کما قیل ؎

بایکدگر اختلاط چوں بند قبا دارند و لے نیند خالی زگرہ

عقلِ جزو از رمزِ ایں آگاہ نیست واقفِ ایں سر بجز اللہ نیست

لغات۔ عقل جزو عقل ناقص۔ عام انسانی عقل۔ رمز گہری بات۔ بھید کی بات۔

ترجمہ۔ عقل ناقص اس گہری بات سے واقف نہیں۔ اس کا واقف اللہ (اور اللہ کے خاص بندوں کے) سوا اور کوئی نہیں ؎

بشوے دل زقوانین عقل و دین جامی کہ سر عشق بدیں نامہ نے شود مدرک

عقل را خود با چنیں سودا چہ کار کرّ مادرزاد با سرنا چہ کار

لغات۔ سودا دیوانگی۔ سودائے عشق۔ کر بہرا۔ سرنا شہنائی ایک باجہ ہے۔ کر مادرزاد کے ساتھ "را" حرف جر مقدر ہے۔

ترجمہ۔ عقل کو اس سودا (ے عشق) کے ساتھ کیا سروکار۔ مادرزاد بہرے کو شہنائی کی کیا ضرورت؟ صائبؒ ؎

بکجا رسیدہ باشد تگ و پوئے عقل ناقص چہ کند رازکورے زعصا رسیدہ باشد

یک زماں بگذار اے ہمرہ ملال تا بگویم وصفِ خالے زاں جمال

ترجمہ - اے رفیق! تھوڑی دیر کے لئے ملال کو بالائے طاق رکھدو۔ تاکہ میں (تم سے) اس جمال (محبوب حقیقی) کے ایک خال کا وصف بیان کروں۔

مطلب - خال سے مراد روح اعظم ہے جس کا ذکراوپر چلا آرہا ہے۔ اس کو جمال حق سبحانہ کا مظہراتم ہونے کے لحاظ سے خال سے تعبیر کیا ہے۔ مگر جب اس بیان کے لئے کافی الفاظ نہیں ملتے۔ تو فرماتے ہیں۔

در بیاں ناید جمالِ حالِ او ہر دو عالم چیست؟ عکسِ خالِ او

لغات - بعض نسخوں میں دونوں مصرعوں میں خال بجائے معجمہ ہے۔ جس سے قافیہ درست نہیں رہتا۔ مولانا بحرالعلوم فرماتے ہیں۔ کہ پہلے مصرعہ میں خال بجائے مہملہ اور دوسرے میں خال بجائے معجمہ ہے۔ اب قافیہ درست ہے۔ اور حال بجائے مہملہ معنے صفت اہل کلام کے محاورہ میں شائع ہے۔

ترجمہ - اس کی صفات کی خوبی دائرہ بیان میں نہیں آسکتی۔ (مختصراً اتنا سمجھ لو کہ) دونوں عالم کیا ہیں؟ اس کے خال کا عکس ہیں۔ عراقی رحمہ

خرّم دل آنکہ در تماشا ست باغے ست جہاں ز عکسِ خالت

چونکہ من از خالِ خوبش دم زنم نطق میخواہد کہ بشگافد تنم

ترجمہ - جونہی کہ میں اس کے خال زیبا کا ذکر چھیڑتا ہوں - تو (جوش) بیان (کا وہ دریا امنڈ آتا ہے جس کے نکلنے کو زبان کافی نہیں اور وہ) میرے بدن کو پھاڑ (کر نکل جا) نے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ کما قیل

زنو رانم بہر یک داستانے اگر ہر موئے من گردد زبانے

ہمچو مورے اندریں خرمن خوشم تا فزوں از خویش بارے میکشم

ترکیب - خوشم کا تعلق اندریں خرمن کے ساتھ نہیں ہے۔ کما ہیا در بلکہ اگلے مصرعہ کے ساتھ ہے۔ اور تا بیانیہ ہے

ترجمہ - میری مثال اس خرمن (وصف جمال احدیت) میں چیونٹی کی سی ہے (جو ایک دانہ سے زیادہ بوجھ نہیں اٹھا سکتی تاہم) میں خوش ہوں کہ (اگر ایک دانہ بھی اٹھالیا تو) اپنے وجود سے زیادہ بار تو اٹھائے لئے جارہا ہوں۔

کے گذارد آنکہ رشکِ روشنی ست تا بگویم آنچہ فرضِ گفتنی ست

لغات - رشک روشنی - اکثر شارحین روشنی سے عام روشنی آفتاب وغیرہ اور رشک روشنی سے حق سبحانہ مراد سمجھتے ہیں۔ مگر مولانا بحرالعلوم فرماتے ہیں۔ کہ یہ کمال بے ادبی اور خلاف واقع ہے۔ آفتاب صوری کی کیا تاب ہے بلکہ خالق کائنات پر رشک کرے۔ بلکہ ان کے نزدیک روشنی سے ظہور اسرار اور رشک روشنی سے حق

ترجمہ ۔ (مگر) وہ رشکِ روشنی (حق سبحانہ تعالیٰ) مجھے کب چھوڑتا ہے۔ کہ (کم ازکم) اتنا ذکر (خال بھی) جو میرا فرض ہے کرسکوں۔

مطلب ۔ اول تو خود مجھ میں وہ طاقت نہیں۔ کہ اس خال جمال لم یزل کی کماحقہ تعریف بیان کرسکوں۔ کلا یمکن الثناء کما کان حقہ لیکن اگر خرمن میں سے ایک دانہ کے برابر بھی اس کا بیان کرنے لگتا ہوں۔ تو حق سبحانہ کے خلاف مرضی ہونے کا خیال مانع ہو جاتا ہے۔ صاحب مکاشفات فرماتے ہیں۔ کہ فرض گفتنی سے صوفی اور اس کے جانور کا قصہ مراد ہے۔ جس کا بیان کرنا مولانا کے ذمے تھا۔ مگر "رشکِ روشنی" کا جذبہ اس کا مانع ہو رہا ہے اس کا تقاضا ہے کہ بس یہی ذکر ہوتا رہے۔

نکتہ ۔ حق سبحانہ کو رشکِ روشنی سے اور روحِ اعظم کو خال سے تشبیہ دینے میں ایک لطیف نکتہ مضمر ہے کہ وجود اپنے اقتضائے ظہور میں نور سے مشابہ ہے۔ اور امکان و عدم کو اقتضائے خفا میں ظلمت و تاریکی کے ساتھ گونہ نسبت ہے۔ پس حق سبحانہ کے لئے جو وجود بحت اور شائبہ عدم کی تاریکی سے پاک و منزہ ہے۔ رونق بلکہ اشک روشنی کا استعارہ موزوں ہے۔ اور روحِ اعظم پر چونکہ حد ذاتہٖ ممکن اور شائبہ عدم کی سیاہی لئے ہوئے ہے۔ خال کی تشبیہ چسپاں ہے جو اگرچہ تاریک و سیاہ ہوتا ہے۔ مگر حسن محبوب کے لئے زیور آرایش بن جاتا ہے۔ (کذا فی کلید)

بحر کف پیش آرد و سدّے کند ۔۔۔ جر کند وز بعد جر مدّے کند

لغات ۔ کف ۔ جھاگ ۔ خس و خاشاک کی تہ جو سطح دریا پر پھیل جائے ۔ سد ۔ روک ۔ بندش ۔ جر ۔ کھینچنا ۔ ہٹا دینا ۔ مد ۔ پھیلا دینا ۔ انتباہ ۔ بعض شارحین اوپر کے پانچوں شعروں کو مذکورہ خال جمال احدیت کی تعریف کرنے سے معذوری ظاہر کرنے پر حمل کرتے ہیں۔ برعکس اس کے بعض شارحین کے نزدیک ان سب اشعار میں اوپر کے چھٹے شعر سمیت اس تعریف کے لئے جوش کا اظہار ہے۔ لہذا دونوں کے نقطہ نظر سے دو ترجمے حوالہ قلم ہوتے ہیں۔

ترجمہ (۱) (میری طبیعت کا) دریا خس و خاشاک کو (بہا) لاتا ہے۔ اور (اس کو اپنی روانی کی) روک بنا لیتا ہے۔ (یعنے) پہلے وہ اس خس و خاشاک کو (ادھر اُدھر سے) کھینچ لاتا ہے۔ اور کھینچ لانے کے بعد (اپنی راہ میں) پھیلا دیتا ہے (جس سے وہ روک بن جاتی ہے)

مطلب یہ کہ میری طبیعت خود بخود موانع بیان پیدا کرلیتی ہے۔ کچھ تو حق سبحانہ کی ناخوشی کے خیال سے جس کا ذکر اوپر ہوا۔ اور کچھ سامعین کی بے توجہی سے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔

(۲) (بیان اسرار کا پرجوش) دریا (کتمان اسرار کی مصلحت کو) جھاگ (کی شکل میں) لاتا ہے اور آڑ بنا لیتا ہے (تاکہ اسرار کا بیان ہونا بند ہو جائے۔ مگر جوش بیان اس کو) ہٹا دیتا ہے۔ اور ہٹا دینے کے بعد (پھر دوبارہ پردہ بناکر) پھیلا لیتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ دل میں بیان اسرار کا جوش ہے۔ تو ساتھ ہی اس کے کچھ موانع بھی ہیں۔ میں ان دو طاقتوں کی کشمکش میں ہوں۔ لہذا بجز خاموشی چارہ نہیں۔ نظامی رہ ؎

دورنگی در اندیشہ تاب آورد
سہر چارہ گر زیر خواب آورد

بستہ شدن تقریرِ معنئے حکایت بسبب میلِ مستمعان باستماع حکایت

حکایت کے معنے کی تقریر کا بند ہو جانا اس سبب سے کہ سامعین کی توجہ حکایت کی طرف ہے

ایں زماں بشنو چہ مانع شد مگر　　مستمع را رفت دل جائے دگر

ترجمہ۔ اب سنو کہ (بیانِ اسرار و ذکر خال جمال سے) کونسا امر مانع ہوا۔ (مجھے خیال آیا۔ کہ) شاید سننے والے کا دل دوسری طرف (یعنے اصل حکایت سننے کی طرف) متوجہ ہوگیا۔ (اس لئے اس سلسلہ کلام کو یہیں رہنے دو)

خاطرش شد سوئے صوفی قنق　　اندراں سودا فرو شد تا عنق

لغات۔ خاطر۔ دل۔ خیال۔ قنق بضم قاف و نون مہمان۔ سودا خیال۔ جنون۔ تا عنق گردن تا عنق فرو شدن غرق ہو جانا۔

ترجمہ۔ اس (مستمع) کا خیال صوفی مہمان کی طرف گیا۔ (کہ اس کا باقی حال کیا ہوا) اور اسی خیال میں غرق ہوگیا (تو پھر اس بیانِ اسرار کو کون سنتا؟)

لازم آمد باز رفتن زیں مقال　　سوئے آں افسانہ بہرِ وصفِ حال

ترجمہ (لہذا) اس گفتگو کو چھوڑ کر اسی قصہ کی طرف چلنا لازم ہے۔ تاکہ (باقی) حال بیان کیا جائے

صوفیِ صورت مپندار اے عزیز　　ہمچو طفلاں تا کے از جوز و مویز

ترجمہ اے عزیز اس (قصے میں صوفی) سے ہمارا مقصود ظاہری صوفی نہ سمجھنا۔ (تم) کب تک بچوں کی طرح اخروٹ اور کشمش (وغیرہ کی ظاہری لذتوں) سے (دلچسپی رکھو گے)

مطلب۔ اس میں ایک مضمون ارشادی کی طرف انتقال ہے۔ یعنے سنانے کو تو خیر صوفی کا باقی قصہ ہم سنا ہی دیتے ہیں۔ مگر کہیں اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ صرف ظاہری افسانہ گوئی ہمارا مقصد ہے۔ بلکہ اس سے جو خاص معانی و مطالب مقصود ہیں۔ ان پر نظر رکھو۔ میووں کی چاٹ پر رال ٹپکانے والے بچوں کی طرح قصہ کہانی پر نہ مرو۔

جسمِ ما جوز و مویز ست اے پسر　　گر تو مردی زیں دو چیز اندر گذر

ترجمہ۔ عزیز من! ہمارا جسم (اور اس کے مقتضیات) تو (گویا) اخروٹ اور کشمش (اور ان کی لذات) ہیں۔ اگر تم مرد ہو۔ تو ان دونوں چیزوں کی پروا نہ کرو۔ صائب

روح را جسمِ گراں مانع شگیر شدہ ست
جائے رحم ست بیضئے کہ زمیں گیر شدہ ست

در تو اندر نگذری اکرام حق	بگذراند مرترا از نہ طبق

لغات۔ اکرام حق۔ عنایت حق۔ توفیق الٰہی۔ تائید غیب۔ نہ طبق نو آسمان۔

ترجمہ (پھر اگر تو (اپنی کوشش کے باوجود جسم سے) بے پروا نہ ہو سکے تو کچھ مضائقہ نہیں) توفیق الٰہی (خود) تجھ کو (پابندی جسم سے آزاد کر کے وہ عروج بخشے گی کہ) نو آسمانوں سے اوپر لے جائیگی۔

صائب ؎

باچراغ برق مے جوید ضعیفاں راسحاب	در بہاراں دانہ زیر خاک پنہاں کے شود

التزام کردن خادم تیمار بہیمہ را وتخلّف نمودن

خادم کا جانور کی خبر گیری کے لئے ذمہ اٹھا لینا۔ مگر پھر اس پر عمل نہ کرنا

بشنو اکنوں صورت افسانہ را	لیک ہین از کہ جدا کن دانہ را

لغات۔ صورت افسانہ ظاہری کہانی۔ ہین خبردار۔ کہ مخفف کاہ۔ تنکا۔

ترجمہ۔ (لو) اب ظاہری کہانی بھی سن لو۔ مگر دیکھنا کہیں ظاہری قصے پر ہی لٹو نہ ہو رہنا بلکہ بھس سے غلہ کو جدا کر لینا (یعنے کہانی کا مطلب و نتیجہ ذہن نشین کر لینا)

حلقۂ آں صوفیانِ مستفید	چونکہ در وجد وطرب آخر رسید
خواں بیاوردند بہرِ میہماں	از بہیمہ یاد آورد آں زماں

ترجمہ۔ جب ان صوفیوں کا حلقہ جو اس صوفی بزرگ سے استفادہ کر رہے تھے۔ وجد و طرب کی حالت میں ختم ہو گیا۔ تو مہمان کے لئے خوان لایا گیا۔ اس وقت اس صوفی نے اپنے جانور کو یاد کیا

گفت خادم را کہ در آخر برو	راست کن بہرِ بہیمہ کاہ وجو

ترجمہ۔ نوکر کو فرمایا اصطبل میں جاؤ۔ جانور کے لئے گھاس اور جو کا انتظام کرو۔

گفت لاحول ایں چہ افزوں گفتن ست	از قدیم ایں کارہا کارِ من ست

لغات۔ لاحول تعجب کے مقام پر بولتے ہیں۔ افزوں۔ فضول۔ غیر ضروری۔

ترجمہ۔ اس نے کہا لاحول (ولا قوۃ) یہ کیا غیر ضروری ارشاد ہے۔ یہ تو میرے ہمیشہ کے کام ہیں۔

گفت تر کن آں جوش را از بخت　　کاں خرک پیر ست و دندانہاش سست

ترجمہ۔ فرمایا (میاں!) اس کے (کھانے کے) جو کو پہلے تر کر لینا۔ کیونکہ وہ غریب گدھا بڈھا ہے۔ اور اس کے دانت کمزور ہیں۔

گفت لاحول ایں چہ میگوئی مہا　　از من آموزند ایں ترتیب ہا

ترجمہ۔ کہا۔ لاحول (ولا قوۃ) حضرت سلامت! یہ آپ کیا فرماتے ہیں یہ باقاعدگیاں تو لوگ مجھ سے سیکھیں۔

گفت پالانش فرو نہ پیش پیش　　دارو منبل بنہ بر پشت ریش

لغات۔ منبل میم کا فتحہ تیسرا حرف بائے موحدہ ہے زخم۔ داروے منبل مرہم زخم۔

ترجمہ۔ فرمایا اس کے پالان کو اتار دینا۔ اور فوراً زخم کا مرہم (اس کی) زخمی کمر پر لگا دینا۔

گفت لاحول آخر اے حکمت گذار　　جنس تو مہمانم آید صد ہزار

ترجمہ۔ بولا۔ لاحول (ولا قوۃ) اجی (جناب!) اب تو (اس) ڈاکٹری کو جانے دو۔ آپ کی طرح لاکھ مہمان میرے ہاں آتے ہیں۔

جملہ راضی رفتہ اند از پیش ما　　ہست مہماں جان ما و خویش ما

ترجمہ سب کے سب ہمارے پاس سے خوش گئے ہیں (اور کیوں نہ جائیں) مہمان تو ہماری جان (کے برابر) اور ہمارا بھائی بند ہے۔

گفت آبش دہ و لیکن شیر گرم　　گفت لاحول از توام بگرفت شرم

ترجمہ۔ فرمایا اس کو پانی (بھی) پلا دینا مگر نیم گرم (ہو) وہ بولا۔ لاحول (ولا قوۃ حضرت!) مجھے تو آپ سے شرم آتی ہے۔

گفت اندر جو تو کمتر کاہ کن　　گفت لاحول ایں سخن کوتاہ کن

ترجمہ۔ فرمایا (میاں!) جو میں کسی قدر بھس ملا لینا۔ وہ بولا۔ لاحول (ولا قوۃ اب تو) اس بات کو ختم کرو۔

گفت جایش را بروب از سنگ و پشک　　ور بود تر ریز بر وے خاک خشک

لغات۔ پشک بضم و بکسر مینگنی۔ یعنے اونٹ۔ بکری۔ ہرن۔ خرگوش۔ چوہے کا سرگین۔ یہاں گدھے

گھوڑے کی لید کو بھی پٹک کھدیا۔

ترجمہ۔ فرمایا۔اس کی جگہ سے کنکر اور لید صاف کر دینا۔ اگر (وہ جگہ) تر ہو۔ تو اس پر سوکھی مٹی ڈال دینا۔

گفت لاحول اے پدر لاحول کن   با رسولِ اہل کمتر گو سخن

لغات۔ رسول اہل۔ قاصد بالیاقت۔ مرکب توصیفی ہے۔ نہ کہ اضافی۔ قاصد کو پیغام کا مضمون سمجھانے کے لئے پیغام کی توضیح وتنقیح ضروری ہوتی ہے۔ مگر جو قاصد ہوشیار و بالیاقت ہو۔ اس کو سمجھانے کیلئے زیادہ تقریر کی ضرورت نہیں ہوتی۔

ترجمہ۔ وہ بولا لاحول (ولا قوۃ) بزرگوار من! لاحول پڑھو۔ (اور) ایک ہوشیار قاصد (کو اسقدر تفہیم کی ضرورت نہیں اس) کے ساتھ مختصر تقریر کرو۔

گفت بستاں شانہ پشتِ خر بخار   گفت لاحول اے پدر شرمے بدار

لغات۔ شانہ کنگھی۔ کھریرا۔ جو گھوڑے گدھے کی پشت پر پھیرتے ہیں۔ تو گرد۔ مٹی وغیرہ جھڑ جاتی ہے۔ بخار خاریدن سے کھجا۔

ترجمہ۔ (پھر) فرمایا کھریرا لے کر گدھے کی پیٹھ پر بھی پھیر دینا۔ وہ بولا۔ لاحول (ولا قوۃ) بابا کچھ شرم بھی کرو۔ (کہ کب سے میرا مغز چاٹ رہے ہو۔ نہ شرماؤ نہ شرمانے دو)

گفت دُم افسار را کوتہ بہ بند   تا ز غلطیدن نیفتد او بہ بند

لغات دم افسار پچھاڑی۔ غلطیدن زمین پر لوٹنا۔ لوٹ لگانا۔

ترجمہ۔ فرمایا اس کی پچھاڑی بھی ذرا چھوٹی رکھنا۔ تاکہ لوٹ لگاتے وقت اس کی بندش میں نہ آجائے۔

گفت لاحول اے پدر چندیں منال   بہر خر چندیں مرو اندر جوال

لغات۔ منال امر متناعی ہے نالیدن (رونا) سے۔ در جوال رفتن دھوکا کھانا۔ فریب میں آنا۔ یہاں اس سے گھبرا جانا مراد ہے۔ کیونکہ فریب کھانے والا بھی پریشانی میں مبتلا ہوتا ہے۔

ترجمہ۔ وہ بولا لاحول (ولا قوۃ) قبلہ وکعبہ! آپ اسقدر رونا نہ روئیے (ایک) گدھے کے لئے اسقدر پریشانی ظاہر نہ کیجئے۔

گفت برپشتش فگن جل زود تر   زانکہ شب سرماست اے کان ہنر

ترجمہ۔ فرمایا ہنرمند آدمی! اس کی پشت پر جلدی جھول ڈال دینا۔ کیونکہ سردی کی رات ہے

گفت لاحول اے پدر چندیں مگو   استخواں در شیر نبود تو مجو

لغات۔ استخواں در شیر جستن دودھ میں ہڈی تلاش کرنا۔ محاورہ ہے۔ جس کے معنے ہیں کوئی فضول کام کرنا۔
ترجمہ۔ وہ بولا لاحول (ولا قوۃ) اس قدر تقریریں نہ کیجیے۔ دودھ میں ہڈی نہیں ہوتی (اس کی فضول) تلاش نہ کیجیے (یعنے غیر ضروری گفتگو کی فضول حرکت چھوڑیئے)۔

من ز تو استاترم در فنّ خود میہماں آید مرا از نیک و بد

ترجمہ۔ میں اپنے فن میں آپ سے زیادہ (ماہر) استاد ہوں۔ میرے ہاں بھلے برے ہر طرح کے میہمان آتے ہیں۔

لائقِ ہر میہماں خدمت کنم من ز خدمت چوں گل و چوں سوسنم

ترجمہ۔ میں ہر مہمان کی خدمت اس کے لائق کرتا ہوں (اور) خدمت (ہی) کی بدولت میں پھول اور سوسن کی طرح (مقبول) ہوں۔

خادم ایں گفت و میاں بر بست چست گفت رفتم کاہ و جو آرم نخست

ترجمہ۔ خادم نے اتنا کہا اور کمر خوب کس کر باندھ لی۔ پھر بولا میں جاتا ہوں (تاکہ) پہلے گھانس اور جو لے آؤں۔

رفت واز آخر نکرد او ہیچ یاد خواب خرگوشی بداں صوفی فتاد

لغات۔ خواب خرگوشی یا خواب خرگوش ایک مشہور قصہ طلب محاورہ ہے۔ جس کے معنے ہیں خواب غفلت۔ ایک خرگوش اور کچھوے میں دوڑ کا مقابلہ ہوا۔ خرگوش یک دم آدھی مسافت طے کرکے راستے میں آرام لینے کے لئے لیٹ گیا۔ کہ کچھوے کے آنے سے پہلے اٹھ کر باقی مسافت لپک کر طے کر لوں گا۔ وہ تو غفلت کی نیند میں پڑا سوتا رہا۔ ادھر کچھوا رینگتا رینگتا منزل پر پہنچ گیا۔ اور اس نے خرگوش سے بازی جیت لی۔
ترجمہ۔ وہ (خادم) چلا گیا اور اصطبل کا خیال تک نہ کیا۔ (جہاں گدھا بندھا تھا۔ ادھر) ان صوفی صاحب پر غفلت کی نیند طاری ہوگئی۔

رفت خادم جانب اوباش چند کرد بر اندرزِ صوفی ریشخند

لغات۔ اوباش۔ لُچے۔ لفنگے لوگ۔ اندرز بفتح اول وسوم نصیحت ہدایت۔ ریشخند ہنسی۔ تمسخر۔
ترجمہ۔ خادم (اصطبل کی بجائے) چند اوباشوں کی طرف گیا (جو اس کے یار دوست تھے اور) صوفی کی نصیحتوں کا مضحکہ اڑاتا رہا۔

صوفی از رہ ماندہ بود و شب دراز خوابہا مے دید با چشمِ فراز

ترجمہ۔ صوفی راستہ (طے کرنے) سے تھکا ماندہ تھا۔ (ادھر) رات بھی لمبی تھی (ساری رات)

آنکھیں بند کئے (اس قسم کے) خواب دیکھتا رہا۔ کہ:۔

نکتہ ۔ماندگی بدن اور درازئ شب دونوں امر گہری نیند اور کثرت رویا کے باعث ہیں۔ بخلاف اسکے اگر طبیعت میں اعتدال اور بدن میں تازگی و نشاط ہو۔ تو معتدل نیند آتی ہے۔ اور خواب پریشاں نہیں ستاتے چھوٹی راتوں میں سونے والا عموماً صرف سکون و راحت میں وقت کاٹتا ہے۔ خواب کم دیکھتا ہے۔ پریشاں خوابی کے دوراز کار قصے گہری نیند اور لمبی راتوں ہی میں پیش آتے ہیں۔

کاں خرش در چنگ گرگے ماندہ بُود ۔۔۔ بارہا از پشت و رانش میر بُود

ترجمہ۔ کہ اس کا وہ گدھا ایک بھیڑیئے کے پنجے میں گرفتار ہے۔ جو اس کی پشت اور ران کے ٹکڑے اُڑا رہا ہے۔

نوٹ۔ صوفی صاحب کا یہ خواب یا تو ان کی صفائی قلب کی بدولت ایک سچا خواب تھا۔ اور بھیڑیے کی تعبیر وہ تکالیف شب تھیں۔ جو بچارے گدھے کو بھوک اور شدت سے اٹھانی پڑیں۔ یا ایک خواب پریشاں ضغث احلام کی قسم سے تھا۔ کہ بیداری میں جو فضول توہم گدھے کی نگہداشت کے متعلق ان کو تھا۔ وہ ایک خواب بن کر سامنے آ گیا۔ اور تماشا یہ کہ جتنا زیادہ گدھے کے لئے اہتمام کیا۔ اتنی ہی زیادہ اس غریب جانور کی گت بنی۔

گُفت لاحول ایں چہ مالیخولیاست ۔۔۔ اے عجب آں خادم مشفق کجاست

لغات۔ مالیخولیا دیوانگی۔ خلل دماغ۔ اے عجب۔ ارے غضب۔ مشفق مہربان۔ غمخوار۔

ترجمہ۔ کہتا تھا۔ لاحول (ولا قوۃ) یہ کیا خلل دماغ ہے۔ (بھلا ایک ہوشیار خادم کی نگرانی میں کہیں ایسا ہو سکتا ہے؟ پھر خواب کی صحت کا وسوسہ ہوتا ہے تو کہتا ہے) ارے غضب! وہ مہربان خادم کہاں گیا؟ (جو گدھے کی یہ گت بن رہی ہے)

باز میدید آں خرش در راہ رو ۔۔۔ گہ بچاہے مے فتاد و گہ بگو

ترجمہ۔ پھر (خواب میں) دیکھتا تھا کہ اس کا وہ گدھا راستہ چلتا چلتا کبھی کوئیں میں گرتا ہے کبھی کسی گڑھے میں۔

گونا گوں میدید ناخوش واقعہ ۔۔۔ فاتحہ میخواند یا اَلْقَارِعۃ

لغات۔ گونا گوں میں الف اظہار کثرت کے لئے ہے جیسے سالہا سال۔ پشت اپشت میں۔ بعض نسخوں میں جو گونہ گوں لکھا ہے۔ درست نہیں۔ گونہ میں الف نسبت کے لئے ہوتی ہے۔ جیسے دو گونہ رنج عذاب ست جان مجنوں را بلائے صحت لیلی و فرقت لیلی۔ اور اس صورت میں یہ لفظ اکیلا آتا ہے۔ مگر گونہ گوں نہیں آتا۔

ترجمہ۔ وہ خواب میں طرح طرح کے ناگوار واقعات دیکھتا تھا (اور خواب بد کی مضرت دفع کرنے کے لئے کبھی) سورہ فاتحہ پڑھتا۔ یا (کبھی) سورہ القارعہ۔

گفت چارہ چیست؟ یاراں خستہ اند رفتہ اند و جملہ ہا دربستہ اند

ترجمہ۔ (بار بار) کہتا تھا۔ کیا کیجئے؟ یار لوگ (اشغال حلقہ) سے تھکے ماندے ہیں۔ سب (اپنے اپنے حجروں میں) چلے گئے اور دروازے بند کر لئے (کس کو بلائیں؟ کون مدد دے؟)

باز میگفت اے عجب آں خادمک نے کہ با ما گشت ہم نان و نمک

لغات۔ خادمک میں کاف تحقیر کے لئے ہے۔ ہم اشتراک کے معنے دیتا ہے۔ جیسے ہم مذہب۔ ہم سبق۔

ترجمہ۔ پھر کہتا تھا۔ کیا وہ بھلا مانس خادم ہمارے ساتھ نان و نمک میں شریک نہیں ہوا۔ پھر تعجب ہے (کہ اس نے اس نیک سلوک کے بدلے یہ بدسلوکی کی)

من نکردم با وے الا لطف و لیں او چرا با من کند بر عکس کیں

لغات۔ لطف مہربانی۔ لین نرمی۔ برعکس الٹا۔ برخلاف۔ کین دشمنی۔

ترجمہ۔ میں نے تو اس کے ساتھ مہربانی اور نرمی کا ہی سلوک کیا ہے۔ اس نے اس کے برخلاف میرے ساتھ دشمنی کیوں کی؟

ہر عداوت را سبب باید سند ورنہ جنسیّت وفا تلقیں کند

لغات۔ سند بنا۔ وہ بات جس پر کوئی دوسری بات مبنی ہو۔ جنسیّت ہم جنس ہونا۔ ہم قوم ہونا۔ وفا پورا کرنا تلقین سمجھانا۔ بتانا۔ ہدایت کرنا۔ سکھانا۔ اشارہ کرنا۔

ترجمہ۔ ہر دشمنی کسی نہ کسی سبب پر مبنی ہونی چاہئے۔ ورنہ ہم جنس ہونا تو وفا (یعنے تقاضائے جنسیت کو پورا کرنے) کا ہی سبق دیتا ہے۔

باز میگفت آدم با لطف و جود کے براں ابلیس جورے کردہ بود؟

ترجمہ۔ پھر (اپنے دل میں) کہتے تھے (عداوت کے لئے سبب ضروری نہیں۔ چنانچہ) حضرت آدم علیہ السلام نے جو صاحب لطف و کرم تھے۔ اس شیطان لعین پر کونسا ظلم کیا تھا (جس نے ان کو دھوکا دے کر جنت سے نکلوایا) نظامی رح

بد گہر با کسے وفا نکند اصل بد از خطا خطا نکند

آدمی مر مار و کژدم را چہ کرد؟ کہ ہمی خواہند او را مرگ و درد

صنائع۔ لف و نشر مرتب۔ سانپ کے ڈسنے سے موت واقع ہوتی ہے۔ اور بچھو کے کاٹنے سے صرف درد شدید ہوتا ہے۔ ہلاکت نہیں ہوتی۔

ترجمہ۔ آدمی نے سانپ اور بچھو کے ساتھ کیا (برا سلوک) کیا ہے۔ کہ وہ دونوں اس کی موت

اور درو شدید کے خواہاں ہیں۔ کما قیل ؎
نیش عقرب نہ پئے کین ست
مقتضائے طبیعتش اینست

گرگ راخود خاصیت مدریدنست
کایں حسد در خلق آخر روشن ست

ترجمہ۔ بھیڑیئے میں پھاڑ کھانے کی خاصیت ہے۔ بلکہ یہ حسد (یعنے بلا وجہ دشمنی) تمام مخلوق میں نمایاں ہے۔ کما قیل ؎

ابنائے زمانہ درپئے شور و شراند
انباشتہ از نفاق و عین ضرر اند
مانند قطار شتر ایں فرقہ دوں
بایک دگر اند و درپئے یکدگر اند

باز میگفت ایں گمان بد خطاست
بر برادر ایں چنیں ظنم چراست؟

ترجمہ۔ پھر کہتا تھا۔ یہ بدگمانی (میری) غلطی ہے۔ ایک (دینی) بھائی پر میں ایسا گمان (بد) کیوں کر رہا ہوں؟

مطلب۔ کسی پر ناحق بدگمانی نہ کرنی چاہیے۔ خصوصاً دینی بھائیوں کے ساتھ یہ بدسلوکی اور بھی بری ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ۔ اے ایماندار لوگوں کی نسبت بہت شک کرنے سے بچو۔ کیونکہ بعض شک داخل گناہ ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ۔ یعنے بدگمانی سے بچو۔ بدگمانی بڑی جھوٹی بات ہے (رحمۃ للعالمین) ؎

داخل غیبت ہے سوءِ ظن بھی
وہ ہے غیبت منہ کی یہ ہے قلب کی
سوءِ ظن میں مت کسی سے بیر رکھ
یاد ظنوا المؤمنين خيرا رکھ

باز گفتے حزم سوء الظن لست
ہر کہ بد ظن نیست کے ماند درست

ترجمہ۔ پھر کہتا۔ تمہاری یہ بدگمانی تو ایک طرح کی چوکسی ہے۔ جو شخص (اتنا بھی) بدگمان نہیں۔ وہ (فریب کار لوگوں کے ہتھکنڈوں سے) محفوظ کب رہ سکتا ہے؟

مطلب۔ پہلے مصرعہ کا مضمون اس روایت سے ماخوذ ہے۔ الحزم سوء الظن یعنے چوکسی اور احتیاط بھی ایک قسم کی بدگمانی ہے۔ اس روایت کو دیلمی نے اپنی سند میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قول سے روایت کیا ہے۔ اور وہ ضعیف ہے (تمییز الطیب) مطلب یہ ہے کہ ہر شخص کی طرف سے خواہ دشمن ہو یا دوست محتاط رہنا شرط دانشمندی ہے۔ صائب رح ؎

عالم از سنگدلاں قلزم پرکہسارست
کشتی نوح دریں ورطہ دل ہشیارست

صوفی اندر وسوسہ واں خرچناں
کہ چناں بادا جزائے دشمناں

ترجمہ۔ صوفی تو ان وسوسوں میں (غلطاں و پیچاں پڑا تھا) اور (ادھر) وہ (غریب) گدھا اس حالت

(زار) میں (شب بسر کر رہا) تھا۔ کہ دشمنوں کو نصیب ہو۔

آں خرِ مسکیں میانِ خاک و سنگ　　کژ شدہ پالاں دریدہ پالہنگ

لغات۔ پالہنگ باگ ڈور

ترجمہ۔ وہ غریب گدھا (بارے بھینی کے) مٹی اور کنکروں کے درمیان (لوٹتا تھا جس کے لوٹنے سے) پالان ٹیڑھا اور باگ ڈور شکستہ (دو بریدہ) ہوگئی تھی۔

کشتۂ رہ جملہ شب بے علف　　گاہ در جان کندن و گہ در تلف

لغات۔ رہ سفر۔ علف گھاس۔ چارہ۔ جان کندن نزع۔ جان نکلنا۔ تلف ہلاکت۔

ترجمہ۔ سفر کا مارا ہوا تھا۔ تمام رات چارہ نہیں ملا۔ کبھی جان کنی کی حالت میں (تڑپتا تھا)۔ اور کبھی موت (کے مشابہ حالت) میں (بے حس و حرکت ہو جاتا)

خر ہمہ شب ذکر گویاں کاے الٰہ　　جو رہا کردم کم از یک مشت کاہ

لغات۔ دوسرے مصرعہ کا پہلا لفظ یا تو جو (غلہ) ہے۔ یا جور (ستم) اور دوسری تقدیر پر کم یا تو بکاف تازی ہے یا بگاف فارسی۔ معنے دونوں طرح صحیح ہو سکتے ہیں۔

ترجمہ۔ گدھا تمام رات یہ دعا کرتا رہا۔ کہ الٰہی میں جو (کی آرزو) سے دست بردار ہوا۔ کم از کم ایک مٹھی چارہ ہی (مل جائے) (یا) الٰہی میں ایک مٹھی بھر گھاس مل جانے پر یہ تمام تکالیف بھول جاؤں

با زبانِ حال میگفت اے شیوخ　　رحمتے کہ سوختم زیں خام شوخ

ترجمہ۔ (پھر) وہ زبان حال سے (یہ) فریاد کرتا تھا۔ کہ بزرگو! (میرے حال پر) رحم (کرو) کہ میں اس ناتجربہ کار و بے شرم (مالک کے ہاتھ) سے جل بھن گیا (ناتجربہ کاری اس لحاظ سے کہ گدھے کو ایک نالائق خادم کے سپرد کر دیا ہے۔ بے شرمی اس لحاظ سے کہ خود اس کی خبر گیری نہیں کی)

آنچہ آں خر دید از رنج و عذاب　　مرغِ خاکی بیند اندر سیلِ آب

ترجمہ۔ جس قدر (شدید) رنج و عذاب اس گدھے نے دیکھا۔ وہ ایک خشکی کے پرندہ کو پانی کے رو میں دیکھنا پڑتا ہے۔

پس بہ پہلو گشت آں شب تا سحر　　آں خرِ بیچارہ از جوع البقر

لغات۔ گشت ساز گشتن جو پھرنا کے معنے میں ہے۔ جوع البقر بیل کی سی بھوک ایک مرض ہے۔ جو انسان کو عارض ہو جائے۔ تو بیل کی طرح ہر وقت کھاتا پیتا رہتا ہے۔ مراد شدت کی بھوک۔

ترجمہ۔ اس بیچارہ گدھے نے اسی رات کو صبح تک انتہائی بھوک سے بہتیری کروٹیں بدلیں۔

نالہ میکرد از فراقِ کاہ و جَو مستمند از اشتیاقِ کاہ و جو

لغات: مستمند رنجیدہ۔ آزردہ۔ غمناک۔

ترجمہ۔ وہ گھانس اور جَو کے نہ ملنے سے چیختا چلّاتا تھا (اور) گھانس اور جَو کے شوق میں (نہایت) آزردہ تھا۔

ہمچنیں در محنت و درد و سوز نالہا میکرد از شب تا بروز

ترجمہ۔ (غرض) اسی طرح وہ تکلیف۔ درد اور جلن میں (پہلی) رات سے دن (چڑھنے تک) روتا رہا۔

روز شد خادم بیامد بامداد زود پالاں جُست بر پشتش نہاد

ترجمہ۔ دن چڑھا۔ تو خادم علی الصباح آموجود ہوا (اور) جلدی پالان ڈھونڈا اور اس (گدھے) کی پشت پر رکھ دیا۔

نوٹ۔ اکثر و بیشتر نسخوں میں دوسرے مصرعہ کے الفاظ "جست و بر پشتش نہاد" بجیم تازی اور بواو عاطفہ لکھے ہیں۔ جن پر یہ شبہ ہوتا ہے۔ کہ پیچھے کہا ہے۔ کہ گم شدہ پالان دریدہ پالہنگ جس سے معلوم ہوا۔ کہ پالان ابھی اس کی پشت پر ہی تھا۔ کہیں گم نہیں ہوا۔ بلکہ صرف ٹیڑھا ہو گیا تھا۔ پھر اس کو ڈھونڈنے کے کیا معنے؟ ایک نسخے میں اس کو بجیم فارسی اور بلا واؤ "چست بر پشتش نہاد" لکھا پایا۔ ممکن ہے یہ کسی ناقل کا تصرف ہو۔ مگر یہ زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ یعنے اس کا پالان جو لیٹ لگانے سے ٹیڑھا اور ڈھیلا ہو رہا تھا۔ دوبارہ چست کر کے رکھ دیا اور باندھ دیا۔

خر فروشانہ دوسہ زخمش بزد کرد با خر آنچہ با سگ مے سزد

لغات۔ خر فروش گدھا بیچنے والا۔ جو عموماً اپنے گدھے کو سبک رفتار بنانے کے لئے ایک دو ڈنڈے بھی لگا دیتا ہے۔ تاکہ وہ چالاک اور تیز معلوم ہو۔ زخم ڈنڈے کی چوٹ۔

ترجمہ (اور) خر فروش کی طرح اس کی پیٹھ پر ڈنڈے کی دو چار چوٹیں بھی لگا دیں۔ (غرض اس نے) گدھے کے ساتھ وہ سلوک کیا۔ جو کتے کے ساتھ (ہونا) چاہیئے۔

خر جہندہ گشت از تیزیِ نیش کو زباں تا خر بگوید حالِ خویش

لغات: نیش درحصل کسی نوکیلی اور چبھنے والی چیز کو کہتے ہیں۔ جیسے کانٹے کی نوک۔ نیزے کی انی۔ تیر کا پیکان۔ بچھو کا ڈنک۔ درندہ جانور کی کچلی وغیرہ۔ اور ان کے زخم کو بھی کہہ دیتے ہیں۔ مگر یہاں ڈنڈے یا اس کی چوٹ کو مجازاً نیش کہہ دیا۔ کو کہاں۔

ترجمہ۔ بیچارہ گدھا چوٹ کی تیزی سے (تنگ آکر) کودنے لگا۔ گدھے (غریب) کی زبان کہاں جو اپنا حال (زار) سنائے؟

مطلب۔ گدھے کا حال زار ظاہر ہی ہے۔ کہ رات بھر تو بھوک پیاس ساتھ ہی تھان کی ناہمواری اور اس کے علاوہ لگام۔ کاٹھی وغیرہ کی قیود نے گت بنائی صبح ہوتے ہی پڑنے لگے ڈنڈے۔ موئے پر سو دُرّے۔ پھر صوفی صاحب سوار ہونے کو تیار۔ مرے کو مارے شاہ مدار۔ کما قیل ؎

ہر دم زمانہ داغِ غمم بر جگر نہد
یک داغ نیک ناشدہ داغِ دگر نہد

گمان بردنِ کاروانیاں کہ مگر بہیمہ صوفی رنجور ست

اہل قافلہ کا یہ گمان کرنا کہ شاید صوفی کی سواری کا جانور بیمار ہے

چونکہ صوفی بر نشست و شد رواں
رُو در افتادن گرفت آں ہر زماں

ترجمہ۔ جب صوفی سوار ہو کر روانہ ہوا۔ تو وہ (گدھا راستے میں) دمبدم گرنے لگا۔

ہر زمانش خلق بر میداشتند
جملہ رنجورش ہمے پنداشتند

ترجمہ۔ ہر مرتبہ لوگ اس کو اٹھاتے تھے۔ سب اس کو بیمار سمجھتے تھے۔

آں یکے گوشش ہمی پیچید سخت
واں دگر در زیر گامش جست لخت

ترجمہ۔ ادھر ایک تو اس کے کان زور سے مروڑتا تھا۔ ادھر دوسرا اس کے پیر کے نیچے (کسی چیز کا) ریزہ تلاش کرتا تھا (کہ شاید اسی کے چبھ جانے کی تکلیف ہو)

واں دگر در نعلِ اُو می جُست سنگ
واں دگر در چشم او میدید رنگ

ترجمہ۔ ادھر ایک اور اس کے نعل میں کنکری ڈھونڈتا تھا (کہ شاید اسی کا آشوب ہو) اور دوسرا اس کی آنکھ کا رنگ دیکھتا (تھا کہ اصل مرض کو شناخت کرے)

باز میگفتند اے شیخ ایں ز چیست
دی نمے گفتی کہ شکر ایں خر قوی ست

لغات۔ دی۔ دیروز یعنے کل۔ اس ترکیب ایں کا مشار الیہ افتادگی اور شکر کا مضاف الیہ خدا مقدر ہے

ترجمہ۔ (جب کوئی سبب خاص معلوم نہ ہوا۔ تو) سب نے کہا۔ اے شیخ! یہ (بار بار) کس سبب سے (گرتا) ہے۔ تم کل نہیں کہتے تھے؟ کہ (خدا کا) شکر ہے۔ گدھا (بڑا) طاقتور ہے۔

مطلب۔ جب بقول شما کل یہ گدھا قوی و توانا تھا۔ تو آج رات کے اندر اندر اسے کیا ہو گیا۔

گفت آں خر کو بشب لاحول خورد
جز بدیں شیوہ نتاند راہ برد

لغات۔ کو کہ او لاحول خورد لاحول کی غذا کھائی ہے۔ چونکہ رات کو خادم بات بات کے جواب میں لاحول لاحول

پکارتا تھا۔ اور گدھے کی خبرگیری کے پختہ وعدے کرتا تھا۔ مگر اس نے کچھ بھی گھاس دانہ اس کو نہ کھلایا۔ اس لحاظ سے گویا اس کے پاس لاحول کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ یہی کھلایا۔ شیوہ طریقہ۔ نتاند۔ نتواند کا مخفف ہے۔ راہ بردن راہ چلنا۔
ترجمہ (صوفی نے) کہا۔ جس گدھے نے رات کو (صرف) لاحول کی غذا کھائی ہو۔ وہ اسی انداز سے چل سکے گا۔

چونکہ قوتِ خرشب لاحول بود — شب مسبح بود روز اندر سجود

لغات۔ قوت روزی۔ غذا۔ خوراک۔ مسبح تسبیح گو۔
ترجمہ۔ چونکہ گدھے کی غذا رات بھر لاحول ہی رہی ہے (اس لئے) رات کو تو یہ لاحول کی تسبیح پڑھتا رہا دن کو (منہ کے بل گر کر) سربسجود (ہو رہا ہے)
مطلب۔ شیخ کا مطلب یہ تھا۔ کہ گدھا بھوکا ہے۔ اس لئے اس کی یہ حالت ہے۔ مگر اس مطلب کو مطائبہ و فکاہت کے پیرایہ میں ادا کیا۔

چوں ندارد کس غمِ تو ممتحن — خویش کارِ خویش باید ساختن

لغات۔ ممتحن بکسر حا آزمانے والا۔ آزمائش میں ڈالنے والا۔ ضرورتاً بفتح حا پڑھا جاتا ہے۔
ترجمہ۔ جب کسی شخص کو تمہارا غم دامنگیر نہیں ہے (تو کسی سے توقع نہ رکھو) اپنا کام آپ کر لو۔
مطلب۔ صوفی نے ایک جھوٹے منافق اور خود غرض آدمی پر بھروسہ کر کے دھوکا کھایا۔ اس سے مولانا یہ سبق دیتے ہیں۔ کہ جو شخص تمہارا مخلص اور دلی خیرخواہ نہ ہو۔ اس کے بھروسہ پر نہ رہو۔ اپنا کام آپ کر لو۔ صائب رح ؎

کلید قفل خود از جیب دیگراں مطلب — چو غنچہ از گرہِ خود گرہ کشاے ساز

الخلاف یہ بیت ہمارے نسخے میں درج نہیں ہے۔

آدمی خوار اند اغلب مردماں — از سلام علیک شاں کم جو اماں

لغات۔ آدمی خوار۔ مردم خور۔ درندے۔ اغلب اکثر۔ کم بمعنے نفی۔
ترجمہ۔ اکثر لوگ مردم خور ہیں۔ ان کی سلام علیک سے امن و امان کی توقع نہ رکھو۔ کما قیل ؎

از صحبتِ دوستانِ ایں دورِ خلاف — رمزے گویم اگر نگیری بگزاف
چوں شیشۂ ساعت اند پیوستہ بہم — دلہا ہمہ پر غبار و روہا ہمہ صاف

خانۂ دیوست دلہائے ہمہ — کم پذیر از دیو مردم دمدمہ

لغات۔ دیو شیطان۔ دیو مردم شیطان سیرت آدمی۔ دمدمہ فریب۔
ترجمہ۔ ان سب (مکار) لوگوں کے دل شیطان کا گھر ہیں (ایسے) شیطان سیرت لوگوں کے فریب میں نہ آنا۔ حافظ رح ؎

اے کبک خوشخرام کہ خوش میروی بناز
غرہ مشو کہ گربہ زاہد نماز کرد

از دم دیو آنکہ او لاحول خورد
ہمچو آں خر در سر آید در نبرد

لغات۔ لاحول خوردن۔ کسی مکار و دغاباز کی لاحول میں آجانا۔ یعنے دھوکا کھانا۔ در سر آمدن سر کے بل آنا۔ نبرد جنگ۔ معرکہ۔

ترجمہ۔ جو شخص شیطان کے دم جھانسے سے دھوکے میں آگیا۔ وہ اس گدھے کی طرح معرکہ کے وقت سر کے بل گرتا ہے۔ غنی رح ؎

اے دل از موج سراب نرمی دشمن مترس
بہر ماہی حلقہ ہائے دام کم از شست نیست

ہر کہ در دنیا خورد تلبیس دیو
وز عدوئے دوست رو تعظیم وریو

در رہِ اسلام و بر پول صراط
در سر آید ہمچو آں خر در خباط

لغات۔ تلبیس فریب۔ ریو۔ مکر۔ پول پُل۔ یہ بھی ایک لغت ہے۔ یا بائے فارسی کے ضمہ کا اشباع کیا گیا ہے۔ خباط بضم خا دیوانگی۔ بیوقوفی۔

ترجمہ۔ جو شخص دنیا میں شیطان کے فریب میں آجاتا ہے۔ اور اپنے (اس) دوست نما دشمن کی (دبنا و ٹی) تعظیم (پر پھولتا) اور فریب (کھاتا ہے) وہ (دنیا کے اندر) اسلام کے راستے میں اور (آخرت میں) پلصراط پر اپنی بیوقوفی کے باعث اس گدھے کی طرح سر کے بل گرتا ہے۔ سعدی رح ؎

تبے نیک مرداں بباید شتافت
کہ ہر کہ ایں سعادت طلب کرد یافت

ولیکن تو دنبال دیو خسی
ندانم کہ در صالحاں چوں رسی

عشوہائے یارِ بد منیوش ہیں
دام بیں ایمن مرو تو در زمیں

لغات۔ عشوہ عین کی تینوں حرکات درست ہیں چھپی چال۔ مخفی تدبیر۔ ناز و نخرہ۔ فریب۔ منیوش میم کے بعد نون امر امتناعی ہے۔ نیوشیدن بمعنے شنیدن سے۔

ترجمہ۔ خبردار منافق دوست کی مکارانہ باتیں نہ سنو۔ تم زمین میں بے خطر ہو کر نہ چلو (بلکہ پہلے) جال کو دیکھ لو۔ (کہ کہیں زیر خاک چھپا پڑا ہو) صائب ؎

بلائے مرغ زیرک دام زیر خاک مے باشد
زنارِ سبحہ بیش از رشتہ زنار مے ترسم

صد ہزار ابلیس لاحول آر بیں
آدما ابلیس را در مار بیں

ترجمہ۔ لاکھ ابلیس تم کو لاحول پڑھتے نظر آئیں گے۔ اے آدم! تم ابلیس کو سانپ کی شکل میں دیکھو گے۔ مطلب یہ مکار لوگ جو لباس تقوے درازی ریش اور لحیہ بتسبیح و تہلیل و تحمید کو آلہ فریب بنا کر لوگوں کو لوٹتے پھرتے ہیں۔ وہ صورۃً انسان مگر سیرۃً شیطان ہیں۔ اور اپنے مکر و دغا کو چھپانے کے لئے اس خادم کی طرح با

بات پر لاحول پڑھتے ہیں۔ ان سے ہوشیار اور چوکس رہنا چاہئے۔ دوسرے مصرعہ میں بظاہر حضرت آدم علیہ السلام سے اور درحقیقت بنی آدم سے خطاب ہے۔ کہ تم شیطان کو ایسے ایسے لباس میں جلوہ گر پاؤ گے جس کا گمان بھی نہ ہو۔ لہذا حزم و احتیاط لازم ہے۔ جیسے حضرت آدمؑ کو دھوکا دینے کے لئے جب شیطان بہشت میں گیا۔ تو سانپ کے جسم میں حلول کر کے گیا تھا۔ اور اب بھی جنات و شیاطین اکثر سانپ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اور اس کا ذکر بعض احادیث میں بھی آیا ہے۔

دم دہد گوید ترا اے جانِ دوست　　　تا چو قصّابے کشد از دوست پوست

ترجمہ۔ وہ تم کو دم (جھانسے) دیگا (اور) اے دوست کی جان کہہ کر مخاطب کریگا۔ تاکہ قصاب کی طرح (جو بکری کی کھال اتار لیتا ہے) دوست کی کھال اتار لے۔ صائبؒ ؎

زخمہا در چاشنی دارد تمناہائے خصم　　　سگ ز بہر دوستی دامانِ قاتل مے کشد

دم دہد تا پوستت بیروں کشد　　　وائے آں کز دشمناں افیوں چشد

لغات۔ افیوں چشیدن کنایہ ہے کسی کی خوشامدانہ باتوں کے نشے میں سررشتہ ہوشیاری ہاتھ سے کھو دینے سے
ترجمہ۔ وہ تم کو دم (جھانسے) دیتا ہے۔ تاکہ تمہاری کھال اتار لے۔ افسوس ہے اس شخص پر جو دشمنوں کی (لکھنی چپڑی) باتوں کے نشہ سے غافل ہو جائے۔ غنیؒ ؎

اے دل بخوری فریب اربابِ دغا　　　غافل نشوی ز دشمنِ دوست نما

سر نہد بر پائے تو قصّاب وار　　　دم دہد تا خونت ریزد زار زار

ترجمہ۔ یہ تمہارے پاؤں پر سر رکھتا ہے۔ جس طرح قصائی (گائے بھینس کو ذبح کرنے کے لئے اس کے پاؤں پر جھکتا ہے۔ اور پھر اس کو جکڑ کر گرا لیتا ہے) وہ (بھی قصائی کی طرح) تم کو دھوکا دیتا ہے۔ تاکہ تم کو خواری و بیچارگی کی حالت میں ذبح کر ڈالے (یعنے روحانی موت کے ساتھ مار ڈالے) غنیؒ ؎

زنہار مکن تکیہ بر افتادنِ سرکش　　　افتادنِ سرکش بود افتادنِ آتش

ہمچو شیرے صیدِ خود را خویش کن　　　ترکِ عشوہ اجنبی و خویش کن

صنائع۔ خویش کے کلمے میں تجنیس تام ہے۔
ترجمہ۔ ایک شیر کی طرح اپنا شکار آپ مارو۔ خویش و بیگانہ (سب) کی مکارانہ باتوں کو چھوڑ دو۔ نظامیؒ ؎

چو طفل انگشتِ خود می لک دریں مہد　　　زخونِ خویش کن ہم شیر ہم شہد
مگیر آئینِ خورسندی ز انجیر　　　کہ ہم طفل ست وہم پستان وہم شیر

ہمچو خادم داں مُراعاتِ خساں　　　بیکسی بہتر ز عشوہ ناکساں

لغات۔ مراعات رعایت حال۔ خس کمینہ۔ ناکس نالائق آدمی۔

ترجمہ۔ کمینے لوگوں سے رعایت احوال کی وہی امید ہے جیسی اس خادم نے کی۔ نالائق لوگوں کی نازبرداری سے بیکسی اچھی ہے۔ کما قیل ؎

بانان جویں بساز و پیش دو ناں ۔۔۔ کف کفچہ مکن از پئے حلوائے لذیذ

در زمین مردماں خانہ مکن ۔۔۔ کارِ خود کن کارِ بیگانہ مکن

ترجمہ۔ لوگوں کی زمین میں گھر نہ بناؤ۔ اپنا کام کئے جاؤ۔ بیگانہ کا کام نہ کرو۔

مطلب۔ خانہ سے مراد یا تو اپنا گھر ہے۔ اس تقدیر پر یہ مطلب ہوگا۔ کہ لوگوں پر بھروسہ نہ کرو۔ اگر لوگوں کی زمین میں گھر بنایا۔ تو ان لوگوں کے ایثار کی توقع پر اس کو اپنا گھر نہ سمجھو۔ کل کو وہی بیگانے اس کے مالک ہو جائینگے بلکہ وہ کام کرو جس کے فوائد تمہارے لئے مخصوص ہوں۔ بیگانوں کا اس میں کوئی حصہ نہ ہو۔ اگر خانہ سے دوسروں کا گھر مراد ہو۔ تو مطلب یہ ہے۔ کہ لوگوں سے تعلق ہی نہ رکھو۔ نہ افادہ کا۔ نہ استفادہ کا یعنے نہ ان کو گھر بنا دینے یا کوئی اور کام کر دینے کا فائدہ پہنچاؤ۔ نہ ان سے اپنے کسی کام کا فائدہ اٹھاؤ۔ بلکہ اپنا کام خود کرو۔ سعدی رح ؎

کہن جامہ خویش پیراستن ۔۔۔ بہ از جامۂ عاریت خواستن

اس سے یہ مقصود نہیں۔ کہ نیکی و احسان۔ اور حسن سلوک اور خیرات و مبرات اور دیگر ہر قسم کے فیوض کا دروازہ لوگوں پر بند کر لو۔ بلکہ مطلب یہ ہے۔ کہ نااہل کے ساتھ نیکی۔ اور غیر شاکر کے ساتھ احسان فضول ہے۔ خصوصاً اپنے کام کا حرج کر کے ایسے لوگوں کے کام میں مشغول ہونا تو بالکل خلاف دانشمندی ہے جس کا کوئی مفید نتیجہ نہیں۔ صائب رح ؎

کامے کہ برآید ز خسیسانِ نظر تنگ ۔۔۔ آبے ست کہ از چاہ بغربال برآید

اب اس اخلاقی بحث سے ایک ارشادی مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں۔

چیست بیگانہ؟ تنِ خاکیِ تو ۔۔۔ کز برائے اوست غمناکیِ تو

ترجمہ (خیر وہ بیگانہ تو ہوا۔ اس کے علاوہ ایک اور بیگانہ ہے اس) بیگانہ سے کیا مراد ہے؟ تمہارا خاکی جسم جس کی (پرورش اور آرایش کی) تم کو ایک دھن لگی رہتی ہے۔ صائب رح ؎

برسفالِ جسم نازیدن ندارد حاصلے ۔۔۔ ایں سبو امروز گر نشکست فردا بشکند

تا تو تن را چرب و شیریں میدہی ۔۔۔ جوہرِ جاں را نہ بینی فربہی

ترجمہ۔ جب تک تم جسم کو چرب و شیریں غذائیں کھلا (کھلا کر موٹا کر) تے رہو گے۔ جوہر جان میں موٹاپا (اور تروتازگی) نہ پاؤ گے۔ سعدی رح ؎

مپرور تن ار مرد رائے و ہشی ۔۔۔ کہ اورا چو مے پروری مے کشی

خرد مند مردم ہنر پرورند ۔۔۔ کہ تن پروراں از ہنر لاغر اند

گر میانِ مشک تن را جا شود ۔۔۔ روزِ مردن گندِ اُو پیدا شود

ترجمہ۔ اگر مشک (کے انبار) میں بھی جسم کو جگہ مل جائے۔ تو موت کے دن اس کا تعفن کھل جائیگا (لہذا ایسی فانی و چندروزہ چیز کی تزیین و آرایش فضول ہے) صائب رح ؎

چیست خشتِ گل فانی کہ برآں تکیہ کنند
اثر این ست کہ از مردم کاہل ماندست

مشک را بر تن مزن بر دل بمال
مشک چہ بود؟ نام پاکِ ذوالجلال

ترجمہ (لہذا) مشک کو (ناحق) بدن پر نہ لگاؤ (بلکہ) دل پر ملو۔ مشک (سے ہماری مراد) کیا ہے؟ خداوند بزرگ کا نام پاک۔

مطلب۔ تزیین و آرایش کی کوشش جسم کے لئے وقف کرنا فضول ہے۔ یہ حق دل کا ہے۔ صائب رح ؎

زتن دست بردار دل را صفا دہ
کہ آئینہ چشم ست آئینہ دل را

پھر فرمایا کہ یہاں مشک سے ظاہری مشک مراد نہیں۔ بلکہ خداوند تعالےٰ کا ذکر مقصود ہے۔ دل کی مشک یہی ہے۔ جو اس کو مطلوب و مرغوب ہے۔ اور اسی سے وہ معطر و مزین ہوتا ہے۔ امیر خسروؒ ؎

چو نامت گویم و نالہ برارم
دل و جاں ہمرہ آواز گردد

آں منافق مشک بر تن مے نہد
رُوح را در قعرِ گلخن مے نہد

لغات۔ قعر گہرائی۔ گلخن بھاڑ۔ بھٹی۔ مراد دوزخ۔

ترجمہ۔ وہ منافق جس کو تصفیہ باطن کی پروا نہیں۔ اپنے بدن کو تو معطر بناتا ہے۔ روح کو جہنم میں گرا دینے کے کام کرتا ہے ؎

خواب و خور کی حرص پھر دنیا میں عزت کی طلب
وہ شل ہی کام تو دوزخ کے۔ جنت کی طلب

بر زباں نامِ حق و بر جانِ او
گندہا از کفرِ بے ایمانِ اُو

ترجمہ زبان پر تو خدا کا نام (جاری) ہے اور روح پر کفر کی وہ ناپاک تہیں چڑھ رہی ہیں جن میں ایمان کا شائبہ تک نہیں۔ ونعم ما قیل ؎

گرورد تو لا الٰہ الا اللہ است
بے باطن پاک کے بجنت راہ ست
صراف زر قلب کجا بستاند
ہر چند برو سکہ ز نام شاہ ست

ذکر با او ہمچو سبزہ گلخن ست
بر سرِ مبرز گل ست و سوسن ست

لغات۔ سبزہ ہریاول۔ گلخن بھٹی۔ بھاڑ۔ مجازاً کوڑے کرکٹ کی جگہ پر بھی اطلاق کرتے ہیں۔ یہاں وہی مراد ہے۔ مبرز پاخانہ پھرنے کی جگہ۔ سوسن ایک قسم کے پھول کا نام۔

ترجمہ۔ اس منافق کا ذکر حق ایسا ہے جیسے کوڑے کرکٹ کی جگہ پر اگا ہوا سبزہ (بلکہ) پاخانہ کی جگہ پر پھول (کھل رہے) ہیں۔ اور سوسن (اگی ہوئی) ہے۔

آں نبات آنجا یقیں عاریت ست ٭ جائے آں گل مجلس ست و عشرت ست

لغات:۔ نبات سبزہ۔ نباتات۔ عاریت مانگی ہوئی۔ مستعار۔ عارضی۔ عشرت عیش وراحت۔

ترجمہ۔ وہ سبزہ اس جگہ یقیناً عارضی ہے۔ ورنہ اس پھول کی (اصلی جگہ تو (ایک) خاص مقام اور عیش وطرب (کی جگہ) ہے۔ (یہاں کہاں؟)

طیّبات آمد بسُوئے طیّبین ٭ مر خبیثیں را خبیثات ست ہیں!

ترجمہ۔ اچھی چیزیں اچھے لوگوں کی طرف منسوب ہیں۔ بُرے لوگوں کے لئے بری چیزیں ہیں۔ اس کو خوب ذہن نشین رکھو۔

مطلب۔ جیسی استعداد و صلاحیت ہوتی ہے۔ اس کے مناسب سامان ہو جاتے ہیں۔ شعر کے کلمات سورہ نور کی آیت الخبیثات للخبیثین الخ سے مقتبس ہیں جس کا ذکر پہلے بھی ایک دو مرتبہ آچکا ہے۔

کیں مدار آنہا کہ از کیں گمرہند ٭ گورِشاں پہلوئے کیں داراں نہند

لغات۔ کیں۔ کینہ۔ از سببیت کے لئے ہے۔ پہلو یعنے در پہلو۔ کین دار۔ کینہ ور۔

ترجمہ۔ (کسی سے) کینہ نہ رکھو۔ جو لوگ کینہ کی وجہ سے گمراہ ہیں۔ ان کی قبر کینہ ور لوگوں کے پاس بنائیں گے۔

مطلب۔ اوپر اس دشمن منافق کا ذکر چلا آتا تھا۔ جو اوپر سے دوستی کا اظہار کرے۔ اور دل میں بیخ کنی وایذا رسانی کی نیت ہو۔ اور بار بار یہ ہدایت کی تھی۔ کہ ایسے جَو فروش وگندم نما سے بچو۔ اس کے دھوکے میں نہ آؤ۔ چونکہ کینہ ور بھی انتقام لینے کے لئے بعض اوقات اس قسم کے منافقانہ افعال کیا کرتا ہے۔ اور کینہ ایک بدترین خصلت ہے۔ لہذا یہاں اس کی مذمت کرتے ہیں۔ کینہ سے گمراہ ہونے کا مطلب یہ ہے۔ کہ کینہ ور ایسے افعال کرنے پر آجاتا ہے۔ جو صلح وآشتی اور امن وسلامتی کے راستے کے خلاف ہوتے ہیں۔ قبر سے مراد عالم برزخ کا حال ہے۔ یعنے ظاہری قبر خواہ کہیں ہو۔ لیکن عالم برزخ میں کینہ ور کو فرشتے کینہ ور لوگوں کی صف میں لے جا بٹھاتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ عذاب دیتے ہیں۔ صائبؒ ؎

بہ نے دار و فشارِ قبر دست از دہمت ٭ تا زروئے دل نفشانی غبار کینہ را

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پیر اور جمعرات کے روز بہشت کے دروازے کھلتے ہیں۔ تو ہر مسلمان بندے کو جو کسی چیز کو اللہ کا شریک نہیں بناتا بخشا جاتا ہے۔ مگر وہ شخص کہ اس کے اور اس کے مسلمان بھائی کے مابین کینہ ہو۔ تو کہا جاتا ہے۔ کہ ان دونوں کو ابھی مہلت دو۔ حتے کہ آپس میں صلح کریں (مشکوٰۃ) حضرت سعید ابن مسیب کا قول ہے۔ ایاکم والبغضۃ فانھا ھی الحالقۃ یعنے اپنے آپ کو بغض سے دور رکھو۔ کیونکہ وہ دین کو زائل کرنے والا ہے (موطا امام مالکؒ) ؎

بغض وکیں سے صاف تم سینہ رکھو ٭ دل کو روشن مثل آئینہ رکھو
کینہ کیا ہے؟ اک عذاب النار ہے ٭ کینہ دل کا اک بڑا آزار ہے

بغض و کینہ رکھنے والے کا برا انجام

اصلِ کینہ دوزخ ست و کینِ تو   جزوِ آں کُل ست و خصمِ دینِ تو

لغات۔ اصل کے لغوی معنے جڑ کے ہیں۔ مگر یہاں اس سے انجام مراد ہے۔ کیونکہ فرع کا اپنی اصل کے تابع ہونا ایک مسلمہ اصول ہے۔ پس گویا ہر چیز کی اصل اس چیز کا انجام ہے۔ خصم۔ دشمن۔

ترجمہ۔ کینے کی اصل دوزخ ہے۔ اور تمہارا کینہ اسی کل کا جزو ہے (جو دوزخ کو لے جاتا ہے۔ لہذا دوزخ سے بچنے کیلئے کینے کو چھوڑ دو) اور (علاوہ ازیں وہ) تمہارے دین کا دشمن (بھی) ہے (یہ امر بھی اس کو ترک کرنے کا متقاضی ہے) صائبؒ ؎

در حشر سر زخانہ زنبور برکند   ہر کس بخاک سینہ پُر کینہ مے برد

چُوں تو جزوِ دوزخی ہاں گوش دار   جزو سوے کُل خود گیرد قرار

ترجمہ۔ جب (ثابت ہوا کہ) تمہارا کینہ کل کینہ کا ایک جزو ہے اور کینہ دوزخ ہے۔ تو جزو کینہ کے ساتھ موصوف ہونے سے) تم (خود) جزوِ دوزخ ہو۔ پس خوب توجہ کے ساتھ سن رکھو۔ کہ جزو اپنے کل کی طرف (پہنچ کر ہی) قرار پاتا ہے۔

مطلب۔ دنیا میں بھی کینہ کی اذیت بمنزلہ عذاب دوزخ ہے۔ قبر میں بھی اس پر عذاب ہوگا۔ پھر آخرت میں تو اس کا انجام دوزخ ہی ہے۔ صائبؒ ؎

زندگانی با فشار قبر کردن مشکل ست   پاک کن از صفحہ خاطر غبار کینہ را

ور تو جزوِ جنّتی اے نامدار   عیش تو باشد چو جنّت پایدار

ترجمہ اور اے نامدار! اگر تم (دل میں کینہ نہیں رکھتے۔ تو تم جزوِ دوزخ نہیں۔ بلکہ) جزو جنت ہو۔ تو تمہاری زندگی جنت کی طرح پایدار (و خوشگوار) ہے۔ صائبؒ ؎

عالم تمام یک گلِ بے خار میشود   دل را اگر ز کینہ مصفا کند کسے

تلخ با تلخاں یقیں مُلحق شود   کے دمِ باطل قرینِ حق شود

ترجمہ تلخ چیز یقیناً تلخ اشیاء کے ساتھ شامل ہو جاتی ہے (اور کیوں نہ ہو) ایک باطل بات حق بات کے ساتھ کیونکر مل سکتی ہے؟

مطلب۔ اوپر بتایا تھا۔ کہ برے اعمال دوزخ کی طرف اور نیک اعمال جنت کی طرف لے جاتے ہیں۔ کیونکہ جیسے اعمال ہوں گے۔ ویسا ہی ان کا اثر مترتب ہوگا۔ یہاں اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں۔ کہ ہر چیز کو دوسری چیز سے خاص مناسبت ہوتی ہے۔ اعمال بد جو جہنمی صفات رکھتے ہیں۔ وہ جنت کے قرین کیونکر ہو سکتے ہیں۔ جو کہ اعمال نیک کا ثمرہ ہے۔ تمام امور میں مناسبت کو زیر نظر رکھنا لازم ہے۔ صائبؒ ؎

مشو چو بے خبراں از مناسبت غافل
مکن بخلوتیاں جمع اہلِ نوبت را

اے برادر! تو ہمیں اندیشۂ   مابقی تو استخوان و ریشۂ

لغات ۔ اندیشہ ۔ فکر و غور ۔ مابقی عربی کلمہ ہے ۔ ما موصولہ بقی بفتح یا رفعل ماضی یعنے آنچہ باقی ماند بضرورت یار کو ساکن پڑھا جاتا ہے ۔

ترجمہ ۔ اے بھائی! تم تو صرف (غور و) فکر ہی ہو ۔ باقی تم (میں ہے کیا؟) ہڈیاں اور رگیں (ہی) رکھتے ہو ۔

مطلب ۔ دوزخ سے بچنے اور جنت میں جانے کے لئے پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ کن کن اعمال کو دوزخ سے اور کن کو جنت سے مناسبت ہے ۔ تاکہ مقدم الذکر اعمال سے پرہیز اور مؤخر الذکر کو اختیار کیا جائے ۔ مگر یہ مناسبت غور و فکر ہی سے معلوم ہوسکتی ہے ۔ پھر غور و فکر انسان نہ کرے ۔ تو کون کرے گا ۔ یہی تو اس کا مایہ امتیاز ہے ۔ اس کے سوا اور اس میں خصوصیت ہی کیا ہے ۔ ورنہ گوشت پوست اور استخوان میں تو دیگر حیوانات بھی اس کے ساتھ شریک ہیں ۔ بلکہ ایک مردہ کے اندر بھی یہ چیزیں موجود ہیں ۔ حالانکہ اس کو انسان نہیں کہہ سکتے ۔ جامیؒ

نخست از کسب دانش بہرہ ور شو   زجہل آباد نادانی بدر شو
بود معلوم ہر آزاد و بندہ   کہ ناداں مردہ و داناست زندہ
کسے کو دعوی فرزانگی کرد   کجا با مردگاں ہم خانگی کرد

گر گل است اندیشۂ تو گلشنی   ور بود خارے تو ہیمہ گلخنی

لغات ۔ گلشنی اور گلخنی میں یائے خطاب ہے ۔ یعنے ہستی رابطہ جملہ ہیمہ ۔ ہیزم ۔ ایندھن

ترجمہ ۔ اگر تمہارا فکر (واندیشہ) پھول کی طرح (خوشبودار اور خوش رنگ ہے ۔ یعنے اعمال صالحہ کی طرف لے جانیوالا) ہے ۔ تو تم (بلحاظ نتائج و ثمرات کے) گلزار ہو ۔ اور اگر وہ (فکر و اندیشہ) خار (کی طرح کھٹکنے والا یعنے اعمال سیہ کی طرف لیجانیوالا) ہے ۔ تو تم دوزخ کے ایندھن ہو ۔ سعدیؒ

برفتند و ہر کس درود آنچہ کشت   نماند بجز نام نیکو و زشت

گر گلابی بر سر و جیبت زنند   ور تو چوں بولی برونت افگنند

ترجمہ ۔ اگر تم (بلحاظ اعمال صالحہ) گلاب کی طرح (طیب و پاکیزہ) ہو ۔ تو لوگ تم کو اپنے سر اور گریبان میں ملیں گے ۔ اور اگر (اعمال سیہ کے لحاظ سے) پیشاب کی طرح (ناپاک) ہو ۔ تو باہر پھینک دیں گے ۔

ابن یمینؒ   ہر کرا داد ست ایزد خوئے نیک   گرچہ او تنہاست با تن ہا بود
وانکہ خوئے بد قرین حال اوست   گرچہ با تن ہاست او تنہا بود

طبلہا در پیش عطاراں ببیں   جنس را با جنس خود کردہ قریں

ترجمہ ۔ عطاروں کے پاس (رکھے ہوئے) ڈبے تو دیکھو ۔ ہر جنس (کی دوا مناسب قرینے سے) اپنی ہمجنس (دواؤں) کے پاس دھری ہے ۔

مطلب۔ اوپر اشیاء کی باہم مناسبت کا ذکر تھا۔ جس سے اعمال نیک و بد کی بہشت و دوزخ کے ساتھ الگ الگ مناسبت کا ثبوت دینا اور بہشت کے مناسب اعمال کرنے اور دوزخ کے مناسب اعمال سے مجتنب رہنے کی تاکید مقصود تھی۔ اثنائے بیان میں اس مناسبت کو سمجھنے کے لئے فکر و غور کرنے پر توجہ دلائی تھی۔ اب پھر مناسبت کے ذکر کی طرف عود فرماتے ہیں۔

تو رہائی جوز ناجنساں بہ جِد — صُحبتِ ناجنس گور است و لحد

ترجمہ۔ تم (بھی مناسبت کا پورا لحاظ رکھو۔ اور) کوشش کے ساتھ ناجنس لوگوں سے علیحدگی ڈھونڈو۔ (کیونکہ) ناجنس کی صحبت (قلب کے لئے اپنی تنگی و ناگواری کے لحاظ سے گویا) قبر اور لحد ہے۔ سعدیؒ ؎

پارسا را بس ایں قدر زنداں — کہ بود ہم طویلہ رنداں

جِنسہا با جِنسہا آمیختہ — زیں تجانُس زینتے انگیختہ

ترجمہ۔ (اس عطار نے) ہر قسم کی اشیاء کو اسی کی قسم میں شامل کیا ہے۔ اور اس جنسی مناسبت سے (دوکان میں) ایک سجاوٹ پیدا کر رکھی ہے۔

گر درآمیزند عُود و شکّرش — برگزیند یک یک از ہمدیگرش

لغات۔ درآمیزند آمیختن سے مشتق ہے۔ جو ملنا اور ملانا کے معنے میں لازم و متعدی دونوں طرح آتا ہے۔ مگر یہاں بمعنے لازم ٹھیک ہے۔ اور اگر بدیں قاعدہ کہ فاعل ذوی العقول کے لئے جمع کا صیغہ متعارف نہیں۔ اس پر اعتراض کیا جائے۔ تو متعدی بھی کہہ سکتے ہیں۔ مگر اس صورت میں اس کا فاعل متعین و ملحوظ نہ ہوگا۔ بلکہ اس فعل معروف کو بمنزلہ مجہول قرار دیں گے۔ اور یہ فارسی کا محاورہ ہے۔ جیسے کہتے ہیں گویند اور اس کے معنے ہیں کہا جاتا ہے۔ گزیند چن لے۔

ترجمہ۔ اگر اس کی (دوائیں مثلاً) عود اور شکر گڈمڈ ہو جائیں۔ تو وہ ان کو چن چن کر ایک دوسری سے الگ کر لے گا۔

مطلب۔ اگر چند غیر متجانس اشخاص آپس میں مختلط ہو جائیں۔ تو قدرتی طور پر نتائج اعمال خود ان کو الگ الگ کر دیتے ہیں۔

طبلہا بشکست و جانہا ریختند — نیک و بد باہمدگر آمیختند

لغات ریختند۔ ریختن سے۔ جس کے معنے ہیں گرانا۔ ڈھالنا۔ بہانا۔ یہاں آخری معنے مراد ہیں۔ اور پہلے معنے کے لحاظ سے بشکست کے ساتھ ایہام تناسب ہے۔

ترجمہ۔ (اجسام کے) ڈبے تو (عالم ارواح میں تھے ہی نہیں۔ گویا) ٹوٹ پھوٹ (کر فنا ہو) چکے تھے۔ اور (مجرد) ارواح پیدا کی گئی تھیں (اس وقت) نیک اور بد آپس میں ملے جلے ہوئے تھے۔

حق فرستاد انبیا را بہر ایں — تا جدا گردد ازیشاں کفر و دیں

ترجمہ - (پھر جب یہ ارواح مقارن باجسام ہوکر دنیا میں آئیں۔ اور نیک و بد یہاں بھی مختلط تھے۔ تو) اللہ تعالیٰ نے انبیا علیہم السلام مبعوث کئے۔ تاکہ ان کا کفر و دین الگ الگ نظر آنے لگے۔

مطلب - اس بیت میں سورہ بقرہ کی اس آیت کے مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ شروع میں سب لوگ ایک ہی دین رکھتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیجے جو (ایمانداروں کو خوشنودی خدا کی) خوشخبری دیتے اور (کافروں کو عذاب الٰہی) سے ڈراتے اور ان کی معرفت سچی کتابیں بھیجیں۔ تاکہ جن باتوں میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں کتاب الٰہی ان میں ان کا فیصلہ کر دے (بقرہ ع ۲۶)

حق فرستاد انبیا را باورق — تا گزید ایں دانہا را بر طبق

لغات - ورق۔ کاغذ یہاں کتب سماوی مراد ہیں۔ طبق مطابقت و مجانست۔ صنائع۔ انبیا کو عطار کے ساتھ جو تشبیہ دی تھی۔ ورق کا لفظ اس میں تتمہ تشبیہ ہے۔ انبیاء اوراق کتاب اللہ کے ذریعہ امتیاز خیر و شر کرتے ہیں۔ تو عطار بھی الگ الگ اوراق پر دوائیں چنتے ہیں۔

ترجمہ - اللہ تعالیٰ نے انبیا کو کتب سماوی کے ساتھ بھیجا۔ حتٰے کہ ان دانوں (سے مشابہ اشخاص) کو ان کی اپنی اپنی قسم کے مطابق (الگ الگ) چن لیا۔

مطلب - جس طرح عطار کی پڑیوں کے کاغذ الگ الگ بتاتے ہیں۔ کہ یہ مرچ سیاہ ہے۔ اور یہ کبابہ ہے۔ اور یہ برنگ کابلی ہے۔ اس طرح انبیا کی آسمانی کتابیں وہ معیار پیش کرتی ہیں۔ جس سے سعید و شقی۔ مومن و کافر۔ ناجی و ناری الگ ہو جاتے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے۔ وکذٰلک اوحینا الیک قراٰنا عربیا لتنذر ام القریٰ ومن حولھا وتنذر یوم الجمع لاریب فیہ فریق فی الجنۃ وفریق فی السعیر۔ یعنے اور (اے پیغمبر!) ہم نے اس طرح تم پر عربی زبان کا قرآن بھیجا۔ اس لئے کہ تم مکہ والوں کو اور جو ان کے گرد رہتے ہیں۔ ڈراؤ اور اس دن کی خبر سناؤ جس دن لوگ اکٹھے ہوں گے۔ جس میں کوئی شک نہیں۔ ایک گروہ بہشت میں ہوگا اور ایک گروہ دوزخ میں۔ (سورہ شوریٰ ع ۱)

مومن و کافر مسلمان و جہود — پیش ازیشاں جملہ یکساں مینمود

ترجمہ - ان (انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت) سے پہلے مومن و کافر اور مسلمان و یہودی سب یکساں نظر آتے تھے۔

پیش ازیشاں ما ہمہ یکساں بدیم — کس ندانستے کہ ما نیک و بدیم

ترجمہ - ان (انبیاء ع م) سے پہلے ہم سب یکساں تھے کسی کو معلوم نہ تھا کہ ہم (میں سے فلاں فلاں) نیک اور (فلاں) بد ہیں۔

بُود نقد و قلب در عالم رواں   چُوں جہاں شب بُود و ما چُوں شبرواں

لغات ۔ نقد ۔ کھرا سکہ ۔ قلب کھوٹا سکہ ۔ رواں رائج ۔ شب رواں رات کو سفر کرنے والے ۔

ترجمہ ۔ جہاں میں کھرا کھوٹا سکہ ایک ہی نرخ سے رائج تھا ۔ (بُرے بھلے کی تمیز نہ تھی) جبکہ جہان میں رات کا سا عالم تھا (اور نور ہدایت کے نہ ہونے سے ایک ظلمت طاری تھی) اور ہماری وہ حالت تھی ۔ جیسے رات کے سفر کرنے والے (کہ جس کا جدھر منہ ہوگیا ادھر ہی کو چل پڑا معلوم نہیں کون ٹھیک راستے پر ہے کون نہیں)

تا بر آمد آفتاب انبیا   گفت اے غش دُور شو صافی بیا

لغات ۔ غش ۔ کھوٹ ۔ کدورت ۔ ملاوٹ ۔ صافی صاف ۔ خالص ۔ کھرا ۔

ترجمہ یہاں تک کہ انبیاء (کی بعثت) کا آفتاب طلوع ہوا ۔ اس نے (بھلے برے میں فرق اس طرح نمایاں کر دیا جیسے منہ سے) کہدیا (ہو) کہ اے کھوٹ تو دُور ہو جا اور اے کھرے تو (ادھر) آجا ۔

مطلب ۔ جس طرح آفتاب کے طلوع سے سیاہ و سفید مفید و مضر اور نیک و بد میں فرق نظر آنے لگتا ہے اسی طرح انبیا رکی بعثت سے ہدایت پانے والے اور گمراہ ہونے والے الگ نمایاں ہو جاتے ہیں ۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ اور ہم نے جب کوئی پیغمبر بھیجا تو اس کی قوم کی بولی والا تاکہ ان کو سمجھا سکے ۔ پھر اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے ۔ اور وہ زبردست ہے حکمت والا (سورہ ابراہیم ع ۱)

چشم داند فرق کردن رنگ را   چشم داند لعل را و سنگ را

ترجمہ (انبیا کی ذات ستودہ صفات کی بدولت مومن و کافر میں فرق کیوں نہ ہوتا جبکہ وہ جسم انسانیت کے لئے گویا آنکھ (ہیں) ۔ جوہر بھلے بُرے) رنگ میں تمیز کرلیتی ہے ۔ آنکھ لعل اور پتھر کو پہچانتی ہے

چشم داند گوہر و خاشاک را   چشم را زاں مے خلد خاشاک ہا

ترجمہ ۔ آنکھ موتی اور تنکے کو (الگ الگ) جانتی ہے ۔ آنکھ میں اسی لئے تو تنکا کھٹکتا ہے ۔

مطلب ۔ انبیاء و مرسلین ع جب خدا کا پیغام لے کر آتے ہیں ۔ تو جن لوگوں کی طبائع شیطانی رنگ میں رنگی ہوئی ہیں ۔ وہ اس پیغام سے اذیت محسوس کر کے اس کی مخالفت پر آمادہ ہو جاتے ہیں ۔ اور اسی سے اچھے اور برے لوگوں میں امتیاز ہو جاتا ہے ۔ جس طرح کحل الجواہر (موتیوں کا سرمہ) آنکھ میں پڑتا ہے ۔ تو آنکھ کو راحت پہنچتی ہے ۔ اور خس و خاشاک پڑ جاتا ہے ۔ تو آنکھ کو الم محسوس ہوتا ہے ۔ اور اس سے معلوم ہو جاتا ہے ۔ کہ کونسی چیز اچھی ہے کونسی بری ۔ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ○ اور ہم پیغمبروں کو اس لئے بھیجتے ہیں کہ مومنوں کو نجات کی خوشخبری دیں ۔ اور کافروں کو عذاب سے ڈرائیں ۔ اور کافر لوگ جھوٹی باتیں بنا کر

سچ کو پیٹ دینے کے لئے جھگڑا کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں نے ہماری آیات اور ہمارے ڈرانے کو ہنسی کھیل بنالیا ہے (سورہ کہف ع ۸)

دشمنِ روزانداِیں قلّابگاں   عاشقِ روزانداِیں زرہائے کاں

لغات۔ قلّاب۔ قلب ساز۔ کھوٹے سکے بنانے والا۔ جعل ساز۔ دغاباز۔ زرہائے کاں کان سے نکلے ہوئے سونے چاندی۔ یعنے خالص۔ بے آمیزش۔ کھرے۔

ترجمہ۔ یہ (کافر) لوگ جو (اعمال کے) کھوٹے سکے رائج کر رہے تھے (بعثت انبیا کا) دن چڑھنے کے دشمن ہیں (کیونکہ اس میں ان کا کھوٹا سکہ نہیں چلتا۔ اور) یہ (مومن ومخلص لوگ جو صحیح استعداد وفطرت ہے) کان کے سونے چاندی (کی طرح بے غل وغش ہیں۔ وہ) دن کے عاشق ہیں (کیونکہ اس میں ان کی چمک دمک نمایاں ہوتی ہے)

مطلب۔ مذکورہ قلب سازوں کے دشمن روز ہونے کی ایک مثال رأس المنافقین عبداللہ ابن ابی ابن سلول ہے۔ یہ شخص مدینہ کا ایک سرآوردہ وبااثر شخص تھا۔ اور اس کو اپنے عام رسوخ کی بدولت امید تھی۔ کہ اہل مدینہ اس کو بالاتفاق اپنا سردار بنالیں گے۔ اتنے میں جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں ہجرت فرمائی۔ تو تمام اہل شہر آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے۔ اور اس آفتاب رسالت کے طلوع سے عبداللہ ابن ابی کو اپنی مزعومہ ریاست وسرداری کا سکہ چلنے کی امید نہ رہی۔ اس لئے وہ منافقانہ لباس میں آپ کو ایذا پہنچانے کی کوشش کرتا رہا۔ زرہائے کان کے عاشق روز ہونے کی مثال حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ جن کے حق میں حدیث میں آیا ہے اَلنَّاسُ مَعَادِنُ کَمَعَادِنِ الذَّھَبِ خِیَارُھُمْ فِی الْجَاھِلِیَّةِ خِیَارُھُمْ فِی الْاِسْلَامِ۔ یعنے لوگوں کی مثال سونے کی کان کی سی ہے۔ جو لوگ جاہلیت میں سب سے زیادہ شریفانہ طبیعت رکھتے ہیں۔ وہ اسلام میں بھی سب سے زیادہ شریف اور نیک ہوتے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ اسلام سے پہلے بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی طرح مخلص دوست اور جان نثار تھے۔ جس طرح اسلام میں رہے۔ اور جاہلیت کے ایام میں آپ نے شراب نوشی وغیرہ کوئی ایسا کام نہیں کیا۔ جو اسلام میں آئندہ سخت جرم قرار پانے والا تھا۔ کما قیل ؎

ابوبکر نشد سرخوش جام صدق   شراب وفا یافت در کام صدق
ہمیں شاہد مجلس احمدی   زدل سرخوش ساغر سرمدی
تہی از غبار ریا سینہ اش   بہار صفا فرش آئینہ اش

زانکہ روزست آئینہ تعریفِ او   تا ببیند اشرفی تشریفِ او

لغات۔ تعریف شناخت۔ اشرفی بیائے معروف سونے کے ایک سکے کا نام ہے۔ جو ماشہ وزن کا ہوتا تھا۔ یا اگر بیائے مجہول ہو۔ اس کے معنے ایک بزرگ وشریف آدمی کے ہوں گے۔ تشریف۔ علو شان۔ علی منزلت آئینہ تعریف میں فک اضافت ہے

ترجمہ۔ زر کان اس لئے (خوش ہوتا ہے) کہ دن اس کی شناخت کا آئینہ ہے تاکہ اشرفی (کا کھرا سکہ) اپنی اعلیٰ قیمت کو دیکھ لے (یا ایک سب سے زیادہ شریف آدمی اپنی بزرگی کو محسوس کرے)

رأس المنافقین عبداللہ ابن ابی ابن سلول

نوٹ ۔ یہ ترجمہ اس اعتبار سے ہے۔ کہ تشریف اویں ضمیر اشرفی کی طرف راجع ہو۔ اور اگر اس کا مرجع زمان ہو۔ تو ترجمہ یوں ہوگا۔ تاکہ ایک شریف آدمی اس زرکان کی قدر و منزلت کو دیکھ لے۔

حق قیامت را لقب زاں روز کرد — روز بنماید جمالِ سُرخ و زرد

ترکیب۔ لقب کرد کا فاعل حق ہے۔ قیامت مفعول بہ اول روز مفعول بہ ثانی۔ زاں کا مشار الیہ سبب مقدر ہے۔
ترجمہ۔ حق تعالیٰ نے (بھی) قیامت کا نام اسی لئے دن (یعنے یوم القیمہ۔ یوم الحساب۔ یوم الساعۃ وغیرہ) رکھا ہے (کہ جس طرح) دن (ہر چیز کا) سرخ و زرد جمال نمایاں کر دیتا ہے (اسی طرح قیامت کے دن میں بھی جنتیان سرخرو اور دوزخیان زرد رُو الگ الگ نظر آئیں گے)
مطلب۔ جیسے قرآن مجید میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کو فرمائے گا۔ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ اور اے گنہگا رو تم (اہل جنت سے) الگ ہو جاؤ (سورہ یٰسین ع ۴)

پس حقیقت روز سِرّ اولیاست — روز پیش ماہ شاں چوں سایہاست

لغات۔ اولیاء بمعنے اعم مراد ہیں۔ یعنے خاصان حق جن میں مرسلین و انبیاء بھی داخل ہیں۔ ترکیب حقیقت روز مرکب اضافی ہے۔ بفک اضافت۔
ترجمہ۔ پس اس روز (قیامت) کی حقیقت خاصان حق (یعنے انبیاء و اولیاء) کا باطن ہے (جن کا آفتاب تو آفتاب رہا) اُن کے چاند (میں بھی وہ نورانیت ہے۔ کہ اس) کے آگے (یہ ظاہری) دن سایوں کی طرح (بے نور) ہے۔
مطلب۔ اوپر کسی جگہ بیان ہو چکا ہے کہ اصطلاحات صوفیہ میں ظاہر کو حقیقت اور مظاہر کو صورت کہتے ہیں۔ اور یہ مسئلہ تصوفیہ تیسری جلد میں قول سنائی "آسمانہاست در ولایت جان" کی تفسیر کے ذیل میں حوالہ قلم ہو چکا ہے۔ کہ تمام کونیات جداگانہ اسمائے باری تعالیٰ کے مظاہر ہیں۔ اور وہ اسماء ان کی حقیقت یا ظاہر ہیں۔ اور ان سب کونیات میں جامع بلکہ اجمع انسان ہے۔ کیونکہ اس میں اکثر اسماء کا ظہور ہوتا ہے۔ پھر ان میں سے جو حضرات مقبول اور مقرب الی اللہ ہیں۔ وہ بدرجہ اتم و اکمل جامع ہیں۔ یہ بھی عام طور پر معلوم ہے۔ کہ انسان جو اشرف المخلوقات ہے اس کی آفرنیش مقصود بالذات ہے۔ باقی کائنات اس کے لئے پیدا ہوئی ہے۔ پھر انسان میں سے بھی حضرت سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی خلقت مقصود اعظم ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ کہ وہ دن جو نیک و بد کو الگ کر دکھائے گا اس کی حقیقت ان خاصان حق کا باطن ہے۔ کیونکہ ان کے باطن حق تعالیٰ کے اسم مقسط کا مظہر ہیں۔ جو خیر و شر کا ممیز اور حق و باطل کا فارق ہے۔ اور اس اسم الٰہی کی تجلی اور ظہور کی بدولت ان حضرات کے قلوب اس درجہ کو پہنچے ہوئے ہیں۔ کہ وہ بھی خیر و شر اور حق و باطل میں ممیز ہیں۔ یہ ظاہری دن بھی سیاہ و سفید میں ممیز ہے۔ اور جید و زیف کا فرق ظاہر کرتا ہے۔ مگر اس کی تجلی ان کے بواطن کی تجلی کے سامنے بمنزلہ سایہ ہے۔ یعنے کم رتبہ۔ حافظ رح ؎

گرچہ خورشید فلک چشم و چراغ عالم ست — روشنائی بخش چشم اوست خاک پائے تو

عکس رازِ مردِ حق دانید روز — عکس ستاریش شامِ چشم دوز

لغات۔ رازِ باطن۔ مردِ حق مقبولِ خدا۔ نبی و ولی۔ ستاری اسم ستار کی مظہریت۔ چشم دوز۔ آنکھ کو بند کر دینے والی۔ خواب آور۔

ترجمہ۔ مردِ حق کے باطن (کی تجلی) کے عکس کو دن سمجھو (اور) اس کی ستاری (و پوشیدگی) کا عکس شب خواب آور (ہے)

مطلب۔ بعض اسمارِ الٰہیہ اولیاء اللہ کے قلوب میں متجلی ہو کر بسط کی حالت پیدا کر دیتے ہیں۔ ان کے قلوب کی اس حالت کا عکس دن ہے۔ اور بعض اسمار سے ان کے قلوب پر قبض کی حالت طاری ہو جاتی ہے ایسی حالت کا عکس رات ہے۔ چونکہ انسان تمام کونیات سے افضل ہے۔ اور اس کی آفرینش مقصود بالذات ہے۔ بلکہ باقی تمام کونیات اس کے تابع ہیں۔ لہٰذا اس میں ان اسمار کی تجلی بدرجہ کمال ہو کر اپنے عکس سے نہار ولیل پیدا کر دیتی ہے۔ پھر تمام طبقہ انسان میں بھی سب سے اکمل و اجمع تجلی جناب سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلب انور کی ہے۔ لہٰذا فرماتے ہیں۔

زاں سبب فرمود یزداں والضحیٰ　　　والضحیٰ نورِ ضمیرِ مصطفےٰ

لغات۔ ضحےٰ چاشت کا وقت جو زوال آفتاب سے پہلے ہوتا ہے۔ مراد مطلق دن۔ ضمیر دل۔

ترجمہ۔ اسی لئے (تو) خداوند تعالیٰ نے فرمایا۔ وَالضُّحٰی (یعنے قسم ہے دن کی) اور (یہ) ضحےٰ جناب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پاک کا نور ہے (اسی کی خدا تعالیٰ نے قسم کھائی ہے)

قولِ دیگر کایں ضحیٰ را خواست دوست　　　از برائے آنکہ ایں ہم عکس اوست

ترجمہ (اگر) دوسرا قول (جو عام مفسرین کا ہے تسلیم کر لیا جائے) کہ (ذاتِ حقیقی) دوست (تعالیٰ شانہٗ) کی مراد (یہی ظاہری) دن ہے (تو بھی کوئی مضائقہ نہیں) اس لئے کہ یہ (دن) بھی اسی (قلب پرنور) کا عکس ہے۔

مطلب۔ جمہور مفسرین نے یہی لکھا ہے۔ کہ یہاں ضحےٰ سے مراد روز روشن ہے۔ جس کی حق تعالیٰ نے قسم کھائی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ کہ اگر تم ضحےٰ سے قلب آنحضرتؐ مراد نہیں مانتے۔ اور مفسرین کے قول کو ہی صحیح تسلیم کرتے ہو۔ تو چلو یہ بھی منظور۔ مگر یہ واضح رہے کہ حق تعالیٰ نے دن کی قسم اس لئے کھائی ہے۔ کہ اس کی روشنی حضورؐ کے قلب کا پرتو ہے۔ یا اس لئے کہ اس سورۃ میں جس کے آغاز میں یہ قسم درج ہے۔ حضور کا حال بیان فرمایا ہے پس اس ذاتِ پرانوار کا ذکر ایک نورانی چیز سے شروع کرنا زیادہ موزوں تھا۔ اسی نسبت نے دن کو خداوندی قسم کی عزت دلائی۔

ورنہ بر فانی قسم خوردن خطاست　　　خود فنا چہ لائقِ گفتِ خداست

ترجمہ۔ ورنہ (والضحےٰ کے کلمے سے حق تعالےٰ کا) ایک فانی چیز کی قسم کھانا۔ مان لینا (ایسا ماننے والوں کی صریحاً) غلطی ہے۔ (کیونکہ) فانی چیز (کی قسم تو رہی درکنار۔ وہ) حق تعالےٰ کے کلام کے لائق بھی کہاں ہے؟

مطلب۔ یعنے اگر والضحیٰ کے ہمارے پیش کردہ معنے تسلیم نہیں کئے جاتے۔ اور قائلین کا وہ قول مان لیا جاتا ہے۔ جس سے خداوند تعالیٰ کا ایک فانی چیز کی قسم کھانا لازم آتا ہے۔ تو ہم صاف کہے دیتے ہیں۔ کہ یہ قول بالکل غلط ہے۔ جس کی دلیل دوسرے مصرعہ میں دی ہے۔

انتباہ۔ ایک شارح صاحب نے پہلے مصرعہ کا ترجمہ یوں کیا ہے "فانی کی قسم کھانا خلاف اولیٰ ہے" کیونکہ انہوں نے لفظ خطا کی نسبت صاحب قسم (حق تعالیٰ) کی طرف سمجھی ہے۔ اور اسی لئے بخیال ادب اس کا ترجمہ خلاف اولیٰ کیا ہے۔ حالانکہ اس مقام عالی میں یہ لفظ بھی سوء ادب سے خالی نہیں۔ اور حقیقت یہ ہے۔ کہ اس کلمہ کا تعلق قول دیگر کے قائلین کے ساتھ ہے۔ جو بیت سابق میں درج ہے۔ یعنے تقدیر کلام یوں ہے "ورنہ قول قائلین کہ مستلزم تسلیم قسم خوردن بر فانی ست خطا رست" اب نہ سوء ادب کا ارتکاب لازم آتا ہے۔ نہ مولانا کے کلام پر اعتراض وارد ہوتا ہے۔ اور یہ تقدیر کلام بالکل واضح اور لازمی ہے۔ وھذا لا یخفی علی من لہ ذوق سلیم فی کلام العجم۔

از خلیلے لا اُحِبُّ الآفِلِین — پس فنا چوں خواست ربّ العالمین

ترجمہ۔ خلیل اللہ سے تو یہ قول مروی ہے کہ میں (فانی اور) ناپائدار اشیاء کو پسند نہیں کرتا۔ پھر اللہ نے فنا ہونے والی چیز کی قسم کو کیوں پسند کیا۔

مطلب۔ پہلے مصرعہ میں حضرت ابراہیم کے اس مشہور واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ کہ انہوں نے ستارہ۔ چاند اور سورج کو دیکھ کر ہر مرتبہ ھذا ربی کہا۔ پھر وہ باری باری چھپ گئے۔ تو ان سے روگردانی اختیار کی۔ اس کا ذکر پہلے بھی کئی مرتبہ آ چکا ہے۔

لا اُحِبُّ الآفِلِین گفت آں خلیل — کے فنا خواہد ازیں ربّ جلیل

ترجمہ۔ حضرت خلیل نے تو (فنا ہونے اور چھپ جانے والی چیزوں کو صاف (لا احب الآفلین) کہدیا پھر ربّ جلیل (پروردگار بزرگ) کب فنا (ہونے والی چیز کی قسم کھانے) کو پسند کرتا۔

یا زِ وَاللَّیْل ست ستاریِ او — وِیں تنِ خاکیِ زنگاریِ او

لغات۔ "یا" حرف عاطف مفید معنے تردید ہے۔ اس کا صحیح مقام مصرعہ ثانیہ کے شروع میں ہے۔ اور واؤ عاطفہ کی جگہ مصرعہ اولیٰ میں ہے۔ کیونکہ یہاں واللیل کا والضحیٰ پر عطف اور ستاری و تن زنگاری میں تردید مقصود ہے یہ تقدیم و تاخیر بضرورت شعری ہوئی ہے۔

ترجمہ۔ اور واللیل سے (مراد) آنحضرت کی (شان) ستاری (ہے) یا یہ آپ کا تن خاکی زنگاری (مراد ہوگا)

مطلب۔ کلمات قرآنی یہ ہیں۔ وَالضُّحٰى وَاللَّيْلِ اِذَا سَجٰى قسم ہے دن کی اور قسم ہے رات کی۔ جب ڈھانک لے (سورہ ضحیٰ) ضحیٰ سے آپ کا قلب انور یا ظاہری دن اس حیثیت سے کہ وہ آپ کے قلب انور کا عکس ہے مراد ہونا اوپر مذکور ہو چکا۔ اب ضحیٰ کے بعد حق تعالیٰ نے اس کے مقابلے کی چیز یعنے لیل کی قسم

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شان ستاری

کھائی ہے۔ تو اس سے یا تو آپ کی شان ستاری مُراد ہے۔ یعنے جس طرح رات تمام اشیاء کو ڈھک لیتی ہے۔ آپ کی ستاری بھی ازراہ چشم پوشی وحشی۔ ہندہ۔ عکرمہ۔ ہبار ابن اسود جیسے شدید مجرمین کے جرائم پر پردہ عفو ڈال دیتی ہے۔ حتیٰ کہ آپ مطعومات و مشروبات تک میں سے غیر مرغوب اشیاء کی کبھی تحقیر نہ فرماتے۔ اور ان کا عیب فاش نہ کرتے۔ یا اس سے مراد آپ کا جسم اطہر ہے جس نے قلب انور کو ڈھک رکھا ہے۔ جس طرح زنگار روشن آئینے کو ڈھک لیتا ہے۔ پس جس طرح قلب انور کے عکس سے یہ ظاہری دن پیدا ہوا اسی طرح جسد اطہر کے عکس سے اس ظاہری رات کا ظہور ہوا۔ زنگاری کے لفظ میں جو آنحضر کے جسم پاک کو زنگار کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ تو اس سے شبہ ہوتا ہے۔ کہ شاید حضور کا جسم اقدس منور نہیں ہے۔ آگے اس شبہ کا جواب بطور دفع دخل مقدر دیتے ہیں۔ جس کا حاصل یہ۔ کہ حضور کا جسم اقدس بھی محجوب و مظلم نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اس قلب اطہر کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ جو مطلع الانوار ہے۔

آفتابش چوں برآمد زاں فلک　　　با شب تن گفت ہیں ماودّعک

لغات۔ آفتاب سے حق تعالےٰ کی صفت ربوبیت مراد ہے۔ فلک سے مرتبہ الوہیت مقصود ہے۔ مَاوَدَّعَكَ اس میں سورہ والضحیٰ کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ مَاوَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی۔ یعنے اے پیغمبر تم کو تمہارے پروردگار نے چھوڑا نہیں اور نہ وہ ناراض ہوا ہے۔ اس آیت کے شان نزول میں مفسرین نے لکھا ہے۔ کہ ایک مرتبہ یہود نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے روح کی حقیقت کے متعلق سوال کیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کل جواب دوں گا۔ گر سہواً آپ نے اس کے ساتھ انشاء اللہ نہ کہا۔ اس غلطی کی وجہ سے کئی روز تک وحی منقطع رہی۔ یہود اور دیگر کفار بطور مضحکہ کہتے تھے۔ کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے رب نے اس کو چھوڑ دیا ہے۔ اور اس سے ناراض ہو گیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ترجمہ۔ جب اس (ضمیر) کے آفتاب (ربوبیت) نے (جو اس ضمیر کی تربیت اسی طرح کرتا ہے جس طرح ظاہری آفتاب نباتات کی پرورش کرتا ہے) اس (الوہیت کے) فلک سے طلوع کیا (جو جامع جمیع صفات ہے)۔ تو (اس وقت آپ کے) جسم کو جو (خاک مظلم سے پیدا ہونے کے اعتبار سے) گویا شب ہے فرمایا۔ مَاوَدَّعَكَ (یعنے تجھ کو چھوڑا نہیں)

مطلب۔ پروردگار عالم نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک کو اس نور سے محجوب نہیں رہنے دیا۔ جس سے آپ کا قلب انور روشن ہے۔ بلکہ قلب کی طرح جسم مبارک کو بھی نورٌ علیٰ نور بنا دیا ہے۔

وصل پیدا گشت از عینِ بلا　　　زاں حلاوت شد عبارت ماقلیٰ

ترجمہ (تاخیر وحی کے) عین ابتلا سے وصل پیدا ہو گیا۔ (اور) اس (لطف و) شیرینی کو (جو اس وصل سے حاصل ہوئی) آیہ ماقلیٰ ظاہر کر رہی ہے۔

مطلب۔ یہود کے جواب میں جو آپ انشاء اللہ کہنا بھول گئے تھے۔ اور اس پر بہت دنوں تک وحی منقطع رہی۔ تو یہ ایک ابتلا تھا۔ مگر اس ابتلا کا نتیجہ بھی کیا خوشگوار نکلا۔ کہ حق تعالےٰ نے آپ کو مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی کے پیارے اور پیار کے مظہر کلمات سے خطاب فرمایا۔ اگر آپ سے وہ سہو نہ ہوتا

تو مخالفین کو مضحکہ اُڑانے کا موقع نہ ملتا - مخالفین مضحکہ نہ اُڑاتے - تو جناب باری کی طرف سے یہ محبت آمیز خطاب کیونکر ہوتا - لہذا وہ سہو و ذہول بھی اپنے نتیجہ کے لحاظ سے پُرلطف تھا - بقول کسے ؎

خدا شرّے برانگیزد کہ خیرے ما دراں باشد

ہر عبارت خود نشانِ حالتے ست   حال چوں دست و عبارت آلتے ست

لغات - عبارت بالکسر یعنے وہ قول یا تحریر یا اشارہ جس سے کسی خاص مطلب کا اظہار مقصود ہو - یا خود بخود اس سے کوئی مطلب نکلتا ہو - آلت آلہ - اوزار

ترجمہ - ہر عبارت کسی (خاص) حالت کی نشانی (ہوتی) ہے - (وہ) حالت گویا ہاتھ ہے اور عبارت آلہ ہے

مطلب - اس بیت اور آیندہ ابیات کے ربط کی دو صورتیں ہیں - یا تو اس سے "زاں عبارت شد ما قلی" کی تائید مقصود ہے - یعنے مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى کی آیت وصل اور اس کی حلاوت پر دلالت کیوں نہ کرے - جبکہ ہر عبارت کا اپنے مدلول پر اور کسی نہ کسی خاص حالت پر دلالت کرنا لازمی ہے - اور آیندہ ابیات میں اسی کے نظائر بیان کئے ہیں - یا اس کو ماقبل سے تعلق نہیں ہے - بلکہ یہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے قصہ احیاء عظام کی طرف رجوع ہے - جس کا مطلب یہ ہوگا - کہ قال حال کی تاثیر اور قوت کو ظاہر کرتا ہے - اس لئے قال کی مثال ایک آلہ کی سی ہے - اور حال بمنزلہ دست ہے پس جس طرح آلہ ہاتھ کے بغیر بیکار ہے - اس طرح قال حال کے بغیر غیر مفید ہے - نیز جس طرح آلہ کی تاثیر کے لئے ہر کس و ناکس کا ہاتھ کارگر نہیں ہو سکتا - بلکہ کسی ماہر ہاتھ کی ضرورت ہے - جس کو اس آلہ کے ساتھ مناسبت ہو - اسی طرح قال کے لئے بھی مطلق حال کافی نہیں - بلکہ مناسب حال ضروری ہے - جس کی مثالیں ذیل میں دی ہیں - اسی لئے حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے اپنے اس جاہل رفیق کو اسم اعظم نہیں سکھایا - کیونکہ اس میں مناسب حال نہ تھا -

آلتِ زرگر بدستِ کفش گر   ہمچو دانہ کشت کردہ ریگ در

لغات - زرگر - سنار کفش گر - موچی - ریگ در - در ریگ مراد ہے - حرف جار اپنے مجرور سے مؤخر آیا ہے -

ترجمہ - سنار کے اوزار موچی کے ہاتھ میں (ہوں تو ان سے کچھ فائدہ نہیں) جیسے بونے کا دانہ ریت میں دبا دیا جائے (تو بالکل نہیں جمتا) -

والتِ اِشکاف پیشِ بزرگر   پیشِ سگ کہ، استخواں در پیشِ خر

لغات - اِشکاف موچی - بزرگر کاشتکار کسان - کہ - مخفف کاہ گھاس - چارہ -

ترجمہ - اور (اسی طرح) موچی کے اوزار کاشتکار کے آگے (گویا) کتے کے سامنے گھاس (یا) گدھے کے آگے ہڈی (رکھ دینا ہے - کہ اسے نہ اس کے ساتھ کوئی مناسبت ہے نہ رغبت ہوگی)

بود اَنَا الحقّ در لبِ منصور نور   بود اَنَا اللہ در لبِ فرعون زور

ترجمہ - منصور کے لب پر انا الحق کا کلمہ بمنزلہ نور تھا - بخلاف اس کے انا اللہ کا حکم جو اسی

کا ہم معنے ہے۔ فرعون کے لب پر دروغ تھا۔

مطلب۔ حضرت منصور حلّاج رحمۃ اللہ علیہ میں یہ حالت پیدا ہوگئی تھی۔ کہ ان کی نظر میں ماسوی اللہ حتّٰی کہ خود اپنی ذات بھی فنا ہو چکی تھی۔ اس لئے ان کو صرف خدا ہی خدا نظر آتا تھا۔ پس ان کا انا الحق کہنا کمال توحید تھا۔ جو مقبول ہو گی بخلاف اس کے فرعون نے خدا کو چھوڑا۔ خود اپنے لئے خدائی درجہ ٹھہرانا چاہا۔ جو ایک بدترین شرک تھا۔ اور وہ اس کے مردود ہونے کا باعث ہوا۔ خلاصہ یہ کہ انا الحق یا انا اللہ کا سا پُرخطر کلمہ کہنا منصور کو ہی زیب دیتا تھا۔ فرعون کا ایسا کہنا بے محل۔ خلاف واقع اور دروغ تھا۔ ہر بات اُس شخص کو زیب دیتی ہے۔ جس میں اس کی صلاحیت و قابلیت ہو۔ نظامی رح ؎

ہر نظرے را کہ برافروختند ۔۔۔ جامہ باندازۂ تن دوختند
رخت مسیحا نکشد ہر خرے ۔۔۔ محرم دولت نبود ہر سرے

شُد عصا اندر کفِ مُوسےٰ گوا ۔۔۔ شُد عصا اندر کفِ ساحر ہَبا

لغات۔ گوا۔ گواہ۔ شاہد رسالت۔ مراد معجزہ۔ ہبا ذرہ جو ہوا میں اڑتا ہے۔ مراد بے حقیقت و ناچیز۔

ترجمہ۔ (ایک) عصا (جو) حضرت موسےٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں (تھا۔ ان کی رسالت پر) گواہ بن گیا (دوسرا) عصا (جو) ساحر کے ہاتھ میں (تھا) بیکار (و بے حقیقت) رہا۔

مطلب۔ اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قصے کی طرف اشارہ ہے۔ کہ جب فرعون نے حضرت کے مقابلے کے لئے سرزمین مصر کے چیدہ چیدہ جادوگر جمع کئے۔ اور انہوں نے بزور سحر بہت سی رسّیوں اور لکڑیوں کے سانپ بنا دکھائے۔ تو موسےٰ علیہ السلام نے اپنے ہاتھ کا عصا زمین پر ڈال دیا۔ جو آن کی آن میں ایک اژدہا کی صورت اختیار کر کے ان تمام سانپوں کو کھا گیا۔ گویا جادوگروں کے بنائے ہوئے سانپ سب کے سب ہباءً منثوراً ثابت ہوئے۔ حافظ رح ؎

اے مگس عرصۂ سیمرغ نہ جولانگہ تست ۔۔۔ عرضِ خود میبری و زحمتِ ما میداری

زیں سبب عیسےٰ بداں ہمراہِ خود ۔۔۔ در نیاموزید آں اِسمِ صَمَد

ترجمہ۔ اسی لئے تو حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے اپنے اس ہمراہ کو (جو ہڈیوں کو زندہ کرنے کا خواہاں تھا) اس (خداوند) بے نیاز کا اسم (اعظم) نہ سکھایا (کہ وہ اس کا اہل نہ تھا)

کو نداند نقص بر آلت نہد ۔۔۔ سنگ برگِل زن تو آتش کے جہد؟

ترجمہ۔ کیونکہ (جب اس کا کوئی اچھا اثر مترتب نہ ہوگا تو) وہ (خود اپنا) نقص نہیں سمجھے گا (بلکہ آلہ (یعنے اسم اعظم) پر نقص رکھے گا (کہ یہ اسی کی خرابی سے ہے) (اگر چقماق کے) پتھر کو (لوہے کی بجائے) مٹی پر مارو (تو اس سے) آگ کب نکلتی ہے؟

مطلب۔ ہر چیز اپنے مناسب محل پر ہی اپنا اثر دکھاتی ہے۔ چقماق لوہے کے ساتھ ٹکرا کر ہی آگ دیتا ہے مٹی کے ساتھ ٹکرانے سے نہیں دیتا۔ اسی طرح اسم اعظم کے اچھے اثر کے لئے کوئی عیسیٰ زبان ہی چاہیئے۔

عامی کا یہ کام نہیں۔ جامیؒ ؎

گلے کہ بہر کلیم از درخت طور شگفت	نو تنع از خس و خاشاک سیکنی ماشاک

دست و آلت ہمچو سنگ و آہن ست	جُفت باید جُفت شرط زادن ست

ترجمہ۔ ہاتھ اور آلہ کی مثال ایسی ہے۔ جیسے سنگ (چقماق) اور لوہا (کہ ایک چیز کے بغیر دوسری چیز بیکار ہے۔ غرض ہر چیز سے اس کا اثر مترتب ہونے کے لئے اس کا) جوڑا چاہیئے۔ جوڑا ہی بچہ کے پیدا ہونے کے لئے شرط ہے۔

مطلب۔ مولانا ایک اور جگہ فرماتے ہیں ؎

از قرانِ مرد و زن زاید بشر	از قران سنگ و آہن شد شرر
وز قرانِ خاک با باراں نہا	میوہا و سبزہ و ریحانہا

آنکہ بے جُفت ست و بے آلت یکیست	در عدد شک ست و آں یک بے شکیست

ترجمہ۔ وہ ذات پاک جو جوڑے کی ضرورت اور آلہ کی احتیاج سے منزہ ہے ایک ہے۔ اس کے تعدد میں تو شک ہے اور اس کا ایک ہونا غیر مشکوک ہے۔

مطلب۔ اوپر کے شعر میں جفت کا لفظ آگیا تھا۔ اس سے اب مولانا توحید کے بیان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ دوسرے مصرعہ کی تفسیر اگلے شعر میں آتی ہے جس کی ایک شق یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس کو متعدد مانا ہے۔ مثلاً عیسائی لوگ اس کو ثالث ثلاثہ یعنی باپ بیٹا اور روح القدس میں سے ایک سمجھتے ہیں۔ تو ان کا یہ عقیدہ مشکوک ہے خداوند عالم کو باپ یا بیٹا بننے کی کیا ضرورت ہے۔ تین کے ضمن میں جو ایک ہے وہی صحیح ہے۔

نکتہ عجیبہ۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعر میں توحید کی طرف توجہ فرمائی ہے۔ تو اس میں قرآن مجید کی اس سورۃ کا مضمون سارے کا سارا لکھا دیا۔ جو سر چشمۂ توحید ہے۔ اور جس کا حرف حرف ایک دفتر توحید پیش کرتا ہے۔ یعنی سورۂ اخلاص۔ اور کمال یہ کیا کہ قرآن مجید کی چار آیات کا ترجمہ جو عربی کی بسیط المعنے زبان میں ہیں۔ فارسی کی تنگ دامن بولی کے صرف ایک شعر میں کر دیا۔ اور وہ بھی اس صفائی و جامعیت کے ساتھ کہ اس سے بہتر نا ممکن ہے۔ اور یہ مولانا کے کمال بلاغت کی ایک روشن دلیل ہے۔ فالله در القائل للہ درہٗ دیکھئے:۔

آنکہ بے جفت ست و بے آلت یکیست	در عدد شک ست و بے شک آں یکیست

(۱) آں یکے ست	اللہ ایک ہے	قل ھو اللہ احد ۝
(۲) بے آلت ست	ہر قسم کے سامان سے بے نیاز ہے	اللہ الصمد ۝
(۳) در عدد شک ست	اس کا ثالث ثلٰثۃ ہونا غلط ہے	لم یلد ولم یولد ۝
(۴) بے جفت ست	اس کا جوڑ کوئی نہیں	ولم یکن لہ کفوا احد ۝

آنکہ دو گفت و سہ گفت و بیش ازیں	متفق باشند در واحد یقیں

ترجمہ۔ وہ (فرقہ) جو دو (خداؤں) کا قائل ہے (مثلاً اہل ایران قدیم جو یزداں و اہرمن دو خداؤں

سورۂ اخلاص کا مضمون ... قل ھو اللہ کا ترجمہ ایک شعر میں

کو مانتے تھے) اور جو تین (خداؤں) کا معتقد ہے (مثلاً عیسائی) اور جو اس سے زیادہ (خداؤں کا اعتقاد رکھتا ہے۔ مثلاً ہندو لوگ جن کے تینتیس کروڑ معبود ہیں) یہ سب کے سب (متعدد خداؤں کے ضمن میں) ایک (خدا کے وجود) پر تو یقیناً متفق ہیں۔

مطلب۔ اوپر جو کہا تھا "در عدد شک ست وآں یک بے شکے ست" یہ شعر اس کی تفسیر ہے۔ یعنی تعدد آلہہ کے قائلین سب کے سب ایک اللہ پر تو یقیناً متفق ہیں۔ اس لئے جو مثلاً دو یا تین خداؤں کے قائل ہیں۔ دو یا تین کے ضمن میں ایک تو بلا شبہ پایا جاتا ہے۔ پس ایک خدا سب کا متفق علیہ ہوا۔ باقی ایک سے زائد کا وجود جو ان کے عقیدے میں ہے۔ اس کے اثبات کی دلیل پیش کرنا ان کے ذمہ ہے۔ ہم تو صرف ایک خدا کے معتقد ہیں اور کم از کم ایک کو وہ بھی مانتے ہیں۔ لہذا ہمارا دعوے محتاج دلیل نہیں ہے۔ صائبؒ ؎

نقش مراد نیست دریں باغ جز یکے　　　زنہار ہمچو خواب پریشاں نظر مباش

احولی چوں دفع شد یکساں شوند　　　آں دو سہ گویاں یکے گویاں شوند

ترجمہ (ایک خدا کو زیادہ دیکھنا بھینگے پن کی وجہ سے ہے) جب (یہ) بھینگا پن (قیامت کے روز) جاتا رہیگا۔ تو سب (صحیح عقیدہ میں) یکساں ہو جائیں گے۔ (اور) وہ دو (یا تین (خداؤں) کے قائل ایک کے معترف ہو جائیں گے۔

مطلب۔ قیامت کے روز جب امر حق نمایاں نظر آئے گا۔ تو تمام مختلف عقائد جو یہاں حجاب بصیرت بن رہے ہیں سب رفع دفع ہو جائیں گے۔ اور اہل اختلاف سب کے سب ایک بات پر متفق ہوں گے۔ اللہ فرماتا ہے۔ وَلَوْ تَرٰىٓ اِذْ وُقِفُوْا عَلٰی رَبِّهِمْ ط قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ط قَالُوْا بَلٰی وَرَبِّنَا ط قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ؏ اور اے پیغمبر اگر تم ان لوگوں کو اس وقت دیکھو جب اپنے پروردگار کے حضور میں کھڑے کئے جائیں گے۔ پروردگار فرمائے گا۔ کیا یہ سچ نہیں ہے۔ وہ کہیں گے ہاں بے شک سچ ہے۔ ہم اپنے پروردگار کی قسم کھاتے ہیں۔ پروردگار فرمائے گا۔ تم جو انکار کرتے تھے۔ اب اس کے عذاب کا مزہ چکھو (سورہ انعام ع)

گر یکے گوئی تو در میدان او　　　گرد بر میگرد از چوگان او

لغات۔ گرد برگردیدن۔ گھومنا۔ چکر لگانا۔ چوگان خمدار لکڑی جس سے گیند پر ضرب لگا کر اس کو دور پھینکتے ہیں۔ ترکیب۔ در میدان او متعلق ہے گرد میگرد کے۔ نہ کہ گوئی کے۔

ترجمہ اگر تم (موحد ہو۔ اور خدا کو) ایک کہتے ہو تو (کمال توحید یہ ہے کہ) اس (کے اتباع) کے میدان میں اس (کے احکام) کی چوگان (کے اشارے) پر گیند کی طرح حرکت کرو۔ ونعم ما قال عمر خیام غفراللہ لہ ؎

اے رفتہ بچوگان قضا ہمچوں گو　　　چپ میخور و راست میرو و ہیچ مگو
کانکس کہ ترا فگندا اندر تگ و پوے
او داند و او داند و او داند و او

گوئے آنکہ راست بے نقصان شود — کو ز دست زخم شہ رقصاں شود

لغات۔ راست سیدھا۔ نقصان تقصیر و کوتاہی مراد ہے۔ شہ حق تعالیٰ۔ زخم ضرب۔ رقصاں حرکت کرنیوالا۔
ترجمہ۔ (اچھی) گیند وہی ہے جو سیدھی بلا توقف (وتاخیر) چلی جائے (اور) جو شاہ حقیقی کے دست (قدرت) کی ضرب کے مطابق حرکت کرے۔ جامی رح

خوش آں بیدل کہ دولت یار گردد — بگرد خاطر دلدار گردد
بروں آید تمام از خواہش خویش — دہد در خواہش او کاہش خویش
اگر راند نتابد سر چو خامہ — وگر خواند نہ پیچد سر چو نامہ

گوش دار اے احول اینہا را بہوش — دارو دیدہ بکش از راہ گوش

صنائع۔ شعر میں صنعت رد العجز علے الصدر ہے۔ اور دیدہ و گوش مناسبات ہیں۔
ترجمہ۔ اے بھینگے! (دوبین و کج نظر) ان (باتوں) کو گوش ہوش سے سن لے۔ اور آنکھ کی دوا کان کے ذریعہ لگالے۔
مطلب۔ کان کے ذریعہ کا مطلب یہ کہ یہ نصائح سن کر عبرت پکڑو۔ تاکہ دل میں نور بصیرت پیدا ہو جائے
نظامی رح

زپند بزرگاں نباید گذشت — سخن را ورق در نباید نوشت
سگالش گرے کو نصیحت شنید — در چارہ را در کف آرد کلید

بس کلام پاک در دلہائے کور — مے نپاید مے رود تا اصل نور

لغات۔ دلہائے کور مرکب توصیفی ہے نہ کہ اضافی۔ یعنے وہ قلوب جن میں نور بصیرت نہیں ہے۔ اصل نور سے حق تعالےٰ مراد ہے۔ جو مبدء انوار ہے۔
ترجمہ۔ (مگر) بہت سے پاک کلمات (ایسے بھی ہیں جو) بے نور دلوں پر اپنا اثر نہیں ڈالتے (بلکہ) وہ حق تعالیٰ کی طرف چلے جاتے ہیں۔
مطلب۔ چونکہ ہر شے اپنے مناسب محل کی طرف رجوع کرتی ہے۔ اس لئے بعض بے بصیرت قلوب قابل نصیحت نہیں ہوتے۔ اس لئے نصائح کے پاک کلمات ان میں نہیں اترتے۔ بلکہ حق تعالیٰ کی طرف صعود کر جاتے ہیں۔ کہ ان کا مناسب مقام وہی ہے۔ پہلا مصرعہ اس آیت قرآنی کے مضمون پر مشتمل ہے۔ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ۔ بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں۔ بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جایا کرتے ہیں۔ (سورہ حج ع ۶) اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝ بیشک تم مُردوں کو اپنی باتیں نہیں سنا سکتے۔ اور نہ بہروں کو اپنی آواز سنا سکتے ہو۔ خاص کر ایسی حالت میں کہ وہ پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوں (سورہ النمل ع ۶) نظامی رح

ببے دیدہ نتواں نمودن چراغ — کہ جز دیدہ را دل نخواہد بباغ

دوسرے مصرعہ میں اس آیت کا مضمون مندرج ہے۔ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ

الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ (اچھی باتیں اسی کی جناب تک پہنچتی ہیں۔ اور وہی نیک عمل کرنے والوں کے درجوں کو بلند کرتا ہے (سورہ فاطر ع ۲)

مے شود راجع عمل خویش صاحب فرع ہا — بازگشت بوئے مشک آخر بآ ہوئے خطاست

واں فسونِ دیو در دلہائے کژ — میرود چوں کفش کژ در پائے کژ

لغات۔ فسون یا فسون جادو۔ ٹوٹکا۔ مراد باطل باتیں۔ کژ ٹیڑھا نادرست کفش جوتا۔

ترجمہ۔ اور (بخلاف اس کے) وہ شیطان کی باطل (و بیہودہ) باتیں (جو شیطان دلوں میں ڈالا کرتا ہے بعض) ٹیڑھے دلوں میں (اس طرح) اتر جاتی ہیں۔ جیسے ٹیڑھا جوتا ٹیڑھے پاؤں میں (ٹھیک آجاتا ہے) کما قیل ؎

فسونِ دیو در دلہائے تاریک آنچناں گیرد — کہ خواب آسودگاں را خوش بود افسانہ در شبہا

گرچہ حکمت را بتکرار آوری — چوں تو نا اہلی شود از تو بری

ترجمہ۔ اگر تم علم (اور دانائی کی باتوں) کو بار بار (بھی) پڑھو۔ تو جب تم اس کے اہل نہیں ہو۔ تو وہ (علم و حکمت) تم سے علیحدہ (بے تعلق و بے نسبت) ہی رہیگا۔

مطلب۔ علم سے مستفید ہونے کے لئے مناسبت اور اہلیت شرط ہے۔ ورنہ سارا پڑھا پڑھایا فضول ہے یا تو جلدی فراموش ہو جائے گا۔ یا اس کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ سعدی رح ؎

اگر صد باب حکمت پیش ناداں — بخوانند آیدش بازیچہ در گوش

گرچہ بنویسی نشانش مے کنی — ورچہ مے لافی بیانش مے کنی

او ز تو رُو در کشد اے پُرستیز — بندہا را بگسلد بہر گریز

لغات۔ مے لافی لافیدن سے شیخی بگھارنا۔ ڈینگ مارنا۔ رو در کشد رخ پھیر لیتا ہے۔ پرستیز جھگڑالو۔ حجتی۔ بگسلد گسلیدن۔ توڑنا سے ترکیب بیت اول کا پہلا مصرعہ معطوف علیہ اور دوسرا معطوف ل کر شرط ہوئی۔ دوسرا شعر اس کی جزا۔ یا بیت اول کا پہلا مصرعہ خود شرط و جزا ہے۔ اور "گرچہ" بمعنے اگر مثنوی میں اکثر استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسرا مصرعہ جداگانہ شرط و جزا ہے۔ اور دوسرا شعر الگ مضمون بطور تائید اسبق ہے۔ ان دونوں تقدیروں پر دو ترجمے ملاحظہ ہوں۔

ترجمہ (۱) اگرچہ اس (علمی سبق) کو تم لکھ ہی لو۔ (اور) نوٹ ہی کر لو۔ اور اگرچہ تم (اپنی خوش بیانی کی) شیخی ہی بگھارو (اور) اس کو (خوب) بیان کرو (مگر) اے حجتی آدمی! وہ تم سے اعراض ہی کریگا۔ اور گریز کرنے کے لئے (ساری) بندشیں توڑ ڈالے گا۔

(۲) اگر تم اس کو یاد رکھنے کے لئے لکھنے لگو۔ تو محض اس کے نقوش بنا رہے ہو (دل پر ان کا اثر نہ ہوگا) اور اگر تم علمی مسائل کی عقدہ کشائی کی شیخی بگھارتے ہو۔ تو محض اس کے نا قل

ہو (اس کے ساتھ متاثر نہیں ہو۔ اگلے شعر کا ترجمہ وہی ہے)

مطلب۔ پہلے ترجمے کے لحاظ سے یہ دو شعر شعر سابق کے مضمون کی تائید کرتے ہیں۔ دوسرے ترجمہ کی رُو سے یہ مطلب ہے۔ کہ عالم بے بصیرت کی تمام تحریر و تقریر محض نقل و محاکات ہے۔ ایک کاتب و ناقل ضروری نہیں۔ کہ عالم بھی ہو۔ ایسا عالم در اصل عالم نہیں۔ بلکہ حافظ کتب ہے۔ یا محافظ کتب۔ مولانا روم خود ایک اور جگہ فرماتے ہیں ؎

اے بسا عالم ز دانش بے نصیب — حافظ علم ست آنکس نے حبیب

صد ہزاراں فصل دارد از علوم — جان خود را مے نداند ایں ظلوم

تو ہمیدانی یجوز و لا یجوز — خود ندانی تو کہ حوری یا عجوز

ور نہ خوانی و بہ بیند سوز تو — علم باشد مرغ دست آموز تو

ترکیب۔ نخوانی کا مفعول یہ یعنے علم و حکمت محذوف ہے بیند کا فاعل حق تعالےٰ ہے۔

ترجمہ۔ اور (بخلاف اس کے) اگر تم (رسمی طور پر علم) نہ بھی پڑھو۔ اور وہ (حق تعالیٰ) تمہارے سوز (قلب) کو دیکھتا ہے۔ تو (پھر تو) علم (پر تم کو اسقدر قدرت ہوگی۔ جیسے وہ ایک) تمہارا دست پروردہ پرندہ ہو (کہ جب چاہا بلا لیا۔ اور وہ ہاتھ پر آ بیٹھا)

مطلب۔ توجہ بحق ان معارف عالیہ کا سرچشمہ ہے جن کے مقابلے میں علوم ظاہری کچھ بھی نہیں۔ اور وہ معارف کتاب اور درس استاد کے محتاج نہیں ہیں۔ مولانا ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

در دلت بینی علوم انبیا — بے کتاب و بے معید و اوستا

ایک اور جگہ ارشاد ہے ؎

عاشقاں را شد مدرس حسن دوست — دفتر و درس و سبق شاں روئے اوست

خامش و نعرۂ تکرار شاں — میرود تا عرش تخت یار شاں

و نپاید پیش ہر نا اوستا — ہیچو باز شہ بخانہ روستا

لغات۔ پاییدن قائم رہنا۔ نا اوستا بے استاد۔ اناڑی۔ انجان۔ نااہل۔ روستا دیہاتی۔ جاہل۔

ترجمہ۔ وہ کسی نااہل کے پاس نہیں ٹھیرتا۔ جیسے بادشاہ کا باز (کسی) دیہاتی کے گھر میں نہیں ٹھہر سکتا)

یافتن شاہ باز خویش را در خانہ کمپیر مبتلا شدن

بادشاہ کا اپنے باز کو بڑھیا کے گھر میں پانا اور رنجیدہ ہونا

علم آں باز ست کو از شہ گریخت — سوئے آں کمپیر کو مے آرد بیخت

لغات ۔ کمپیر ۔ بڑھیا ۔ سے آرد بیخت یعنے آردمے بیخت ۔ آٹا چھانتی تھی ۔ بضرورت شعری تقدیم و تاخیر واقع ہوگئی ۔
ترجمہ ۔ علم (گویا) وہ باز ہے جو بادشاہ کے پاس سے بھاگ کر اس بڑھیا کی طرف چلا گیا ۔ جو آٹا چھان رہی تھی ۔
مطلب ۔ نااہل لوگوں کے پاس علم کی جو بے قدری ہوتی ہے ۔ اس کی مثال وہی ہے ۔ جیسے اس ناقدرشناس بڑھیا کے گھر میں باز کی گت ہوئی ۔ حافظ رح ؎

ہمائے گو مفگن سایۂ شرف ہرگز ۔۔۔ دراں دیار کہ طوطی کم از زغن باشد

تاکہ تتماجے پزد اولاد را ۔۔۔ دید آں بازِ خوشِ خوش زاد را

لغات ۔ تتماج آش ۔ حریرہ ۔ پزد مضارع سے پختن پکانا سے ۔ خوش خوبصورت ۔ خوش زاد اعلیٰ نسل کا ۔ اچھی قسم کا ۔
ترجمہ ۔ (وہ بوڑھیا آٹا چھان رہی تھی) تاکہ (اپنی) اولاد کے لئے حریرہ پکائے (اتنے میں) اس نے اس خوبصورت اور اچھی نسل کے باز کو دیکھا ۔

پایکش بست و پرش کوتاہ کرد ۔۔۔ ناخنش ببرید و قوتش کاہ کرد

لغات ۔ پایک پاے کی تصغیر ہے ۔ نازک پاؤں ۔ ننھے پاؤں ۔
ترجمہ ۔ اس کے نازک پاؤں باندھ دیئے ۔ اور اس کے پر کاٹ ڈالے اس کے ناخن تراش دیئے ۔ اور اس کی غذا (کے لئے) گھانس (اس کے آگے لا حاضر) کی ۔

گفت نااہلاں نکردند ت بساز ۔۔۔ پر فزود از حد و ناخن شد دراز

ترجمہ ۔ (اور بولی) نااہل لوگوں نے تجھے درست نہ کیا ۔ پر (حد سے زیادہ) بڑھ گئے اور ناخن لمبے ہوگئے ۔

دستِ ہر نااہل بیمارت کند ۔۔۔ سوئے مادر آکہ تیمارت کند

ترجمہ ۔ ہر نااہل کا ہاتھ تجھ کو بیمار کرے گا ۔ بیٹا ! (تجھے) اماں کے پاس آنا چاہئے تھا ۔ تاکہ تیری خبرگیری کرے ۔

مہر جاہل راچناں داں اے رفیق ! ۔۔۔ کژ رود جاہل ہمیشہ در طریق

ترجمہ ۔ دوستو ! جاہل کی دوستی کا یہی حال سمجھو ۔ جاہل ہمیشہ (سیدھے) راستے پر (بھی) ٹیڑھا ہی چلتا ہے ۔
مطلب ۔ جاہل کی محبت بلائے جان ہے ۔ کما قیل ؎

بود محبت ناداں بلاکہ یوسف را   طرب سرائے زلیخا تمام زندان ست

جاہل ار با تو نماید ہمدلی   عاقبت زخمت زند از جاہلی

ترجمہ۔ جاہل اگر تمہارے ساتھ ہمدردی بھی کرتا ہے (تو وہ قابل اعتماد نہیں) آخر اپنی جہالت کی وجہ سے تمہارے (کوئی نہ کوئی) زخم ہی لگائیگا۔ کما قیل ؎

اہل را صحبت نااہل زیانہا دارد   آب در کوزۂ ناپختہ گل آلودہ شود

روز شہ در جستجو بیگاہ شد   سوئے آں کمپیر و آں خرگاہ شد

ترجمہ۔ بادشاہ کا (سارا) دن (اس باز کی) تلاش میں رائیگاں گیا (آخر) وہ اس بڑھیا اور اس کے جھونپڑے کی طرف جانکلا۔

دید ناگہ باز را در دود و گرد   شہ برو بگریست زار و نوحہ کرد

ترجمہ۔ تو اچانک اس نے باز کو دیکھا کہ بڑھیا کے جھونپڑے کے اندر (چولھے کے) دھوئیں اور گرد (آلودہ حالت) میں (بیٹھا ہے)۔ بادشاہ اس (کی اس حالت) پر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ اور بین کرنے لگا۔

گفت ہر چند ایں جزائے کار تست   کہ نباشی در وفائے ما درست

ترجمہ۔ (اور) کہا ہر چند تیرے (اس غدارانہ) کام کا بدلہ کہ تو ہماری وفاداری پر قائم نہ رہا یہی تھا جو ہوا۔ تاہم بتقاضائے رحم ہم کو رونا آتا ہے)

چوں کنی از خلد در دوزخ قرار؟   غافل از لَا یَسْتَوِیْ اَصْحٰبُ نَار!

ترجمہ۔ اے اس (آیت کے مضمون) سے غافل (کہ جہنمی (اور جنتی) برابر نہیں ہو سکتے۔ تو بہشت سے (منہ پھیر کر) دوزخ میں کیوں ٹھکانا بناتا ہے۔

مطلب۔ دوسرے مصرعہ میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے لَا یَسْتَوِیْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ یعنے دوزخی اور بہشتی برابر نہیں ہو سکتے بہشتی نجات پانے والے ہیں۔ (سورہ حشر ع ۲)۔ بظاہر یہ بیت بادشاہ کا مقولہ ہے۔ جو اس نے باز کو کہا۔ جس میں خلد بادشاہ کی معیت سے اور دوزخ بڑھیا کے جھونپڑے سے استعارہ ہے۔ مگر مقصد اس سے یہ ہے۔ کہ تم خلد طاعت سے نکل کر جہنم معاصی کی طرف کیوں جاتے ہو۔ طاعت کو خلد یا تو ان کے لطف و ذوق کے لحاظ سے جو اہل طاعت کو حاصل ہوتا ہے۔ یا طاعت کی جزائے آخرت کے اعتبار سے کہدیا۔ اور اسی طرح معاصی کو دوزخ اس کدورت و تشویش قلب کے لحاظ سے جو اہل معاصی کو لاحق حال ہوتی ہے۔ یا معاصی کی سزائے آخرت کے اعتبار سے کہدیا۔ صائب ؒ ؎

بزیر بار ستم روزگار خم سازد   زبار طاعت حق قامتے کہ خم نشود

**ایں سزائے آنکہ از شاہِ خبیر		خیرہ بگریزد بخانہ گُندہ پیر**

لغات۔ خبیر خبردار۔ باخبر۔ حق شناس۔ گندہ پیر۔ بہت بوڑھی عورت۔ زن سال خوردہ۔ غیاث اللغات میں اس لفظ کو بضم کاف فارسی و دال مہملہ موقوف و کسر بائے موحدہ و یائے معروف یعنے گُندہ پیر لکھا ہے۔ اور اس کے معنے زال و عجوز یعنے پیرزن سالخوردہ کے لکھے ہیں۔ پھر سراج اللغات سے نقل کیا ہے۔ کہ گندہ پیر بفتح گاف فارسی ہے اور بتایا ہے۔ کہ بضم کاف عربی و بائے فارسی بھی ہوسکتا ہے۔ چنانچہ اس کی تعریب یعنے قندفیر سے بھی اسی تلفظ کی تائید ہوتی ہے۔

ترجمہ۔ یہی سزا ہے اس (باز) کی جو (اپنے) قدردان بادشاہ سے شوخی کے ساتھ (ٹل کر) ایک (ناقدرشناس) بڈھی پھونس عورت کے گھر میں جا گھسے۔

مطلب۔ جو شخص حق تعالٰے کی جانب سے اپنی توجہ ہٹا کر کسی دوسری طرف متوجہ ہو۔ اس کی یہی سزا ہے۔ صائبؒ ؎

چرخ کبود دشمن فرعونیاں بود		ورنہ کلیم را خطرِ رودِ نیل نیست

**گُندہ پیر جاہل این دُنیا دنی ست		ہر کہ مائل شد بدو خوار و غبی ست**

لغات۔ دنی بفتح دال و کسر نون کمینہ۔ ذلیل۔ غبی کند ذہن۔ کم فہم۔ ناقص عقل۔

ترجمہ۔ گندہ پیر جاہل (سے) یہ کمینی دنیا (مراد) ہے۔ جو شخص اس پر مائل ہوتا ہے وہ ذلیل اور ناقص عقل ہے۔ کما قال اسمٰعیل رحؒ ؎

یہ قول کسی بزرگ کا سچا ہے		ڈالی سے جو پھل جدا نہ ہو کچّا ہے
چھوڑی نہیں جس نے حبِ دنیا دل سے		گو ریش سفید ہو مگر بچّا ہے

**ہشت دُنیا جاہل و جاہل پرست		عاقل آں باشد کزیں جاہل برست**

صنائع۔ پرست اور برست میں تجنیس مضارع۔

ترجمہ۔ (ساری) دنیا جاہل اور جاہل کی قدردان ہے۔ عقلمند وہ ہے جو اس جاہل سے کنارہ کش رہے۔ کما قال المظہر الشہید علیہ الف الف رحمۃ من اللہ الحمید ؎

مرا بیگانگی از خلق با حق آشنا کردہ		بطبع من بکس کم ساختن بسیار مے سازد

صائبؒ ؎		مرا بگوشۂ عزلت دلیل گردیدند		خدائے بے ادباں را جزائے خیر دہاد

**ہر کہ با جاہل بود ہمراز باز		آں رسد با او کہ با آں شاہباز**

ترکیب۔ ہر کہ با جاہل الخ شرط۔ آں رسد با او الخ اس کی جزا۔ باز ظرف زمان آں رسد الخ کا۔ صنائع۔ باز اور شاہباز میں صنعت تجنیس۔

ترجمہ۔ جو شخص جاہل کا ہمراز ہوگا۔ آخر اس کا وہی انجام ہوگا جو اس شاہباز کا ہوا۔ جامیؒ ؎

دلا ز قیدِ حریفان بے خبر بگریز		تو مرغ زیرکی از دامِ دیو و دد بگریز

باز می مالید پر بر دستِ شاہ بے زباں میگفت من کردم گناہ

ترجمہ۔ باز بادشاہ کے ہاتھ پر (اپنے) بازو ملتا تھا (اور) بے زبانی سے (یعنے بزبانِ حال) کہہ رہا تھا کہ حضور! مجھ سے گناہ ہوگیا۔

پس کجا نالد کجا زارد لئیم گر تو نپذیری بجز نیک اَے کریم

ترکیب۔ زارد لئیم میں واو عاطفہ نہیں ہے۔ جیسے کہ بعض نسخوں کے رسم الخط سے شبہ ہوتا ہے۔ بلکہ زارد فعل ماضی زاریدن بمعنے گریستن سے ہے۔ اور لئیم اس کا فاعل۔

ترجمہ۔ اے کریم! اگر آپ نیکوکار کے سوا کسی دوسرے (کے عذر) کو قبول نہیں فرماتے۔ تو پھر نالائق کہاں جا کر روئے کہاں زاری کرے۔ و نعم ما قیل ؎

ندیدم بار یابِ آستانِ عفو طاعت را درجراَت زدم منت کش تقصیر گردیدم

لُطفِ شہ جاں را جنایت جو کند زانکہ شہ ہر زشت را نیکو کند

لغات۔ جنایت گناہ۔ تقصیر۔ خطا۔ زشت برا۔ مراد بری۔ نیکو اچھا مراد نیکی۔

ترجمہ۔ بادشاہ کی (گناہ گاروں کے حق میں) مہربانی دل کو گناہ پر آمادہ (یعنے دلیر) کر دیتی ہے کیونکہ (اسے یقین ہے کہ) آنحضور ہر برائی کو نیکی میں بدل دیتے ہیں۔ سعدی رح ؎

ہر کہ در سایۂ عنایتِ اوست گنہش طاعت ست و دشمن دوست

صائب ؎ حسن بحر رحمت از روئے سیاہ ما فزود خالِ روئے ایں محیطِ صاف چوں عنبر شد

مذکورہ حالت یعنے خداوندِ کریم کے رحم و کرم کے بھروسہ پر معاصی و سیئات کی پروا نہ ہونا ایک صاحبِ حال کی شان ہے۔ اور مولانا صاحبِ مقام ہیں۔ جس کا درجہ صاحبِ حال سے بڑا ہوتا ہے۔ اور وہ حفظ مراتب و فرق مدارج اور رعایت شیون کے تمام پہلو زیرِ نظر رکھنے والا ہوتا ہے۔ اس لئے ذیل میں صاحبِ حال کی غلطی پر تنبیہ فرماتے ہیں۔

رَو مکن زشتی کہ نیکیہائے ما زشت آید پیش آں زیبائے ما

لغات۔ زشتی۔ گناہ۔ زیبا خوبصورت مراد محبوبِ حقیقی۔

ترجمہ۔ چلو جی! (ان باتوں کو چھوڑو۔ اور) گناہ (کا قصد تک) نہ کرو۔ کیونکہ (گناہ کا نیکی بن جانا تو رہا الگ) ہماری نیکیاں (بھی) ہمارے اس محبوبِ حقیقی (کے شایانِ شان نہیں۔ اس لئے اس) کو بری لگتی ہیں۔ (پھر گناہ کریں تو کس برتے پر)

مطلب۔ اس بھروسہ پر نہ رہو۔ کہ وہ ہماری سیئات کو حسنات کی شکل میں بدل دے گا۔ کیونکہ پہلے ہماری حسنات ہی اس محبوبِ حقیقی کے آگے بمنزلہ سیئات ہیں۔ چنانچہ ہماری نماز، روزہ، حج وغیرہ تمام عبادات و طاعات کا یہی حال ہے۔ کہ ان کے تمام آداب

کو جو ان کے شرائط کمال ہیں۔ کوئی بھی پوری طرح بجا نہیں لاتا۔ ورنہ ممکن نہ تھا۔ کہ نماز بقول قرآن تمام معاصی و سیئات سے انسان کو پاک نہ کر دیتی۔ اور بفحوائے حدیث وہ مسلمان کا معراج نہ بن جاتی۔ عمر خیام علیہ الرحمۃ

اے فسق و فجور کار ہر روزۂ ما ۔۔۔ وے پر ز حرام کاسہ و کوزۂ ما

مے خندہ روزگار و میگرید خلق ۔۔۔ بر طاعت و بر نماز و بر روزۂ ما

پس جب ہماری حسنات ہی بمنزلہ سیئات ہیں تو وہ کونسی حسنات باقی رہیں۔ جن کے اتباع سے ہماری سیئات حسنات بن جائیں گی؟

خدمتِ خود را سزا پنداشتی ۔۔۔ تو لواے جرم زاں افراشتی

ترجمہ۔ تم نے اپنی عبادت کو قابلِ (قبول) سمجھ لیا ہے۔ اسی لئے گناہ (کے ارتکاب) کا جھنڈا بلند کر دیا۔

مطلب۔ تم کو یہ زعم ہوا۔ کہ ہمارے پاس طاعات کا کافی ذخیرہ ہے۔ ان میں یہ سیئات مل کر ہمرنگ طاعات ہو جائیں گی۔ حالانکہ تمہاری طاعات ہی اس قابل نہیں ہیں۔ کہ درجہ قبولیت پا سکیں۔ اگر وہ مالک رؤف و رحیم قبول کر لے۔ تو یہ اس کا محض فضل و کرم ہے۔ ورنہ اپنی عبادت و طاعت تو سراسر سرمایہ خجالت و ندامت ہیں۔ کما قیل ؎

آئینہ دار زنگِ گناہ ست طاعتم ۔۔۔ کردم سیاہ ہمچو نگیں سجدہ گاہ را

چوں ترا ذکر و دعا دستور شد ۔۔۔ زاں دعا کردن دلت مغرور شد

ترجمہ۔ چونکہ ذکر (حق) اور دعا (و استغفار) کرنا تمہارا دستور ٹھیر گیا ہے۔ (پس) اس دعا کرنے پر تمہارا دل مغرور ہو گیا۔

مطلب۔ تم کو یہ گھمنڈ ہے۔ کہ اگر گناہ سرزد ہو گئے۔ تو کیا مضائقہ ہے۔ جب توبہ کر لیں گے۔ تو یہ سب گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اور ان کا کوئی اثر باقی نہ رہے گا۔ بلکہ اس طرح پاک و معصوم ہو جائیں گے۔ جیسے ایک آج کا پیدا ہوا بچہ ہو۔ نیز تم کو اس حدیث سے بھی دھوکا ہوتا ہے۔ کہ التائب من الذنب کمن لا ذنب لہٗ۔ یعنے توبہ کرنے والا اپنے گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے۔ جیسے ایک گناہ نہ کرنے والا پاک ہوتا ہے۔ حالانکہ توبہ کی قبولیت بھی محض اسی ستار و غفار کے فضل و کرم پر موقوف ہے۔ ورنہ کسی کا کیا زور چلتا ہے۔ خصوصاً ایسی توبہ کی قبولیت کی بھی کیا امید ہو سکتی ہے۔ جو خود ناقص و ناکارہ ہو۔ کما قیل ؎

سبحہ بر کف توبہ بر لب دل پُر از ذوقِ گناہ ۔۔۔ معصیت را خندہ مے آید بر استغفار ما

ہم سخن دیدی تو خود را با خُدا ۔۔۔ اے بسا کس زیں گماں اُفتد جُدا

ترجمہ۔ تم نے اپنے آپ کو ذکر و دعا میں (بزعم خود) خدا کے ساتھ ہمکلام دیکھا ہے۔ اے (غافل!) بہت سے لوگ اس (قسم کے) گمان کے باعث (راہ حق سے) دور جا پڑے۔

مطلب۔ اگر بندہ ذکر و دعا کی کامل برکات سے بہرہ ور ہو۔ تو معصیت کا ارتکاب تو الگ اس کا خیال بھی دل

میں نہ لائے۔ مگر بعض عبادت گذار پابند صوم وصلوٰۃ جو آلودہ معاصی پائے جاتے ہیں۔ تو اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اُن کو فی الواقع یہی دھوکا ہوتا ہے۔ کہ خدا غفور رحیم ہے۔ کہ وہ ہمارے صوم وصلوٰۃ اور ذکر و دعا کی بدولت سارے گناہ بخش دے گا۔ جیسے ایک رند عیاش و مے نوش نے کہا تھا۔ کہ ہم تو سارا دن شراب پیتے ہیں۔ اور عیش اڑاتے ہیں۔ شام کو ایک بار الحمد شریف پڑھ لیتے ہیں۔ جس میں الف کی دس نیکیاں۔ لام کی دس نیکیاں۔ ح کی دس نیکیاں۔ اسی طرح ولا الضالین تک فی حرف دس دس نیکیاں گن کر جمع کرو۔ تو نیکیوں کا وہ انبار لگ جاتا ہے۔ جس کے آگے میرے دن بھر کے گناہوں کی کوئی حقیقت نہیں۔ ممکن ہے۔ کہ اس رند بیباک نے محض دل لگی سے یہ دور از حقیقت بات کہی ہو۔ مگر تعجب نہیں۔ کہ بعض متعبدان جاہل کو یہ دھوکا بھی ہو۔ کہ عبادات وحسنات معاصی وسیئات کو اپنا ہم رنگ اور ذکر و دعا اور توبہ واستغفار ان کو محو کر دیتی ہے۔ لہٰذا گناہوں سے ڈرنا فضول ہے۔ جو مزے لے سکتے ہیں لینے چاہئیں۔

انتباہ۔ اس قسم کے متعبدان بے بصیرت یا رندان خیرہ سر کو آگاہ رہنا چاہیئے۔ کہ بے شک اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے ادعونی استجب لکم تم دعا کرو میں قبول کروں گا۔ اور بے شک قرآن مجید میں آیا ہے۔ اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا۔ مگر یہ دعا و استغفار جبھی مفید ہو سکتی ہے۔ کہ بجمیع شرائط مکمل ہو۔ پھر اس کا قبول کرنا بھی حق تعالےٰ کے ذمے کوئی فرض و واجب نہیں۔ بلکہ محض اس کے فضل و کرم کی بات ہے۔ کما قیل ؎

اگر بخشے زہے رحمت نہ بخشے تو شکایت کیا
سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

اور بے شک قرآن مجید کے ایک ایک حرف کے عوض میں دس دس نیکیاں ملنے کا ذکر حدیث شریف میں آیا ہے لیکن اول تو اس خلوص اور حضور قلب کے ساتھ قرأت و تلاوت کرنے کی کس کو توفیق ہے۔ جو اس اجر کے قابل ہو۔ خصوصاً ایک آلودہ معاصی اور معتاد جرائم سے تو اس کی توقع ہی فضول ہے۔ دوسرے یہ کیا ضرور ہے۔ کہ ان نیکیوں کی مقدار مرتکبہ گناہوں کے بھاری بھرکم وجود کو محو و نابود کر دینے یا اس کو محجوب و مستور کر دینے کے لئے کافی ہو۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ یعنے نیکیاں گناہوں کو زائل کر دیتی ہیں (سورہ ہود ع ۱۰) مگر تعلیمات شرعیہ میں یہ تصریح بھی موجود ہے۔ کہ یہاں سیئات سے مراد صغیرہ گناہ ہیں نہ کبیرہ۔ پس طاعات و عبادات کی بدولت جو گناہ زائل ہوتے ہیں۔ تو محض صغائر ہوتے ہیں۔ نہ کہ قتل۔ زنا۔ لواطت۔ چوری۔ کذب۔ غیبت۔ مینوشی۔ قمار بازی وغیرہ یہ تو وہ بڑے بڑے معاصی و جرائم ہیں۔ جن کی شدت و حدت شجر ایمان کو بیخ و بن سے ہلا ڈالتی ہے۔ جن سے ملاء اعلیٰ میں ایک ہیجان پیدا ہونے لگتا ہے اور جن سے عرش عظیم کانپ جاتا ہے۔ لیکن مومن کی شان یہ ہونی چاہیئے۔ کہ وہ ادنیٰ و صغیرہ گناہ کرتے وقت بھی خداوند تعالیٰ کے قہر و غضب سے ڈرے۔ جس کی تیغ سیاست مجرموں کے لئے ہر وقت بے نیام اور جس کی برق انتقام سرکشوں کے سر پر ہر لحظہ آمادہ افتاد رہتی ہے۔ سعدیؒ ؎

بہ تہدید گر برکشد تیغ حکم
بمانند کرّ و بیاں صمّ وبکم

کسی ادنےٰ سے ادنےٰ مخالفت حکم کو بھی سرسری نہ سمجھنا چاہیئے۔ دیکھو حضرت آدم علیہ السلام کا دانہ گندم کھا لینا بھی کوئی بڑا جرم تھا؟ مگر اس کے نتائج کیا کیا رونما ہوئے؟ صائب ؎

خورد مشمار گنہ را کہ گناہے ست بزرگ
گندمے کرد ز فردوس بروں آدم را

گرچہ با تو شہ نشیند بر زمیں — خویشتن بشناس و نیکو تر نشیں

ترجمہ۔ اگرچہ بادشاہ تمہارے ساتھ زمین پر بیٹھ جائے (لیکن تمہارا فرض ہے کہ) تم اپنے (رتبہ و درجہ) کو ملحوظ رکھو اور (اپنے) مناسب درجہ پر بیٹھو۔

مطلب۔ دعا کرنے والے کو ہمکلامی حق کا جو زعم ہو جاتا ہے۔ اس کا رد فرماتے ہیں۔ کہ اس ہمکلامی میں تم تم ہی ہو اور حق تعالےٰ حق تعالےٰ ہی ہے۔ ایاز قدر خود بشناس! اگر بادشاہ تمہارے ساتھ زمین پر بیٹھ جائے۔ تو یہ محض اس کی بے تکلفی و سادگی ہے۔ تم اس کے ہم رتبہ نہیں ہو سکتے۔ لہذا تمہارا فرض ہے۔ کہ پھر بھی اس سے ڈرتے رہو۔ اور فرق مراتب کو پیش نظر رکھ کر فوراً کسی ایسے انداز پر بیٹھو۔ یا کھڑے ہو جاؤ۔ کہ اس کی بلندی رتبہ قائم رہے اس کی بے تکلفی پر اعتماد کرنا خطرناک ہے۔ نظامیؒ ؎

خطرہاست در کار شاہاں بسے — کہ با شاہ خویشی ندارد کسے
چو از کینہ بر فروزند چہر — بفرزند خود بر نیارند مہر

باز گفت اے شہ پشیماں می شوم — توبہ کردم نو مسلماں مے شوم

لغات۔ مسلمان سے یہاں مطیع و منقاد مراد ہے۔

ترجمہ۔ باز نے کہا اے بادشاہ میں (اپنے کئے سے) پچھتاتا ہوں۔ اب میں نے (اپنے کفران نعمت سے) توبہ کی اور نئے سرے سے اقرار اطاعت کرتا ہوں۔

مطلب۔ یہاں سے پھر باز کا مقولہ شروع ہے۔ بظاہر پیرایہ کلام یہ ہے۔ کہ باز پر بریدہ و ناخن تراشیدہ ایک ذلیل و زبون حالت میں اپنے آقائے نامدار شاہ کامگار کے حضور میں عذر تقصیر کر رہا ہے۔ اور اس پیرایہ سے مولانا کا مقصد یہ ہے۔ کہ ایک بندہ عاصی ذلت و مسکنت کے ساتھ خداوند جل وعلا کی بارگاہ میں سرافگندہ ہو کر اپنے گناہوں سے توبہ و استغفار کر رہا ہے۔ اور اپنے گذشتہ اعمال سیئہ پر اشک ندامت بہاتا ہوا آیندہ کے لئے پیمان اطاعت باندھتا ہے۔ صائبؒ ؎

بر جرم من بہ بخش کہ آوردہ ام شفیع — اشک ندامت و عرق انفعال را

آنکہ تو مستش کنی و شیر گیر — گر ز مستی کژ رود عذرش پذیر

لغات۔ شیر گیر نیم مست۔ وہ مست جو اپنی گفتار و رفتار پر ضبط رکھتا ہو۔

ترجمہ۔ وہ (خادم) جس کو تو (اپنی نوازش سے خود جام مے پلا کر کبھی) مست اور (کبھی) نیم مست کر دے۔ اگر مستی کے باعث (کبھی) کوئی غلط چال چل جائے۔ تو اس کا عذر قبول فرما۔ نظامیؒ ؎

عقوبت مکن عذر خواہ آمدم — بدرگاہِ تو روسیاہ آمدم
سیاہم مرا ہم تو گرداں سپید — مگردانم از در گہت نا امید
سرشت مرا کافریدی ز خاک — سرشتہ تو کردی بنا پاک پاک
اگر نیکم و گر بدم در سرشت — قضائے تو ایں نقش بر من نوشت

گرچہ ناخن رفت چوں باشی مرا　　　　برکنم من پرچم خورشید را

ترجمہ اگرچہ میرے ناخن جاتے رہے لیکن جب حضور میرے (حامی) ہیں۔ تو بھی (مجھ میں اتنا حوصلہ ہے کہ) میں آفتاب کا جھنڈا (آسمان سے) اکھاڑ لاؤں۔

مطلب۔ الٰہی تیری نظرِ عنایت ہو۔ تو میں باوجود بے سروسامانی سب کچھ کر سکتا ہوں۔ حافظ رح

کاروانے کہ بود بدرقہ اش لطف خدا　　　　بتجمل بنشیند بجلالت برود

ورچہ پرّم رفت چوں بنوازیم　　　　چرخ بازی کم کند در بازیم

ترجمہ اور اگرچہ میرے پر کٹ گئے۔ مگر جب آپ کی نوازش ہوگی۔ تو آسمان بھی میری پرواز کے آگے بازی نہیں کر سکے گا۔

مطلب۔ الٰہی تیری نوازش ہو۔ تو میرا باوجود بے دست وپائی بھی کون مقابلہ کر سکتا ہے؟ کما قیل

تیغے کہ لطف عشق از فیضِ خود دہد　　　　تنہا جہاں بگیرد بے منتِ سپاہے

گر کمر بخشیم کہ را برکنم　　　　ور دہی کلکے علمہا بشکنم

لغات۔ کمرے کمربند مراد ہے۔ بخشیم بکسر شین میم ضمیر متکلم مفعول ہے یعنے بخشی مرا۔

ترجمہ۔ اگر تو مجھے کمربند بخش (کر میری کمرِ ہمت مضبوط کر) دے۔ تو میں پہاڑ کو اکھیڑ ڈالوں۔ اور اگر تو مجھے ایک کلک (کے برابر نے کا ٹکڑا) دے دے۔ تو میں (اسی کی بدولت مخالفوں کے) جھنڈے توڑ ڈالوں۔

مطلب۔ الٰہی تیری مدد ہو۔ تو شیطان کی کیا بساط ہے۔ جو مجھ پر اپنا داؤ چلا سکے۔ میں اس کی گردن مروڑ دوں۔ کما قال رح

چوں عنایات شود با مقیم　　　　کے بود بیمے ازاں وزدِ لئیم

آخر از پشہ نہ کم باشد تنم　　　　ملکِ نمرودی بہ پر برہم زنم

لغات۔ پشہ مچھر۔ برہم زنم زیر وزبر کر دوں۔ نمرودی کی یا یا تو معروف ہے نسبت کے لئے یا مجہول ہے تنکیر کے لئے۔

ترجمہ۔ آخر ایک مچھر سے تو میرا جسم کم نہیں۔ (جس نے نمرود کو ہلاک کر دیا تھا۔ پس اگر مجھے بھی تیری تائید میسر ہو تو) میں (بھی) نمرودی بادشاہی۔ (یا کسی نمرود کے سے سرکش بادشاہ کی بادشاہی) کو ایک پر کے ساتھ زیر وزبر کر ڈالوں۔

مطلب۔ نمرود کا حال اس شرح کے دوسرے حصے میں بھی گزر چکا ہے۔ وہ ایک کافر بادشاہ تھا۔ جو خدائی کا مدعی تھا۔ خداوند تعالیٰ نے اس کو اس "چھوٹا منہ بڑی بات" کے جرم کی سزا اس ذلت کے ساتھ دی۔ کہ مچھر جیسے حقیر جانور کو اس پر مسلط کر دیا۔ جو اس کے دماغ میں گھس گیا۔ اور اس میں وہ کلبلاہٹ ڈال دی۔ کہ جب تک نمرود اپنے سر پر دس پندرہ جوتے نہ لگوا لیتا۔ اسے چین نہ آتی۔ یہ اس کی ذلت کا دوسرا سامان تھا۔ آخر اس

نمرود بادشاہ کا حال

مچھر نے اس کا کام تمام کیا۔ شیخ عطار رح ؎

سوئے او خصمے کہ تیر انداختہ　　پشّہ کارش کفایت ساختہ

مطلب یہ کہ اگر خدا کی مدد ہو۔ تو شیطان کی طاقت کو مغلوب کرنا کوئی بڑی بات نہیں۔

در ضعیفی تو مرا بابیل گیر　　ہر یکے خصم مرا چوں پیل گیر

اصحاب فیل کا قصہ

لغات۔ بابیل ابابیل۔ باسقاط ہمزہ جس سے چھوٹے چھوٹے پرندوں کا جھلڑ مراد ہے۔ اردو میں جو ایک خاص قسم کے سیاہ رنگ کے پرندے کو ابابیل کہتے ہیں۔ یہ اردو ہی کی ایجاد ہے۔ عربی میں اس پرندے کا یہ نام نہیں ہے۔ اس کو عربی میں خطّاف کہتے ہیں۔ اور اصحاب فیل کے قصے میں جو ابابیل کا نام آتا ہے۔ وہ یہ اردو کی ابابیلیں نہیں ہیں۔ بلکہ چھوٹی چڑیوں کے جھلڑ مراد ہیں۔ اس شعر میں اصحاب فیل کے قصے کی طرف اشارہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ یمن کے ایک عیسائی بادشاہ نے جس کا نام ابرہۃ الاشرم تھا۔ خانہ کعبہ کی قبولیت عام پر رشک کر کے اس کے جواب میں ایک گرجا تعمیر کیا۔ جو سونے چاندی کی آرائشات سے مزین کیا گیا۔ اور اس کی زیارت کے لئے اہل عالم کو دعوت دی۔ کسی من چلے نے ایک رات موقع پاکر اس کی زریں دیواروں کو گندگی سے آلودہ کر دیا۔ ابرہہ یہ حالت دیکھ کر آگ بگولا ہو گیا۔ اور اس کو معتقدانِ کعبہ کی حرکت سمجھ کر انہدام کعبہ کے ارادہ سے کوہ تمثال ہاتھیوں کا ایک غول اور ایک فوج گراں ساتھ لے کر چل پڑا۔ مکہ کے قریب پہنچ کر وادی محسّر میں ڈیرہ ڈال دیا۔ اور آخر ان دشمنانِ کعبہ کی سرکوبی کے لئے ربِّ کعبہ کی غیرت نے کروٹ لی۔ دیکھتے دیکھتے آسمان سے چھوٹے چھوٹے پرندوں کے غول نمودار ہوئے۔ جن کی چونچوں میں چھوٹے چھوٹے سنگریزے تھے۔ وہ انہوں نے اہل فوج پر برسانے شروع کئے۔ جن کے اثر سے اہل فوج ایک قسم کے مہلک پھوڑے کے نکلنے سے مرنے شروع ہوئے ہاتھی۔ گھوڑے۔ سپاہی سب کا ستھراؤ ہو گیا۔ اس وادی کا نام محسّر یعنے حسرتناک وادی اسی وقت سے مشہور ہوا ہے تمام لاؤ لشکر میں سے صرف چند جانیں بچیں۔ جن میں سالار فوج ابرہہ بھی شامل تھا۔ یہ لوگ بدحواسی کے عالم میں بھاگ کر یمن پہنچے۔ تو پنجۂ اجل نے ان کی گردن وہاں جا ناپی۔

ترجمہ۔ آپ مجھ کو کمزوری میں ابابیل (چھوٹی چڑیوں) کے برابر ہی سمجھ لیں۔ اور میرے ہر مخالف کو ہاتھی کی مثل ہی فرض کر لیں۔

قدر فندق افگنم بندق خریق　　بندقم در فعل صد چوں منجنیق

لغات۔ فندق بضم ایک خشک میوہ بادام سے ملتا جلتا مگر اس سے چھوٹا اور کسی قدر گول۔ بندق بضم با گولی۔ خریق پھاڑنے والی۔ منجنیق بفتح میم و کسرہ نون اگلے زمانے میں ایک آلہ ہوتا تھا۔ جس کے ذریعہ سے بڑے بڑے پتھر قلعہ پر گرائے جاتے تھے۔ تاکہ اس کی دیوار توڑی جائے۔

ترجمہ میں فندق کی مقدار میں گولی پھینکوں گا جو پھاڑنے والی ہو گی۔ میری گولی دیوار شکنی کا کام کرنے میں سو منجنیق کے برابر ہو گی۔

نوٹ۔ تمام نسخوں میں صد چوں منجنیق درج ہے۔ اگرچہ یہ ترکیب بھی بتکلف درست ٹھہر جاتی ہے۔ مگر اس کی بجائے چوں صد منجنیق ہوتا تو زیادہ صاف تھا۔

گرچہ سنگم ہست مقدارِ نخود لیک در ہیجا نہ سر ماند نہ خود

لغات - نخود چنا۔ ہیجا جنگ۔ معرکہ۔ خود بروزن عود آہنی ٹوپی جو جنگ میں پہنتے تھے۔

ترجمہ - اگرچہ میری یہ پتھری چنے کے برابر ہے۔ مگر لڑائی میں اس کی ضرب سے مخالف کا نہ سر (سلامت) رہتا ہے نہ خود۔

نوٹ - وہی اصحاب فیل کے حالات کا استعارہ چلا جاتا ہے۔ اور بظاہر ایاز کی بادشاہ سے التجا ہے مگر مراد اس سے بارگاہِ حق میں ایک بندے کی مناجات و دعا ہے۔

موسیٰ آمد در وغا بایک عصاش زد براں فرعون و بر شمشیرہاش

ترجمہ - حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی تو (فرعون کے) معرکہ میں اپنی (صرف) ایک لاٹھی کے ساتھ آئے تھے۔ (اور وہی لاٹھی) فرعون اور اس کی تلواروں کے خلاف چلائی (تو کامیاب تھے)

مطلب - الٰہی اسی طرح تیری تائید و توفیق میرے شاملِ حال ہو۔ تو میں بھی شیطان کی طاقت پر غالب آسکتا ہوں۔

ہر رسولے یک تنہ کاں در زدست بر ہمہ آفاق تنہا بر زدست

لغات - یک تنہ اکیلا۔ تنہا۔ زد کے معنے پہلے مصرعہ میں داخل ہوا۔ اور دوسرے مصرعہ میں تاخت و تاراج کیا۔ کیونکہ زدن کے بہت سے معنے ہیں۔ جن میں سے داخل شدن اور تاخت کردن بھی ہیں۔

ترجمہ - جس پیغمبر نے تن تنہا (جہاد کے) اس دروازے میں قدم رکھا ہے۔ وہ اکیلا سارے عالم پر غالب آیا ہے۔ اقبال سلمہ ؎

در دعائے نصرت آمین تیغ او قاطعِ نسلِ سلاطیں تیغ او

نوح چوں شمشیر در خواہید ازو موجِ طوفاں گرد حق شمشیر او

ترجمہ - چنانچہ حضرت نوحؑ نے بھی جب اس سے (یعنے حق تعالیٰ سے) تیغ (نصرت) طلب کی۔ تو حق تعالیٰ نے موجِ طوفان کو ان کی تلوار بنا دیا (جس نے ان کے مخالفوں کو فنا کر دیا)۔

مطلب - حضرت نوحؑ کے شمشیر طلب کرنے سے ان کی یہ دعا مراد ہے۔ رَبِّ اِنَّ قَوْمِیْ کَذَّبُوْنِ ۚ فَافْتَحْ بَیْنِیْ وَبَیْنَھُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِیْ وَمَنْ مَّعِیَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ اے میرے پروردگار میری قوم نے مجھے جھٹلایا پس میرا اور ان کا اچھی طرح فیصلہ کردے۔ اور مجھ کو اور میرے ہمراہی مومنوں کو نجات دے (شعراء ع ۶) رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ۝ اے میرے پروردگار زمین پر ان کافروں میں سے ایک بھی بسنے والا نہ چھوڑ (نوح ع ۲) اللہ تعالیٰ نے ایک طوفان آب میں ان کے مخالف کافروں کو غرق کر دیا۔ چنانچہ فرمایا۔ مِمَّا خَطِيْٓــٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۝ قوم نوح کے لوگ اپنی خطاؤں کے سبب سے ڈبو دیئے گئے پھر دوزخ میں داخل کئے گئے (نوح ع ۲)

یہاں حضرت موسیٰ اور حضرت نوح وغیرہ انبیا علی نبینا وعلیہم السلام کے لئے نصرت الٰہی اور دنیا پران کے غلبہ کا ذکر بازبانِ ایک مناجات کرنے والے بندے کی زبان سے چل رہا تھا۔ اب جناب نبی آخرالزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلبہ و نصرت کا ذکر شروع کرتے ہیں۔ مگر چونکہ آپ پر ایک حالت طاری ہے۔ اس لئے سابقہ پیرایہ بیان سے انتقال فرماکر اس کو حق تعالےٰ کے قول سے شروع کرتے ہیں۔

احمدا! خود کیست اسپاہِ زمیں ماہ بیں بر چرخ و بشگافش جبیں

لغات۔ اسپاہ سپاہ الف زائد ہے۔ جیسے اسوار میں۔ جبین پیشانی۔

ترجمہ (حق تعالیٰ فرماتا ہے) اے احمد مجتبیٰ (صلے اللہ علیہ وسلم) یہ کرۂ ارض کی فوج کیا حقیقت رکھتی ہے (آپ کو وہ قدرت دی گئی ہے کہ) آسمان پر چاند کو تاکو۔ اور (اپنے تیر اشارہ سے) اس کی پیشانی کو چھید ڈالو (یعنے اس کے دو ٹکڑے کر دو) امیر خسرو رہ ؎

بر سر مہ بر زد چوں تو کسے تیر ز انگہ نیست ز نون والقلم تیر و کمانِ ہمہ

تا بداند سعد و نحس بے خبر دورِ تست ایں دور نے دورِ قمر

لغات۔ دورِ قمر چاند کا زمانہ اصطلاح میں حضرت آدمؑ کے زمانے سے لیکر آج تک دور قمر کہلاتا ہے۔ ہر کوکب سیارہ کا دور سات ہزار سال کا ہوتا ہے۔ اور دور قمر سب سے آخری دور ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اس دور کے شروع میں پیدا ہوئے ہیں۔ مگر یہاں دورِ قمر سے مراد وہ جاہلیت کا زمانہ ہے۔ جس میں تاثیرات کواکب کے توہمات اور اہل نجوم کے باطل خیالات کے چرچے ہوں۔ ترکیب۔ بے خبر صرف نحس کی صفت ہے۔ نہ کہ سعد کی بھی۔

ترجمہ۔ تاکہ ہر سعادت مند کو اور بدبخت جاہل کو معلوم ہو جائے کہ (یہ) آپ کا زمانہ ہے (جس میں توکل و تسلیم اور صبر و رضا کی تعلیم عام ہے) دورِ قمر نہیں ہے (جس میں لوگوں نے سیر کواکب کو مدارِ عمل بنا رکھا تھا)

دورِ تست ایرا کہ موسئے کلیم آرزو میبرد زیں دورت مقیم

لغات۔ ایرا کہ بکسر ہمزہ بمعنے زیرا کہ تعلیل ہے۔ بعض نسخوں میں آنرا کہ بمد الف و نون غنہ اسم موصول ہے۔ ہمارے قلمی نسخے میں بھی نون کے ساتھ ہے۔ ترکیب۔ ایرا کہ کلمہ تعلیل کی صورت میں موسیٰ کلیم الخ جملہ فعلیہ علت اور دور تست اس کا معلول۔ آنرا کہ اسم موصول کی صورت میں دور تست خبر مقدم آنرا کہ اسم موصول اور موسیٰ کلیم الخ اس کا صلہ مل کر مبتدا مؤخر ہوا۔ دوسرے مصرعہ میں شدے فعل ناقص محذوف ہے۔

ترجمہ (۱) (اے پیغمبرؐ) آپ کا ہی دور ہے۔ اسی لئے تو موسئے کلیم علیہ السلام آرزو کرتے تھے۔ کہ اس دور میں مقیم ہوتے (ورنہ وہ دور قمر کی آرزو کیوں کرتے)۔

(۲) (اے پیغمبرؐ) جس کی موسیٰ کلیم علیہ السلام آرزو کیا کرتے تھے۔ کہ وہ اس دور میں مقیم ہوتے وہ بھی آپ کا دور ہے۔

مطلب۔ صاحب کلید لکھتے ہیں۔ کہ یہ اشارہ معلوم ہوتا ہے ایک حدیث کی طرف جو کہ ابونعیم نے حلیہ میں روایت کی ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ عن انس رضؓ فی حدیث طویل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ تعالیٰ یا موسیٰ نبئ بنی اسرائیل انہ من لقینی وھو جاحد باحمد ادخلتہ النار ولوکان ابراھیم خلیلی وموسیٰ کلیمی قال ومن احمد قال یا موسیٰ وعزتی وجلالی ما خلقت خلقا اکرم علی منہ کتبت اسمہ مع اسمی فی العرش قبل ان اخلق السموٰت والارض والشمس والقمر بالفی الف سنۃ وعزتی وجلالی ان الجنۃ لمحرمۃ علی جمیع خلقی حتی یدخلھا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وامتہ قال موسیٰ ومن امتہ قال الحمادون یحمدون اللہ صعودا وھبوطا وعلی کل حال یشدون اوساطھم ویطھرون اطرافھم صائمون بالنھار ورھبان باللیل اقبل منھم الیسیر وادخلھم الجنۃ بشھادۃ ان لا الٰہ الا اللہ قال موسیٰ یارب اجعلنی نبی تلک الامۃ قال نبیھا منھا قال فاجعلنی من امتہ قال استقدمت واستاخر ساجمع بینک وبینہ فی دار الجلال رواہ فی الحلیۃ۔ یعنے انس سے ایک لمبی حدیث میں روایت ہے۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ بنی اسرائیل سے کہدو کہ جو شخص میرے پاس ایسے حال میں آئے گا۔ کہ احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا منکر تھا میں اس کو دوزخ میں جھونک دوں گا۔ خواہ وہ میرے خلیل ابراہیم علیہ السلام اور میرے کلیم موسےٰ علیہ السلام ہی کیوں نہ ہوں۔ موسےٰ علیہ السلام نے پوچھا۔ یہ احمد کون ہیں؟ ارشاد ہوا۔ کہ اے موسیٰ قسم ہے میری عزت اور جلال کی۔ کہ میں نے کوئی مخلوق ان سے زیادہ مکرم پیدا نہیں کی۔ اور ان کا نام اپنے نام کے ساتھ عرش میں آسمان و زمین وشمس و قمر کے پیدا کرنے سے بیس لاکھ سال پہلے لکھ چکا ہوں۔ اور قسم ہے مجھے اپنی عزت و جلال کی جب تک محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور ان کی امت جنت میں داخل نہ ہولیں گے۔ اس وقت تک جنت میری تمام مخلوق پر حرام ہے۔ موسےٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔ ان کی امت کون ہے۔ ارشاد ہوا۔ کہ جو لوگ اللہ کی حمد کرتے ہیں۔ ہر حالت میں چڑھتے ہوئے اور اترتے ہوئے بھی اور عبادت کے لئے کمر بستہ رہتے ہیں۔ اور اپنے ہاتھ منہ وغیرہ پاک رکھتے ہیں۔ دن کو روزے رکھنے والے ہیں اور رات کو عابد و زاہد ہوں گے۔ میں ان کی تھوڑی سی عبادت بھی قبول کروں گا اور ان کو (صرف) لا الٰہ الا اللہ کہنے پر (بھی) جنت میں داخل کروں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔ تو پھر مجھے اس امت کا نبی کر دیجئے۔ ارشاد ہوا۔ کہ اس کا نبی تو انہی میں سے ہوگا۔ پھر عرض کیا۔ کہ اچھا مجھے ان کی امت ہی میں شامل کر دیجئے۔ ارشاد ہوا۔ کہ تم پہلے ہو گئے ہو۔ اور وہ بعد میں آئیں گے۔ لیکن میں تم کو اور ان کو دار الجلال میں جمع کر دوں گا۔ اس کو حلیہ میں روایت کیا ہے۔ انتہٰے

چونکہ موسےٰ رونقِ دورِ تو دید … کاندرو صبحِ تجلّی مے دمید
گفت یارب ایں چہ دورِ رحمت است … آں گذشت از رحمت اینجا رویت است
غوطہ دہ موسیِٰ خود را در بحار … از میانِ دورہ احمد برار

ترجمہ۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے (کشف سے یا بفحوائے حدیث مذکور حق تعالےٰ کے ارشاد

سے) آپ کے دور کی رونق دیکھی۔ کہ اس میں تجلی حق کی صبح روشن ہے۔ تو (بارگاہ حق میں) عرض کیا۔ الٰہی یہ کیسا رحمت کا زمانہ ہے (بلکہ) رحمت تو رہی در کنار یہاں (تو وفور تجلیات اور کثرت قرب سے) رویت حاصل ہے۔ الٰہی! اپنے (بندے) موسٰے کو (بھی) ان (رحمت کے) دریاؤں میں مستغرق کر دے۔ اور احمد (مجتبیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے زمانے میں پیدا کر دے۔

گفت یا موسیٰ بداں بنمودمت   راہِ آں خلوت بداں بکشودمت

کہ توزاں دوری دریں دَور اے کلیم   پا بکش زیرا دراز ست ایں گلیم

ترجمہ۔ (بارگاہ احدیت سے) ارشاد ہوا۔ اے موسٰی (اس زمانے کا نقشہ) میں نے تم کو اس لئے دکھایا ہے (اور) اس خلوت کا راستہ تم پر اس لئے کھولا ہے کہ تم موجودہ زمانے میں ہونے کے باوجود اُسی زمانہ (مستقبل) کے ساتھ خاص نسبت رکھتے ہو (ہاں ہاں خوب) پاؤں پھیلاؤ۔ کیونکہ یہ کمبل دراز ہے۔

مطلب۔ حق تعالیٰ موسٰے علیہ السلام سے فرماتا ہے۔ کہ ہمارا دریائے رحمت وسیع ہے۔ لہذا تم اپنے زمانے میں ہو کر بھی بعثت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دور کی برکات حاصل کر سکتے ہو۔ حصول برکات کے لئے اس زمانہ مستقبل میں پیدا ہونے کی ضرورت نہیں۔ قال بعضہم ؎

در حوصلۂ ذرہ زخورشید چہ گنجد   در جنب عطائے تو چہ باشد طلب ما

من کریمم ناں نمایم بندہ را   تا بگریاند طمع آں زندہ را

ترجمہ۔ میں کریم ہوں۔ بندہ کو روٹی دکھا دیتا ہوں۔ تاکہ (اسے یہ روٹی دیکھ کر حرص دامن گیر ہو۔ اور وہ) حرص اس ذی حیات کو (شدت شوق سے) رونے پر مجبور کر دے۔

مطلب۔ ہمارا مقصد تو یہی ہے کہ بندوں پر اپنا فضل و کرم مبذول کریں۔ مگر ہم پہلے ایک نعمت دکھا کر اس کے شوق کو برانگیختہ کر دیا کرتے ہیں۔ تاکہ اس کے دل میں اس کی قدر پیدا ہو۔ پھر وہ نعمت اس کو دے دیتے ہیں۔ جس کو وہ قدر کے ساتھ لیتا ہے۔ اور شکر بجا لاتا ہے۔ شیخ عطار رح ؎

شکر نعمت را کمالے میدہد   غافلاں را گوشمالے میدہد
شکر ناکردن زوالِ نعمت ست   بہرۂ شاکر کمالِ نعمت ست

بینی طفلے بمالد مادرے   تا شود بیدار و اجوید خورے

لغات۔ وا حرف زائد ہے۔ خور خوراک۔ غذا۔

ترجمہ (دیکھو) ایک ماں (اپنے) بچے کی ناک کو اس لئے ملتی ہے کہ وہ بیدار ہو جائے (اور) خوراک طلب کرے۔

کو گرسنہ خفتہ باشد بے خبر وال دو پستاں مے خلد از بہر در

لغات۔ گرسنہ بھوکا۔ مے خلد خلید ن کھجانا سے۔ درّ بفتح دال دودھ۔

ترجمہ۔ کیونکہ وہ (بچہ) بے خبر بھوکا سورہا ہوتا ہے۔ اور ادھر (ماں کے) دونوں پستانوں میں (بتقاضائے شفقت) دودھ (کے جوش) سے گدگدی پیدا ہو رہی ہے۔

مطلب۔ بچہ تو چپ چاپ اور بھوک کی تکلیف سے بے پرواسورہا ہے۔ مگر ماں کی مامتا گوارا نہیں کرتی کہ اس کا دلبند بھوکا پڑا رہے۔ اس لئے طبعاً اس کے پستانوں میں گدگدی پیدا ہوتی ہے۔ تاکہ بچہ دودھ پیئے۔ چنانچہ وہ بچے کی ناک مل کر اسے جگا دیتی ہے۔ بچہ چونک کر رونے لگتا ہے۔ تو ماں جھٹ اس کے منہ میں پستان دے دیتی ہے اسی طرح بندہ خدا کی نعمتوں سے بے خبر اور ان کی طلب سے بے پروا ہوتا ہے۔ خود رحمت حق کا دریا جوش میں آتا ہے اور قدرت کسی نہ کسی طرح بندے کی رگ اشتیاق کو حرکت میں لاتی ہے۔ جب وہ الحاح و تضرع سے مانگتا ہے۔ تو حق تعالیٰ اسے اس کی مطلوبہ نعمت دے دیتا ہے۔ آگے یہی مضمون ہے۔

كُنْتُ كَنْزًا رَحْمَةً مَّخْفِيَّةً فَانْبَعَثْتُ اُمَّةً مَّهْدِيَّةً

لغات۔ کنز خزانہ۔ مخفیہ چھپا ہوا۔ اِنْبَعَثْتُ بمعنے بَعَثْتُ ہے۔ کیونکہ انبعاث مصدر لازمی برانگیختہ ہونے کے معنے میں ہے۔ اور یہاں بعث مصدر متعدی بمعنے پیدا کردن و آفریدن مراد ہے۔ مہدی بفتح میم ہدایت یافتہ۔

ترجمہ۔ میں ایک خزانہ یعنے رحمت مخفی تھا۔ تو میں نے ایک ہدایت یافتہ امت (یعنے امت محمدیہ) پیدا کی۔

مطلب۔ حق تعالیٰ کی رحمت بے پایاں کا دریا جوش میں آیا۔ تو قدرت حق امت محمدیہ کی آفرینش کی مقتضی ہوئی کیونکہ یہی امت معرفت میں کمال رکھتی ہے۔ اور اس کی آفرینش تمام امتوں کی آفرینش سے زیادہ مقصود تھی۔ یہ کلمات اس مشہور حدیث قدسی سے مقتبس ہیں۔ کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق۔ یعنے میں ایک مخفی خزانہ تھا۔ پھر مجھے خواہش ہوئی۔ کہ میں پہچانا جاؤں۔ تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔ اس حدیث کی صحت کے متعلق مفتاح العلوم کے پہلے حصے میں بحث گزر چکی ہے۔ آگے مولانا حسب عادت نصیحت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

ہر کراماتے کہ مے جوئی بجاں او نمودت تا طمع داری دراں

ترجمہ۔ جن عطیات کو تم (دل و) جان سے چاہتے ہو۔ وہ اس نے تم کو اسی لئے دکھا دیئے ہیں تاکہ تمہیں ان کی حرص ہو جائے۔

چند بُت بشکست احمد در جہاں تاکہ یارب گوئے گشتند اُمّتاں

ترجمہ۔ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں مبعوث ہو کر چند بت توڑے (اور توحید کو تازہ کیا) تو اقوام عالم خدا کا کلمہ (توحید) پڑھنے لگیں۔

مطلب:- آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا جمال مقدس۔ آپ کی بعثت مبارک آپ کے اعلے کارنامے یہ ساری خداوندتعالیٰ کی نعمتیں تھیں۔ جن کو دیکھ کر بندے مشتاق ہو گئے۔ اور ان کی جماعتوں کی جماعتیں ان نعمتوں سے متمتع ہونے کی غرض سے دین حق میں داخل ہونے لگیں۔ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا۔ صائب ؂
ہر کجا ہمت بتے سنگِ فلاخن سازند گر نہ بینند گل روئے ترا برہمناں

گر نبودے کوشش احمد تو ہم مے پرستیدی چو اجدادت صنم

لغات۔ اجداد جمع جد دادا۔ دادا پردادا۔ بزرگانِ سلف۔ صنم بت۔ موری۔
ترجمہ۔ اگر حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی کوشش بروئے کار نہ آتی۔ تو تو بھی اپنے بزرگوں کی طرح موری پوجا میں لگا رہتا۔
مطلب۔ اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا جمال جہان آرا لوگ نہ دیکھنے پاتے۔ اور آپ کے مرغوب و دلنشین کارنامے لوگوں کے پیش نظر نہ ہوتے۔ تو کیوں کسی کو دین حق میں آنے اور بت پرستی سے بیزار ہونے کا موقع ملتا۔ اسی طرح بت پرستی عام رائج رہتی اور آج تم بھی پرستاران اصنام میں شامل نظر آتے۔ اللہ تعالیٰ نے دیدار جمال نبوی سے لوگوں کو شائق دین بنایا۔ تو دین حق کی اشاعت ہوئی۔ اور بت پرستی کا طلسم ٹوٹا۔ بلکہ باقی تمام ادیان پر قلم نسخ پھر گیا۔ سعدیؒ ؂
بہ لاقامتِ لات بشکست خرد باعزاز دین آب عزّیٰ ببرد
نہ از لات و عزّیٰ بر آورد گرد کہ توریت و انجیل منسوخ کرد

ایں سرت وارست از سجدہ صنم تابدانی حقِّ او را بر اُمم

لغات۔ سجدہ صنم مرکب اضافی بفک اضافت تا بمعنے پس مفید تفریع نہ کہ تعلیلیہ ورنہ شعر کے معنے ٹھیک نہیں ہونگے۔ بدانی بمعنے بداں صیغہ امر ہے۔ نہ کہ فعل مضارع مفید خبر فلا یستقیم المعنے۔
ترجمہ۔ تیرا یہ سر بت کی پوجا سے نجات پا گیا۔ پس تم کو حضورؐ کا حق تمام اقوام پر دیکھنا چاہیے کہ کسقدر بڑا ہے۔ جنہوں نے آپ کے طفیل ہدایت پائی)۔ صائب ؂
خاکِ سیہ روز را شمع شبستان توئی نہ صدف چرخ را گوہر رخشاں توئی
ہر چہ بزیر فلک ہست طفیلی تست مائدہ عشق را نا درہ مہماں توئی

گر بگوئی شکر ایں رستن بگو کز بتِ باطن ہمت برہاند او

لغات۔ کز بت میں کاف تعلیلیہ ہے۔ ہمت ہم ترا۔ برہاند بفتح نون فعل مضارع ہے۔ نہ کہ ماضی بنون غنہ۔
ترجمہ۔ اگر تم اس نعمت رستگاری کا شکر کرتے ہو۔ تو (ضرور) کرو۔ تاکہ وہ (شکر) باطنی بت سے بھی تم کو چھڑا دے۔
مطلب۔ عبادت اصنام کی لعنت سے نجات دلانا تو اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ اسی کا شکر کرنا ہمارا فرض ہے۔ مگر چونکہ یہ نعمت نجات ہم کو توسل سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم ملی ہے۔ لہٰذا ان کا شکر بھی واجب ہے۔ اور شکر کی صورت یہ ہے۔ کہ آپ کا پورا اتباع کیا جائے۔ آپ کے اتباع کی برکت سے اتباع نفس سے بھی نجات مل جائے گی۔ جو باطن

ثابت ہے۔ اور وہ پتھر کے ظاہری بت سے زیادہ خطرناک و مضرت رساں ہے۔ نفس پرستی سنگ پرستی سے بدتر بلکہ سگ پرستی کے برابر ہے۔ غنیمت عفر اللہ لہ ؎

الا اے سر بہ پیش افگندۂ خویش　　　اسیر نفس خویش و بندۂ خویش
ہوس را مرشد خود کردۂ حیف　　　بلائے در بغل پروردۂ حیف
مرید نفس دوں گر دین از چیست؟　　　ندانم سگ پرستی مذہب کیست؟

مر سرت را چوں رہانید از بتاں　　　ہم بداں قوت تو دل را وا رہاں

ترجمہ۔ جب (تم نے حضور کا اتباع کیا۔ تو) انہوں نے تم کو بتوں (کی پوجا) سے نجات دلا دی، تو تم اسی (اتباع کی) قوت سے دل کو بھی (بت نفس کے تعلق سے) چھڑا لو۔

مطلب۔ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کے کہنے پر چلے اس نے بڑی مراد پائی (احزاب ع ۹) فوز عظیم میں نعمت نجات وغیرہ ساری نعمتیں آ گئیں۔ حافظ رح

سزد کز خاتم لعلش زنم لاف سلیمانی　　　چو اسم اعظمم باشد چہ باک از اہرمن دارم

سر ز شکر دیں ازاں بر تافتی　　　کز پدر میراث مفتش یافتی

ترجمہ (دولت) دین (کے حصول پر شارع دین اسلام علیہ السلام) کا شکر ادا کرنے سے تم اس لئے بے پروا ہو کہ اس (دولت) کو تم نے باپ سے مفت کا ورثہ پایا ہے۔

مرد میراثی چہ داند قدر مال　　　رستمے جاں کند مجاں یافت زال

لغات۔ میراثی ورثہ پانے والا۔ رستم ایران قدیم کا مشہور فوجی افسر جس کی بہادری فارسی ادبیات میں ضرب المثل ہے۔ مجاں مفت۔ زال بڑھیا۔ پیرزن۔ رستم کے باپ کا نام بھی زال تھا۔ صنعتاً شعر زال کے لفظ میں ایہام تناسب ہے۔

ترجمہ۔ ورثہ خوار آدمی (جو) مال (پاتا ہے۔ وہ اس) کی قدر کیا جانے۔ ایک رستم (کا سا باہمت آدمی) تو مال کے کمانے میں) اپنی جان کھپاتا ہے۔ اور ایک بڑھیا کو (وہ مال) مفت (بلا محنت) مل جاتا ہے۔

مطلب۔ دولت ایمان اور نعمت دین کی قدر وہ سابقون اولون ہی جانتے ہیں۔ جنہوں نے جفائے اخوان۔ جور جیراں۔ فوت مطالب۔ اضاعت اموال۔ ترک وطن وغیرہ مصائب۔ اور جنگ و جدل۔ تیغ زنی و جاں فروشی کی مشکلات کے بعد اس کو پایا ہے۔ ان کی اولاد اس دولت کی قدر کیا جانے۔ جنہوں نے مہد راحت اور آغوش عیش میں طوطی وار حق اللہ پاک ذات اللہ کی بولی رٹتے آنکھیں کھولی ہیں۔ سعدی رح ؎

فرق ست میان آنکہ یارش در بر　　　با آنکہ دو چشم انتظارش در بر

اوپر ذکر تھا۔ کہ حضرت موسیٰ نے عہد محمدی میں پیدا ہونے کی آرزو کی۔ تو حق تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ ہم نے دانستہ تمہارے اس شوق کو برانگیختہ کیا ہے۔ تاکہ تمہارا وفور شوق ہماری عطائے نعمت کا باعث ہو جائے۔ اور فرمایا تھا ؎

من کریم ناں نمایم بندہ را　　　تا بگریاند طمع آں زندہ را

اسی ضمن میں امت محمدیہ کا آنحضرت کے لئے ممنون ہدایت ہونے کا بیان آگیا۔ اب پھر گریہ شائق کے ذکر کو چھیڑتے ہیں

چوں بگریانم بجوشد رحمتم آں خروشندہ نیوشد نعمتم

لغات۔ خروشندہ نالہ وزاری کرنیوالا۔ نعمتم مرکب اضافی نہیں ہے۔ بلکہ جملہ اسمیہ بمعنے نعمت ہستم ہے۔

ترجمہ۔ جب میں (بندے کو شوق نعمت سے بیتاب کرکے) رُلا دیتا ہوں۔ تو میری رحمت جوش میں آجاتی ہے (اور) وہ رونے والا (نعمت کو زبان حال سے یوں پکارتے) سُن لیتا ہے کہ (اے لو) میں (تمہاری مطلوبہ) نعمت (آگئی) ہوں۔

مطلب۔ ملتجی متضرع کے گریہ سے خدا کی رحمت جوش میں آجاتی ہے۔ اور پھر اس کے حکم سے اس سائل کی مراد برآتی ہے۔ حافظ رہ ؎

گریہ شام وسحر شکر کہ ضائع نگشت قطرۂ باران ما گوہر یک دانہ شد

گر بخواہم داد خود نمائیش چوں تش گردم تبستہ دل کشائیش

ترجمہ۔ اگر مجھے (اس نعمت کا) دینا منظور ہوتا ہے۔ تو اس (بندے) کو (وہ نعمت) دکھا دیتا ہوں جب اسے (اس کے حصول کے شوق میں) تنگدل بنا لیتا ہوں تو پھر (عطا کرکے) اس (کے دل) کو کشادہ کردیتا ہوں۔

اختلاف۔ بعض نسخوں میں پہلا مصرعہ ہر دو فعل منفی پر مشتمل ہے۔ یعنے گر نخواہم داد خود ننمایش درج ہے جس کے معنے یوں ہیں۔ کہ اگر اس نعمت کا دینا مجھے منظور نہیں ہوتا۔ تو میں اس کو دکھاتا بھی نہیں۔ اس سے بھی مطلب وہی نکلتا ہے۔

رحمتم موقوف آں خوش گریہاست چو گریست از بحر رحمت موج خاست

لغات۔ خوش گریہ میں کلمہ خوش کثرت وشدت کا افادہ کرتا ہے۔ گریست گریست باسقاط یا۔

ترجمہ۔ میری رحمت اس گریہائے کثیرہ پر موقوف ہے (جو درد دل سے ہوں) جب بندہ روتا ہے تو رحمت کے دریا سے موج اٹھنے لگتی ہے۔ صائب ؎

بے گریہ مباش کہ شبنم بطرف باغ برگل زفیض دیدۂ تر دست یافت ست

تا نگرید ابر کے خندد چمن تا نگرید طفل کے جوشد لبن

صنائع۔ گریہ وخندہ کے ذکر میں صنعت تضاد ہے۔ گریہ ابر نزول باران سے اور خندہ چمن اس کی تری و تازگی سے کنایہ ہے۔

ترجمہ۔ جب تک بادل (اپنی بوندوں کے آنسو نہ بہائے۔ چمن کب ترو تازہ ہوتا ہے۔ جب تک بچہ نہ روئے (اس کی ماں کے پستانوں میں دودھ کب جوش میں آتا ہے۔ صائب ؎

گریہا در پردہ دارد خندہ ہائے بیتاب خندۂ بے اختیار برق باران آورد

حلوا خریدن شیخ احمد خضرویہ جہت غریماں بالہام حق تعالیٰ

شیخ احمد خضرویہ کا بالہام حق تعالیٰ (اپنے) قرض خواہوں کے لئے حلوا خریدنا

بُود شیخے دائما او وام دار　　از جوانمردی کہ بود او نامدار

لغات۔ وام قرض۔ وامدار قرضدار۔ جوانمردی سخاوت۔ کرم۔ فیاضی۔ نامدار مشہور۔
ترکیب۔ تقدیر کلام یوں ہے شیخے بود کہ از جوانمردی خود کہ در و نامدار بود دائما وامدار ہیماند۔ پس "کہ بود او نامدار" بیان ہے جوانمردی کا اور جوانمردی علت ہے وامدار کی حرف از تعلیلیہ ہے اور کاف بیانیہ۔ بعض شارحین نے ترجمہ میں اس کاف کو تعلیلیہ بنانے میں غلطی کی ہے۔
ترجمہ۔ ایک بزرگ تھے۔ جو اپنی فیاضی کے سبب سے جس میں ان کی (خاص) شہرت تھی اکثر قرضدار رہا کرتے۔

دہ ہزاراں وام کردے از مہاں　　خرج کردے بر فقیران جہاں

لغات۔ دہ ہزاراں دس دس ہزار۔ ہزاروں۔ کثرت مراد ہے نہ کہ عدد مخصوص۔ مہاں جمع مہ کی جس کے معنے ہیں بزرگ مگر یہاں مالی بزرگی کے اعتبار سے سیٹھ ساہوکار اور سرمایہ دار مراد ہیں۔
ترجمہ۔ وہ ساہوکاروں سے ہزاروں روپیہ قرض کرتے۔ اور (دنیا) جہان کے فقیروں پر (جو ان کے ہاں آتے) خرچ کرتے۔

ہم بوام او خانقاہے ساختہ　　خان و مان و خانقہ در باختہ

ترجمہ۔ انہوں نے قرض ہی سے ایک خانقاہ تعمیر کرائی۔ گھر بار اور خانقاہ (سب کچھ) راہ خدا میں لگا رکھا تھا۔

احمد خضرویہ بُودے نامِ او　　خدمتِ عُشّاق بُودے کامِ او

لغات۔ خضرویہ بکسر خاء و سکون ضاد۔ و واؤ معروف و فتح یاء۔ خضر کے ساتھ حرف ویہ نسبت کے لئے شامل ہے۔ جیسے شیرویہ میں اور اسی طرح سیبویہ میں مگر اہل عربیت اس آخری لفظ کو جو ایک مشہور نحوی کا نام ہے بفتح واو و سکون یا پڑھتے ہیں اور بعض کو شیرویہ کو بھی اسی وزن پر بولتے سنا ہے۔ جو غلط ہے۔ شیخ سعدی بحر متقارب میں کہتے ہیں "شنیدم کہ خسرو بشیرویہ گفت" نظامی بحر ہزج میں فرماتے ہیں۔ چو شیراں برگ و شیرویہ نامش۔ کام مراد۔ مقصود۔
ترجمہ۔ احمد خضرویہ اُن کا نام تھا (اس قرض کرنے سے) عاشقان حق کی خدمت ان کو مطلوب تھی۔

وام او را حق زہر جا مے گزارد — کرد حق بہر خلیل از ریگ آرد

ترجمہ۔ ان کے قرض کو اللہ تعالےٰ کسی نہ کسی جگہ سے ادا کرا دیا تھا۔ (اور) حق تعالےٰ سے یہ کیا بعید ہے۔ اس) نے حضرت ابراہیمؑ کے لئے ریت کا آٹا بنا دیا ہے۔

مطلب۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مہمان نوازی اور ان کے خوان کرم کی وسعت ضرب المثل ہے۔ موذخین نے لکھا ہے۔ کہ ایک مرتبہ ان کے ہاں ایک قافلہ مہمان ہوا۔ اتفاق سے اس وقت سامان ضیافت کے لئے کوئی چیز گھر میں موجود نہ تھی۔ خادم کو چند اونٹ دے کر ارشاد کیا۔ کہ فلاں شخص سے کچھ گیہوں لے کر ان اونٹوں پر لا لاؤ۔ خادم گیا۔ مگر وہاں سے جواب ملا۔ کہ گیہوں موجود نہیں ہیں۔ خادم اپنا سا منہ لے کر واپس آ رہا تھا۔ تو راستے میں اس نے اس خیال سے کہ خالی اونٹ لے جانا موجب شرم ہوگا۔ بوریوں میں ریت بھر لی۔ جب گھر پہنچا۔ تو حضرت ابراہیم نے بوریوں کو دیکھ کر فرمایا۔ یہ گیہوں معلوم نہیں ہوتے۔ کیا تم آٹا ہی لے آئے۔ خادم نے مہمانوں کے نخوف سے کچھ جواب نہ دیا۔ اور اس خیال سے کہ اصل حقیقت پھر عرض کر دوں گا۔ خاموش ہو رہا۔ مگر خلیل حقؑ کے کلمات بے اثر ہونے والے تھوڑا ہی تھے۔ چنانچہ جب بوریوں کو کھولا گیا۔ تو سب آٹے سے بھری ہوئی تھیں (کذا فی بحر العلوم)

حضرت ابراہیمؑ کی مہمان نوازی اور برکت سے ریت کا آٹا بن گیا

گفت پیغمبر کہ در بازارہا — دو فرشتہ میکنند دائم ندا

کاے خدا تو منفقاں را دہ خلف — وے خدا تو ممسکاں را دہ تلف

لغات۔ ندا منادی۔ دعا۔ منفقاں جمع منفق خرچ کرنے والا۔ مناسب موقع پر خرچ کرنے سے دریغ نہ کرنے والا سخی کریم النفس۔ خلف معاوضہ۔ اجر۔ نتیجہ۔ ممسکاں جمع ممسک۔ بخیل۔ کنجوس۔ تلف۔ برباد۔ تباہی۔

ترجمہ۔ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ دو فرشتے بازاروں میں ہمیشہ یہ ندا کرتے ہیں۔ (ایک کہتا ہے) کہ یا خدا خرچ کرنے والوں کو (ان کی خیرات کا) عوض دے۔ اور (دوسرا کہتا ہے) اے خدا کنجوسوں کو بربادی دے۔

مطلب۔ یہ حدیث حضرت ابوہریرہ رضؓ سے صحیحین میں مروی ہے۔ اور وہ بہ اصل الفاظ مفتاح العلوم کے تیسرے حصے میں پیر چنگی کے قصے کے خاتمے کے قریب درج ہو چکی ہے۔

خاصہ آں منفق کہ جاں انفاق کرد — حلق خود قربانیٔ خلاق کرد

ترجمہ خصوصاً وہ خرچ کرنے والا جس نے (خدا کی راہ میں) جان تک خرچ کر ڈالی ہو (اور) اپنے حلق کی خالق برحق کے لئے قربانی دیدی ہو۔ صائبؒ ؎

درراہِ او نثار کن ایں خردۂ حیات — وانگہ نگاہ کن کہ چہ زرہا ہمے دہند

حلق پیش آورد اسماعیل وار — کارد بر حلقش نیارد کردگار

لغات۔ نیارد آوردن کے مصدر سے فعل مضارع منفی ہے۔ جس کا فاعل کردگار ہے۔ لیکن اگر کردگار

بکاف تازی ہو۔ اور نیاز دگرد بمعنے نوازد کردہو۔ تو یہ فعل مضارع از رستن سے مشتق ہوگا۔ جس کا فاعل کارد و مفعول کار قرار پائے گا۔ پس ترجمہ دو طرح ہوگا۔

ترجمہ اس (راہ خدا کے جان نثار) نے حضرت اسمٰعیل کی طرح اپنا گلا (اس کی راہ میں) پیش کر دیا۔ مگر (۱) حق تعالیٰ اس کے گلے پر چھری کو چلنے نہیں دیتا (۲) چھری اس کے گلے پر کارگر نہیں ہوسکتی

پس شہیداں زندہ زاں رُو یند و خوش — تو بداں قالب بمنگر گبروش

لغات۔ زاں رو یند زاں جہت ہستند۔ بمنگر فعل نہی از نگریستن بریا زائد داخل ہے۔ گبر آتش پرست

ترجمہ۔ پس شہید لوگ اسی لئے زندہ اور خوش ہیں۔ تم (ان کے) اس قالب (خاکی) کو (ایک آتش پرست کی طرح (بگمان بد) نہ دیکھو۔

مطلب۔ گبر یا آتش پرست سے مطلق کافر مراد ہے جس کو دیگر مسلمات شرعیہ کی طرح شہدا کے مدارج اخرویہ پر بھی یقین نہیں ہے۔ اور وہ ان کے جسم خاکی کو ایک قالب بے روح اور محض غذائے مار و مور اور ان کی ارواح کو معدوم سمجھتا ہے۔ حالانکہ وہ بارشاد ربانی وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ الخ زندہ ہیں اور نعمائے آخرت سے متمتع اور شاد و مسرور ہیں۔ ونعم قیل ؎

کُشتہ دفن از آں رو شہید را بارخت — کہ ہر کہ کشتہ او گشت جامہ نگذارد

جامہ گذاشتن ایک محاورہ ہے وفات پانے کے معنے میں۔ جو عموماً بڑے لوگوں کی وفات کے لئے مستعمل ہے

چُوں خلف دادست شاں جانِ بقا — جانِ ایمن از غم و رنج و شقا

لغات۔ خلف عوض۔ بدلہ۔ جانِ بقا باقی رہنے والی جان۔ زندہ جاوید مصدر بمعنے صفت ہے۔ بعض نسخوں میں جو بقا کی بجائے لقا بائے مثناۃ درج ہے غلط اور بے محل ہے۔ ترکیب جان بقا مبدل منہ اور جان ایمن اس کا بدل سارا شعر جملہ فعلیہ ہوکر شرط ہے۔ اور اس کی جزا محذوف ہے۔ اور دال علے الجزا اوپر کا شعر پس شہیداں الخ

ترجمہ۔ چونکہ اس (خالق کائنات) نے ان شہیدوں کو ہمیشہ زندہ رہنے والی جان بطور عوض بخشی ہے۔ ایسی جان جو غم۔ رنج اور محرومی سے بے خوف ہے (لہذا شہید زندہ جاوید ہیں)۔

شیخ وامی سالہا ایں کار کرد — مے ستد مے داد ہمچوں پائے مرد

لغات۔ وامی منسوب بوام۔ قرض کا عادی۔ پامرد مستقل مزاج آدمی۔ دلیر۔

ترجمہ۔ (غرض ان) قرض کے عادی بزرگ نے برسوں یہی کام کیا۔ کہ ایک مستقل مزاج آدمی کی طرح لین دین کرتے رہے۔

تخمہا مے کاشت تا روزِ اجل — تا بود روزِ اجل میرِ اجل

لغات۔ اجل موت۔ اجل بتشدید لام بزرگ گر یہاں بہ تخفیف آیا ہے۔ صنائع اجل کے لفظوں میں تجنیس نام

ترجمہ وہ مرتے دم تک نیکی کے بیج بوتے رہے تاکہ مرنے کے دن (اپنے نیک اعمال کے اجر میں) ایک سردار بزرگ بن جائیں۔

چونکہ عمرِ شیخ در آخر رسید　　در وجودِ خود نشانِ مرگ دید

ترجمہ۔ جب شیخ کی عمر خاتمہ کو پہنچی۔ تو انہوں نے اپنے وجود میں موت (کی آمد) کے نشان ملاحظہ کیے

وامداراں گردِ او بنشستہ جمع　　شیخ در خود خوش گدازاں ہمچو شمع

لغات۔ وامدار قرضخواہ۔ خوش خوب۔ بکثرت۔ گدازاں پگھلنے والا۔

ترجمہ۔ قرضخواہ ان کے گرد جمع ہو بیٹھے۔ (ادھر) شیخ شمع کی طرح اپنے آپ میں خوب گھل رہے تھے۔

وامداراں گشتہ نومید و ترش　　درد دلہا یار شد با دردِ شش

لغات۔ نومید ناامید ترش۔ ناراض۔ خفا۔ شُش پھیپھڑا۔ ریہ۔ اندرونِ صدر کا خاص عضو ہے۔ لہذا ہم اس کا ترجمہ چھاتی کریں گے۔

ترجمہ۔ قرضخواہ (کبھی شیخ کی آخری حالت دیکھ کر وصولی قرض سے) ناامید (ہو جاتے تھے) اور (کبھی) خفا (ہونے لگتے) تھے۔ (ان کے) دلوں میں ایک ٹیس (اٹھتی تھی) اور ساتھ ہی چھاتی پر سانپ سا لوٹ جاتا تھا۔

شیخ گفت ایں بدگماناں را نگر　　نیست حق را چار صد دینارِ زر؟

ترجمہ۔ شیخ نے کہا ان بدگمانوں کو دیکھو۔ کیا (ان کے بقایا کی ادائگی کے لئے) خدا کے خزانے میں چار سو طلائی دینار بھی نہیں ہیں (جو یہ ناامید ہوئے جاتے ہیں)

کودکے حلوا ز بیروں بانگ زد　　لافِ حلوا بر امیدِ دانگ زد

ترجمہ (اتنے میں) ایک لڑکے نے باہر (سڑک پر) آواز دی " حلوا (ترگرم)" اور پیسہ کمانے کی امید پر حلوے کے تعریفی فقرے دُہرائے۔

شیخ اشارت کرد خادم را بسر　　کہ برو آں جملہ حلوا را بخر

ترجمہ۔ شیخ نے نوکر کو سر کے اشارہ سے فرمایا کہ جاؤ وہ تمام حلوا خرید لو۔

تا غریماں چونکہ آں حلوا خورند　　یک زمانے تلخ در من ننگرند

لغات۔ غریم قرضخواہ۔ صنائع حلوا اور تلخ کے معانی میں حلاوت و تلخی کا تضاد پر مزہ ہے۔

ترجمہ۔ تاکہ جب قرضخواہ اس حلوے کو کھائیں گے۔ تو کچھ دیر تک تو مجھ کو ناراضگی کی نظر سے

نہیں دیکھیں گے۔

درزماں خادم بروں آمد زدر تاخرد آں جُملہ حلوا زاں پسر

ترجمہ۔ اسی وقت خادم دروازہ سے نکلا۔ تاکہ اس لڑکے سے سارا حلوا خرید لے۔

گُفت او را گیں ہمہ حلوا بچند؟ گفت کودک نیم دینار و اند

لغات۔ اَند عدد مبہم کے لئے کنایہ ہے۔ جو تین سے نو تک کے لئے مستعمل ہے۔

ترجمہ اس کو کہا۔ یہ سارا حلوا کتنے میں (دوگے)؟ لڑکا بولا۔ کچھ اوپر نصف دینار میں۔

گُفت نے از صُوفیاں افزُوں مجو نیم دینارت دہم دیگر مگو

ترجمہ۔ (خادم نے) کہا نہیں صوفیوں سے زیادہ (قیمت) نہ مانگو۔ نصف دینار دونگا (بس) اور کچھ نہ بولو

او طبق بنہاد اندر پیشِ شیخ تو ببیں اسرارِ سِرّ اندیشِ شیخ

ترجمہ (غرض) اس (لڑکے) نے اندر جاکر تھال (کا تھال) شیخ کے آگے رکھدیا۔ (اب) تم ذرا اس بھید کے سوچنے والے شیخ کے اسرار کو دیکھو۔

کرد اشارت با غریماں کیں نوال نک تبرّک خوش خورید ایں را حلال

لغات۔ نوال عطا۔ بخشش۔ نک مخفف اینک یہ لو۔ تبرّک برکت کی چیز جو کسی بزرگ سے حاصل ہو۔

ترجمہ۔ شیخ نے قرضخواہوں کو اشارہ کیا۔ کہ یہ عطیہ تبرک ہے۔ اس کو حلال (سمجھ کر) خوب کھاؤ۔

بہرِ فرماں جُملگی حلقہ زدند خوش ہمی خوردند حلوا ہمچو قند

ترجمہ۔ سب نے حکم (کی تعمیل) کے لئے حلقہ باندھ لیا (اور) حلوے کو قند کی طرح خوب کھانے لگے۔

چُوں طبق خالی شد آں کودک ستد گفت دینارم بدہ اے پُر خرد

ترجمہ جب تھال خالی ہوگیا۔ تو اس لڑکے نے اٹھالیا۔ (اور) کہا اے (بزرگ) دانشمند میرا (نصف) دینار عطا فرمائیے۔

شیخ گفتا از کجا آرم درم؟ وام دارم مے روم سُوئے عدم

ترجمہ شیخ نے کہا۔ دام کہاں سے لاؤں؟ میں (تو خود) مقروض ہوں (اور) اب مرہا ہوں۔
نکتہ۔ شیخ کا مقصد بالہام ربانی یہ تھا۔ کہ بچہ کو مایوس کرکے رلادیا جائے۔ تاکہ رحمتِ خداوندی جوش میں آجائے ورنہ اس کے حق کو غصب کرنے کا ارادہ نہ تھا۔ اور نکتہ اس میں یہ ہے۔ کہ شیخ نے اس کو مایوس کرنے کے لئے

کوئی غلط یا جھوٹ بات نہیں کہی۔ مثلاً یوں نہیں کہا۔ کہ جاؤ تم کو کچھ نہیں ملیگا۔ بلکہ کہا۔ تو یہی کہا کہ دام کہاں سے لاؤں۔ میں خود مقروض ہوں۔ مررہا ہوں۔ اور یہ ساری باتیں سچ بھی تھیں۔ اور ان میں یاس کا بھی پورا سامان تھا۔

کودک از غم زد طبق را بر زمیں ناله و گریه بر آورد و حنیں

لغات۔ حنین رونا چلانا۔ نالہ و زاری کرنا۔ پھوٹ پھوٹ کر رونا۔

ترجمہ۔ لڑکے نے غم کے مارے تھال کو زمین پر دے مارا۔ اور رونے دھونے چیخنے چلانے لگا

ناله میکرد و فغان و ہاے ہاے کاے مرا بشکسته بودے ہر دو پاے

ترجمہ۔ روتا چلاتا تھا اور ہائے ہائے کرتا تھا (اور کہتا تھا) کہ میرے دونوں پاؤں ہی ٹوٹ گئے ہوتے۔ (تاکہ یہاں نہ آتا)

کاشکے من گرد گلخن گشتمے بر در ایں خانقه نگذشتمے

ترجمہ۔ کاش میں (اپنی حلوائے پکانے کی بھٹی کے آس پاس ہی گشت لگا (کر حلوا فروخت کر) لیتا۔ اور اس خانقاہ کے دروازے پر نہ آتا۔

صوفیانِ طبل خوار لقمه جو سگدلان ہمچو گربه روے شو

لغات۔ طبل خوار۔ طبل کے معنے ڈھول۔ یعنے کھا کھا کر ڈھول کا سا پیٹ پھلا لینے والا۔ پرخور۔ پیٹو۔ صنائع سگ و گربہ مناسبات ہیں۔

ترجمہ۔ ان صوفی صاحبان (سے خدا بچائے) جو پیٹو ہیں لقمہ (چرب) کے خواہاں رہتے ہیں۔ کتوں کے سے (حریص) دل رکھتے ہیں (مگر ظاہری شان زہد و طہارت دکھانے کے لئے) بلی کی طرح منہ دھوتے رہتے ہیں۔

از غریو کودک آنجا خیر و شر گرد آمد گشت بر کودک حشر

لغات۔ غریو شور و غل۔ خیر و شر بھلے برے لوگ۔ حشر بھیڑ بھاڑ۔

ترجمہ۔ لڑکے کے شور و غوغا سے وہاں بھلے برے (ہر قسم کے) لوگ جمع ہو گئے اور لڑکے کے پاس بھیڑ لگ گئی۔

پیش شیخ آمد که اے شیخ درشت تو یقیں داں که مرا استاد کشت

ترجمہ۔ (اب تک تو وہ باہر کھڑا رو رہا تھا۔ اب شیخ کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا اے شیخ سنگ دل! (اگر میں قیمت سے خالی ہاتھ گیا تو) تم یقین رکھو کہ مجھ کو استاد نے مار ہی ڈالا (یعنے میرا مارا جانا یقینی ہے)!

گر برِ استاز وم دستِ تہی | او مرا بکشد، اجازت میدہی؟

لغات۔ استا۔ مخفف استاد۔ دستِ تہی میں اضافت نہیں ہے بلکہ یہ مرکب غیر امتزاجی بمعنے تہیدست ہے۔
ترجمہ۔ اگر میں (اپنے) استاد کے پاس خالی ہاتھ گیا۔ تو مجھے (جان سے) مار ڈالیگا۔ کیا تم اسکو جائز رکھتے ہو؟

واں غریماں ہم بانکار و جحود | رو بشیخ آورد کایں بازی چہ بود؟

لغات۔ جحود۔ دیدہ و دانستہ انکار کرنا۔ آورد بمعنے آوردند صیغہ جمع مراد ہے۔
ترجمہ۔ اور (ادھر) وہ قرضخواہ بھی ردّ و کد کے لہجے میں شیخ سے مخاطب ہوئے (اور کہا) کہ (حضرت!) یہ کیا کھیل تھا (جو آپنے کھیل کر دکھایا؟ یعنے ہمارا تو قرض تھا ہی یہ ایک اور شاخسانہ نکال کھڑا کیا کہ اس لڑکے کا حلوا ہم کو کھلا دیا۔ اور یہ بیٹھے بٹھائے پیّا مچوا دی)۔

مالِ ما خوردی مظالم مے بری | از چہ بود ایں ظلمِ دیگر بر سری؟

لغات۔ مظالم حقوق۔ مطالبات۔ برسری علاوہ۔
ترجمہ۔ ہمارا مال تو ہضم کیا ہی تھا۔ اور (ہمارے) مطالبات کو (ادا کئے بدون ملک عدم میں اپنے ساتھ) لئے جا رہے ہو۔ یہ ایک اور ظلم اس کے علاوہ کس لئے ہوا؟

تا نمازِ دیگر آں کودک گریست | شیخ دیدہ بست و در وے ننگریست

لغات۔ نمازِ دیگر عصر کی نماز۔ دیدہ آنکھ۔
ترجمہ۔ عصر کی نماز تک وہ لڑکا روتا رہا۔ شیخ نے آنکھیں بند کر لیں۔ اور اسکو دیکھا تک نہیں۔

شیخ فارغ از جفا و از خلاف | درکشیدہ روے چوں مہ در لحاف

ترجمہ۔ شیخ (ان گفت و شنید کے) جھگڑوں بکھیڑوں سے آزاد تھے (اور اپنا) چاند کا سا (نورانی) چہرہ لحاف میں چھپائے (پڑے) تھے۔ (وہ مطمئن تھے۔ جو قرض لیا۔ اللہ تعالےٰ کے لئے لیا تھا وہی ادا کرےگا)

با اجل خوش با ازل خوش شاد کام | فارغ از تشنیع و گفتِ خاص و عام

لغات۔ ازل مقدر۔ یعنے جو کچھ روز ازل میں مقدر ہو چکا۔ تشنیع برا بھلا کہنا۔ صنائع۔ اجل اور ازل میں تجنیس ہے
ترجمہ۔ وہ اپنی موت پر بھی خوش تھے اور مقدر پر بھی راضی تھے۔ خاص و عام کے برا بھلا کہنے سے بے پروا تھے۔

آنکہ جاں در روے او خندد چو قند | از ترشروئیِ خلقش چہ گزند؟

صنائع۔ قند و ترشروئی کا تضاد ذوق پُر لطف ہے۔

ترجمہ۔ جس شخص کی جان اس کے سامنے اپنے قند کے سے تبسم (شیریں) سے ہنس رہی ہو۔ اس کو مخلوق کی ترشروئی سے کیا تکلیف پہنچ سکتی ہے؟

آنکہ جاں بوسہ دہد بر چشمِ اُو | کے خورد غم از فلک و زخشمِ اُو

ترجمہ جس شخص کی آنکھ پر اس کی جان بوسہ دے رہی ہو۔ اس کو آسمان کی بدسلوکی اور اس کے غضبناک ہونے سے کیا غم ہے؟

در شبِ مہتاب مہ را بر سماک | از سگاں وعوعو ایشاں چہ باک

لغات۔ سماک بکسر سین منازل قمر میں چودھویں منزل کا نام ہے۔ عوعو۔ کتوں کی آواز۔
ترجمہ۔ چاندنی رات میں چاند کو اپنی چودھویں منزل (یعنے درجہ کمال) میں کتوں سے اور ان کی بھوں بھوں سے کیا خطرہ ہے۔ کما قیل ۵

مہ نور مے فشاند و سگ بانگ مے زند | سگ را بپرس خشم تو برماہتاب چیست

سگ وظیفہ خود بجائے آورد | مہ وظیفہ خود برُخ مے گسترد

ترجمہ۔ (ادھر) کتا اپنا معمول پورا کر رہا ہے (اُدھر) چاند اپنا فرض (نورافشانی ادا کرتا ہوا) چہرہ پر (روشنی) ڈال رہا ہے۔

کارکِ خود مے گزارد ہر کسے | آب نگذارد صفا بہر خسے

لغات۔ کارک کار کے ساتھ کاف تصغیر شامل ہے۔
ترجمہ۔ ہر شخص اپنا دھندا بجا لا رہا ہے۔ پانی ایک تنکے کی وجہ سے اپنی صفائی کو نہیں چھوڑتا۔
مطلب۔ اس طرح یہ بزرگ اپنے کام یعنے مشاہدہ جمال حق میں مصروف تھے۔ ان کو لوگوں کے طعن و تشنیع کی پروا نہ تھی۔

خس خسانہ مے رود بر روئے آب | آب صافی میرود بے اضطراب

لغات۔ خس کے دو معنے ہیں تنکا اور کمینہ۔ خسانہ کمینوں کی طرح صنائع خس اور خسانہ میں تجنیس ناقص۔
ترجمہ۔ تنکا کمینوں کی طرح پانی کی سطح پر جا رہا ہے دگر پانی (اس سے برہم نہیں ہوتا بلکہ) کسی جھجک کے بغیر صفائی کے ساتھ چلا جاتا ہے۔
مطلب۔ سبحان اللہ خسیس و شریف کے معاملہ کی کس قدر عمدہ تمثیل ہے۔ کمینہ ایک شریف آدمی کے مقابلے میں ہمیشہ تفوق و برتری چاہتا ہے۔ بڑھ چڑھ کر بولتا ہے۔ معاملات میں اس کو دبا لینے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کو لوگوں میں خفیف کرنے سے باز نہیں آتا۔ مگر ایک شریف النفس و عالی ہمت آدمی کو ان باتوں کی پروا نہیں ہوتی۔ جس طرح تنکے کا پانی کے اوپر چڑھ کر چلنا پانی کی رفتار میں کچھ بھی فرق نہیں ڈال سکتا۔ اسی طرح شریف آدمی بھی اپنے

کام سے نہیں رکتا جس طرح پانی کی صفائی میں کچھ تفاوت نہیں آتا۔ اسی طرح شریف آدمی کی طبیعت بھی غصہ۔ بغض کینہ۔ جوش انتقام کی کدورت سے آلودہ نہیں ہوتی۔ جس طرح پانی میں کسی قسم کا اضطراب نہیں آتا۔ یہ شریف آدمی بھی طیش پر کوئی نامنتظم حرکت نہیں کرتا۔ غرض جب سفلہ برسرِ مقابلہ ہو۔ تو شریف آدمی کو اس سے کسی قسم کا سروکار ہی نہ رکھنا چاہئے۔ جامی رہ ؎

چو با تو خصم شود سفلہ آں نہ از خرد است — کہ در خصومتِ وے مکر و حیلہ ساز کنی

ہزار حیلہ تواں ساخت وز ہمہ آں بہ — کہ ہم ز صلح و ہم از جنگش احتراز کنی

نامرد آدمی سے درگزر کرنا شکست نہیں۔ فتح ہے۔ صائبؒ ؎

ز شجاعت نیست آلودن بخونِ حیض تیغ — ہر کہ از نامرد رو گرداں شود مغلوب نیست

بلکہ کمینے کی شکایت کرنا اور اس کو اپنے مقابلے میں رکھنا بھی خود اپنی توہین ہے ؎

سفلہ را با خود طرف کردن طریقِ اہل نیست — زینہار از غیر کفو صائب شکایت سر مکن

مصطفےٰ مہ مے شگافد نیم شب — ژاژ مے خاید ز کینہ بولہب

لغات۔ مہ شگافتن۔ چاند کے دو ٹکڑے کر دینا۔ شق القمر کا معجزہ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ظہور پذیر ہوا تھا۔ مفتاح العلوم کے دوسرے حصے میں اس معجزہ کا مفصل بیان اور اس کے متعلق مخالفین کے اعتراضات اور ان کے مدلل جواب درج ہو چکے ہیں۔ ژاژ خائیدن ژاژ ایک خاردار بوٹی کا نام ہے۔ جس کو اونٹ کے سوا اور کوئی جانور نہیں کھاتا۔ خائیدن کے معنے چبانا۔ یہ ایک محاورہ ہے۔ مراد بکواس۔ بیہودہ گوئی۔ ابولہب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک چچا کا نام ہے۔ جو تعلق قرابت کے باوجود اسلام اور پیغمبر کے ساتھ عداوت رکھنے میں ابوجہل سے کم نہ تھا۔ یا تو اس کو اپنے پیارے بھتیجے (یعنے سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ وہ پیار تھا۔ کہ آپ کی ولادت کی خبر سن کر نہایت مسرت کا اظہار کیا۔ اس کی کنیز ثویبہ جو یہ بشارت اس کے پاس لے گئی۔ اس کو فوراً اس خوشی میں آزاد کیا۔ پھر نبوت سے پہلے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیاں زینب اور ام کلثوم اس کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے ساتھ بیاہی گئیں۔ یا جب آپ منصب نبوت سے سرفراز ہوئے۔ تو وہ اسقدر عداوت پر آمادہ ہو گیا۔ کہ علانیہ برا بھلا کہتا رہتا۔ اور اپنے بیٹوں کو مجبور کر کے دونوں صاحبزادیوں کو طلاقیں دلوا دیں۔ اس کی نابکار بیوی آپ کے رستے میں کانٹے بچھا دیتی۔ حتےٰ کہ ایک خاص قرآنی سورت میں اس پر اور اس کی بیوی پر عتاب الٰہی نازل ہوا۔ تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ آپ بھی ہلاک ہوا۔ مَآ اَغْنٰی عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝ نہ تو اس کا مال ہی اس کے کچھ کام آیا اور نہ اس کی کمائی۔ سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ وہ عنقریب دہکتی آگ میں پڑے گا۔ وَّامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ اور اس کی جورو بھی جو لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝ گردن میں مونج کی رسی ڈالے پھرتی ہے۔ اس کے چھوٹے فرزند عتیبہ نے طلاق دیتے وقت یہ حرکت بھی کی۔ کہ غصے کی حالت میں حضور کے پاس گیا۔ اور برملا آپ کو سخت و سست کہا۔ آپؐ نے دعا کی۔ اَللّٰھُمَّ سَلِّطْ عَلَیْهِ كَلْبًا مِّنْ كِلَابِكَ۔ الٰہی اس پر اپنے درندوں میں سے کوئی درندہ مسلط کر دے۔ چند روز کے بعد وہ بغرض تجارت ایک قافلے کے ساتھ ملک شام کو روانہ ہوا۔ رستے میں ایک شب اہل قافلہ سو رہے تھے۔ ایک شیر آیا۔ اور عتیبہ کو اٹھا کر لے گیا۔ یہ آپ کی بددعا کا کرشمہ تھا۔ صائبؒ ؎

گرچہ مجز از ستمگاری زد آتش در سپند دود تلخش انتقام از دیدۂ بخر کشید

ترجمہ (حضرت محمد) مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) تو آدھی رات کے وقت بطور معجزہ چاند کے دو ٹکڑے کر رہے ہیں (ادھر) ابولہب کینے سے بکواس کر رہا ہے (تو اس سے ظہور معجزہ میں کوئی رکاوٹ واقع نہیں ہو سکتی)

آں مسیحا مُردہ زندہ مے کند وال جہود از خشم سبلت میکند

لغات۔ مسیحا حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا لقب۔ اصل عربی کلمہ مسیح ہے۔ الف کا الحاق فارسی والوں کا تصرف ہے ان کا یہ معجزہ تھا۔ کہ خدا کے حکم سے مردہ کو زندہ کر دیتے۔ جہود یہودی لوگ۔ بنی اسرائیل۔ حضرت موسیٰ کی امت۔ حضرت عیسےٰ کی بعثت اسی قوم میں ہوئی تھی۔ اور انہی کے ساتھ ان کا پالا پڑا تھا۔ جنہوں نے اپنے کفر و انکار کے ساتھ ان کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائیں۔ پھر آپ کو دار پر چڑھانے کی کوشش کرنے والے بھی یہی لوگ تھے سبلت کندن مونچھیں نوچنا۔ مراد بے چینی۔ اضطراب۔ سبلت میں سین اور با دمفتوح ہیں۔ مگر یہاں ضرورۃً با ساکن آئی ہے۔

ترجمہ (ادھر تو) وہ عیسےٰ علیہ السلام (ہیں جو) مردہ کو زندہ کرنے کا معجزہ دکھا) رہے ہیں (ادھر) وہ یہودی (لوگ ہیں کہ) غصے کے مارے اپنی مونچھیں نوچ رہے ہیں (ہر فریق اپنے اپنے کام میں مصروف ہے)

مطلب۔ اسی طرح شیخ اپنی دھن میں مست تھے۔ اور لوگ طعن و تشنیع میں سرگرم تھے۔

بانگ سگ ہرگز رسد در گوش ماہ؟ خاصہ ماہے کو بود خاص الٰہ!

ترجمہ۔ (بھلا) کتے کی آواز کہیں چاند کے کان میں پہنچ (کر اس کو اپنے شغل نور افشانی سے باز رکھ) سکتی ہے؟ خصوصاً وہ (فلک ولایت کا) چاند جو حق تعالےٰ کا خاص (مقرب بندہ) ہو۔

مطلب۔ مقربان حق کے قلب میں ارذل و سفہائی بدسلوکیوں کے تکدرات کا گزر ہی نہیں ہوتا۔ جو ان کو مشاہدہ جلال احدیت سے باز رکھ سکیں۔ کیونکہ ان کو کسی اور طرف التفات ہی نہیں ہوتی۔ حافظؒ ؎

بر دو ختام دیدہ چو باز از ہمہ عالم تا دیدہ من بر رخ زیبائے تو باز است

مے خورد شہ بر لب جُو تا سحر در سماع از بانگ چُغزاں بے خبر

لغات۔ مے خورد شراب سے نوشد۔ بر لب جو مے خواروں کے نزدیک سبزہ اور کنار آب مے خواری کے بہترین لوازم ہیں۔ عمر خیام اپنی مے خواری کے ذکر میں جا بجا ان کا ذکر لاتا ہے۔ چغز بفتح جیم فارسی آخر میں زائے معجمہ۔ غوک۔ مینڈک۔

ترجمہ۔ بادشاہ نہر کے کنارے پر صبح تک نا و نوش میں مصروف ہے (مگر) مینڈکوں کے ٹرانے کی اُسے خبر تک نہیں۔

مطلب۔ وہی شیخ کا استغراق اور لوگوں کی باتوں سے اس کی بے پروائی۔ امیر خسروؒ ؎

خصم بسے طعنہ زد و دوست پند داد چشم دلم در تو بود اگوش بر ایشاں نرفت

عراقیؒ ؎

نہ صلح و جنگ کسانم غم تو فارغ ساخت نہ با کسم سر صلح و نہ طاقت جنگ ست

اب پھر قصے کی طرف آتے ہیں

ہم شدے توزیعِ کودک دانگ چند ہمّتِ شیخ آں سخا را کرد بند

لغات۔ توزیع۔ تقسیم یہاں چندہ مراد ہے۔ یعنے کچھ مخصوص مقدار کی نقدی کی ادائگی ہر شخص پر ڈال دینا۔ دانگ چھ رتی کا وزن اتنے وزن کی چاندی کا کوئی سکہ ہوگا۔ پیسہ

ترجمہ۔ اس لڑکے کے لئے چند پیسوں کا چندہ بھی ہوسکتا تھا۔ مگر شیخ کے (بلند) مقصد نے اس داد و دہش کو بھی بند کر دیا۔

مطلب۔ کسی سخی کی عطا اور مسکین کی وصولی کو بند کر دینا کوئی ہمت کا کام نہیں۔ لہذا یہاں ہمت سے مراد مقصد ہے۔ یعنے شیخ کا مقصد یہ تھا۔ کہ وہ لڑکا روتا رہے۔ اور رحمت خداوندی جوش میں آکر سارے کام بنا دے۔ ورنہ چندہ ہو جانے کی صورت میں لڑکا آنکھیں پونچھ کر اپنی راہ لگتا۔ اور باقی قرضخواہوں کا جھگڑا جوں کا توں رہ جاتا اس مقصد عالی نے اس چندہ کو روک دیا۔

تا کسے ندہد بکودک ہیچ چیز قوّتِ پیراں ازاں ہست نیز

ترجمہ۔ تاکہ کوئی شخص اس لڑکے کو کچھ نہ دے (ہم خود دینگے) بزرگوں کی قوت تو اس سے بھی کہیں زیادہ ہے۔

مطلب۔ یعنے کوئی اس بات پر تعجب نہ کرے کہ شیخ اس تہیدستی میں بھی جبکہ پرانے قرضخواہ بھی اس کو گھیرے بیٹھے ہیں اس بچے کا مطالبہ ادا کرنیکی ہمت رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کے آگے یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ وہ اتنا دم خم رکھتے ہیں۔ کہ "ترک شیرازی" کے کسی کرشمے سے خوش ہو جائیں۔ تو اس کے "خال ہندو" کے تصدق میں "سمرقند و بخارا" کی جاگیریں دے ڈالیں صائب رحمۃ گرچہ در ظاہر بزیرِ دست و پا افتادہ اند بگذرند از نہ فلک چوں خشِ ہمت زیں کنند

شد نمازِ دیگر آمد خادمے یک طبق بر سر زپیشِ حاتمے

ترجمہ۔ نماز عصر ہو چکی تو ایک نوکر سر پر ایک صینی (رکھے) ایک حاتم (کے سے کریم النفس صاحب) کی طرف سے آیا۔

صاحبِ مالے و حالے پیشِ پیر ہدیہ بفرستاد کز وے بُد خبیر

ترجمہ۔ ایک مالدار اور اہل حال (مرید) نے (اپنے ان) مرشد کی خدمت میں (کچھ رقم بطور) نذر بھیجی کیونکہ وہ ان کے حال سے آگاہ تھا کہ وہ اپنے کرم و سخاوت کے باعث مقروض رہتے ہیں۔

مطلب۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہدیہ بھیجنے والا سخی آدمی ان کا مرید تھا۔ اور جیسے کہ مالدار مرید بتقاضائے ارادت اپنے مرشد کی خدمت کیا کرتے ہیں۔ اس نے کچھ رقم بھیجی ہوگی۔ مگر قدرت حق کا جلوہ اس میں یہ تھا۔ کہ وہ رقم ساہوکاروں کے قرضے اور طفل حلوا فروش کی قیمت حلوا کے مطابق اتنی کی اتنی ہی تھی۔ جن کے مطالبہ کا وہاں ہنگامہ برپا تھا۔ "کز وے بُد خبیر" میں مرید کو صرف ان بزرگ کے فیاضانہ اخراجات کی خبر ہونا مراد ہے۔ موجودہ جھگڑے بکھیڑے سے آگاہ ہونا

مقصود نہیں۔ جو اسلوب کلام سے ظاہر ہے۔ لہذا رقم مرسلہ اور مطالبہ غرما کی مطابقت صرف قدرت کا ایک کھیل تھا۔ جامیؒ

بسا قفلے کہ ناپیدا کلید ست — بر در راہ کشایش ناپدید ست
پدید آید ز غیب آن را کشا دے — ودیعت در کشا دش ہر مرادے

چار صد دینار بر گوشہ طبق — نیم دینارِ دگر اندر ورق

ترجمہ (پورے) چارسو دینار (اس صینی میں رکھے تھے۔ اور) صینی کے کنارے پر آدھا دینار (اور کاغذ کی پوڑیہ میں (لپیٹا رکھا تھا)

مطلب۔ اوپر شیخ مذکور کے ایک قول "نیست حق را چار صد دینار زر؟" سے ظاہر ہو چکا ہے۔ کہ قرضخواہوں کا مطالبہ پورے چارسو دینار کا تھا۔ اس کے بعد نصف دینار قیمت حلوے کا جھگڑا برپا ہو گیا۔ اور یہ تمام مطلوبہ رقم پوری کی پوری مطالبہ کرنیوالوں کے بیٹھے بیٹھے آگئی۔ اگر یہاں فرض کر لیا جائے۔ کہ مرید کو خود اس مطالبہ کی مقدار اور حلوے کی قیمت کے جھگڑے کا علم تھا۔ یا شیخ نے پیغام بھیجکر اطلاع کر دی تھی۔ جس پر اس نے مطلوبہ رقم بھیجدی۔ تو پھر شیخ کی کرامت ثابت نہیں ہوتی۔ اور نہ اس قصے کی وہ شان ہی قائم رہتی ہے جس کے لئے مولانا کا دریائے بلاغت متلاطم ہو رہا ہے بلکہ یہ ایک معمولی واقعہ بن کر رہ جاتا ہے۔ لہذا مقصود بیان یہ ہے۔ کہ نہ مرید کو اس حال کا علم تھا۔ نہ پیر نے استدعائے اعانت کی۔ بلکہ ان کی نگاہ توصرف اپنے مالک حقیقی کے خزانہ غیب کی طرف لگی ہوئی تھی۔ ادھر مرید نے جو کچھ اپنے پیر کو دینے کے لئے جمع کر رکھا تھا۔ اور اس میں کچھ ریزگاری نصف دینار کی بھی تھی۔ جس کو بغرض حفاظت کاغذ میں باندھ رکھا تھا۔ جیسے کہ اکثر لوگ دونی چونی کو کاغذ میں لپیٹ رکھتے ہیں۔ تاکہ روپوں پیسوں میں مل جل کر گم نہ ہو جائیں۔ مرید نے اپنی آمدنی کا کچھ حصہ پیر کی خدمت کے لئے مخصوص کر رکھا ہوگا۔ جس کو بتدریج جمع کر رہا ہوگا۔ ادھر یہ رقم چارسو اور نصف دینار کو پہنچی۔ اور ادھر پیر کی خانقاہ میں اتنی ہی رقم کے مطالبہ کا پیمانہ صبر لبریز ہونے پر آگیا۔ تو فوراً قدرت حق نے مرید کے دل میں اس رقم کو پیر کی خدمت میں بھیجدینے کا ارادہ القا کر دیا۔ اور اس رقم نے فتنہ کی اس بھڑکتی ہوئی آگ پر پانی کا کام کیا۔ جس کے استعمال کی مرید کو خبر بھی نہ تھی۔ یہاں یہی بات مقصود ہے۔ اور یہی اس قصے کی جان ہے۔

خادم آمد شیخ را اکرام کرد — واں طبق بنہاد پیشِ شیخ فرد

لغات۔ اکرام۔ تعظیم۔ آداب بجالانا۔ فرد۔ یگانہ۔ یکتا۔ بے نظیر۔

ترجمہ۔ خادم حاضر ہوا۔ شیخ کی تعظیم بجالایا۔ اور اس طبق کو شیخ یگانہ (روزگار) کے سامنے رکھدیا۔

چوں طبق پوش از طبق برداشت او — خلق دیدند آں کرامت را ازو

ترجمہ جب اس (شیخ) نے صینی سے صینی پوش اٹھایا (اور حاضرین نے اس میں چارسو اور نصف دینار کو دیکھا) تو لوگوں کو ان کی کرامت صاف نظر آگئی۔

مطلب۔ یہ فوری عقدہ کشائی شیخ کی ایک کرامت تھی۔ جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ظہور میں آئی۔ اور کرامت وہ ہوتی ہے۔ جس کا ظہور امور عادیہ و اختیاریہ پر مترتب نہ ہو۔ بلکہ وہ کسی غیبی نظام کے ماتحت ظاہری و معتادہ اسباب کے بغیر وقوع پائے۔ لہذا اگر مرید کو اس قصے کا علم ہوتا۔ یا پیر صاحب خود اس کو اطلاع کر دیتے۔ تو پھر اس رقم کی آمد کوئی کرامت

نہ ہوتی۔ بلکہ اس کا ترتب امور عادیہ اختیاریہ پر ہوتا۔ کما بیناہ آنفاً۔

آہ وافغاں از ہمہ برخاست زود کاے سر شیخاں و شاہاں ایں چہ بود؟

ترجمہ فوراً سب (کے منہ) سے آہ وفغاں (کا شور) بلند ہوا۔ کہ اے (اقلیم باطن کے شہریار) شائخ اور (ممالک ظاہر کے حکمران) بادشاہوں کے سردار یہ کیا (کرشمہ تھا (جو آپ نے دکھایا)

اختلاف۔ بحر العلوم کے متن اور کالکا پرشاد کے نسخے میں برخاست کی بجائے برداشت درج ہے۔ جو غلط ہے فعل متعدی یہاں کھپ نہیں سکتا۔

ایں چہ سر ست؟ ایں چہ سلطانی ست باز اے خداوند خداوندان راز

ترجمہ۔ یہ کیا بھید ہے؟ یہ کیا (باطنی) سلطانی (کے اقتدار کا تماشا دکھایا ہے؟ اے (باطنی) رازدانوں کے آقا (کچھ تو فرمائیے)

ماندانستیم ما را عفو کن بس پراگندہ کہ رفت از ما سخن

ترکیب۔ عفوکن فعل ما را مفعول براول سخن مبین اور بس پراگندہ رفت از ما جملہ اسمیہ اس کا بیان مل کر مفعول ثانی

ترجمہ۔ (حضرت!) ہم بے خبر تھے۔ وہ نہایت ناواجب کلمات جو ہمارے منہ سے نکل گئے تھے ہمیں معاف فرمائیے

ماکہ کورانہ عصاہا مے زنیم لاجرم قندیلہا را بشکنیم

ترجمہ۔ ہم جو اندھوں کی طرح (بے سوچے سمجھے بیہودہ گوئی کی) لاٹھیاں چلاتے ہیں۔ تو (بزرگوں کے صاف و روشن قلوب کی) قندیلوں کو توڑ بیٹھتے ہیں۔

ماچو کراں ناشنیدہ یک خطاب ہرزہ گویاں از قیاس خود جواب

ترجمہ۔ ہم (تو) بہروں کی طرح (ہیں۔ جو مخاطب کی) ایک بات بھی سنتے (سمجھتے) نہیں (اور) اپنے قیاس سے اٹکل پچو جواب دیتے جاتے ہیں۔

مطلب۔ اسی طرح عام لوگ بزرگان دین کے گفتار و کردار کی تہ کو تو پہنچتے نہیں۔ اور ان کے ظاہر کو اپنے میزان قیاس میں رکھ کر جو جی میں آتا ہے۔ حکم لگا دیتے ہیں۔ صائبؒ ؎

منہ انگشت بگفتار بزرگاں زنہار تیر بر چرخ میند از کہ برمے گردد

مازموسیٰ پند نگرفتیم کو گشت از انکار خضرا و زرد رو

لغات انکار اظہار ناپسندیدگی۔ اعتراض۔ زرد رو کنایہ ہے شرمندہ سے۔

ترجمہ۔ (افسوس) ہم نے حضرت موسیٰ (کے قصے) سے بھی عبرت نہ پکڑی۔ جو حضرت خضرؑ پر اعتراض کرکے شرمندہ ہوئے تھے

مطلب ۔ بے سوچے سمجھے عجلت کے ساتھ اعتراض کر بیٹھنا یہاں تک غیر مناسب ہے۔ کہ حضرت موسٰی علیہ السلام کو بھی حضرت خضر پر اعتراض کرکے ندامت اٹھانی پڑی تھی۔ حالانکہ حضرت موسٰی کی منزلت حضرت خضر سے بدارج بڑھ کر تھی پس جب ایک بڑے درجے کا آدمی آپ سے چھوٹے درجے کا آدمی پر بےمحل اعتراض کرکے ندامت اٹھاتا ہے۔ تو ہم آپ سے کم رتبہ ہیں۔ ہمارا آپ پر اعتراض کرنا تو اس سے بھی کہیں زیادہ باعث ندامت وخجالت ہونا چاہیئے۔ چنانچہ ہوا سعدیؒ

چوں درآید مہ از توے سخن　　　گرچہ بہ دانی اعتراض مکن

نوٹ۔ حضرت موسٰے اور حضرت خضر علیہما السلام کا قصہ حضرت موسٰیؑ کے افضل ہونے کا ثبوت اور حضرت خضر کی افضلیت کا شبہ پیش کرنیوالوں کا جواب شرح وبسط کے ساتھ مفتاح العلوم حصہ اول میں قصہ زرگر کے خاتمے پر درج ہے۔

باچناں چشمے کہ بالامی شتافت　　　نورِ چشمش آسماں رامی شگافت

کردہ باچشمت تعصب موسیا　　　ازحماقت چشمِ موشِ آسیا

لغات۔ تعصّب بے جاحمایت۔ اپنی بات کی پچ کرنا۔ مرغی کی ایک ٹانگ ہانکے جانا۔ موسیا موسے کے ساتھ الف ندا شامل ہے۔ موشِ آسیا دراصل موشِ آسا ہے۔ یعنے مثل موش ع خلیل آسا در ملک یقین زن۔ ی کی زیادتی اور سین کا کسرہ بحکم ضرورت ہے۔ جو مثنوی کی وسعت تجوز کے لئے چنداں مستبعد نہیں۔ بعض شارحین نے اس کو چکی کا چوہا سمجھا ہے ولکنا لانجد لہ وجھاً۔ **ترکیب**۔ پہلا شعر سارے کا سارا جار ومجرور ہوکر دوسرے شعر کے فعل تعصب کردہ کے متعلق ہے۔ اور اس کا فاعل چشمِ موشِ آسیا ہے۔ دوسرے شعر میں باچشمت کا کلمہ وضع مظہر موضع مضمر ہے۔ **صنائع** موسیا اور موشِ آسیا میں تجنیس ناقص آسیا فرعون کی نیک دل بیوی کا نام بھی تھا۔ جس نے حضرت موسٰی کی پرورش کی تھی۔ لہٰذا اس لفظ میں ایہام تناسب ہے۔

ترجمہ۔ اے (شیخ) موسٰی (زمان! آپکی) اس آنکھ کے باوجود جو (عالم) بالا کی طرف عروج کرتی تھی۔ (اور) اس کا نور بصارت آسمان سے پار جاتا تھا (ہماری) چوہے کی سی (ناکارہ) آنکھ نے (محض) حماقت کی وجہ سے آپکی آنکھ کے ساتھ تعصب کیا۔

مطلب۔ آپ مہبط تجلیات اور مشاہد جمال لم یزل ہونے کے اعتبار سے ہمارے نزدیک بمنزلہ حضرت موسٰے ہیں۔ ہم نے محض بے خبری میں آپ سے معارضہ کیا۔ جس پر اب ہم نادم ہیں۔ امیر خسرو رحؒ

وقتے ز تاب طعن کستودم بہ بیدلے　　　دائم دلِ خراب مراحق او گرفت

سوال۔ شرع میں کسی کو ایذا دینا جس میں کوئی مصلحت شرعی یا جس کو ایذا دی جائے۔ اس کی اصلاح وبہبودی مدنظر نہ ہو ممنوع ہے۔ پھر کیا وجہ ہے۔ کہ شیخ ممدوح نے حلوا فروش لڑکے کو بلا وجہ ادائے قیمت سے مایوس کرنے کی ایذا پہنچائی جس پر اس کا رونا دلالت کرتا ہے۔ اگر شیخ نے یہ کام الہام کی بنا پر کیا۔ تو الہام کی بنا پر کسی غیر مشروع کام کا ارتکاب بھی شرعاً کہاں جائز ہے؟

جواب۔ اول تو شیخ کا یہ فعل مصلحت سے خالی نہ تھا۔ جن لوگوں کی نظر اسباب ظاہرہ تک محدود تھی۔ اس لئے وہ اپنے مقروض کو تہی دست اور رجال طلب دیکھ کر وصولی قرضہ سے مایوس ہو رہے تھے۔ اور ان کو خداوند تعالٰی کے خزانۂ غیب پر کچھ بھروسہ نہ تھا۔ ان کو یہ عملی سبق دینا شیخ کا مقصود تھا۔ کہ لَا تَيْأَسُوا مِن رَّوْحِ اللَّهِ إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ

مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۔ یعنے اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو۔ بے شک اللہ کی رحمت سے کافر لوگ ہی نا امید ہوا کرتے ہیں۔ چنانچہ شیخ نے درم والیسین میں اپنے ہاتھ ان لوگوں کو رحمت حق کا نمونہ دکھا کر ان کے مضمحل ایمان کو قوی کر دیا۔ دوسرے شرعاً ممنوع وہ ایذا ہے۔ جس میں ایذا پانے والے کی رضا متحقق نہ ہو۔ نہ صراحتاً نہ دلالۃً اور نہ وقت ایذا۔ نہ بعد ایذا۔ مگر شیخ کو اس لڑکے کی رضا وقت ایذا دلالۃً معلوم تھی۔ یعنے وہ جانتا تھا۔ کہ جب اس کو دام مل جائیں گے۔ تو خوش وخرم ہو جائیگا۔ اور اس کے دل کی سب کلفت دُور ہو جائیگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ پس جس ایذا سے محذور شرعی بھی لازم نہیں آیا۔ اور اس سے ایک مصلحت بھی پوری ہوگئی۔ وہ قبیح نہیں۔ بلکہ حسن تھی۔

اب شیخ حاضرین کے اس سوال پر کہ "ایں چہ بود؟" "ایں چہ سِرّ است" اصل حقیقت ظاہر فرماتے ہیں۔ اور ان کی اس التجا پر کہ "مارا عفو کن" اور اس عذر پر کہ "ماکوراں ز عصامے زنیم" "ما چو کراں ہرزہ گویاں" ان کو معافی بخشتے ہیں۔

شیخ فرمود آں ہمہ گفتار و قال ۔۔۔ من بحل کردم شمارا آں جدال

لغات۔ بحل معاف۔ جدال لڑائی۔ ترکیب یا تو "ہمہ گفتار و قال" مبدل منہ ہے۔ اور "آں جدال" بدل۔ یا یہ ترکیب عطفی ہے۔ بتقدیر حرف عطف پس ترجمہ دو طرح ہوگا۔

ترجمہ (۱) شیخ نے فرمایا میں نے وہ تمام بحث و تکرار (کہ) وہ (ایک مفت کا) جھگڑا تھا) تم کو معاف کیا (۲) شیخ نے فرمایا میں نے وہ تمام بحث و تکرار (اور) وہ (لڑائی) جھگڑا تم کو معاف کیا۔

سِرّ آں ایں بود کز حق خواستم ۔۔۔ لاجرم بنمود راہِ راستم

لغات۔ خواستم میں نے دعا کی۔ راہ راستم راہ راست مرا۔

ترجمہ اس (سارے واقعہ) کا راز یہ تھا۔ کہ میں نے حق تعالیٰ کی جناب میں (ادائے قرضہ کے لئے) دعا کی۔ تو اس نے اس کی مناسب تدبیر مجھے بتا دی۔

گفت ایں دینار اگرچہ اندک ست ۔۔۔ لیک موقوفِ غریوِ کودک ست

ترجمہ (حق تعالیٰ نے) فرمایا اگرچہ یہ (چارسو) دینار تھوڑے ہی ہیں (جن کی ادائیگی کچھ بڑی بات نہیں) لیکن وہ ایک بچے کے رونے پر موقوف ہیں۔

تا نگرید کودکِ حلوا فروش ۔۔۔ بحرِ بخشایش نمے آید بجوش

ترجمہ۔ جب تک حلوا بیچنے والا لڑکا گریہ (وزاری) نہ کرے (ہماری بخشش کا دریا جوش میں نہیں آتا۔

اے برادر طفلِ طفلِ چشم تست ۔۔۔ کامِ خود موقوفِ زاری داں نخست

ترجمہ اے بھائی! (حصولِ مقصد کے لئے تم کو بھی رونا) لڑکا (مطلوب ہے۔ تو وہ لڑکا) تمہاری آنکھ ہے۔ (لہٰذا) اپنی مراد کو پہلے رونے پر موقوف سمجھو۔

مطلب۔ یہاں سے بطور نتیجہ گریہ وزاری کے فوائد بیان کرتے ہیں۔ کہ گریہ ذریعہ مراد مندی ہے۔ صائب ؒ

بے گریہ مباش کہ شبنم بطرفِ باغ　　برگل زفیضِ دیدۂ تر دست یافتہ است

کامِ تو موقوفِ زاریِ دلست　　بے تضرّع کامیابی مشکل ست

ترجمہ (پھر یہ بھی خیال رہے۔ کہ بناوٹی رونا مفید نہیں بلکہ) مراد مندی دل کے رونے پر موقوف ہے گڑگڑا کر دعا کئے بدون کامیابی مشکل ہے۔ صائب ؒ

چاک در سینۂ گردوں نتواند انداخت　　نالہ کز دلِ صد چاک نیاید بیروں

گر ہمے خواہی کہ مشکل حل شود　　خارِ محرومی بگل مبدل شود

گر ہمے خواہی کہ آں خلعت رسد　　پس بگریاں طفلِ دیدہ بر جسد

ترجمہ۔ اگر تم یہ چاہو۔ کہ مشکل حل ہو جائے۔ اور محرومی کا کانٹا پھول (کی شکل میں) بدل جائے۔ اگر تم چاہو۔ کہ وہ خلعت قبول حق تم کو مل جائے۔ تو اپنے طفل چشم کو (لذات) جسم (کی خواہشات) پر رلاؤ (جن کا تقاضا تم کو تباہ کر رہا ہے) صائب ؒ

دلِ آگاہ زتحریکِ ہوا آسودہ است　　نیست از بادِ خطر تختِ سلیمانی را

ترسانیدن شخصے زاہدے را کہ کم گری تا کور نشوی

ایک شخص کا ایک زاہد کو ڈرانا۔ کہ کم رو تا کہ کہیں اندھے نہ ہو جاؤ

زاہدے را گفت یارے در عمل　　کم گری تا چشم را ناید خلل

لغات۔ یارے درعمل جو اعمال طریقت میں اس کا رفیق تھا۔ ہم مشرب۔ یار طریقت۔ گری امر ہے گریستن سے۔
ترجمہ ایک زاہد کو (اس کے) ایک یار طریقت نے کہا کم رویا کرو۔ تاکہ آنکھ میں کوئی خرابی نہ آجائے۔

گفت زاہد از دو بیروں نیست حال　　چشم بیند یا نہ بیند آں جمال

ترجمہ۔ زاہد نے کہا (میرا) حال دو (صورتوں) سے خالی نہیں (یا تو) آنکھ اس جمال کو دیکھے گی۔ یا نہ دیکھے گی۔

گر بہ بیند نورِ حق خود چہ غم ست　　در وصالِ حق دو دیدہ چہ کم ست

ترجمہ۔ اگر یہ (آنکھیں) حق تعالیٰ کے نور کا مشاہدہ کریں گی۔ تو پھر (ان کے جاتے رہنے پر) کیا غم ہے۔ وصال حق میں (مشاہدہ جمال کے وقت جو) دو آنکھیں (رہیں گی وہ) کیا کم ہیں۔

ورنخواہد دید حق را گو برو — این چنیں چشم شقی گو کور شو

ترجمہ۔ اگر وہ حق تعالیٰ کا مشاہدہ جمال نہ کرے گی۔ تو جاتی رہے۔ بلا سے۔ ایسی بدبخت آنکھ کو اندھی ہو جانے دو۔ کما قیل ؎

کور باد آں چشم کو محظوظ دیدارے نشد — قطع باد آں دست کو در گردن یارے نشد

غم مخور از دیدہ کاں عیسیٰ تراست — چپ مرو تا بخشدت دو چشم راست

لغات۔ چپ رفتن کنایہ ہے۔ کجروی سے۔ راست درست۔ صحیح صنائع عیسیٰ استعارہ ہے خداوند تعالیٰ کے لئے چپ و راست میں صنعت ایہام تناسب۔

ترجمہ۔ آنکھوں کے لئے غم نہ کرو کیونکہ (اگر وہ جاتی رہینگی۔ تو) وہ (حق تعالیٰ حضرت عیسیٰ (کی طرح جو اندھوں کو بینا کر دیتے تھے۔) تمہارے لئے (بینائی کا سامان کر دینے والا) ہے۔ (بے صبری کے ساتھ) کجروی (اختیار) نہ کرو۔ تاکہ وہ تم کو (دنیا یا آخرت میں) دو تندرست آنکھیں عطا کر دے۔

مطلب۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ حاصل تھا کہ وہ دم کر کے یا ہاتھ کے ساتھ چھو کر مادرزاد اندھوں کو بینا اور ناقابل علاج جذامیوں کو تندرست کر دیتے تھے۔ وَاُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ یعنے (حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا) میں اللہ کے حکم سے مادرزاد اندھے اور جذامی کو تندرست اور مُردوں کو زندہ کر دیتا ہوں (آل عمران ع ۵) یہاں آنکھوں کے جاتے رہنے پر صبر کرنے کی تلقین کی ہے۔ مصائب و شدائد پر صبر کرنے کی فضیلت احادیث میں بکثرت آئی ہے۔ بعض احادیث میں خصوصیت سے زوال ابصارت پر صبر کرنے پر اجر آخرت کی بشارت مروی ہے۔ عن انس قال سمعت النبی صلے اللہ علیہ وسلم یقول قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ اذا ابتلیت عبدی بحبیبتیہ ثم صبر عوضتہ منھما الجنۃ یرید عینیہ۔ یعنے انس رضہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے۔ کہ اللہ سبحانہ وتعالےٰ فرماتا ہے۔ میں جب اپنے بندے کو اس کی دو پیاری چیزوں (کے جاتے رہنے) میں مبتلا کروں۔ پھر وہ صبر کرے۔ تو میں ان دونو کے عوض میں اس کو جنت دوں گا (ان دو چیزوں سے) آپ کی مراد اسکی دو آنکھیں تھیں۔ (مشکوٰۃ) غم مخور سے صبر کرنا مراد ہے۔ اور چپ مرو سے یہ مقصود ہے کہ اس مصیبت میں کوئی ایسی حرکت نہ کرو جو صبر اور تقوے و توکل کے خلاف اور دینی استقامت کے منافی ہو۔ دو چشم راست کے حصول سے یا تو دنیا میں صبر کا نتیجہ ظفر مراد ہے کہ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا۔ صائبؒ ؎

بد میگر دد پس از خشکی برو مند نبات — از سر منصور دار آخر بساماں میرسد

یا آخرت میں صبر کا اجر مقصود ہے ؎

نصیب تلخ کاماں ست صائب میوۂ جنت — دو رو زے ہمچو مرداں بر جگر دنداں فشار اینجا

عیسیٰ رُوح تو با تو حاضر ست — نصرت از وے خواہ کو خوش ناصر ست

لغات۔ عیسیٰ رُوح میں عیسیٰ کنایہ ہے زندہ کرنیوالے سے۔ لہذا یہ اضافت تشبیہی نہیں ہے۔ کما یتبادر بلکہ اضافت فاعل بمفعول ہے۔ نصرت مدد۔ یاری۔ خوش بڑا۔ نہایت۔

ترجمہ۔ تمہاری روح کو زندہ رکھنے والا تمہارے ساتھ حاضر (وناظر) ہے اس سے مدد مانگو۔ وہ بڑا مددگار ہے۔
مطلب۔ مصائب میں خدا سے مدد چاہیئے۔ اور اس کی بارگاہ کی طرف رجوع کرنے کی ترغیب فرماتے ہیں۔ اول تو وہ بندوں کے لئے سب سے زیادہ رؤف ورحیم اور بہترین مددگار ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔ دوسرے وہ شاہرگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ۔ اس کے علاوہ وہ قبولیت دعا کی خود امید دلاتا ہے۔ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ (بقرہ ع ۲۳) پس ایسے بہترین مددگار اور اقرب مددگار کی درگاہ میں کیوں نہ دعا کی جائے۔ خصوصاً جبکہ وہ خود اپنے بندوں کو دعا کی ترغیب دیتا ہے ؎

بنال پیش درش خسروا کہ آں سلطاں — شناخت ست کہ ایں نالہ گدائے من ست
حافظ آبِ رُخ خود بردر ہر سفلہ مریز — حاجت آں بہ کہ بر قاضیٔ حاجات بریم

لیک بیگارِ تنِ پُر استخواں — بر دلِ عیسےٰ منہ تو ہر زماں

لغات۔ بیگار فارسی کلمہ ہے کارِ بے مزد کسی کے سر زبردستی ڈالا ہوا کام۔
ترجمہ۔ لیکن (اس عیسےٰ روح کا کام روح کو زندہ کرنا ہے باقی اس) ہڈیوں بھرے بدن (کی زیب و آرائش) کی بیگار (کا بار) اس عیسےٰ کے دل پر نہ رکھو۔
مطلب۔ یعنے جس طرح حضرت عیسےٰ کے اس احمق رفیق نے آپ کو خواہ مخواہ مجبور کرنا شروع کیا تھا۔ کہ ان ہڈیوں میں جان ڈال دو۔ تم بھی عیسےٰ روح یعنے حق تعالیٰ پر اپنے ہڈیوں بھرے جسم کی بیگار نہ ڈالو۔ بلکہ اس سے یہی چاہو کہ وہ تمہاری روح کو عروج وترقی نصیب کرے۔ کیونکہ یہی تمہارے لئے زیادہ مفید ہے۔ اور یہی اس کے لئے شایاں ہے۔ دنیوی مقاصد اور جسمانی خواہشات کے پورا ہونے کی اس سے دعا نہ کرو۔ کیونکہ یہ تمہارے لئے بھی چنداں مفید نہیں۔ اور مردارِ دنیا کا سوال اس کی شان مقدس کے لحاظ سے بھی نازیبا ہے۔ اور اس تعلیم سے مراتب زہد کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے جامی رح ؎ بخوشبوئی وخوشخواری مکن خوے — بتاب از راحتِ پشت وشکم روے
یا اس لحاظ سے کہ درگاہ خداوندی کی شان ایسی مرادات کے طلب کرنے سے ارفع ہے۔ چنانچہ نماز بھی ایک ایسا موقع ہے جس میں کمال ادب ملحوظ رکھنا لازم ہے۔ اسی لئے تشہد میں جو دعا مانگی جاتی ہے۔ اس کے متعلق یہ فقہی مسئلہ ہے کہ لا یدعوا بما یشبہ کلام الناس وکلام ہم ما لا یستحیل سوالہ منہم مثل اللّٰھم اکسنی اللّٰھم زوجنی یعنے تشہد کے بعد کوئی ایسی دعا نہ مانگے۔ جو لوگوں کے کلام سے مشابہ ہو۔ اور لوگوں کے کلام سے مراد یہ ہے۔ کہ لوگوں سے ایسی چیز کا سوال کرنا امر محال نہ ہو۔ جیسے الٰہی مجھے پہننے کو کپڑا دے۔ الٰہی فلاں عورت کے ساتھ میری شادی کر دے (جوہرہ نیرہ) ورنہ شرعاً کسی امرِ مباح کے لئے دعا مانگنا ممنوع نہیں۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِیَسْاَلْ اَحَدُکُمْ رَبَّهٗ حَاجَتَهٗ کُلَّهَا حَتّٰی یَسْاَلَ شِسْعَ نَعْلِهٖ اِذَا انْقَطَعَ یعنے انس رض سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بندہ کو چاہیئے۔ کہ اپنے پروردگار سے اپنی ہر حاجت کا سوال کرے۔ حتےٰ کہ جب نعل کا تسمہ ٹوٹ جائے۔ تو اس کا بھی سوال کرے (مشکوٰۃ)
کلام الٰہی دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی مانگنے کی تلقین کرتا ہے۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ اے ہمارے پروردگار! ہم کو دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے۔ اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا۔ صائب رح ؎

دنیا و آخرت چہ بود پیش جُودِ حق   ہمت بلند دار زحق ہر دو را طلب

پُر استخوان کی صفت تن کی تحقیر کے لئے آئی ہے۔ کیونکہ استخوان کی جسم حیوان میں وہی مثال ہے۔ جیسے کسی میوے میں گٹھلی۔ اور ظاہر ہے کہ بڑی گٹھلی یا زیادہ گٹھلیوں والا میوہ چھوٹی گٹھلی یا کم گٹھلیوں والے میوے سے گھٹیا شمار ہوتا ہے۔

دلِ عیسےٰ سے مراد دلِ حق تعالیٰ ہے۔ اور حق تعالےٰ کے لئے دل کے کلمہ کا استعمال ایسا ہی ہے۔ جیسے قرآن مجید میں حضرت عیسےٰ کا وہ قول منقول ہے۔ جو قیامت کے روز وہ حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کریں گے۔ کہ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ۔ الٰہی جو کچھ میرے دل میں ہے تو اس کو جانتا ہے۔ اور جو کچھ تیرے دل میں ہے اس کو میں نہیں جانتا۔ اور تو غیب کی باتوں کو جانتا ہے (سورہ مائدہ ع ۱۶) اور نفس اور دل ایک ہی بات ہے۔

اختلاف۔ بعض نسخوں میں یہاں بیگار کی بجائے پیکار بجائے فارسی و کاف تازی درج ہے۔ بحر العلوم کا متن بھی اس کے موافق ہے۔ اگرچہ یہ لفظ اس مقام سے قدرے بُعد رکھتا ہے۔ مگر یہ تاویل ہو سکتی ہے۔ کہ پیکار کے معنے ہیں۔ لڑائی جھگڑا اور جھگڑا بعض اوقات مجازاً بکھیڑے الجھیڑے اور جنجال کے معنے میں استعمال ہوتا ہے۔ وہذا ہو المراد ہہنا۔

ہمچو آں ابلہ کہ اندر داستان   ذکرِ او کردیم بہرِ راستاں

ترجمہ۔ جیسے کہ اس بیوقوف نے جس کا ذکر اس قصے میں ہم نے اہل حق کے لئے کیا ہے (استخوان کو زندہ کرنے پر اصرار کیا اور اس کا خمیازہ اٹھایا)

مطلب۔ اسی طرح تم بھی لذات جسمانیہ کے لئے حق تعالیٰ سے دعائیں مانگ مانگ کر اگر کامران ہو بھی گئے۔ تو اس کا انجام اچھا نہیں۔ ان کرتوتوں سے تعلقات عالم قدس کو منقطع کر بیٹھو گے۔ حافظ رحمۃ اللہ علیہ ؎

چگونہ طوف کنم در سرائے عالم قدس   چو در سراچہ ترکیب تختہ بندِ تنم

زندگیِ تن مجو از عیسیٰت   کامِ فرعونی مخواہ از موسیٰت

ترجمہ۔ اپنے عیسےٰ (یعنے حق تعالیٰ) سے بدن کی زندگی کے لئے اصرار نہ کرو (بلکہ اوج کی ترقی و عروج کی آرزو مندی کرو) اپنے موسیٰ (یعنے حق تعالیٰ) سے فرعونی مقصد (یعنے تن پروری اور لذات جسمانی) نہ چاہو۔

بر دلِ خود کم نہ اندیشۂ معاش   عیش کم ناید تو بر درگاہ باش

ترجمہ۔ اپنے دل پر فکر معاش (کا بار) کم رکھو (لہذا) تم درگاہ حق میں حاضر رہو (پھر دیکھو۔ کہ اس سامانِ معاش اور) عیش (ظاہری) میں بھی کمی نہ آئے گی۔

مطلب۔ سامان معاش اور عیش ظاہری تو صرف بدن ظاہری کی زندگی سے تعلق رکھتی ہے۔ جو اصل مقصود نہیں ہے۔ بلکہ اصل مقصود صرف حیات روح ہے۔ صائبؒ ؎

ز تن درست بر دار جاں را صفا دہ   کہ آئینہ چشم ست آئینہ داں را

اور جس حد تک عیش ظاہری کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے واہب العطایا پر بھروسہ رکھو ؎

کار خود گر بخدا باز گزاری حافظ　　　اے بسا عیش کہ با بخت خداداد کنی

نظامی رح ؎

غم روزی مخور تا روز ماند　　　کہ خود روزی رساں روزی رساند

آگے اس بات کی دلیل دیتے ہیں کہ کیوں درگاہ حق میں حاضر ہونے سے عیش ظاہری میں کمی نہیں آتی۔ سنو!

ایں بدن خرگاہ آمد رُوح را　　　یا مثالِ کشتیٔ مر نُوح را

لغات۔ خرگاہ خیمہ۔ نوح ایک پیغمبر اولوالعزم جنہوں نے کچھ کم ایک ہزار برس عمر پائی۔ عمر بھر لوگوں کو ہدایت کی۔ مگر معدودے چند اشخاص کے سوا کوئی ایمان نہ لایا۔ آخر آپ نے ان سرکش لوگوں سے مایوس ہو کر درگاہ حق میں دعا کی۔ کہ الٰہی سب کا خاتمہ کردے۔ ورنہ ان سے گمراہ اولاد ہی پیدا ہوگی۔ یہ دعا قبول ہوئی۔ پانی کا ایک طوفان عظیم آیا۔ جس میں تمام منکرین غرق ہو کر ہلاک ہوئے۔ اور ان میں خود حضرت نوح کا ایک فرزند بھی تھا۔ مگر آپ نے اپنے متبعین سمیت ایک کشتی میں بیٹھ کر پناہ لی۔ جو طوفان کی آمد سے پہلے بحکم خدا آپ نے بنائی تھی۔

ترجمہ۔ یہ بدن تو گویا روح (کے فروکش ہونے) کے لئے (ایک) خیمہ ہے۔ یا گویا حضرت نوح کے لئے ایک کشتی ہے ؎

آدم چو صراحی بود و روح چو مے　　　قالب چو نئے و روح صدائے در نئے

دانی چہ بود آدم خاکی خیام؟　　　فانوس خیالی و چراغے در وے

تُرک چُوں باشد بیابد خرگہے　　　خاصہ چُوں باشد عزیزِ درگہے

ترجمہ۔ ترک (سپاہی اجب (ملازم شاہی) ہوتا ہے۔ تو اس کو خیمہ (وغیرہ سامان ضروری بھی) مل جاتا ہے۔ خصوصاً جبکہ وہ مقرب بارگاہ بھی ہو۔ (تو اس کے لئے تو اس سامان کے مل جانے میں کچھ بھی شبہ نہیں)

مطلب۔ جس طرح ایک سپاہی خصوصاً وہ سپاہی جس کا بادشاہ کو بھی خاص خیال ہو۔ اپنا نان و نفقہ بادشاہ کے ذمے سمجھتا ہے۔ اور پھر مطمئن ہو کر خوف و فکر و تردد سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جو شخص اللہ تعالٰے پر بھروسہ رکھے۔ اور اسی کو اپنا روزی رساں و کارساز سمجھے۔ تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرور مدد کرتا ہے۔ اور اس کو کبھی کسی قسم کی پریشانی پیش نہیں آتی۔ حافظ رح ؎

بجان دوست کہ غم پردۂ شما ندرد　　　گر اعتماد بر الطاف کارساز کنید

سوال (۱) یہ جو کہا ہے کہ اللہ کو روزی رساں و کارساز سمجھنے والے کو کوئی پریشانی پیش نہیں آتی۔ تو پھر اس کی کیا وجہ ہے۔ کہ بعض متوکل لوگ مبتلائے پریشانی دیکھے جاتے ہیں۔ اور بعض اچھے اچھے صالحین دیکھے گئے ہیں۔ کہ ان کو کوئی مشکل یا مصیبت پیش آئی ہے۔ تو ان پر حزن و ملال کے آثار پائے گئے ہیں۔

جواب۔ متوکلین اور اہل تسلیم و رضا کو کسی مشکل و مصیبت میں بے شک ظاہراً پریشانی اور تردد عارض ہو سکتا ہے مگر اس کا اثر صرف ظاہر تک محدود ہوتا ہے۔ آخر وہ بشر ہیں۔ اتنا بھی نہ ہو۔ تو بشریت کیا ہوئی۔ ہاں ان کا دل تو کل و تسلیم کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے۔ پس اگر کبھی وہ فوت مطلوب یا موت محبوب پر محزون و ملول نظر آتے ہیں۔ تو اس کا اثر ان کے دل پر نہیں ہوتا۔ بلکہ دل میں سے وہ اس حالت میں بھی خدا کے شاکر اور اس سے بہتری کے امیدوار ہوتے

حضرت نوح علیہ السلام

متوکلین پر مشکلات و مصائب کا پیش آنا

ہیں۔اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کسی امیر کا ایک حاضر باش نوکر ہمیشہ دو وقت کھانا امیر کے گھر سے پاتا ہے۔ ایک دن خلاف معمول دو گھنٹے تک کھانا نہیں آیا۔ تو بھوک کی وجہ سے بیشک اس کو تکلیف اور ملال ہوگا۔ تاہم دل کو یہ اطمینان ضرور ہے کہ کھانا خواہ دیر ہی سے آئے۔ مگر یقیناً آجائے گا۔ اس لئے وہ بھوک کی تکلیف اور اضطرار کی پریشانی کے باوجود مایوس نہیں ہوتا۔ اور نہ کسی اور جگہ سے کھانا منگانے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کو تسلی ہے۔ صائبؒ ؎

از گرفتارانِ خود صیاد سے گیرد خبر　　　　فکر روزی چند در کنج قفس باشد مرا

اسی طرح متوکلین اہل اللہ فقر و فاقہ اور عسرت و ناداری کی مختلف تکالیف کے باوجود اپنے مالک کی طرف سے متوقع الطاف اور راضی بجمیع حالات رہتے ہیں۔ جامی رحؒ ؎

بنشستہ بہر چیز کہ آید ز تو راضی　　　　ہمانِ تو ام در صفِ اربابِ ارادت

انعام ترا منتظرم نے متقاضی　　　　بنہادہ بخوانِ کرمت دیدۂ امید

سوال (۲) " ترک چوں باشد بیابد خر گہے " سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ جس طرح خرگاہ پانے کے لئے صرف ترک ہونا کافی ہے۔ اسی طرح رزق و روزی کے حصول کے لئے صرف محتاج روزی ہونا کافی ہے۔ پھر روزی آپ سے آپ مل جاتی ہے۔ کسی فکر و تردد اور کسب و سعی کی ضرورت نہیں۔ اس عقیدہ سے تو اختیارِ اسباب اور سعی و کوشش کا دروازہ ہی بند ہو جاتا ہے۔

جواب ۔ اس شعر سے اختیارِ اسباب اور کسب و سعی کی نفی مقصود نہیں۔ بلکہ مطلب صرف یہ ہے کہ حق تعالےٰ سے ناامید نہ ہونا چاہئے۔ اس کے فضل و کرم سے ہمیشہ امیدوار رہنا چاہئے۔ کہ وہ ہماری مرادوں کو پورا اور مشکلات کو حل کریگا۔ باقی اپنی طرف سے اختیارِ اسباب کا ارادہ اور سعی و کوشش کی بجا آوری تو کیوں نہ ہونی چاہئے۔ جبکہ یہ دنیا ہی عالم اسباب ہے۔ اور خود خدا تعالیٰ کے قانون نے تمام امور کو موقوف باسباب کیا ہے۔ ترک اسباب کے ساتھ فضل خداوندی کا متوقع ہونا تو کمال حماقت ہے۔ اور اس کی وہی مثل ہے۔ جیسے کوئی بادشاہ کے وضع کردہ قانون کی خلاف ورزی کرے۔ اور پھر بادشاہ کی عنایات و مراحم کا امیدوار بھی ہو۔ صائبؒ ؎

اینکہ روزی بے تردد مے رسد افسانہ ایست　　　　پنجہ کوشش کلید رزق را دندانہ ایست

حدیث شریف میں ایک بدوی کا قصہ مروی ہے۔ کہ اس نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! میں اونٹ کو باندھ کر اس کے محفوظ رہنے کے لئے خدا پر بھروسہ رکھوں۔ یا اس کو مطلق العنان چھوڑ کر بھروسہ کر دوں۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِعْقِلْ وَتَوَكَّلْ یعنے اس کو باندھ دے۔ پھر توکل کر جس کا مطلب یہ کہ اگر تم نے اس کو باندھ دیا۔ تو پھر بھی تو خدا ہی اس کی حفاظت کریگا۔ ورنہ چور کھول کر لے جائے۔ یا وہ خود رسی توڑ کر بھاگ جائے۔ کاشتکار زمین کو درست کرتا ہے۔ ہل چلاتا ہے۔ دانہ بوتا ہے۔ حفاظت کرتا ہے۔ اور کیا کیا شبا روزی مصیبتیں جھیلتا ہے۔ گر بایں ہمہ اس کو خدا کی رحمت کے امیدوار رہنا لازم ہے۔ کیا معلوم کوئی آفت ارضی یا سماوی فصل کو تباہ کر دے۔ اور پیداوار کا ایک دانہ بھی نصیب نہ ہو۔ یہی توکل ہے۔ یہ تو کوئی بیوقوف سے بیوقوف آدمی بھی تسلیم نہیں کرسکتا۔ کہ کاشتکار خدا پر توکل کرکے بیٹھ جائے۔ اور اس توکل ہی کے طفیل ناکاشتہ فصل خود بخود پیدا ہو۔ اس کی پیداوار کے خرمن لگ جائیں گے۔ اور اناج کے بھرے بھرائے چھکڑے اس کے گھر پہنچ جائیں گے۔ کرامت اور معجزہ الگ چیزیں ہیں۔ جن کا وقوع سعی و کسب کے بغیر ہوتا ہے۔ اور وہ سلسلہ اسباب سے خارج بلکہ اس سلسلہ کے خارق ہوتے ہیں۔ توکل کوئی کرامت اور معجزہ نہیں۔ کرامت خاص خاص اہل اللہ کا حصہ اور معجزہ انبیاء و مرسلین کا کام ہے۔ مگر توکل ہر مسلمان کے فروعِ ایمان میں سے ہے۔

لہذا وہ اسباب سے کام بھی لیں گے۔ اور توکل بھی کریں گے۔

اس مسئلہ کو مفتاح العلوم کے دوسرے حصے میں شیر و خرگوش کے قصے میں نہایت شرح و بسط کے ساتھ سپرد قلم کیا گیا ہے۔

تمامی قصہ زندہ شدن استخوان بدعائے عیسیٰؑ

حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی دعا سے ہڈی کے زندہ ہونے کا قصہ

چونکہ عیسےٰؑ دید کاں ابلہ رفیق ۔۔۔ جز کہ استیزہ نمیداند طریق

ترجمہ۔ جب حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ بیوقوف رفیق سوائے بحث و تکرار کے اور کوئی طریق (سخن) جانتا ہی نہیں۔

مے نگیرد پند را از ابلہی ۔۔۔ بخل مے پندارد از گمرہی

لغات۔ ابلہی و گمرہی میں یائے مصدری ہے۔

ترجمہ (اور) وہ اپنی بیوقوفی سے نصیحت قبول نہیں کرتا۔ بلکہ (ہماری معذرت کو) اپنی نادانی کے باعث (اسم اعظم پڑھنے میں) بخل سمجھتا ہے۔

خواند عیسےٰؑ نام حق بر استخواں ۔۔۔ از برائے التماس آں جواں

ترجمہ تو حضرت عیسےٰ (علیٰ نبینا و علیہ السلام) نے اس جوان کے اصرار سے (مجبور ہو کر ان) ہڈیوں پر حق تعالیٰ کا اسم (اعظم) پڑھ دیا۔

حکم یزداں از پئے آں خام مرد ۔۔۔ صورت آں استخواں را زندہ کرد

ترجمہ۔ حکم الٰہی نے اس نادان آدمی (کی سزا) کے لئے ان ہڈیوں کے ڈھانچہ کو زندہ کیا۔

از میاں بر جست یک شیر سیاہ ۔۔۔ پنجہ بر زد کرد نقشش را تباہ

لغات۔ ازمیان فوراً۔ معاً یعنے ایک لحہ پورا بھی نہ ہونے پایا تھا۔ کہ اس کے اثنا میں یہ امر واقع ہوا ہے۔ یا اگر ظرفیت مراد ہو۔ تو اس کے معنے ازمیاں گڑھے ہو سکتے ہیں۔ یعنے گڑھے میں سے۔ شیر سیاہ کالا شیر۔ شیر کا رنگ عموماً زرد یا گندم گوں ہوتا ہوتا ہے۔ مگر چونکہ وہ شیر بطور معجزہ زندہ ہوا تھا۔ اس لئے ممکن ہے کہ قدرت الٰہی سے وہی شیر بالخصوص سیاہ اندام صورت میں زندہ ہو گیا ہو۔ تاکہ اسکو دیکھ کر سائل احمق پر زیادہ خوف و دہشت طاری ہو۔ اس لئے کہ کالی چیز زیادہ ڈراؤنی اور وحشتناک ہوتی ہے۔ یا جس طرح اردو میں لفظ "کالا" ہیبت ناک و موذی چیز کے لئے بولتے ہیں۔ جیسے کالا چور۔ کالا دیو۔ کالی بلا کالے کوسوں۔ اور ان چیزوں کیلئے حساً سیاہی کا وجود ضروری نہیں۔ اور بعض کالی اشیا فی الواقع زیادہ موذی ہوتی

بھی ہیں۔ مثلاً کالا سانپ۔ کالا ریچھ اسی طرح ممکن ہے۔ یہاں سیاہ سے خونخوار وموذی مراد ہو۔ نقش وجود۔ جسم نقش ہستی۔
ترجمہ۔ فوراً (یا گڑھے کے اندر سے) ایک کالا (یا خونخوار) شیر کود نکلا۔ اس نے پنجہ مارا۔ اور اس (جوان) کے نقش (ہستی) کو تباہ کر دیا۔

کلّہ اش برکند و مغزش ریخت زُود ہمچو جوزے کاندرو مغزے نبُود

ترجمہ۔ اس کی کھوپری توڑ ڈالی۔ اور معاً اس کا مغز بکھیر دیا جس طرح اخروٹ (سے گری نکال ڈالتے ہیں تو وہ اس طرح خالی ہو جاتا ہے) کہ گویا اس میں مغز تھا ہی نہیں۔

گر ورا مغزے بُدے زا شکستنش خود نبُودے نقص اِلّا بر تنش

لغات۔ اشکستن میں الف زائد آیا ہے شکستن بمعنے مردن ومقتول شدن ہے۔ صنائع مغز سے عقل مراد ہے بطور صنعت مشاکلہ کیونکہ اوپر مغز کا ذکر آ چکا ہے۔
ترجمہ۔ اگر اس میں کچھ مغز (عقل) ہوتا۔ تو اس کے (شیر کے ہاتھوں) قتل ہونے سے صرف بدن ہی پر نقصان آتا (اور رُوح کو فرحت ہوتی)
مطلب۔ اگر اس کے اندر کچھ عقل معاد اور نور معرفت ہوتا۔ تو اول تو وہ ایسے فضول سوال کی احمقانہ حرکت ہی کیوں کرتا۔ جس سے ناحق اس کی جان جاتی۔ لیکن اگر تقدیر سے وہ قتل ہو بھی جاتا۔ تو قتل کا اثر صرف اس کے جسم پر محدود ہوتا۔ اس کی روح مسرور وشادکام رہتی۔ صائبؒ ؎

گوہر از گر و یتیمی نشود خانہ نشیں دل اگر زندہ بود ہیچ غم از مردن نیست

لیکن چونکہ اس میں نہ عقل معاد تھی نہ نور معرفت جو حقیقت کو پہچانتا۔ اس لئے اس کے جسم پر بھی آفت آئی۔ اور اس کی روح کو بھی موت کی اذیت پہنچی۔ خسر الدنیا والاخرہ۔ صائبؒ ؎

جانِ بے مغزاں بخاک تیرہ واصل میشود کاروان کف بپایاں مرگ ساحل میشود

گفت عیسیٰؑ چوں شتابش کوفتی؟ گفت زانرُو کہ تو زاں آشوفتی

لغات۔ کوفتن کوٹنا۔ سرکوبی کرنا۔ مراد قتل۔ آشوفتن آشفتہ شدن۔ پریشان ہونا۔ متعدی بھی آتا ہے۔
ترجمہ۔ حضرت عیسیٰؑ نے (شیر سے) پوچھا۔ تو نے اس کی سرکوبی اسقدر جلد کیوں کی؟ اس نے جواب دیا۔ اس لئے کہ آپ نے اس سے پریشانی اٹھائی تھی۔
مطلب اس شخص نے حضرت عیسیٰؑ کو اپنے اصرار بیہم سے پریشان کرنے کی جو گستاخی کی۔ اس کی سزا اسے شیر کی صورت میں دی گئی۔ جس سے ظاہر ہے کہ مقبولان حق کے ساتھ گستاخی کرنا اور ان کے ارشاد کی تعمیل نہ کرنا موجب ہلاکت ہے۔ اگر ان بزرگوں کے ساتھ گستاخی کرنے والا جسمانی ہلاکت سے بچ جاتا ہے۔ تو یقیناً روحانی موت اس پر طاری ہو جاتی ہے۔ یعنے اس کا دل مر جاتا ہے۔ روح نور عرفان سے عاری ہو جاتی ہے۔ دل کا انشراح انقباض سے اور انبساط تکدر سے بدل جاتا ہے۔ ہر وقت یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ دل کی بجائے ایک پتھر سینے میں رکھا ہے۔ اور سر پر ایک پہاڑ دھر دیا گیا۔ اس شخص کو عیش دنیاوی میں بھی کوئی حظ ولذت حاصل نہیں ہوتی۔ کما قیل ؎

مقبولان حق سے گستاخی خطرناک ہے

آبگینہ ست خاطر درویش | تا درست ست باصفا گہر ست
چوں شکستیش پُر حذر مے باش | کہ از و ذرّہ ذرّہ شمشیرے ست

گفت عیسیٰؑ چوں نخوردی خونِ مرد | گفت در قسمت نبُودم خون خورد

ترجمہ (پھر) حضرت عیسیٰؑ نے (اس سے) پوچھا۔ تو نے (اس شخص کو مار ڈالا تھا تو اُس) کا خون کیوں نہ پیا (جیسے کہ ہر شیر کی عادت ہے) اس نے جواب دیا۔ کہ میری قسمت میں خون پینا (لکھا) نہ تھا۔

مطلب۔ حدیث شریف سے ثابت ہے۔ کہ ہر چیز جب تک اپنا رزق پورا نہیں پالیتی۔ اس کو موت نہیں آتی۔ اس بنا پر شیر کہتا ہے۔ کہ چونکہ اپنی طبعی موت کے ساتھ میں پہلے مر چکا ہوں۔ اور اپنا سارا رزق پا چکا ہوں۔ لہذا اس شخص کا خون پینا میرے رزق مقدر میں داخل نہ تھا۔ اگر اس کا گوشت کھانا یا اس کا خون پینا میرے رزق میں ہوتا۔ تو میں سابقہ طبعی زندگی میں اس کو کھا پی چکا ہوتا۔ یا آج تک اس کو کھانے کے لئے زندہ رہتا۔

اے بسا کس ہمچو آں شیرِ ژیاں | صیدِ خود ناخوردہ رفتہ از جہاں

ترجمہ۔ اے ایسے بہت سے لوگ ہیں جو اس مست شیر کی طرح (روزی کا شکار مارنے میں بہت چابک دست یعنے بڑے کماؤ ہیں مگر) اپنا شکار کھائے بدون دنیا سے چلے جاتے ہیں۔

مطلب۔ اوپر ذکر تھا۔ کہ شیر نے اس مردِ مقتول کا گوشت نہ کھایا۔ جس کو اس نے شکار کیا تھا۔ اس لئے مولانا اس عبرت بخش مضمون کی طرف انتقال فرماتے ہیں۔ کہ بہت سے لوگ اپنے محنت کے ساتھ کمائے ہوئے مال سے متمتع ہونے کا موقع نہیں پاتے۔ کما قیل ؎

گر رزق رازِ دولتِ قاروں نصیب نیست | بر گنج مار خفتہ ہماں خاک میخورد

قسمتش کاہے نہ و حرصش چو کوہ | ناموجّہ کردہ تحصیلِ وُجوہ

لغات۔ کاہے ایک تنکا۔ مراد شئے قلیل۔ ذرہ بھر۔ کوہ سے بہت بڑی چیز مراد ہے۔ ناموجّہ وہ امر جس کی کوئی موزون و مناسب وجہ نہ ہو۔ ناجائز۔ وُجوہ جمع وجہ آمدنی۔

ترجمہ۔ اس کی قسمت میں ایک ذرہ بھر (سے فائدہ اٹھانا) نہیں (لکھا) اور اس کی حرص پہاڑ کے برابر ہے (اس لئے) ناجائز طریقوں سے آمدنی حاصل (کرنے میں بھی کوتاہی نہیں) کی۔

مطلب۔ حریص آدمی کو جہاں سے بھی مال مل سکے۔ وہ اس کے حلال وحرام ہونے کی پروا نہیں کرتا۔ سعدیؒ ؎

چوں سگِ درندہ گوشت یافت نپرسد | کیں شترِ صالح ست یا خرِ دجّال

لیکن جب قسمت میں ایک دانہ کھانا بھی مقدر نہیں۔ تو خرمن کے خرمن جمع کئے ہوئے دھرے رہ جاتے ہیں۔ نظامیؒ ؎

بسا دہقاں کہ صد خرمن بکارد | ز صد خرمن یکے جو بر ندارد

جمع کردہ مال و رفتہ سوئے گور | دشمناں در ماتمِ اُو کردہ سُور

لغات۔ ماتم کسی کے مرنے پر رونا۔ سوگ۔ سور محفلِ نشاط۔ جشن مسرت۔

ترجمہ۔ اس نے (کوڑی کوڑی کماکر) مال جمع کیا اور (آخر ناکام و نامراد) قبر کو سدھارا۔ دشمنوں نے اس کے ماتم میں (غم کرنے کی بجائے) جشن منایا۔

مطلب۔ بخیل اپنے جمع و امساک سے چار طرح کے نقصان اٹھاتا ہے۔ یعنے ایک تو کمانے کی محنت و مشقت۔ دوسرے ناجائز وجوہ کی پاداش میں آخرت کا وبال تیسرے اپنے کمائے ہوئے مال کے انتفاع سے محرومی۔ چوتھے اس کے مرنے پر دشمنوں کا خوشی منانا۔ کہ اس موذی کا جمع کردہ مال اب ہم کو ملے گا۔ دشمن سے مراد اس کے وارث ہیں۔ خواہ بیٹا ہی ہو۔ کیونکہ وہ بھی اپنے بخیل باپ کی موت چاہتا ہے۔ کہ یہ موذی سانپ کہیں مرے۔ تو خزانہ ہاتھ آئے جامیؒ ؎

آنچہ اندوخت سفلہ طبع لئیم　　　بعد مرگ از برائے دشمن ماند

اور دشمن اس کے مرنے پر خوشی نہ منائے۔ تو کیا کرے۔ کما قیل ؎

سازد بخیل دشمنِ خود کائنات را　　　تاکس بمرگِ او نتواند عزا گرفت

اے مسخّر کردہ برما در جہاں　　　سخرہ و بیگار از ما وارہاں

ترکیب "برما" اور "درجہاں" جدا گانہ جار و مجرور ہیں۔ سخرہ و بیگار مفعول بہ ہے مسخر کردہ کا از ما وارہاں جواب ندا ہے۔

ترجمہ۔ اے (وہ ذات پاک جس نے دنیا میں (اس قسم کے) جنجال اور بیگار (کے کاموں) کو ہمارے لئے سہل کر دیا ہے (اور اس لئے ہم ان میں مبتلا ہو جاتے ہیں) (ان کو) ہم سے دور کر دے۔ امیر خسروؒ ؎

جناحِ حرص جدا کن دل سیاہ مرا　　　کہ ہمچو زاغ دواں در قفائے مردار ست

طعمہ بنمودہ بما واں بودہ شست　　　آنچناں بنما بما آں راکہ ہست

لغات۔ طعمہ غذا۔ خوراک۔ بما ہم کو۔ واں اور وہ شست مچھلی پکڑنے کا کانٹا۔

ترجمہ۔ (وہ جنجال) ہم کو (مزیدار) غذا دکھائی دیتی ہے۔ اور (حقیقت میں) وہ کانٹا ہوتی ہے (ہم مچھلی کی طرح غذا کی حرص سے کسی نہ کسی مصیبت کے کانٹے میں پھنس جاتے ہیں الٰہی!) اس کو ہمیں اصلی شکل میں دکھا۔ جیسا کہ وہ (فی الواقع) ہے۔

مطلب۔ دوسرا مصرعہ اس دعائے ماثور کا ترجمہ ہے۔ اللھم ارنا الاشیاء کما ھی یعنے الٰہی ہم کو تمام اشیاء کی اصلیت و ماہیت دکھا دے۔ صائبؒ ؎

یا رب از عرفان مرا پیمانہ سرشار دہ　　　چشم بینا جان آگاہ و دلِ بیدار دہ

ہر سرِ موئے حواسِ من براہے میرود　　　ایں پریشاں سیر را در بزم وحدت بار دہ

اوپر بخیلوں کی محرومی اور ان کے حسرتناک انجام سے عبرت گیر ہو کر دعا کی تھی۔ کہ خدا دنیا کی محبت سے بچائے۔ اب پھر اصل قصہ کی طرف عود کرتے ہیں۔

گفت آں شیر اے مسیحا آں شکار　　　بُود خالص از برائے اعتبار

لغات۔ خالص محض۔ اعتبار۔ عبرت پکڑنا۔ یہاں عبرت دلانا مراد ہے۔

ترجمہ۔ (پھر) اس شیر نے کہا یا حضرت عیسےٰ علیک السلام وہ شکار تو محض عبرت دلانے کے لئے تھا۔ نہ

کہ میری روزی کے لئے)

گر مرا روزی بُدے اندر جہاں — خود چکار ستے مرا با مُردگاں

لغات۔ چکار ستے۔ چہ کار بودے۔

ترجمہ۔ اگر دنیا میں (اس کے خون و گوشت سے) میری روزی (مقدر) ہوتی۔ تو پھر مجھ کو (مرکر) مُردوں (میں شامل ہونے) سے کیا کام ہوتا (میں زندہ ہی نہ رہتا؟)

مطلب۔ شیر کا اس شخص کو قتل کرنا اس کو کھانے کی غرض سے نہ تھا۔ بلکہ لوگوں کو یہ عبرت دلانا مقصود تھا۔ کہ ایسے بے ادب و گستاخ شخص کی یہ سزا ہے۔ جو ایسے ہادیٔ کامل اور رہنمائے یکتا کو پاکر اُس کے علو مرتبت کا پاس نہ رکھے۔ بلکہ اس کو اپنے بیہودہ سوالات سے دق کرکے بے ادبی کا مرتکب ہو سعدی رح ؎

سر جاہلاں بر سر دار بہ — کہ جاہل بخواری گرفتار بہ

ایں سزائے آنکہ یابد آبِ صاف — ہمچو خر در جُو بمیزد از گزاف

لغات۔ بمیزد فعل مضارع ہے میزیدن بمعنے شاشیدن سے۔ گزاف بیہودگی۔

ترجمہ۔ یہ سزا (ہے) اس شخص کی جو صاف پانی پائے۔ اور (ایک بیوقوف) گدھے کی طرح (بجائے اسکے کہ اس سے سیرابی حاصل کرے) بیہودگی سے نہر کے اندر پیشاب کردے۔ صائبؔ ؎

گاؤ و خر از آگہی انساں نخواہد گشت لیک — آدمی گر اندکے غافل شود خر میشود

گر بداند قیمتِ آں جُوئے خر — او بجائے پا نہد در جُوئے سر

ترجمہ۔ اگر (وہ) گدھا اس نہر کی قدر سمجھتا۔ تو وہ نہر کے اندر پاؤں کی بجائے سر رکھتا۔

مطلب:۔ دونوں شعروں کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص ایسے نبی اولو العزم کی صحبت سے بہرہ ور ہو۔ جو طہوریت نفس اور نزاہت ذات کے اعتبار سے بمنزلہ آب صاف ہیں۔ اور پھر ان سے بجائے اس کے کہ تزکیہ روح و تہذیب نفس کا استفادہ کرے۔ تن ظاہری کے احیاء و تزیین اور لذائذ جسمانیہ کے حصول کی آرزو کرے۔ اس کی سزا یہی ہے۔ جو اس بیہودہ سائل نے شیر سیاہ کے ہاتھوں قتل ہونے کی صورت میں پائی۔ اور اس ساری خرابی کی وجہ یہ ہے کہ اس شخص کو اس دولت صحبت کی قدر نہیں ہے۔ اور یہ خیال نہیں ہے۔ کہ حضرت سے کیا فائدہ حاصل کرنا چاہئے۔ اگر وہ اس کی قدر جانتا۔ تو اس درگاہ میں پاؤں کی بجائے سر رکھتا۔ یعنے بیہودہ سوالات کرنے کی بجائے کمال ادب و عقیدت سے مناسب اور معقول باتوں کے متعلق استفسار کرکے اپنی طلب کمال کی پیاس کو بجھاتا۔ سعدیؒ ؎

بپرس ہر چہ ندانی کہ ذلِ پرسیدن — دلیل راہ تو باشد بعز دانائی

او بیابد آں چناں پیغمبرے — میر آبے زندگانی پرورے

چوں نمیرد پیشِ او از امر کُن — اے امیرِ آب مارا زندہ کُن

لغات۔ میرآب۔ امیرالبحر۔ ذخائر آب کا ناظم اعلےٰ۔ مہتمم آب رسانی۔ امرکن حکم الٰہی۔ ترکیب اے امیر آب الخ مقولہ ہے دگوید محذوف کا۔ از امرکن متعلق ہے بمیرد کے۔

ترجمہ۔ (جب) وہ ایسے اولوالعزم پیغمبر کو پائے جو امیر آب ہی (اور) زندگی بخشنے والا ہے۔ تو کیوں نہ حکم الٰہی کے مطابق اس کے آگے جان دیدے (اور کہے) اے امیر آب ہم کو (روحانی زندگی سے) زندہ کر دیجئے۔

مطلب۔ پانی حیوانات ونباتات کا مایہ زندگی ہے۔ اور انبیاء و اولیاء کے فیض صحبت سے روحانی زندگی حاصل ہوتی ہے۔ اس مناسبت سے نبی کو امیر آب قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ جب حیات جاوید کے ایک طالب کو امیر آب مل جائے۔ تو کیوں نہ وہ اس کے آستانہ پر اپنی جان قربان کر دے۔ اور کیوں نہ اس سے حیات روحانی کے لئے التماس کرے۔ صائب رح ؎

اے سنگ راہمین نظر لعل مے کنی   بخت مرا بہ نیم نظر ارجمند کن

امرکن میں امر سے امر تشریعی مراد ہے۔ یعنے احکام الٰہی جو بطور شریعت واجب العمل ہیں۔ اور عام طور پر امرکن میں امر تکوینی مراد ہوتا ہے۔ یعنے تقدیر الٰہی یا قضاء الٰہی جس کے مطابق تمام امور عالم وقوع پاتے ہیں۔ وہ یہاں مقصود نہیں کیونکہ تکوینیات میں تخلف ناممکن ہے۔ وہاں کسی کو کہہ کر مرنے یا زندگی چاہنے پر آمادہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ وہ امر صدور پاتے ہی خود وقوع میں آجاتا ہے۔

اختلاف۔ بحر العلوم کے متن میں از امرکن کی بجائے کز امرکن درج ہے۔ اس صورت میں کاف بیانیہ مقولہ پر درج ہوگا۔ اور از امرکن زندہ سے متعلق سمجھا جائے گا۔ پس تقدیر یوں ہوگی۔ وگوید کہ اے امیر آب مارا از امرکن زندہ کن ہمارے نزدیک یہ تقدیر زیادہ مستحسن اور اسلم ہے۔ پھر اس شعر کا ترجمہ یوں ہوگا۔ کیوں نہ اس کے آگے جان دیدے (اور کہے) کہ اے امیر آب! ہمکو اللہ کے اذن سے زندہ کر دیجئے۔

ہیں سگِ نفسِ ترا زندہ مخواہ   کو عدوے جانِ تست از دیرگاہ

ترجمہ۔ خبردار! اپنے کتے نفس کی زندگی کے خواہاں نہ بن جانا۔ کیونکہ وہ مدت سے تمہاری جان کا دشمن ہے۔

مطلب۔ حدیث شریف میں آیا ہے۔ اَعْدَیٰ عَدُوِّکَ نَفْسُکَ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَیْکَ۔ یعنے تیرا بدترین دشمن تیرا نفس ہے۔ جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔ سعدی رح ؎

حذر از پیروی نفس کہ در راہِ خدا   مردم افگن تر ازیں غول بیابانی نیست

نفس کو جو بدترین دشمن ہے۔ زندہ رکھنے کی آرزو کرنا اسی طرح مضر ہے۔ جس طرح اس بیوقوف سائل نے شیر کی ہڈی کو زندگی دلاکر اپنی زندگی کھوئی۔ لہذا اس سگ درندہ کو ہلاک کرنا ہی اچھا ہے۔ اور اس کی ہلاکت کے لئے طاعات وعبادات کی بجاآوری خنجر تیز کا کام کرتی ہے ؎

نفس سرکش کو کچلنا ہو تو ہو سر بسجود   کرنا اس سگ کو مصلے پہ حلال اچھا ہے

خاک بر سر استخوانے راکہ آں   مانعِ ایں سگ بود از صیدِ جاں

صنائع۔ سگ کے لئے استخوان مناسبات سے ہے۔ پہلے استخوانِ شیر کا قصہ تھا۔ پھر جسم پر استخوان سے

متعلق کچھ ہدایات کیں۔ اس کے بعد یہ سگ و استخوان کا ذکر ہے۔ استخوان کے دائرہ ذکر میں مختلف مضامین عالیہ کا ایراد پُرلطف ہے۔

ترجمہ۔ خاک پڑے ایسی ہڈی پر جو اس سگ (نفس) کو جان کے شکار کرنے (یعنے کمالات روحانی کے ساتھ متمتع ہونے) سے مانع ہو۔

مطلب۔ استخوان سے مراد جسم پر استخوان ہے۔ مطلب یہ ہے۔ کہ جس طرح کتا ایک ہڈی کی حرص میں کسی اچھے شکار سے غافل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح نفس کے لئے جسم و جسمانیات کا اہتمام معانی عالیہ کے شکار سے سد راہ بن جاتا ہے۔ صائبؒ ؎

خاکیانے کہ بھاریِ تن کوشیدند | در رہ آب بقا سدِ سکندر بستند

سگ نۂ بر استخوان چُوں عاشقی؟ | دیو چہ وار از چہ بر خُوں عاشقی؟

ترجمہ۔ تم (آخر) کتے نہیں ہو۔ پھر ہڈی پر کیوں عاشق ہو؟ جونک کی طرح خون پر فریفتہ کیوں ہو؟

مطلب۔ تم جو جسم کے اہتمام پر اسقدر مرتے ہو۔ جو ہڈی اور خون وغیرہ کا مجموعہ ہے۔ تو اس کی وجہ کیا ہے۔ ہڈی کا عاشق کتا اور خون کی مشتاق جونک ہوتی ہے۔ اور تم پر ان دونوں میں سے کسی کا نام صادق نہیں آتا۔ پس اس ہڈی کو چھوڑو۔ روحانیت کے مغز کو مطمح نظر بناؤ۔ صائبؒ ؎

مگذار رنگِ جسم پذیر درواں پاک | ایں مغز را بنرمی ازیں استخواں برار

آنچہ چشم ست آنکہ بینائیش نیست | ز امتحانہا جز کہ رسوائیش نیست

ترجمہ۔ وہ بھی کیا (خاک) آنکھ ہے جس کی بینائی نہیں۔ آزمایش کے مواقع میں اس کو رسوائی کے سوا کچھ حاصل نہیں۔

مطلب۔ جب تمہاری چشم بصیرت کو اتنی بات محسوس نہیں ہوتی۔ کہ استخوان بہتر ہے یا مغز اور جسمانی لذات مفید ہیں یا روحانی کمالات۔ تو تم میں بصیرت ہی نہیں۔ اور چشم بے بصر بیکار ہے۔ پھر تم اپنے آپ کو لاکھ بصیر اور دیدہ ور کہو۔ مگر امتحان کے وقت تمہاری بے بصری نمایاں ہو کر رہے گی۔

سہو باشد ظنہا را گاہ گاہ | ایں چہ ظن ست ایں کہ کور آمد زراہ

ترجمہ۔ ظنیات میں (بے شبہ) کبھی کبھی غلطی ہو جاتی ہے (جو معاف ہے مگر) یہ کہاں کا ظن ہے۔ کہ (کوئی) اندھا ہو کر راہ چلنے لگے۔

مطلب۔ اگر مغز و استخواں میں عدم تمیز مبنی بر سہو کہی جائے۔ جو قابل معافی سمجھی جاتی ہے۔ تو سہو تو کبھی کبھی وقوع پاتی ہے۔ جیسے ایک سیدھے راستے پر چلنے والا راہرو کہیں غلطی سے ٹھوکر کھا جائے۔ مگر تمہاری عدم تمیز تو ایسی مسلسل اور لگاتار ہے۔ کہ گویا تم نے آنکھوں پر پٹی باندھ کر چلنے کی ہی ٹھان رکھی ہے۔ پس ایسی تغافل شعاری قابل معافی نہیں ہو سکتی۔ سعدیؒ ؎

غبارِ ہوا چشم عقلت بدوخت | سموم ہوس کشت عمرت بسوخت

بکن سرمہ غفلت از چشم پاک — کہ فردا شوی سرمہ در زیر خاک

کردہ بر دیگراں نوحہ گری — مدتے بنشیں و بر خود میگری

ترجمہ۔ تم نے مدتوں دوسروں (کی اصلاح عادات) کا رونا رویا ہے۔ تم کو کچھ عرصہ بیٹھ کر اپنے آپ پر بھی رونا چاہیے (کہ کہاں تک گرفتار عیوب ہو رہے ہو) ؎

صائب بعیب خویش فتاد است کار ما — زانرو زباں زنیک و بد خلق بستہ ایم

نگاہ عیب گیری سے جو دیکھا اہل عالم کو — کوئی فاسق کوئی ملحد کوئی زندیق اکبر تھا
مگر دل احتساب نفس پر جس دم ہوا مائل — ہوا ثابت کہ ہر فرزند آدم ہم سے بہتر تھا

زابر گریاں شاخ سبز و تر شود — زانکہ شمع از گریہ روشن تر شود

ترجمہ۔ (رونا اسقدر مفید ہے کہ) روتے بادل کی بدولت شاخ ہری ہو جاتی ہے (چنانچہ) شمع بھی رونے سے زیادہ روشن ہو جاتی ہے۔

مطلب۔ موم بتی سے جب کچھ قطرات موم ٹپک جاتے ہیں۔ تو اس کا ریسمانی ریشہ لمبا ہو جانے سے زیادہ روشنی ہو جاتی ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ تم بھی اپنی حالت پر گریہ وزاری کرو۔ تو تمہاری باطنی نورانیت کو ترقی ہوگی۔ اور شاخ سبز کی طرح تم کو باطنی تر و تازگی حاصل ہو جائے گی ؎

در خورشید دہد دیدۂ دل را صائب — گریہ چوں شمع نہاں در دل شبہا کردن

حافظ رہ ؎ گریہ آبے برخ سوختگاں باز آورد — نالہ فریاد رس عاشق مسکیں آمد

ہر کجا نوحہ کنند آنجا نشیں — زانکہ تو اولیٰ تری اندر حنیں

لغات۔ نوحہ بفتح نون مردے پر آواز رونا۔ بین کرنا۔ حنین رونا چلانا۔

ترجمہ۔ جہاں (مُردے پر) رو رو کر بین کئے جاتے ہوں۔ تم وہاں بیٹھا کرو (تاکہ تمہارا دل بھی مائل بگریہ ہو) کیونکہ (ان لوگوں کی بہ نسبت) تمہارے لئے رونا زیادہ مناسب ہے۔

مطلب۔ خربوزہ خربوزے کو دیکھ کر رنگ پکڑتا ہے۔ رونے والوں کے پاس بیٹھنے سے رونا آتا ہے۔ لہذا اکتساب گریہ کی بہترین تدبیر یہ ہے۔ کہ نوحہ کرنے والوں کے پاس بیٹھا کرو۔ نوحہ کرنا ہر چند شرع میں ممنوع و حرام ہے۔ مگر تمہارا رونا اس مردے پر رونا نہیں ہوگا۔ اور یہ مسلمہ بات ہے۔ کہ ایک مُردے پر بیٹھ کر رونے والے اپنے اپنے دکھ کا رونا رویا کرتے ہیں۔ صائبؒ ؎

گریۂ شمع از برائے ماتم پروانہ نیست — صبح نزدیک است در فکر شب تار خود است

پھر تم کو بھی بالیں پروانہ پر بیٹھ کر اپنی شب تاریک کے غم میں رونا آئے گا۔ یعنے نوحہ کرنے والوں کے پاس بیٹھنے سے دل نرم ہوگا۔ اور تم خشیت اعمال اور خوف حق سے رونے لگو گے۔ آگے اس کی وجہ بیان فرماتے ہیں۔ کہ کیوں تمہارے لئے رونا زیادہ مناسب ہے۔

زانکہ ایشاں در فراقِ فانیند غافل از لعلِ بقاے کانیند

ترکیب۔ لعل بقا میں اضافت تشبیہی ہے۔ اور کانی لعل کی صفت ہے۔

ترجمہ۔ کیونکہ یہ لوگ تو ایک فانی چیز (یعنی مردے) کے فراق میں (مبتلا ہو کر رو رہے) ہیں۔ اور ابدی زندگی کے معدنی لعل (کی قدر و قیمت) سے بے خبر ہیں۔

مطلب۔ جب یہ لوگ اپنی لاعلمی سے ایک فانی چیز پر اس قدر آہ و بکا کر رہے ہیں۔ تو تمہارا ایک ابدی گوہر بے بہا کے لئے نالہ و شیون کرنا تو بطریقِ اولیٰ ضروری ہے۔ آگے فرماتے ہیں۔ کہ تمہارا نوحہ گری کے ساتھ رونا جو شرعاً ممنوع ہے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ کہیں ان کی تقلید نہ کرنے لگو۔ یعنے جس فانی چیز کے لئے وہ روتے ہیں۔ تم بھی ان کی دیکھا دیکھی اسی فانی چیز کے لئے یا اس کی سی کسی اور فانی چیز کے لئے نہ رونے لگو۔ اور اس طرح کسی بیہودہ امر میں کسی کا اتباع کرنا اور اس کی غرض و غایت کو نہ دیکھنا تقلید مذموم ہے۔ جیسے ایک کہانی مشہور ہے۔ کہ کسی کمہار کا گدھا مر گیا۔ اس پر وہ نوحہ کرنے لگا۔ اس کی عورت بھی شریکِ ماتم ہو گئی۔ بچے بھی رونے لگے۔ پڑوسیوں کو حقیقتِ حال معلوم نہ تھی۔ مگر یہ المناک ماتم دیکھ کر ان سے بھی نہ رہا گیا۔ بے تحاشا رونا پیٹنا شروع کر دیا۔ آخر یہ ناگہانی شور و شیون شہر کے اس سرے سے اُس سرے تک آگ کی طرح بڑھتا چلا گیا۔ سارے شہر کو مصروفِ بکا دیکھ کر بادشاہ بھی آبدیدہ ہو گیا۔ اور محلاتِ شاہی میں بھی صفِ ماتم بچھ گئی۔ مگر کسی کو یہ معلوم نہ تھا۔ کہ یہ ماتم کہاں سے شروع ہوا۔ اور کس کے لئے ہوا۔ آخر جب معلوم ہوا۔ کہ یہ سارا ہنگامہ عزا ایک گدھے کی موت پر ہوا۔ تو سب کو اپنی اس تقلید مذموم پر نادم ہونا پڑا۔ آگے مولانا فرماتے ہیں۔ کہ تمہارے لئے نوحہ محض اسی تقلید مذموم کی وجہ سے ممنوع کر دیا گیا۔ ورنہ وہ خود بُری چیز نہ تھا۔ گویا وہ ممنوع لنفسہا نہیں ہے۔ بلکہ لغیرہا ہے۔

زانکہ بر دلِ نقشِ تقلیدست بند رو بآبِ چشم بندش را بر ند

لغات۔ بند رکاوٹ۔ مانع۔ وجہ منع۔ آبِ چشم اشکباری۔ گریہ۔ بر ند رندیدن یعنے ستروں سے۔

ترجمہ (تمہارے لئے نوحہ و نالہ) اس لئے (ممنوع ہے) کہ (تمہارے) دل پر (جو دوسروں کی) دیکھا دیکھی (مردے کے لئے) رونے کی عادت کا نقش (بیٹھا ہوا ہے وہ) باعثِ ممنوعیت ہے (پس) جاؤ گریہ خشیت کی پرخلوص اشکباری سے اس باعثِ ممنوعیت کو رفع کر دو۔

مطلب۔ تم فانی چیز کے لئے رونے والوں کی تقلید میں گریہ نہ کرو۔ بلکہ ندامتِ اعمال۔ خوفِ عقبےٰ۔ یادِ الٰہی۔ اور عشقِ حقیقی تمہارے رونے کا باعث ہو۔ پھر وہ وجہ ممنوعیت نہ رہے گی۔ اور تمہارے لئے رونا جائز بلکہ مستحسن ٹھیرے گا۔ خواہ تم صفِ ماتم یا حلقۂ ناکحین میں بیٹھے ہی رو رہے ہو۔ آگے اس قسم کی تقلید مذموم کی مذمت فرماتے ہیں۔

نکتہ۔ اکثر شارحین نے تقلید سے نہ رونے والوں کی تقلید مراد سمجھی ہے۔ یعنے تم کو رونا چاہیئے۔ اور نہ رونے والوں کی تقلید کرنی چاہیئے۔ مگر ہمارے نزدیک اس سے فانی چیز کے لئے رونے والوں کی تقلید مراد ہے۔ کہ وہی ممنوعیت نالہ و بکا کی باعث ہے۔ اہل ذوق سمجھ سکتے ہیں۔ کہ اس ترجمہ میں کلمہ بند اور کلمہ تعلیل "زانکہ" جس عمدگی کے ساتھ مربوط ہو جاتا ہے۔ پہلے ترجمہ میں نہیں ہوتا۔

زانکہ تقلید آفتِ ہر نیکوی ست کہ بود تقلید اگر کوہِ قوی ست

ترجمہ کیونکہ تقلید (مذموم) ہر نیکی کے لئے ایک آفت ہے (اس قسم کی) تقلید اگر (اپنی اہمیت وعظمت کے لحاظ سے) بھاری پہاڑ (کے برابر) ہے۔ تو (بھی غیر نافع ہونے کے اعتبار سے) ایک تنکے کے برابر (بے حقیقت) ہے۔

مطلب۔ تقلید مذموم جس کو بھیڑ یا چال کہتے ہیں۔ ایک لاشئے اور فضول امر ہے۔ اس قسم کی تقلید سے اگر نیکی بھی کی جائے۔ تو چونکہ وہ شوق و ذوق اور رغبت وارادت سے خالی ہوتی ہے۔ اور اس سے آگے کی بہتر حالت کی طرف ترقی کرنا مقصود نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ نیکی بھی لاطائل ہے۔ وَكَذٰلِكَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ قٰلَ اَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِاَهْدٰى مِمَّا وَجَدْتُّمْ عَلَيْهِ اٰبَآءَكُمْ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ○ اور اے پیغمبر! اسی طرح ہم نے تجھ سے پہلے جب کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا (پیغمبر) بھیجا۔ تو وہاں کے مالدار لوگ یہی کہنے لگے۔ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک دین پر پایا۔ اور ہم تو انہی کے قدم بقدم چلیں گے۔ پیغمبر نے (ان کے جواب میں) کہا کیا اگر میں تم کو اس سے بڑھ کر ٹھیک راستہ بتاؤں۔ جس پر تم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ تو انہوں نے کہا (کچھ بھی ہو) ہم تو جو کچھ تم دے کر بھیجے گئے ہو۔ اس کو مانتے نہیں (زخرف ع ۲) لہذا ایسی تقلید اس نیکی کے لئے جو مقلّد بجالا رہا ہے۔ اور ان ترقیات روحانیہ کے لئے جن کا حصول ممکن ہے ایک آفت ہے۔ کیونکہ موجودہ نیکی کو وہ باطل کر دیتی ہے۔ اور ترقیات ممکنہ سے انسان کو روک دیتی ہے۔ سعدی رہ ؎

عبادت بتقلید گمراہی ست خنک رہروے راکہ آگاہی ست

تقلید مذموم انتباہ۔ واضح رہے کہ یہاں تقلید سے خاص وہ تقلید مراد ہے۔ جو اس کی ایک مذموم قسم ہے جو کورانہ اعمال بجالانے کی مستلزم ہے۔ جو عبادت کو ایک رسم وعادت بنا دیتی ہے۔ جس میں طاعت حق سے رضائے حق اور ثواب آخرت مقصود نہیں ہوتا۔ بلکہ محض ایک رسم ورواج کی بجا آوری مدنظر ہوتی ہے۔ جو چشم بصیرت کے لئے تعصب کی پٹی بن جاتی ہے اور جو ذہنی ارتقا اور روحانی ترقی کی مانع ہوتی ہے۔ یہاں مطلقاً تقلید کی مذمت مقصود نہیں۔ کیونکہ اس کی ایک قسم تقلید محمود ہے۔ جس سے مراد یہ ہے کہ امر حق کو بلا حیل وحجت تسلیم کر لیا جائے۔ یہ تقلید اختلاف ونزاع کے لئے تیغ قاطع ہے۔ اور فوائد تلمذ اور فیوض بیعت کا اس پر مدار ہے۔ یہاں یہ تقلید مراد نہیں ہے۔ کیونکہ وہ خیر محض ہے۔ پس مولانا اس کی مذمت کیوں کرنے لگے تھے۔ اقبال سلمہ ؎ تقلید محمود

نقش بر دل معنیٔ توحید کن چارۂ کار خود از تقلید کن
کیفیتہا خیزد از صہبائے عشق ہست ہم تقلید از اسمائے عشق
کامل بسطام در تقلید فرد اجتناب از خوردن خربوزہ کرد
عاشقی محکم شو از تقلید یار تا کمند تو شود یزداں شکار

اصطلاح فقہ میں تقلید کی ایک اور تعریف ہے۔ یعنے شریعت کے احکام پر عمل کرنے میں کسی خاص مجتہد مطلق کے فتادے کو جو کتاب وسنت اور اجماع وقیاس پر مبنی ہو۔ اپنا لائحہ عمل بنا لینا۔ یہ تقلید اسلام کے سواد اعظم یعنے اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے۔ صرف ایک شرذمہ قلیلہ جو اپنے آپ کو اہل حدیث کہلاتا ہے۔ اور

تقلید مصطلح اور دُوُّڑ اہل صحبت

اہل تقلید نے اس کو غیر مقلد کا خطاب بخشا ہے اس کے خلاف ہے۔یہاں یہ تقلید مصطلح بھی مراد نہیں۔کیونکہ مولانا خود امام اعظم حضرت ابو حنیفہ نعمان ابن ثابت کوفی رضی اللہ عنہ کے مقلد تھے۔چنانچہ کتاب جواہر مضئیہ جو خاص علمائے حنفیہ کے حالات میں سب سے پہلی اور سب سے زیادہ مستند کتاب ہے۔اس میں مولانا کا تذکرہ درج ہونا ان کے مقلد ابو حنیفہ ہونے کی روشن ترین دلیل ہے۔اس کتاب میں آپ کے بارے میں لکھا ہے۔کان عالما بالمذاهب واسع الفقه عالما بالخلاف وانواع العلوم پس ناممکن ہے۔کہ مولانا خود مقلد ہو کر ان ابیات میں تقلید مصطلح کی مذمت کریں۔جس طرح بعض فارسی خواں ہندو اپنے مذہبی عقیدہ تناسخ کے ثبوت میں مثنوی کا کوئی شعر پیش کر کے کہا کرتے ہیں۔کہ مولانا روم بھی تناسخ کے قائل تھے۔اور بعض شیعہ مثنوی کے بعض اشعار سے استدلال کیا کرتے ہیں۔کہ مولانا حضرت علی کی خلافت بلافصل کے قائل تھے۔اسی طرح ممکن ہے۔کوئی اہل حدیث یا غیر مقلد بھی مثنوی کے شعر ؎

زانکہ تقلید آفتِ ہر نیکوئیست	کہ بود تقلید گر کوہِ قویست

کو سامنے رکھ کر یہ دعوے کرنے لگے۔کہ مولانا بھی ہماری طرح تقلید امام کے مخالف اور اجتہاد عام کے حامی تھے۔ایسی توجیہ توجیہ القول بمالا یرضی بہ قائلہ کہلاتی ہے۔یعنے کسی قول کا ایسا معنے نکالنا۔جو خود صاحب قول کے نزدیک مسلم نہ ہو۔یہ ایک جاہلانہ توجیہ ہے۔اور جاہل کے جواب میں خاموشی اچھی ہے۔کما قیل ؎

اذا نطق السفیه فلا تجبه	فخیر من اجابته السکوت

مفتاح العلوم حصہ دوم میں خواجہ تاجر کی حکایت کے خاتمہ کے قریب ایک اسی قسم کے شعر کی شرح میں جس سے تناسخ کا شبہ ہوتا ہے۔ہم نے مبسوط بحث کی ہے۔اب اس کورانہ تقلید اور بے بصرانہ اتباع کی خامی ایک مثال سے ظاہر فرماتے ہیں۔

گر ضریرے لمترست و تیز خشم	گوشت پارہ اش دان کہ او را نیست چشم

لغات ضریر۔ضرر رسیدہ بیمار لاغر مگر زیادہ تر اس کا اطلاق نابینا پر ہوتا ہے۔لمتر بفتح لام و سکون میم و ضمہ تا۔فربہ۔موٹا۔بھدا۔تیز خشم۔تندمزاج۔غصیل۔

ترجمہ۔اگر ایک نابینا (آدمی) فربہ (و توانا) اور (ساتھ ہی) تندمزاج (بھی) ہے تو اس کو گوشت کا ایک لوتھڑا سمجھو۔کیونکہ اس کی آنکھیں نہیں ہیں۔

مطلب موٹا اور غصیل آدمی اپنے بھاری بھرکم وجود کی نمایش اور اپنی تند و تیز تقریر سے کتنا ہی لوگوں پر رعب ڈالنا چاہئے مگر جب اس کی آنکھیں نہیں۔تو اس کی باتوں کا سکہ دلوں پر نہیں بیٹھ سکتا۔کیونکہ وہ جو کچھ کہتا ہے سنی سنائی باتوں کی بنا پر کہتا ہے چشم دید نہیں کہتا۔اس کا سارا علم کورانہ تقلید پر مبنی ہے۔امیر خسرو رح ؎

سخن کہ عزتِ تحقیق نیست اندر وے	چو بانگ گاؤ بنزدیک عاقلاں خوارست

گر سخن گوید ز مو باریک تر	آں سرش را زاں سخن نبود خبر

ترجمہ۔اگر وہ کوئی (نہایت نکتہ خیز اور) بال سے بھی زیادہ باریک بات کہتا ہے۔تو (صرف طوطے کی طرح رٹی ہوئی بات کہہ رہا ہے) اس کے اس دماغ کو اس بات کی خبر تک نہیں (کہ اس کی اصلیت

کیا ہے)۔

مطلب۔ کوئی معاملہ چشم دید ہو۔ یا کوئی حال اپنے سر گزرا ہو۔ یا کوئی نکتہ اپنے دماغ سے نکلا ہو۔ تو اس کا سنانا تو ایک بات بھی ہے۔ مگر یہاں تو حافظ جی نے جو کچھ لوگوں سے سُن لیا۔ اس کو رٹ کر کہنا شروع کر دیا۔ اس کا اثر کیا خاک ہو۔ اسی طرح مقلد و ناقل بھی گویا اندھا ہے۔ وہ خواہ کتنی ہی نکتہ چینیاں کرے۔ مگر چونکہ وہ خود صاحب حال نہیں۔ کہ جو کچھ کہے دل و دماغ سے کہے۔ بلکہ اس کی ساری باتیں محض نقل و محاکات ہیں۔ اس لئے وہ خود نہ ان کے خاص معانی سے لذت گیر ہے۔ اور نہ ان کی اصلی کیفیت سے متاثر ہے۔ پھر دوسروں پر کیا اثر ہو۔ جامیؒ

خواجہ زند بانگ کہ صنعت درم — مس شود از جودتِ صنعت زرم
لیک اگر دست بجنبش نہی — چوں کفِ مفلس بود از زر تہی
کیسہ چو خالی بود از زر و سیم — دعوی اکسیر چہ سود از حکیم

مستئے دارد ز گفتِ خود ولیک — از برِوے تا بمے راہیست نیک

لغات۔ از برِوے بمعنے از وے کلمہ بر زائد ہے۔ نیک بسیار دور و دراز۔

ترجمہ۔ وہ (اس طرح جھوم جھوم کر تقریر کرتا ہے گویا) اپنی تقریر سے خود مست ہو رہا ہے لیکن اُس سے شراب حقیقت تک (ایک) دُور و دراز راستہ (حائل) ہے۔

مطلب۔ اس کے انداز تقریر سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ صاحب حال ہے۔ اور اپنے بیان سے خود مست ہو رہا ہے۔ مگر اس کو اس مقام کی ہوا تک نہیں لگی۔ اس نے شراب حقیقت کی بو تک نہیں پائی۔ وہ اس سے مست تو کہاں ہوتا۔ حافظؒ ؎

واعظ ابوے حق نشنید بشنو ایں سخن — در حضورش نیز مے گویم نہ غیبت میکنم
؎ لاف ہر ناخلف از جا نبرد جامی را — راہ موسیٰ نبرد بانگ چو گوسالہ کند

ہمچو جُوئیست او نہ آبے میخورد — آب ازو بر آب خوراں بگذرد

ترجمہ۔ اس کی مثال ایک نہر کی سی ہے۔ جو خود پانی نہیں پیتی (بلکہ) اس کا پانی (دوسرے) پانی پینے والے لوگوں پر گذرتا ہے (اور وہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں)

مطلب۔ اسی طرح ایک مقلد بے بصیرت جو کلام الٰہی ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ملفوظات بزرگان دین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین یاد کر کے لوگوں کو سناتا ہے۔ تو خود اس کے اپنے دل میں ان کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ گو لوگوں پر ان کا اثر ہو جاتا ہے۔

مولانا کے اس قول سے ایک اور اخلاقی بات صاف ہو گئی۔ یعنے یہ جو مشہور ہے۔ کہ عالم بے عمل کی نصیحت دوسروں پر اثر نہیں کرتی۔ تو مولانا فرماتے ہیں۔ کہ اثر کر جاتی ہے۔ کسی بزرگ کا قول ہے۔ اور شاید حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیقہ میں فرمایا ہے۔

خفتہ را خفتہ کے کند بیدار

یعنے جو عالم خود عامل نہیں۔ وہ دوسروں کو کیا ہدایت دے سکتا ہے۔ اور اس کی نصیحت سے دوسروں کا جاگ اب

غفلت کب اُٹھ سکتا ہے۔ شیخ سعدی نے اس کی تردید یوں کی ہے۔ جو مولانا کے قول کی مؤید ہے ؎

گفت عالم بگوش جاں بشنو ۔۔۔ ورنماند بگفتنش کردار
باطل ست آنچہ مدعی گوید ۔۔۔ خفتہ را خفتہ کے کند بیدار
مرد باید کہ گیرد اندر گوش ۔۔۔ ورنبشت ست پند بر دیوار

آگے نہر میں پانی کے نہ ٹھہرنے یعنے عالم بے عمل پر اس کے خود اپنے اقوال کے اثر نہ کرنے کی وجہ بیان فرماتے ہیں

آب در جُوزاں نمے گیرد قرار ۔۔۔ زانکہ آں جُو نیست تشنہ و آبخوار

ترجمہ۔ پانی نہر میں اس لئے نہیں ٹھیرتا۔ کہ وہ نہر پیاسی اور پانی پینے کی محتاج نہیں ہے۔

مطلب۔ اسی طرح واعظ بے عمل پر خود اس کا اپنا وعظ اس لئے مؤثر نہیں۔ کہ اس کو ان اقوال متبرکہ کے ساتھ طبعی انس اور میلان نہیں ہے۔ اور اس کا دل ان کو پورے شوق و ذوق سے قبول نہیں کرتا۔ صرف ان کلمات کو رٹ کر سنانے پھرنا ایک پیشہ بنا رکھا ہے ؎

اول دل و زبانِ خود از تو بہ پاک کن ۔۔۔ صائب اگر نصیحتِ احباب مے کنی

ہمچو نائے نالۂ زارے کند ۔۔۔ لیک بیگارِ خریدارے کند

لغات۔ زارے۔ اور خریدارے میں یائے یار مجہول تنکیر کے لئے ہے۔ اور اس صورت میں زار صفت ہے نالہ کی یا یہ یار معروف ہے۔ مصدری اس تقدیر پر نالہ وزاری میں عطف ہے۔

ترجمہ (۱) (مقلد بے بصر یا واعظ بے عمل کی مثال ایسی ہے) جیسے بانسری جو ایک نالہ دردناک کرتی ہے۔ لیکن (خود اپنے اوپر اس کا اثر نہیں ہوتا بلکہ) ایک خریدار (کو پھانسنے) کی بیگار کر رہی ہے (جو نئے فروش نے اس پر ڈال رکھی ہے)

(۲) جیسے بانسری جو نالہ وزاری کرتی ہے۔ لیکن (خود اپنے اوپر اس کا اثر نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ بانسریوں کی) خریداری (کا بازار گرم کرنے) کی بیگار کر رہی ہے (جو نئے فروش نے اس پر ڈال رکھی ہے)۔

مطلب۔ مقلد بے بصر یا واعظ بے عمل کی یہ دوسری مثال ہے۔ خریدارے یا تو بنسری کا خریدار یعنے مشتری مراد ہے۔ جو اس کے خریدنے سے پہلے اس کی آواز اور سروں کو سن کر پسند کرتا ہے۔ یا بمعنے شائق مراد ہے۔ یعنے وہ شخص جو صرف اس کی آواز اور راگ سننے کا خواہاں ہے۔ بنسری کو خریدنا اور خود اس کو بجانا اس کا مقصد نہیں۔ جیسے عاشق کو معشوق کا خریدار کہہ دیتے ہیں۔ سعدیؒ ؎

پیشِ کسے رَو کہ خریدارِ تست ۔۔۔ ناز براں کن کہ طلبگارِ تست

نوحہ گر باشد مقلد در حدیث ۔۔۔ جز طمع نبود مرادِ آں خبیث

لغات۔ نوحہ گر وہ عورت جو نوحہ کرنے کا پیشہ کرتی ہے۔ اور اس کی اُجرت لیتی ہے۔ وہ ماتم کی مجلس میں دف وغیرہ کسی ساز کے ساتھ دردناک بین گاتی ہے۔ اور دوسری عورتیں اس کے الفاظ کے ساتھ آواز ملاتی اور روتی ہیں۔ ہمارے

ملک میں یہ کام میراثنیں کرتی ہیں۔ خبیث ناپاک آدمی نوحہ گر کو اس کے پیشے کی ناپاکی کے سبب سے یہ لقب دیا ہے۔

ترجمہ۔ نوحہ گر (صرف) رٹے ہوئے دردناک فقروں کا ناقل ہوتا ہے (اس کے دل میں کسی قسم کے غم وحسرت کا اثر نہیں ہوتا اور) سوائے (اپنی اجرت کی) طمع کے اس خبیث آدمی کا اور کوئی مقصد نہیں ہوتا۔

مطلب۔ چنانچہ پیشہ ور واعظ کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے۔ کہ لوگوں سے روپیہ پیسہ۔ غلہ۔ کپڑا وغیرہ بٹورے۔ خود عبرت گیر ہونا۔ اور لوگوں کو ہدایت کرنا اس کی مراد نہیں ہوتی۔ اور اسی طرح ہر مقلد و ناقل جو ناصح بن جاتا ہے۔ اس کا اس کام سے کوئی خاص ذاتی مقصد ہوتا ہے ؎

حدیث عشق ز حافظ شنو نہ از واعظ — اگرچہ صنعت بسیار در عبادت کرد

نوحہ گر گوید حدیث سوزناک — لیک کو سوزِ دل و دامانِ چاک

ترجمہ۔ نوحہ گر (زبان سے) دردناک فقرے بولتا ہے۔ مگر (اس کے پاس) دردِ دل اور دامن چاک کہاں ہے؟

مطلب۔ مقلد بے بصر یا واعظ پیشہ ور ہزار دلاویز باتیں کہے۔ لیکن چونکہ وہ صاحب حال نہیں ہے۔ اس لئے اس کے دل میں ان کا اثر نہیں ہوتا۔ صائبؔ ؎

ہر کہ دستش با زباں سبقت کند مرد ست مرد — ورنہ ہر ناقص جوانمرد ست در صحرائے لاف

از مقلد تا محقق فرقہاست — کایں چو داؤد ست و آں دیگر صداست

حضرت داؤد علیہ السلام کی خوش آوازی

لغات۔ محقق۔ وہ شخص جو اپنی تحقیق و طلب سے ہر بات کی تہ کو پہنچ جائے۔ صرف سنی سنائی باتوں کو مدارِ عمل نہ بنائے۔ داؤد علیہ السلام ایک پیغمبر ہوئے ہیں۔ جو صاحب تاج و نگین بھی تھے۔ اور ان کی خوش آوازی بھی ضرب المثل ہے۔ لحن داؤدی ادبیات فارسی میں اکثر مذکور ہے۔ تفسیر خازن وغیرہ میں بذیل آیہ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ (اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے کئی قسم کی برتری دی تھی (اور پہاڑوں کو حکم دیا تھا) پہاڑو تسبیح و تلاوت میں داؤد کے ساتھ ان کے جوابی ہو۔ اور پرندوں کو بھی یہی حکم دیا تھا) لکھا ہے کہ فضل سے مراد نبوت اور کتاب ہے۔ اور بعض کے نزدیک خوبی آواز وغیرہ کی جو خاص صفات منفردہ ان کو عطا کی گئی تھیں۔ وہ مراد ہیں۔ اور لکھا ہے کہ جب داؤد علیہ السلام اپنی مخصوص دلاویز آواز سے تسبیح پڑھتے۔ یا سوز و گداز سے یاد الہٰی کرتے۔ تو پہاڑ اور پرندے ان کے ساتھ اپنی آواز ملاتے۔ اور پرندوں پر بھی ایک وجد کی حالت طاری ہوتی۔ آدمیوں کا تو کیا مذکور۔ صدا۔ گونج۔ آواز۔ صوت۔

ترجمہ۔ مقلد اور محقق میں فرق (کے) بہت سے (مدارج) ہیں۔ کیونکہ یہ (محقق تو) گویا داؤد (علیہ السلام کی طرح صاحب آواز) ہے۔ اور وہ (مقلد محض) آواز ہے۔

مطلب۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے۔ کہ جب کبھی ان کی طبیعت پر کچھ پریشانی طاری ہوتی۔ تو اپنے مخصوص انداز میں سوز و گداز کے ساتھ یاد الہٰی کرنے لگتے۔ جس کو سن کر پرندے ادھر ادھر سے اڑ کر آتے۔ اور آپ پر حلقہ کر لیتے۔ اور کچھ پرندے آپ کے سر پر چکر لگاتے رہتے۔ اس تسبیح و تحمید سے آپ کے دل کو سرور و طمانیت حاصل ہو جاتی۔ پس آپ کا تسبیح و تحمید پر مائل ہونا۔ موثر الحان نکالنا۔ مخصوص انداز اختیار کرنا۔ اپنے دل کو اس سے مسرور و مطمئن کرنا۔ یہ ساری باتیں خاص نیت اور ارادہ سے وقوع پاتی تھیں۔ یہی شان محقق کی ہوتی ہے۔ کہ جو کچھ بولتا اور کہتا ہے۔ سوچ سمجھ کر

خاص نیت اور ارادہ سے کہتا ہے۔ بخلاف اس کے مقلد کی مثال آواز کی سی ہے۔ کہ جس طرح صاحب آواز نے حلق سے اس کو نکالا نکل آئی۔ جب بند کرنا چاہا۔ بند ہوگئی۔ خود آواز کے ارادہ و نیت کا اس میں کچھ بھی دخل نہیں۔ حافظ رح

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند ہرچہ استادِ ازل گفت بگو میگویم

منبعِ گفتار ایں سوزے بود وآں مقلد کہنہ آموزے بود

ترجمہ۔ اس (محقق) کے کلام کا سرچشمہ (وہ) سوز ہوتا ہے (جو دل سے اٹھتا ہے۔ اس لئے اس کا کلام بھی دل سے نکلتا ہے) اور وہ مقلد پرانا سیکھا ہوا ہوتا ہے (اس لئے اس کا کلام صرف زبان سے نکلتا ہے دل کو خبر نہیں)

ہیں مشو غرہ بداں گفتِ حزیں بار بر گاوست و بر گردوں حنیں

لغات۔ غرہ مغرور۔ غرہ شدن دھوکا کھانا۔ مغرور ہو جانا۔ حزیں غمناک۔ المناک عموماً صاحب غم کی صفت واقع ہوتا ہے۔ مگر یہاں موجب غم کی صفت یعنے الم انگیز واقع ہوا ہے۔ گردوں گاڑی۔ چھکڑا۔ حنین۔ نالہ وبکا۔

ترجمہ۔ خبردار! اس (قسم کی) درد انگیز بات سے دھوکا نہ کھانا (یعنے اس کے مقلد کو صاحب درد نہ سمجھ لینا اسکی مثال تو وہ ہے کہ) بوجھ بیل پر لدا ہے۔ اور گاڑی چوں چوں کر رہی ہے۔

مطلب۔ باربرداری کا درد اگر ہے۔ تو بیل کو ہے اگر وہ چیختا چلاتا۔ تو اس کا نالہ و فریاد درد کی وجہ سے سمجھا جاتا۔ مگر چلاتا ہے چھکڑا۔ جس کو نہ درد ہے۔ نہ درد کا احساس ہے۔ یہی مثال ہے مقلد بے درد اور محقق صاحب درد کی۔ جامی رح

بہر زمزمہ زناں واعظ از کنارہ چو غوک غریق لجۂ عرفاں خموش چوں ماہی

ہم مقلد نیست محروم از ثواب نوحہ گر را مزد باشد در حساب

لغات۔ مزد۔ مزدوری۔ اجرت۔ معاوضہ۔ در حساب۔ حساب میں آیا ہوا۔ طے شدہ۔ مسلمہ۔ مقررہ۔

ترجمہ۔ (مگر) دیکھا دیکھی عمل کرنے والا بھی (اپنے عمل کے) ثواب سے محروم نہیں رہتا (چنانچہ) نوحہ گر کے لئے بھی اس کے کام کی) اجرت مقرر ہوتی ہے۔

مطلب۔ جب کسی کو محقق ہونے کی توفیق نہ ہو۔ تو اس کا مقلد ہو کر نیک لوگوں کی نقل کرنا بھی خالی از فائدہ نہیں بشرطیکہ اس کی نیت محض اتباع و امتثال ہو۔ حضرت انس رض سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یا ایھا الناس ابکوا فان لم تستطیعوا فتباکوا الخ یعنے لوگو! رویا کرو۔ اور اگر رونا نہ آئے۔ تو رونی صورت بنا لیا کرو (مشکوٰۃ باب صفۃ اہل النار) اس سے ثابت ہے کہ اگر کوئی نیکی اپنی خاص کیفیت اور قلبی تحریک سے صدور نہ پا سکے۔ تو اس کی نقل و محاکات بھی مفید ہے۔ بشرطیکہ اس سے محض نیکی مقصود ہو۔ ریا و سُمعت یا کسب زر اس سے مقصود نہ ہو۔ اس سے ایک تو خلوص نیت کا اجر ملتا ہے۔ دوسرے پھر اس قسم کی نیکیوں سے طبیعت مانوس ہو جاتی ہے کسی نے خوب کہا ہے ؎

احبّ الصالحین ولست منھم لعل اللہ یرزقنی صلاحا

یعنے میں نیک ہونے کا مدعی نہیں مگر نیک لوگوں سے محبت رکھتا ہوں شاید اللہ اس کی بدولت مجھے نیک بنا دے

ونعم ما قیل ؎

فی الجملہ نسبتے بتو کافی بود مرا
بلبل ہمیں کہ قافیۂ گل شود بس است

ریا کا عمل بھی فائدے سے خالی نہیں

بلکہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ریا کا عمل اگرچہ بلکہ داخل مہلکات ہے۔ مگر عمل نہ کرنے سے وہ بھی اچھا ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے تو عمل کی عادت ہو جاتی ہے۔ پھر رفتہ رفتہ اس میں خلوص و ارادت پیدا ہو جانے کی بھی امید ہے۔ بہرحال پہلے عمل ہونا چاہئے۔ پھر اخلاص کی کوشش کی جائے۔ جامی ؒ ؎

ز توفیق عمل چوں خلعت خاص
رسد آنرا معطر کن باخلاص

اب پھر محقق و مقلد کے فرق کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ اور اس کے لئے دو مثالیں بیان کرینگے۔ ایک مقبول اور مردود کی۔ دوسری مقرب اور بے ادب کی۔

کافر و مومن خدا گویند لیک
درمیانِ ہر دو فرقے ہست نیک

ترجمہ۔ کافر اور مومن (دونوں) خدا کے قائل ہیں مگر دونوں میں بڑا فرق ہے۔

کافر بھی کسی نہ کسی رنگ میں خدا کا قائل ہے

مطلب۔ یہ مقبول اور مردود کی مثال ہے یعنے خداوند تعالیٰ کو مومن مقبول بھی مانتا ہے۔ اور ایک کافر مردود بھی مگر فرق یہ ہے۔ کہ مومن اس کو "وحدہ لا شریک" اور "مستجمع بصفات کاملہ" مانتا ہے۔ اور پوری تصدیق جنان و اقرار باللسان سے مانتا ہے۔ مگر کافر اس کو ایک مشتبہ صورت میں اور شرک و سوء اعتقاد کی لگی لپٹی باتوں کے ساتھ مانتا ہے۔ چنانچہ بت پرست جو سینکڑوں بتوں کو اپنا معبود سمجھتے ہیں۔ ہزاروں قسم کی مخلوقات کے آگے اپنی عبدیت کا سر جھکاتے ہیں۔ اور لاکھوں دیوتاؤں کو خدا کی خدائی میں حصہ دار تسلیم کرتے ہیں۔ ان سے بھی اگر خدا کے متعلق سوال کیا جائے تو یہی کہیں گے۔ کہ وہ ایشور پرماتما ایک ہے۔ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ۝ (اے پیغمبر! ان بت پرستوں سے) پوچھو زمین اور اس کی ساری کائنات کس کی ہے؟ اگر تم جانتے ہو (تو بتاؤ) وہ ضرور یہی کہیں گے اللہ ہی کی ہے۔ ان سے کہو پھر تم غور کیوں نہیں کرتے۔ ان سے پوچھو۔ ساتوں آسمانوں کا مالک کون ہے اور عرش کا مالک کون ہے۔ وہ ضرور یہی کہیں گے۔ یہ سب کچھ اللہ کے لئے ہے کہو پھر تم کیوں نہیں ڈرتے۔ ان سے پوچھو اگر تم جانتے ہو (تو بتاؤ) کس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے۔ اور (وہ چاہتا ہے تو) بچا لیتا ہے۔ اور اس سے کوئی (کسی کو) نہیں بچا سکتا۔ وہ ضرور کہیں گے یہ بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ تو کہو پھر تم کہاں بہک رہے ہو (مومنون ع ۵) غرض خدا کو ماننا تو کافر بھی ہے۔ مگر اس کا ماننا مومن کی طرح صاف و صریح۔ شوائب شرک سے پاک اور آمیزش شکوک سے خالص نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ خدا کو ماننے کے باوجود کافر کا کافر ہے۔ صائب ؒ ؎

یکے ست بستنِ احرام و بستنِ زنار
ترا کہ روے دل از کعبہ سوئے بتخانہ است

آں گدا گوید خدا از بہرِ ناں
متقی گوید خدا از عینِ جان

ترجمہ۔ (ایک تو) وہ فقیر (ہے جو) روٹی کے لئے خدا کا نام لیتا ہے (اور ایک) خدا سے ڈرنے والا بندہ (ہے جو) تہ دل سے خدا کو یاد کرتا ہے۔

مطلب - یہ مقرب اور بے ادب کی مثال ہے یعنی جو مقرب حق ہے۔ اس کے لئے خدا کا نام غذائے روح ہے وہ نہایت ذوق شوق سے اس کا نام لیتا ہے۔ اور اس سے سرور و طمانینت پاتا ہے۔ مگر ایک بھکاری نے اس نام کو اپنے رزق و روزی کا حیلہ بنا رکھا ہے۔ اور در بدر خدا کی حمد و ثنا کے گیت گاتا اور اس نام پاک کی بے ادبی سے روٹی کماتا پھرتا ہے۔ وہ نام پاک جس کو بلا طہارت زبان پر لانا بھی سوء ادب میں داخل ہے۔ کما قیل ؎

ہزار بار بشویم دہن بعطر و گلاب ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست

تو اس کو ہر عام و خاص بھلے بُرے اور فاسق و مبتدع لوگوں کے دروازے پر گاتے پھرنا کس قدر بے ادبی ہے۔ غرض خدا کا نام یہ بھی لیتا ہے وہ بھی۔ مگر دیکھ لو۔ دونوں میں کس قدر فرق ہے۔

اللہ اللہ میزنی از بہرِ ناں بے طمع پیش آ و اللہ را بخواں

لغات - زدن کا مصدر پچیس مختلف معنوں میں آتا ہے۔ جن میں سے ایک معنے گفتن بھی ہے۔ چنانچہ حرف زدن۔ دروغ زدن اسی قبیل سے ہے۔ اللہ اللہ میزنی میں یہی معنے ملحوظ ہیں۔

ترجمہ - تم روٹی کمانے کے لئے اللہ اللہ کہتے ہو (اے غافل!) طمع کو چھوڑ کر آگے آؤ۔ اور اللہ کو پکارو (پھر دیکھو اس کا کیا ثمر پاتے ہو)

مطلب - یہ خطاب عام اہل ریا سے ہے۔ جو اللہ کا نام حصول شہرت یا کسب رزق وغیرہ کسی دنیوی غرض سے لیتے ہیں۔ یا گدا سے خطاب ہے۔ جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ پھر کلمہ میزنی بمعنے نوازی ہوگا۔ یعنے "اے گدا تو روٹی کے لئے اللہ کا نام لے لے کر ساز بجاتا پھرتا ہے" بہرکیف اللہ کا نام لینے یا کوئی اور نیک عمل کرنے سے جو ثمرات خاص متوقع ہیں۔ ان کے لئے خلوص ارادت اور صفائے نیت شرط ہے۔ اگر کوئی اور نیت ہو۔ تو وہ شرک فی العمل کہلاتا ہے۔ جس سے اس عمل کا ثواب باطل ہو جاتا ہے۔ ابوسعید بن ابی فضالہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جب قیامت کو اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایسے دن میں جمع کرے گا۔ جس کے آنے میں شک نہیں۔ تو منادی پکارے گا۔ کہ جس شخص نے اپنے عمل میں جو اللہ کے لئے کیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ کسی اور کو شریک کیا تھا۔ تو وہ اس کا ثواب اس غیر اللہ سے طلب کرے۔ کیونکہ اللہ تمام شرکاء کی نسبت شرک سے غنی تر ہے (مشکوٰۃ) حضرت انسؓ سے روایت ہے۔ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ من نیتہ طلب الاخرۃ جعل اللہ غناہ فی قلبہ وجمع لہ شملہ واتتہ الدنیا وھی راغبۃ ومن کانت نیتہ طلب الدنیا جعل اللہ الفقر بین عینیہ وشتت علیہ امرہ ولا یاتیہ منھا الا ما کتب لہ۔ یعنے جس شخص کی نیت طلب آخرت ہو۔ تو اللہ تعالےٰ اس کے دل کو غنا سے مالا مال کر دیتا ہے۔ اور اس کی خاطر جمع کر دیتا ہے۔ اور اس کی طرف دنیا بھی رغبت کے ساتھ آتی ہے۔ اور جس شخص کی نیت طلب دنیا کی ہو۔ اس کا محتاجی سے پالا ڈال دیتا ہے۔ اور اس کے کام کو اس کے لئے باعث پریشانی بنا دیتا ہے۔ اور اس کو ملتا اتنا ہی ہے۔ جو اس کے لئے مقدر ہے۔ (مشکوٰۃ) عمر خیام عفا اللہ لہ ؎

در مسجد اگرچہ با نیاز آمدہ ایم حقا کہ نہ از بہر نماز آمدہ ایم
ز اینجا روزے سجادۂ دزدیدیم
آں کہنہ شدہ است باز باز آمدہ ایم

شرک فی العمل

گر بدانستے گدا از گفتِ خویش　　پیشِ چشمِ او نہ کم ماندے نہ بیش

ترجمہ۔ (خدا کا نام گا گا کر) بھیک مانگنے والا اگر (اپنے منہ سے) بولے ہوئے (نام خدا کی قدر) کو سمجھتا تو اس کی نظر میں نہ (دنیا کی کسی) تھوڑی چیز (کی وقعت) رہتی نہ زیادہ (کی)

مطلب۔ گدائے محلہ نام خدا کے گیت گا گا کر لوگوں سے کیا حاصل کرتا ہے۔ یہی روٹی کا ٹکڑا۔ مٹھی بھر اناج۔ دمڑی۔ دھیلا۔ پیسا وغیرہ لیکن اگر وہ اس نام پاک کی قدر و قیمت کو سمجھتا۔ تو اس کے عوض میں ان محقر اشیا کا قبول کرنا تو درکنار اگر سونے چاندی کے خزانوں پر بھی لات مارتا۔ اس نام کی قدر عاشقان حق ہی سمجھتے ہیں۔ جن کے نزدیک یہ جان سے بھی زیادہ عزیز ہے امیر خسرو رح ؎

نامش از من شنو اے دل غم جاں چند خوری　　جاں ہمانست کہ مارا بزباں میگذرد

سالہا گوید خدا آں نان خواہ　　ہمچو خر مُصحف کشد از بہرِ کاہ

لغات۔ نان خواہ گدا سے نان۔ روٹی مانگنے کھانیوالا۔ مصحف قرآن مجید۔ کاہ۔ گھاس۔ چارہ۔

ترجمہ۔ وہ روٹی مانگنے والا (فقیر) برسوں خدا کا نام لیتا (اور گاتا پھرتا) ہے (مگر اس کے دل پر اس کا ایک لحہ کے لئے بھی اثر نہیں پڑتا۔ اس کی مثال ایسی ہے) جیسے ایک گدھا گھاس کے لئے قرآن مجید کو (اپنی پشت پر) اٹھا کر لے چلتا ہے (مگر اس کے الفاظ و معانی سے اس کو کوئی تعلق نہیں ہوتا)

مطلب۔ اسی طرح جو لوگ علوم سے بہرہ ور ہیں۔ مگر ان پر عامل نہیں۔ اور نہ ان کے حقیقی فیوض سے مستفید ہیں۔ ان کی مثال ایسی ہے۔ جیسے گدھے پر کتابوں کا بوجھ لدا ہوا ہو۔ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ط جن لوگوں (کے سر) پر توراۃ (حکماً) لادی گئی۔ پھر انہوں نے اس کو (عمل کے لئے) سر پر اٹھائے نہ رکھا ان کی مثال گدھے کی مثال ہے۔ جس پر کتابیں لدی ہیں (سورہ جمعہ ع ۱) سعدی رح ؎

علم چند انکہ بیشتر خوانی　　چوں عمل در تو نیست نادانی
نہ محقق بود نہ دانشمند　　چار پائے بر و کتا بے چند
آں تہی مغز را چہ علم و ہنر　　کہ بر و ہیزم ست یا دفتر

گر بدل در تافتے گفتِ لبش　　ذرہ ذرہ گشتہ بودے قالبش

ترجمہ۔ اگر اس کے لب سے نکلا ہوا (نام یا کلام اس کے) دل پر بھی چمک جاتا۔ تو (اس کی تجلی کے زور سے) اس کے جسم کے پرخچے اڑ جاتے۔

نامِ دیوے رہ برد در ساحری　　تو بنامِ حق پشیزے مے بری

لغات۔ رہ بُردن اثر کرنا۔ کام کر جانا۔ ساحری۔ جادوگری۔ پشیز دمڑی۔ دھیلا۔ پیسہ۔

ترجمہ (یہ کیا غضب ہے کہ) ایک شیطان کا نام تو جادو کے فن میں اپنا اثر کر جائے (اور) خدا کے نام (میں اس کے سوا اور کوئی برکت نہ ہو کہ اس) سے تم ایک پیسہ کماتے پھرو (اور بس)

مطلب۔ سحر و شعبدات میں اکثر جنات و شیاطین کے نام لئے جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ کس قدر افسوس کی بات ہے۔ کہ

جادوگر تو شیطان کا نام لے لے کر مختلف عجائبات کے کرشمے دکھا سکتا ہے۔ مگر تمہاری زبان سے رحمٰن کا نام نکلنے اور اس سے کوئی بھی عجیب بات ظہور میں نہ آئے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے۔ کہ کسی نے یہ نام تمہاری زبان سے سن کر تمہارے کاسہ گدائی میں ایک پیسہ ڈال دیا اور بس۔ صد حیف! کہ تم اس عظیم القدر چیز کو کس حقیر قیمت پر بیچ رہے ہو۔ تم یوسف کی جلالت شان کو نہیں دیکھتے۔ جو تمہارے ہاتھوں چند درہم کے عوض کاروان کے پاس فروخت ہو رہا ہے۔ جامی رحمہ

زیاں کاراں کہ جنس جاں فروشند ۔۔۔ چناں جنسے چنیں ارزاں فروشند
خراج مصر یک دیدار ازوے ۔۔۔ متاع جاں بیک گفتار ازوے
ولے ایں نرخ را یعقوب داند ۔۔۔ زلیخا ایں خریداری تواند

خاریدن روستائے در تاریکی شیر را بظن آنکہ گاو است

ایک دیہاتی کا (رات کے) اندھیرے میں شیر کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنا بدیں خیال کہ بیل ہے۔

روستائے گاو در آخر ببست ۔۔۔ شیر گاوش خورد و برجایش نشست

ترجمہ۔ ایک دیہاتی نے اپنا بیل آخور میں باندھا (ایک) شیر (آیا اور اس) نے اس کے بیل کو کھا لیا۔ اور اس کی جگہ پر بیٹھ گیا۔

روستائے شد در آخر سوئے گاو ۔۔۔ گاو را مے جست شب آں کنجکاو

لغات۔ کنج کاو کونے کونے کو کھودنے والا کاویدن سے مشتق ہے۔ کاویدن سے مراد تجسس۔
ترجمہ۔ دیہاتی آخور میں بیل کی طرف گیا۔ شب (کی تاریکی) میں وہ ایک متلاشی کی طرح اپنے بیل کو ڈھونڈتا تھا۔

دست میمالید بر اعضائے شیر ۔۔۔ پشت و پہلو گاہ بالا گاہ زیر

ترجمہ۔ وہ دیہاتی شیر کے اعضا پر ہاتھ پھیرتا تھا۔ کبھی پشت اور پہلو (پر) کبھی اوپر کبھی نیچے۔

گفت شیر ار روشنی افزوں بدے ۔۔۔ زہرہ اش بدریدے و دل خوں شدے

ترجمہ۔ شیر نے (دل میں) کہا (یہ جاہل آدمی بے خبری میں یہ حرکت کر رہا ہے) اگر کافی روشنی ہوتی تو (میری ہیبت سے) اس کا جگر پھٹ جاتا۔ اور دل خون ہو جاتا۔

ایں چنیں گستاخ زاں میخاردم ۔۔۔ کو دریں شب گاو مے پنداردم

ترجمہ۔ وہ اس طرح نڈر ہو کر اس لئے میرے بدن پر ہاتھ پھیر رہا ہے کہ اس رات (کی تاریکی) میں مجھے (اپنا) بیل سمجھ رہا ہے۔

مطلب۔ اوپر فرمایا تھا۔ کہ اگر ثنائے الٰہی کے راگ گانے والے گداگر کے دل پر حق کے نام اور اس کی ثنا کی تجلی ہو جاتی۔ تو اس کے بدن کے پرخچے اُڑ جاتے۔ اس کی تمثیل میں شیر کا یہ قصہ بیان فرمایا۔ کہ اگر دیہاتی شیر کو بیل نہ سمجھا ہوتا۔ اور روشنی میں شیر کا ہیبت ناک منظر اس کی نظر کے سامنے ہوتا۔ تو ڈر کے خوف کے اس کا کلیجہ پاش پاش ہو جاتا۔ اب اسی مضمون کی تائید میں فرماتے ہیں۔ جو گویا اس حکایت کا نتیجہ ہے۔

حق ہمے گوید کہ اے مغرورِ کور — نے ز نامم پارہ پارہ گشت طور؟

ترجمہ۔ (اسی طرح) حق تعالیٰ بندے کو کہتا ہے کہ اے دھوکا کھانے والے اندھے! کیا میرے نام (کی تجلی) سے (کوہ) طور پارہ پارہ نہیں ہو گیا؟

مطلب۔ دوسرے مصرعہ میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کیا رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ۔ اے پروردگار مجھے اپنا جمال دکھا۔ قَالَ لَنْ تَرَانِیْ پروردگار نے فرمایا۔ تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ وَلٰکِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَکَانَہٗ فَسَوْفَ تَرَانِیْ ہاں پہاڑ کی طرف نظر کرو۔ پس اگر وہ اپنی جگہ قائم رہا۔ تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔ فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّہٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَہٗ دَکًّا وَّخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا پس ان کے پروردگار نے کوہ (طور) پر تجلی کی۔ تو اس کو پارہ پارہ کر دیا اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے (سورہ اعراف ع ۱۵) نام سے اسم کی تجلی مراد ہے۔ کیونکہ کوہ طور پر باری تعالیٰ کے اسم نور کی تجلی ہوئی تھی۔ جس کے سبب سے کوہ طور خاک سیاہ ہو گیا تھا۔ فرماتے ہیں۔ یہ بندے ہمارا نام لاپروائی سے لیتے۔ اور ہمارا کلام بے غوری سے پڑھتے ہیں۔ حالانکہ نام کی عظمت ایسی قدر ہے کہ اس کے آگے ایک پہاڑ کے پرخچے اُڑ جاتے ہیں۔ اور کلام کی عظمت یہ ہے۔

کہ لَوْ اَنْزَلْنَا کِتَابًا لِلْجَبَلِ — لَانْصَدَعَ ثُمَّ انْقَطَعَ ثُمَّ ارْتَحَلْ

لغات۔ انصدع پھٹ گیا۔ انقطع ٹوٹ گیا۔ ارتحل رحلت کر گیا۔ چلا گیا۔

ترجمہ۔ کہ اگر ہم (اپنی) کتاب (یعنی قرآن مجید) کو کسی پہاڑ پر اتارتے۔ تو وہ (اس بار گراں کا تحمل نہ ہو کر) پھٹ جاتا۔ پھر ٹوٹ جاتا۔ پھر اپنی جگہ چھوڑ جاتا۔

مطلب۔ یہ مضمون قرآن مجید کی اس آیت سے ماخوذ ہے۔ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ اگر ہم اس قرآن کو ایک پہاڑ پر اتارتے تو تم اس کو دیکھتے کہ وہ خداوند تعالیٰ کے خوف سے جھک جاتا اور پھٹ پڑتا۔ اور یہ مثالیں ہیں جو ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ کچھ سوچیں (حشر ع ۳) فرماتے ہیں۔ کہ پہاڑ جیسی عظیم الشان ہستی بھی قرآن سے اسقدر متاثر ہو سکتی ہے۔ مگر افسوس کہ انسان پر اس کا اثر نہیں ہوتا۔ گویا وہ پتھروں سے بھی گیا گزرا ہو گیا۔

یہ سیہ بختی کی ہے روشن دلیل — آدمی ہو جائے پتھر سے ذلیل

سعدیؒ: چناں آدمی مردہ بہ ننگ را — کہ بر وے فضیلت بود سنگ را

سوال۔ پہاڑ جس حد تک قرآن مجید سے متاثر ہو سکتا ہے۔ اسقدر متاثر نہ ہونے کا الزام صرف غافلوں اور جاہلوں کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بلکہ جو لوگ راہ ہدایت پر چلنے والے اور طاعات کے پورے پابند ہیں۔ یہ الزام اُن پر بھی عائد ہوتا ہے۔ کہ قرآن مجید کا اسقدر اثر ان پر بھی نہیں ہوتا۔ اس کا کیا جواب ہے؟

لو انزلنا هذا القرآن علی جبل کی تفسیر

جواب۔ اس سوال کا جواب خود آیت مذکورہ کا آخری حصہ دے رہا ہے۔ یعنے ہمارا یہ مقصود نہیں۔ کہ انسان پر بھی ایسا ہی اثر ہو۔ جیسا پہاڑ پر ممکن ہے۔ بلکہ یہ مثال اس لئے پیش کی گئی ہے۔ کہ انسان اتنا سوچے۔ کہ جب پہاڑ پر قرآن کا اسقدر اثر ہے۔ تو مجھ پر کچھ تو اثر ہونا چاہیئے۔ قرآن کا خاص اثر تو بیشک یہی ہے۔ کہ ایک پہاڑ بھی اس سے پرزے پرزے ہو جائے۔ اور جب ایک جماد پر اسقدر اثر پڑتا ہے۔ تو انسان ذی حیات و باشعور پر تو کیوں نہ پڑے۔ مگر حکمت الٰہی کا تقاضا یہ ہے۔ کہ انسان پر اسقدر تباہ کن اثر نہ پڑے۔ کیونکہ وہ مکلف باعمال ہے۔ یعنے اس کا فرض ہے۔ کہ قرآنی احکام پر عمل کرے لیکن اگر قرآن کے سامنے آتے ہی اس کے ٹکڑے اڑنے لگیں۔ اور قرآن کی تجلی اس کے ساتھ وہ کام کر جائے۔ جو کوہ طور کے ساتھ ہوا۔ تو پھر قرآن کے احکام پر عمل کون کرتا۔ اور یہ بات حکمت الٰہی کے خلاف ہوتی۔ پس انسان پر اس کا اثر اسی قدر مطلوب ہے کہ وہ حق تعالے کے ساتھ اپنا تعلق شائستہ اور استوار کرے۔ بُرے کاموں سے بچے۔ اچھے اعمال اختیار کرے۔ اور آخرت کے حساب کا فکر رکھے۔ اس قسم کا اثر اہل اطاعت کے دلوں پر کما حقہ ہوتا ہے۔ جو غافل لوگ قرآن مجید سے اسقدر اثر پذیر نہیں ہوتے۔ ان کی تنبیہ کے لئے فرمایا ہے۔ کہ دیکھو پہاڑ تک اس سے اس حد تک متاثر ہوتے ہیں کہ پارہ پارہ ہو جاتے ہیں۔ تم پر کم از کم اتنا اثر تو ہونا چاہیئے۔ کہ اپنے انجام کا فکر لازم سمجھو۔ یہی مطلب ہے لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ کا۔ سعدی رحمۃ ؎

گر اہل معرفتی دل در آخرت بندی — نہ در خرابہ دنیا کہ حسرت آباد ست

صائب ؎ تا بکے خرج تماشائے جہاں خواہی شد — در سر انجام خود آخر نظرے باید کرد

از منِ ار کوہِ اُحُد واقف بُدے — پارہ گشتے و دلش پُر خوں شدے

کوہ احد

لغات۔ کوہ احد الف اور حا کا ضمہ۔ ایک پہاڑ کا نام ہے۔ جو مدینہ منورہ سے چند میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اہل اسلام اور مشرکین مکہ کی دوسری خونریز جنگ اسی پہاڑ کے دامن میں ہوئی تھی۔ احادیث میں پہاڑ کی تمثیل کے لئے اکثر اسی پہاڑ کا نام آتا ہے۔

ترجمہ۔ اگر کوہِ احد بھی مجھ سے واقف (اور میری معرفت سے بہرہ ور) ہوتا۔ تو (شدت وجد سے) پارہ پارہ ہو جاتا اور اس کا دل پُر خون ہوتا (مگر انسان پر اثر نہیں ہوتا)۔

از پدر و ز مادر ایں بشنیدۂ — لاجرم غافل دریں پیچیدۂ

ترجمہ۔ تم نے اپنے ماں باپ سے یہ (نام پاک اور کلام مقدس) سن (سن کر رٹ) لیا ہے (خود اپنی مبصرانہ طلب و تلاش سے اس کو حاصل نہیں کیا) اس لئے غافلانہ (بے پروائی کے ساتھ) اس (رٹے) کے ورد میں لگے ہوئے ہو (اور کوئی اثر نہیں پاتے)۔

مطلب۔ دولت یا ہنر کوئی چیز ہو۔ جب خود اپنی سعی و تردد سے حاصل کی جائے۔ تو اس کی قدر ہوتی ہے۔ لیکن جب وہ اپنے باپ دادا سے توارثاً ہاتھ آجائے۔ تو اس کی چنداں پروا نہیں ہوتی۔ یہی حال نام خدا اور کلام حق کا ہے۔ کہ اگر اس کو شوق خاص اور طلب صادق کے ساتھ اپنی ذاتی ہمت و سعی سے حاصل کیا جائے۔ تو وہ وہ دولت دارین سے بڑھ کر سمجھا جائے۔ اور پھر اپنے نفس در درج پر اسکے وہ کرشمے بھی نمایاں ہوں۔ جو اس سے متوقع ہیں۔ لیکن جب وہ بلا طلب بلا سعی باپ دادا سے سن سن کر زبان زد ہو جائے۔ تو ایک امر معتاد بن جاتا ہے۔ اور اس کے عجائبات مخصوصہ کی طرف

التفات نہیں ہوتی۔ نہ دل پران کا کوئی انکشاف ہوتا ہے۔

گر تو بے تقلید ازو واقف شوی ۔ بے نشاں بے جائے چوں ہاتف شوی

لغات۔ ہاتف پکارنے والا۔ ندا کرنے والا۔ وہ فرشتہ جو غیب سے آواز دے۔ اور اس کا وجود نظر نہ آئے۔
ترجمہ اگر تم اس (نام و کلام) سے (باپ دادا کی) تقلید کو چھوڑ کر (خود اپنی تحقیق سے) واقف ہو جاؤ۔ تو پھر غیب سے پکارنے والے فرشتے کی طرح تم بے نشان اور بے پتہ ہو جاؤ۔
مطلب۔ اگرچہ ہاتف ایک مخلوق مادی ہے۔ اور اس کا محل و مقام بھی ہے۔ مگر کسی کو نظر نہیں آتا۔ اس لئے اس کو بے نشان و بے جائے کہدیا۔ اسی طرح جس شخص پر خدا کے نام کی تجلی ہو جائے۔ یا وہ اس کے کلام پاک سے کما حقہ مستفید ہو جائے۔ تو اس کو اپنی ہستی کالعدم دکھائی دیتی ہے۔ کیونکہ اس کی طرف التفات نہیں رہتی۔ مگر وہ بالکلیہ معدوم و منتفی نہیں ہوتی۔ جامی رہ

عمرے ست دل بہر و فائے تو بستہ ایم ۔ پیوند با تو کردہ واز خود گسستہ ایم

غرض اگر اپنی طلب و تجسس سے اور شوق و ذوق سے بلا تقلید و نقل اس کا نام اور ذکر شغل بن جائے۔ تو پھر اپنا نام و نشان نہ رہے۔ عراقی رہ

سالہا در جستجویش دست و پائے میزدیم ۔ چوں نشاں دیدیم خود را بے نشاں خواہیم کرد

بشنو ایں قصہ پئے تہدید را ۔ تا بدانی آفتِ تقلید را

لغات۔ تہدید دھمکی۔ جھڑکی۔ ڈراوا۔ مگر یہاں تنبیہ مراد ہے۔ حرف "را" زائد ہے۔
ترجمہ۔ (اب) تم بطور تنبیہ یہ قصہ سن لو۔ تاکہ تم کو تقلید کی آفت معلوم ہو جائے۔
مطلب۔ یعنے معلوم ہو جائے کہ سنی سنائی بات کو رٹ لینا اور اس کی حقیقت پر غور نہ کرنا کس قدر مضر ہے۔

فروختن صوفیان بہیمہ صوفی مسافر را جہت سفرہ و سماع

(چند) صوفیوں کا ایک صوفی مسافر کے سواری کے جانور کو سامان طعام و سماع کے لئے بیچ ڈالنا

صوفئے در خانقاہ از رہ رسید ۔ مرکب خود برد و در آخر کشید

ترجمہ ایک صوفی (اپنے) راہ (سفر) سے کسی خانقاہ میں پہنچا (اپنی) سواری کے جانور کو اندر لے گیا۔ اور آخور پر کھینچا (اور باندھ دیا)۔

آبکش داد و علف از دست خویش ۔ نے چو آں صوفی کہ ما گفتیم پیش

لغات آبکش میں آب کا مضعر ہے۔ یعنے آب قلیل شین ضمیر مفعول بہ علف۔ گھانس۔ چارہ۔
ترجمہ اپنے ہاتھ سے اسکو قدرے پانی اور گھانس دیا۔ اس صوفی کی طرح رہ کام خادم پر نہ چھوڑا

درکھا جس کا قصہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔
مطلب۔ پہلے صوفی کا قصہ پیچھے گزر چکا ہے۔ جس نے جانور کی خبرگیری خادم پر موقوف رکھی۔ اور خادم کی غفلت سے بیچارا جانور ساری رات بھوکا رہا۔ اور اسے صبح کو جبکہ ادھ موا ہو رہا تھا۔ پھر سفر پر چلنا پڑا۔

احتیاطش کرد از سہو و خباط — چوں قضا آید چہ سود از احتیاط

لغات سہو غلطی۔ بھول۔ خباط دیوانگی۔ دیوانوں کی طرح ہاتھ پاؤں مارنا۔
ترجمہ۔ بھول اور خبط سے اس کی احتیاط کی۔ (لیکن) جب قضا آتی ہے۔ تو احتیاط سے کیا فائدہ ہوتا ہے۔
تقدیر قطع رشتہ تدبیرے کند — تدبیر سادہ لوح چہ تقدیر میکند

صوفیاں درویش بودند و فقیر — کاد فقر ان یکن کفرا یبیر

لغات۔ فقیر محتاج۔ ان یکن درحصل ان یکون مضارع منصوب ہے۔ مگر بضرورت شعری اسکو مجزوم کیا گیا۔
ترجمہ۔ (خانقاہ کے) صوفی نادار و محتاج تھے (اور جیسے کہ حدیث میں وارد ہے کہ) محتاجی قریب ہے کہ ایک بڑا کفر بن جائے (ان صوفیوں کی نیت بگڑ گئی)
مطلب۔ دوسرا مصرعہ اس حدیث سے ماخوذ ہے۔ کاد الفقر ان یکون کفرا یعنے قریب ہے کہ محتاجی کفر بن جائے۔ سعدی رح ے
باگرسنگی قوت پرہیز نماند — افلاس عناں از کف تقویٰ بستاند
یہ حدیث ابونعیم نے حلیہ میں روایت کی ہے۔ اور بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس رضؓ سے مرفوعاً یوں روایت کی ہے کاد الفقر ان یکون کفرا وکاد الحسد ان یغلب القدر۔ مگر اس کا ایک راوی ضعیف ہے (تمیز الطیب)

اے توانگر تو کہ سیری ہیں مخند — بر کژی آں فقیر دردمند

ترجمہ۔ اے مالدار! کہ تیرا پیٹ بھرا ہوا ہے (تو نے محتاجی کی مجبوری نہیں دیکھی) خبردار! اس دردمند محتاج کی کسی خطاکاری پر (طنزاً) مت ہنس (جو بوجہ افلاس اس سے سرزد ہو جائے)
مطلب۔ محتاجی کے نتائج بد کے ذکر میں ضمناً ہدایت فرماتے ہیں۔ کہ کسی غنی کو محتاج کی لغزش پر استحقاراً ہنسنا نہیں چاہئے۔ بلکہ غیرت حق سے ڈرنا چاہئے۔ کہ کہیں وہ اس کو بھی مبتلائے افلاس نہ کر دے جس سے وہ بھی اس قسم کے ارتکابات پر مجبور ہو جائے۔ مَنْ ضَحِكَ ضُحِكَ جو کسی پر ہنستا ہے اس پر بھی ہنسا جاتا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ من عیّر اخاہ بذنب لم یمت حتی یعملہ یعنے جو شخص اپنے بھائی کو کسی گناہ پر عار دلائے۔ وہ خود بھی مرنے سے پہلے پہلے اس کا مرتکب ہو کر رہیگا۔ (جامع صغیر سیوطی رح) سعدی رح ے

برو شکر کن چوں بنعمت دری — کہ محرومی آید ز مستکبری
یکے را کہ در بند بینی مخند — مبادا کہ ناگہ درافتی بہ بند

نظامی ے
مخندم براندوہ کس برق وار — کہ از برق من درمن افتد شرار

جامی ے
اے ناچشیدہ چاشنی درد بیدلاں — از حال ما بترس و بر احوال ما مخند

از سرِ تقصیر آں صوفی رمہ — خر فروشی در گرفتند آں ہمہ

لغات - صوفی رمہ جماعت صوفیاں با ضافت مقلوب - رمہ دراصل بکریوں کے ریوڑ کو کہتے ہیں - یہاں مجازاً صوفیوں کی جماعت پر اس کا اطلاق کر دیا - جس میں حقارت کا اشارہ مضمر ہے - کیونکہ وہ چوری کے خارج از انسانیت فعل پر آمادہ ہو رہے تھے - خر فروشی گدھا فروخت کرنے کا معاملہ - در گرفتند - اختیار کیا - شروع کیا -

ترجمہ - اس ساری کی ساری صوفیائی ٹولی نے اپنی کوتہ اندیشی سے گدھا بیچنے کا بیوپار شروع کر دیا -

مطلب - تقصیر کا مطلب یہ ہے کہ وہ صوفیائی ٹولی علم و عمل میں ناقص تھی - اس لئے ایسی گناہ خیانت پر آمادہ ہو گئی - تقصیر عمل تو یہ کہ ان سے فقر و فاقہ پر صبر ہو سکا کیونکہ کئی دن کے بھوکے تھے - حرام کھانے پر اتر آئے - علم کی کوتاہی یہ کہ اس گناہ کے جواز کی ایک غلط توجیہ اپنے دل سے گھڑ لی - اور اس کے ساتھ تمسک کر کے غریب صوفی کا گدھا بیچ کھانے پر تل گئے - وہ توجیہ یہ ہے کہ :-

گر ضرورت ہست مُردارے مُباح — بس فسادے کز ضرورت شد صلاح

لغات - ضرورت - مجبوری - اضطرار - مباح جائز - فساد برا کام - صلاح اچھا کام - **ترکیب** پہلے مصرعہ میں ضرورت مبتدا کی خبر یعنی موجود محذوف ہے - اور مُردارے مباح کا رابطہ جملہ مقدر ہے -

ترجمہ - اگر کوئی مجبوری (پیش آگئی) ہے - تو مردار (کا کھانا بھی) جائز ہے - کیونکہ بہت سے بُرے کام مجبوری کی وجہ سے اچھے کام بن جاتے ہیں -

مطلب - پہلے مصرعہ کا مضمون اس حکم قرآنی سے ماخوذ ہے - اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ج فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٥ اس نے تم پر صرف مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ چیز جس پر ذبح کرتے وقت اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا جائے حرام کیا ہے - پھر جو کوئی مجبور ہو جائے - لیکن سرکشی نہ کرتا ہو اور حد سے زیادہ نہ بڑھے تو اس پر ان چیزوں کے کھا لینے میں گناہ نہیں - بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے (بقرہ ع ۲۱) دوسرے مصرعہ میں اس مشہور مقولہ کی طرف اشارہ ہے - جو حدیث نہیں ہے - الضرورات تبیح المحذورات یعنی ضرورتیں ممنوعات کو جائز بنا دیتی ہیں -

اضطرار کے وقت اکل حرام کا حکم صحیح ہے - اور ضرورات کا محذورات کو مباح کر دینا بھی بالکل درست ہے - مگر ان صوفیوں کا اس حکم کو اپنی خر فروشی کے جواز کا حیلہ قرار دے لینا ایک غلط کاری تھی - جو ان کے قصور علم پر مبنی تھی یعنی انہوں نے مجبوری کے معیار کو نہ سمجھا کہ کس حد تک مجبوری ہو - تو محرمات کا اکل و شرب جائز ہے - وہ حد یہ ہے کہ اگر بھوک پیاس سے جان جا رہی ہو - اور ابقائے حیات کے لئے کوئی حلال یا مکروہ چیز میسر آنی محال ہو - تو پھر حرام چیز کھانی پینی درست ہے - مگر وہ بھی بقدر سدِ رمق - اور بس ان صوفیوں کی یہ حالت نہ تھی -

ہم دراں دم آں خرک بفروختند — لوت آوردند و شمع افروختند

اضطرار میں حرام بقدر ضرورت جائز ہے

لغات ۔ خرکک میں کاف تصغیر کے لئے ہے۔ لوت بواو مجہول طعام لذیذ۔
ترجمہ ۔ فوراً اس گدھے کو بیچ ڈالا (اور اس کی قیمت سے امزیدار کھانے (خرید) لائے اور شمع روشن کرلی۔

وَلولہ اُفتاد اندر خانقہ کامشباں لوت وسماع ست ودلہ

لغات ۔ سماع سننا۔ قوالی سننا مراد ہے۔ ولہ جوش عشق۔ مستی۔
ترجمہ ۔ پھر تو خانقاہ میں ایک ولولہ پیدا ہوگیا۔ کہ آج کی رات مزیدار کھانے ہیں سماع ہے۔ اور (وجد و حال کی) مستی (کا سامان) ہے۔

چند ازیں صبر وازیں سہ روزہ چند چند ازیں زنبیل وایں دریوزہ چند

لغات سہ روزہ میں ہ نسبت کی ہے۔ اور اس کا موصوف یعنے فاقہ محذوف ہے۔ زنبیل۔ کچکول۔ دریوزہ ۔ بھیک مانگنا۔
ترجمہ ۔ کہاں تک یہ صبر (رہو) کہاں تک یہ تین (تین) دن کے (متصل فاقے کریں اکب تک یہ کچکول (اٹھائے پھریں اکب تک یہ بھیک (مانگتے رہیں)

ما ہم از خلقیم جاں داریم ما دولت امشب میہماں داریم ما

ترجمہ ۔ ہم بھی مخلوق میں سے ہیں۔ ہم بھی جان رکھتے ہیں۔ (پھر کیوں نہ مخلوق کی طرح مزے اُڑائیں۔ اپنی جان کو کیوں ترسائیں) آج کی رات دولت ہمارے ہاں مہمان ہے (یہ موقع روز روز میسر نہیں آئیگا)

تخمِ باطل را ازاں می کاشتند کانکہ آں جاں نیست جاں پنداشتند

ترجمہ (یہ لوگ اپنے) باطل (اعمال) کا بیج اس لئے بو رہے تھے۔ کہ جو چیز جان نہیں ہے۔ اس کو جان سمجھ رہے تھے۔
مطلب ۔ یہ لوگ جو غریب صوفی کا گدھا بیچ ڈالنے پر آمادہ ہوگئے۔ اور ساتھ ہی اس کے جواز کی ایک خود ساختہ دلیل بھی گھڑلی۔ تو ان کے ان باطل افعال کی وجہ یہ تھی۔ کہ انہوں نے اپنے نفس امّارہ کو جو پاک روح سے جداگانہ ایک سرکش طاقت ہے غلطی سے روح پاک سمجھ لیا۔ اور برخلاف اس کے کہ وہ روحانی حیات حاصل کرنے کے لئے اپنی روح کی پرورش کا اہتمام کرتے انہوں نے نفس پروری شروع کردی۔ یعنے نفوفاقہ سے تنگ آکر حرام مال سے پیٹ بھرنے لگے۔
سعدیؒ ؎ مرداں بسعی و رنج بجائے رسیدہ اند تو بے خبر کجا رسی از نفس پروری

واں مسافر نیز از راہِ دراز خستہ بود و دید آں اقبال وناز

ترجمہ اور (اُدھر) وہ (بیچارہ صوفی) مسافر بھی (ایک تو) لمبے سفر سے تھکا ماندہ تھا۔ اور (اوپر سے ان صوفیوں کی) وہ (کمال) توجہ اور مہربانی دیکھی (تو دھوکے میں آگیا۔ چنانچہ :-)

صوفیانش یک بیک بنواختند
نرد خدمتہاش خوش میباختند

لغات۔ یک بیک میں یا اتصال کے لئے ہے۔ جیسے خانہ بخانہ میں۔ نواختن عزت افزائی کرنا۔ خاطر و تواضع کرنا۔ نرد باختن چال چلنا۔ چلتر کھیل جانا۔ دھوکا دے جانا۔

ترجمہ۔ صوفی لوگ یکے بعد دیگرے اس کی خاطر تواضع کرتے تھے۔ اس کے ساتھ اپنی خدمتوں کی چالیں خوب چل رہے تھے۔

آں یکے پایش ہمے مالید و دست
واں یکے پرسیدش از جائے نشست

ترجمہ (ادھر) وہ ایک تو ان کے پاؤں اور ہاتھ ملتا تھا۔ اور (ادھر) وہ ایک ان کے بیٹھنے کی جگہ کے متعلق پوچھتا تھا کہ حضرت کہاں تشریف رکھیں گے؟ (دوسرے مصرعہ کا ترجمہ یوں بھی ہو سکتا ہے) اور ادھر وہ ایک ان کی قیام گاہ کے متعلق سوال کرتا تھا کہ حضور کا دولتخانہ کہاں ہے؟)

واں یکے افشاند گرد از رخت اُو
واں یکے بوسید دستش را و رُو

ترجمہ۔ اور وہ ایک ان کے اسباب سے گرد جھاڑتا تھا۔ اور وہ ایک ان کے ہاتھ اور منہ پر بوسہ دیتا تھا۔

گفت چوں سید بدیدمیلاں شاں بوے
گر طرب امشب نخواہم کرد، کے؟

لغات۔ میلان شان بفک اضافت ان کی توجہ اور عنایت۔ طرب۔ خوشی۔ مزے لینا۔ وجد و حال سے رقص کرنا۔

ترجمہ۔ وہ صوفی جب اپنی طرف ان کی (یہ کمال) توجہ دیکھتا تھا۔ تو (دل میں) کہتا تھا۔ اگر آج مزے نہ اڑاؤں گا تو (پھر) کب (اڑاؤں گا)۔ (یا) اگر آج (وجد و حال سے) رقص نہ کرونگا۔ تو (پھر) کب (کرونگا)

لوت خوردند و سماع آغاز کرد
خانقہ تا سقف شد پُر دُود و گرد

ترجمہ۔ سب نے کھانا کھایا۔ اور پھر سماع شروع ہوا۔ خانقاہ چھت تک دھوئیں اور گرد سے پُر ہو رہی تھی۔

دُودِ مطبخ گردِ آں پا کوفتن
ز اشتیاق و وجد جاں آشوفتن

ترجمہ دھواں باورچی خانہ کا (تھا)۔ جہاں کھانے پکے تھے اور گرد (زمین پر) پاؤں پیٹنے کی (تھی۔ اور) شوق وجد سے جان کا پریشان ہونا (پاؤں پیٹنے کا باعث تھا۔ چنانچہ :۔)

گاہ دست افشاں قدم میکوفتند
گہ بسجدہ صُفّہ را میروفتند

ترجمہ۔ کبھی تو ہاتھ نچاتے ہوئے پاؤں کو پیٹتے تھے۔ کبھی پیشانی زمین پر رگڑتے ہوئے (اس طرح

چلے جاتے تھے گویا) چبوترہ کو جھاڑو دیتے تھے۔

دیر یابد صوفی آز از روزگار — زاں سبب صوفی بود بسیار خوار

لغات۔ آز۔ حرص۔ طمع۔ گر یہاں یہ لفظ مطلوب و مراد کے معنے میں آیا ہے۔ جس کی سب کو حرص ہوتی ہے۔
ترجمہ۔ صوفی (اپنی کھانے پینے کی) مراد زمانے سے (افلاس کے باعث) مدت کے بعد پاتا ہے۔ اسلئے صوفی پیٹو ہوتا ہے۔
مطلب۔ یعنے مجلس سماع میں صوفیوں کا ضرورت سے زیادہ وجد و حال میں دھاچوکڑی مچانا زیادہ تر اس لئے ہوتا ہے کہ ان کو اچھے کھانے کم ملتے ہیں۔ جب کسی خاص مجلس کے موقع پر خلاف معمول گونا گوں نعمتوں کی ضیافت اڑاتے ہیں۔ تو ان کا نشہ اس اچھل کود پر آمادہ کر دیتا ہے۔ مگر یہ حالت عام بندۂ نفس اور شکم پرست صوفیوں کی ہے۔ اور وہ نفوس قدسیہ اس الزام سے مبرا ہیں۔ جو فلک تصوف کے نیر رخشاں ہیں۔ چنانچہ ان کے متعلق ارشاد ہے۔

جز مگر آں صوفئے کز نورِ حق — سیر خورد و فارغ ست از ننگ و دق

لغات۔ ننگ۔ شرم۔ عار۔ دق۔ گدائی۔ اعتراض کرنا۔ دروازہ کھٹکھٹانا۔ یہ تینوں معنے یہاں چسپاں ہوتے ہیں۔
ترجمہ۔ مگر سوائے اس صوفی (صافی دل) کے جو خداوند تعالیٰ کے نور سے سیر ہو رہا ہے۔ اور (لوگوں کے احسانمند ہونے کی) عار اور گدائی سے (یا لوگوں کے اعتراض سے یا لوگوں کے دروازے کھٹکھٹانے سے) فارغ ہے۔
مطلب۔ جو عارف حق نور معرفت کی غذا پا رہا ہے۔ وہ پہلے غذائے جسمانی کی حرص سے ہاتھ دھو چکتا ہے۔ تو پھر اس کو یہ درجہ حاصل ہوتا ہے۔ سعدی رہ ؎

اندروں از طعام خالی دار — تا درو نور معرفت بینی

حافظ رہ ؎ خواب و خورت ز مرتبۂ عشق دور کرد — آنگہ رسی بدوست کہ بےخواب و خور شوی

پھر جب اس کا باطن نورِ معرفت سے معمور ہو گیا۔ تو حرص طعام کی اس میں گنجایش کہاں؟ خصوصاً جبکہ شکم پری اکتساب نور کی مانع ہے۔ تو وہ ایک ادنے مقصد کے لئے اعلےٰ مقصد کو فوت کرنا کب گوارا کریگا؟ اور لوگوں کی احسانمندی کا موجب عار ہونا مسلمہ ہے۔ سعدی رہ ؎

حقا کہ با عقوبت دوزخ برابرست — رفتن بپائے مردیِ ہمسایہ در بہشت

صائبؒ ؎ در حریم خاک اگر با مرگ ہمبستر شوی — بہ کہ باشی زندہ جا دیدار از دو خلق

دریوزہ گری و گدائی بھی باعث ذلت و رسوائی ہے۔ کما قیل ؎

سرزند چوں حرف خواہش از لب گفتار ما — میزند سیلی شکست رنگ بر رخسار ما

لوگوں کے دروازے کھٹکھٹانا بھی فقرا کے لئے ایک بدترین عیب ہے۔ کسی بزرگ نے کیا خوب فرمایا ہے۔ نعم الامیر علےٰ باب الفقیر وبئس الفقیر علےٰ باب الامیر یعنے اچھا ہے وہ امیر جو حصول سعادت کے لئے فقیر کے دروازے پر حاضر ہو۔ اور برا ہے وہ فقیر جو حصول مال کے لئے امیر کے دروازے پر جائے۔ کما قیل ؎

اے مسلماناں حذر از صحبت ارباب جاہ — جز شکست کعبۂ دل نا ید از اصحاب فیل

از ہزاراں اندکے زیں صوفیند باقیاں در دولت او میزیند

لغات۔ دولت۔ طفیل۔ توسل جیسے کہتے ہیں۔ آپ کی بدولت۔ ترکیب زیں کا مشار الیہ قسم مقدر ہے۔ اور اس کا تعلق صوفی کے ساتھ ہے۔ اندکے مبتدا از ہزاراں اس کا متعلق ہے اور صوفی خبر۔

ترجمہ۔ ہزاروں میں سے معدودے چند اس قسم کے (کامل) صوفی ہیں (اور) باقی (ناقصین ومزوّرین) ان (کاملین) کے سایہ میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔

مطلب۔ عوام کے خواص کی بدولت جینے اور رزق پانے سے یہ مراد ہے کہ جب لوگ اہل اللہ کے فیوض عام کی قدر کرکے ان کی ہر طرح خدمت وتواضع کرتے ہیں۔ تو مکار اور فریبی لوگ بھی انہی اہل اللہ کا لباس درویشی زیب بدن کرکے مسند مشیخت پر جلوہ آرا ہو کر لوگوں کو سبز باغ دکھانے شروع کر دیتے ہیں۔ عوام کالانعام بیچارے کیا جانیں۔ کہ ان میں حقانی کون ہے۔ اور شیطانی کون۔ وہ ان کو بھی اہل اللہ سمجھ کر خدمات بجالانی شروع کر دیتے ہیں۔ اس طرح یہ "باقیان" یعنی باقی رنگیلے درویش ان بزرگان کامل کے ہمرنگ لباس کی بدولت عیش اڑاتے ہیں۔ کما قیل ؎

لباس شہرت ایں قوم خالی از معنے بجز لباس قلمکار نیست چوں تصویر

یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے۔ کہ عوام صوفی خواص کاملین کی برکت سے جیتے اور رزق پاتے ہیں۔ حضرت انس سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں دو بھائی تھے۔ ان میں ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتا۔ اور دوسرا محنت مزدوری کرتا۔ اس محنت مزدوری کرنے والے نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں اپنے بھائی کی شکایت کی۔ (کہ وہ کام نہیں کرتا۔ اور اکیلا میں ہی یہ بار اٹھا رہا ہوں) تو حضور نے فرمایا۔ لَعَلَّكَ تُرْزَقُ بِهٖ۔ شاید تو بھی اسی کی بدولت رزق پا رہا ہو (مشکوٰۃ باب التوکل والصبر)

طالب آملی رحمہ ؎ رشتہ را پس ندہم ہر کہ گہرے گیرد مے پذیرند بداں را بطفیل نیکاں

چوں سماع آمد ز اوّل تا کراں مطرب آغازید یک ضرب گراں

لغات۔ کراں۔ کنارہ۔ آخری حد۔ مطرب۔ طرب میں لانے والا۔ مراد قوال۔ گویّا۔ میراثی۔ ضرب گراں۔ بھاری چوٹ۔ باجے کی کوئی ایسی گت جو اپنی تاثیر سے دلوں کو مسوس ڈالے۔

ترجمہ۔ جب سماع (کا سارا سامان) اول سے آخر تک (مہیا) ہو گیا۔ تو قوال نے ایک نہایت مؤثر گت شروع کی۔

خر برفت و خر برفت آغاز کرد زیں حرارت جملہ را انباز کرد

لغات۔ حرارت۔ گرما گرمی۔ گرمجوشی۔ وہ ترانہ جس کو چند آدمی ہم آواز ہو کر گائیں۔ انباز۔ شریک کار۔

ترجمہ۔ (ساتھ ہی) خر برفت خر برفت (گدھا جاتا رہا گدھا جاتا رہا) کا راگ (الاپنا) شروع کر دیا (اور وہ بھی) اس گرمجوشی سے (کہ) تمام حاضرین کو (اپنے ساتھ) شریک (آواز) کر لیا۔ (یا یوں کہو) اس گرمجوشی کے ترانے سے سب (حاضرین) کو شریک (آواز) کیا۔

زیں حرارت پائے کوباں تا سحر — کف زناں خر رفت خر رفت اے پسر

ترجمہ اس گرمجوشی (یا اس متحدہ ترانے) سے (سب یاران بزم) صبح تک پاؤں پیٹتے اور تالیاں بجاتے ہوئے ارے گدھا جاتا رہا گدھا جاتا رہا (کا گیت گاتے رہے)

از رہِ تقلید آں صوفی ہمیں — خر برفت آغاز کرد اندر حنیں

ترجمہ۔ اس (گدھے والے) صوفی نے بھی ان کے پیچھے لگ کر اسی طرح "گدھا جاتا رہا" گانا شروع کر دیا۔

سوال۔ خر برفت خر برفت کے ترانہ میں معرفت الٰہی کا کونسا کرشمہ تھا۔ جس پر یہ لوگ وجد کرنے لگے۔ خصوصاً وہ صوفی صاحب کیوں اس ترانہ سے متاثر ہوئے؟

جواب۔ اس ترانہ میں معرفت الٰہی کا کوئی بھی کرشمہ نہیں۔ یہ محض ایک شرارت تھی۔ جس سے بیچارے صوفی کو الو بنانا مقصود تھا۔ یا تو اس میں قوال اور صوفی ٹولی کی متفقہ سازش کام کر رہی ہوگی۔ یا قوال کو صوفیوں کی کارستانی کا پتہ ہوگا تو اس نے از خود اپنے اس نو ایجاد ترانہ کا شگوفہ چھوڑ دیا۔ تاکہ حال وقال کے رنگ میں مسخر اور دل لگی کا سامان مہیا کرے سادہ لوح صوفی ان ہتھکنڈوں کو نہ سمجھا۔ اور خود بھی خر برفت کی راگنی مست ہو ہو کر گانے لگا۔ اور صوفیہ میں یہ خاص بات ہے۔ کہ ان کے سامنے کوئی حقانی غزل پڑھی جائے یا غیر حقانی۔ وہ اس کا مطلب سمجھتے ہوں یا نہ سمجھتے ہوں۔ مگر سنتے ہی وجد سے ان کا سر ہلنے لگتا ہے۔ حتےٰ کہ کوے کی کائیں کائیں۔ بلی کی میاؤں میاؤں۔ گدھے کی ہیچوں ہیچوں سن کر بھی ان پر حال طاری ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ ان کے دل میں عشق الٰہی کی جو آگ دبی ہوتی ہے۔ وہ ہمیشہ ادنیٰ سے ادنیٰ تحریک پر بھڑک اٹھنے کے لئے آمادہ رہتی ہے۔ اور ہر معقول اور غیر معقول۔ خوشگوار و ناخوشگوار آواز اس آگ پر ہوا سے تند کا کام کر جاتی ہے۔ مولانا روم کے سوانح مندرجہ جلد اول مفتاح العلوم میں درج ہو چکا ہے کہ خود مولانا ایک زرکوب کی ہتھوڑی کی آواز سن کر بیخود ہو گئے۔ اور گھنٹوں افاقہ میں نہیں آئے۔ سعدیؒ

کسانیکہ یزداں پرستی کنند — بر آواز دولاب مستی کنند

اسی سنت صوفیہ کے ماتحت ان صوفی صاحب پر خر برفت کا ترانہ اپنا اثر کر گیا۔ ان کے دل میں یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوا۔ کہ کون گدھا؟ کس کا گدھا؟ کہاں گیا؟ گیا تو پھر کیا ہوا؟ معرفت حق سے اس کا کیا تعلق؟ بس طبلے پر تھاپ پڑنے اور بربط پر مضراب کے پھرنے اور اس ترانے کی آواز کے فضا میں گونجنے کی دیر تھی۔ کہ صوفی صاحب کے وجد کا دریا بہ نکلا۔ ہر چند کہ صوفی صاحب کی نیت بری نہ تھی۔ مگر آخر یہ ایک تقلید مذموم تھی۔ جو نادانستہ ان سے وقوع میں آئی۔ جس کا خمیازہ ان کو یہ بھگتنا پڑا۔ کہ گدھا چوری گیا۔ اور چوروں سے باز پرس کرنے کا موقع بھی ہاتھ سے جاتا رہا۔

چوں گذشت آں نوش و جوش و آں سماع — روز گشت و جملہ گشتند الوداع

ترجمہ۔ جب وہ (کھانا) پینا اور جوش اور وہ سماع ختم ہوا۔ دن چڑھ گیا اور سب (یاران مجلس) رخصت ہو گئے۔ تو۔

خانقہ خالی شد و صوفی بماند گرد از رختِ مسافر مے فشاند

ترجمہ- خانقاہ خالی ہوگئی اور (اکیلا) صوفی رہ گیا- وہ اپنے اسباب سفر سے گرد جھاڑنے لگا (جو رات کی گوند چھاند میں پڑگئی تھی۔ تاکہ سفر پر روانہ ہو)

رخت از حجرہ بروں آورد او تا بخر بربندد آں ہمراہ جو

ترجمہ- اس ہمراہیوں کو تلاش کرنے والے (صوفی) نے (اپنا) اسباب حجرہ سے باہر نکالا- تاکہ گدھے پر لاد دے-

تا رسد در ہمرہاں او مے شتافت رفت در آخر خرِ خود را نیافت

ترجمہ- وہ (بیچارہ) اس لئے جلدی کر رہا تھا- کہ اپنے رفقائے سفر کے ساتھ جا ملے- (جو روانہ ہو چکے تھے مگر جب) آخور میں گیا- تو اس نے گدھے کو نہ پایا-

مطلب- اسکے ہمراہی مختلف مشرب کے ہوں گے- کوئی کسی مسجد میں- کوئی سرائے میں- کوئی اپنے رشتہ دار کے ہاں کوئی کسی دوست کے گھر ٹھیرا ہوگا- اور یہ قرارداد ہوئی ہوگی- کہ صبح کو سب اکٹھے ہو کر روانہ ہونگے- یہ صوفی صاحب اہل تصوف تھے- ان کو خانقاہ میں رات گذارنے کا شوق تھا- اس لئے وہ شامت کے مارے یہاں آپہنچے- ورنہ ہمراہاں سے ان صوفیوں کی جماعت مراد نہیں جو رات کو شریک بزم تھی- کیونکہ وہ چنڈال چوکڑی تو ادھر ادھر سے اکٹھی ہو گئی تھی

گفت آں خادم بآبش بردہ است زانکہ خر دوش آب کمتر خوردہ است

ترجمہ- آخر اپنے دل کی تسلی کے لئے کہا (غالباً) وہ خادم اس کو پانی (پلانے) کے لئے لے گیا ہے اس لئے کہ گدھے نے کل پانی کم پیا تھا-

مطلب- مولانا پیچھے فرما چکے ہیں- "آنکس داد" اس کو قدرے پانی پلایا- اب وہی مختصر بیان یہاں خاص توضیح کے ساتھ ملحوظ ہے- کہ "دوش آب کمتر خوردہ است"- یہ ضبط احوال افسانہ نگاری کا ایک کمال ہے- فللّٰہ درہ- ان صوفی صاحب کے حسن ظن کی بھی حد ہوگئی- پہلے صوفیوں کی مکارانہ آؤبھگت پر ریجھ گئے- پھر خر رفت کے شرارت آمیز ترانے کو نہ سمجھے- اور خود بھی لہرا لہرا کر گانے لگے- جس سے خرابی یہ ہوئی- کہ ان کا خادم جس کو ان مکار صوفیوں کی خر فروشی کی ساری شیطنت معلوم تھی- صوفی صاحب کو اس کی اطلاع دینے آیا- تو خود انہی کی زبان سے خر رفت و خر رفت کی راگنی سُن کر چپ ہو رہا- کہ ان کو خود معلوم ہے- اب صوفی صاحب کا خادم پر یہ حسن ظن ہے- کہ وہ گدھے کو پانی پلانے لے گیا ہے- خوب! بیشک حسن ظن ایک فضیلت ہے- مگر جب یہ فضیلت اعتدال سے بڑھ جائے- تو وہ سادہ لوحی بلکہ بیوقوفی بن جاتی ہے- اور عیار لوگوں کو موقع مل جاتا ہے- کہ ایک صالح و نیک دل آدمی کو اُلّو بنائیں- صائبؒ ؎

دام را غفلت بنخجیر رساند برار دانہ پوچ ست اگر صید نہ خود غافل ست

خادم آمد گفت صوفی خر کجاست گفت خادم ریش بیں! جنگے بخاست

ترجمہ۔ (اتنے میں) خادم (بھی) آگیا تو صوفی نے (اس سے) پوچھا گدھا کہاں ہے؟ (خادم) بولا۔ (حضرت!) اپنی) ڈاڑھی کو دیکھو (اور اس بزرگانہ شکل وصورت پر کچھ شرم کرو۔ کہ دیدہ ودانستہ مجھ سے یہ سوال کر رہے ہو اس پر دونوں میں) تو تو میں میں ہونے لگی۔

گفت خر را من بتو بسپردہ ام　　　من ترا بر خر موکل کردہ ام

ترجمہ (صوفی) کہتا تھا میں نے گدھا تمہارے سپرد کیا تھا۔ میں نے تم کو گدھے کا محافظ بنایا تھا (اب تم ہی ذمہ دار ہو)

بحث با توجیہ کن حجت میار　　　وانچہ من بسپردہ ام واپس سپار

لغات بحث۔ تکرار۔ گفتگو۔ توجیہ۔ دلیل پیش کرنا۔ حجت۔ دلیل۔ جھگڑا۔ حجت بازی۔

ترجمہ۔ (صحیح) دلیل کے ساتھ گفتگو کرو۔ فضول حجت بازی نہ کرو۔ اور جو چیز میں نے تمہارے سپرد کی ہے اس کو واپس (میرے) سپرد کرو۔

از تو خواہم آنچہ آوردم بتو　　　باز دہ آنچہ کہ بسپردم بتو

ترجمہ۔ جو چیز میں نے تمہیں لاکر دی تھی (اب) تم سے مانگتا ہوں۔ جو کچھ میں نے تمہارے سپرد کیا تھا۔ واپس دو۔

گفت پیغمبر کہ دستت آنچہ برد　　　بایدش در عاقبت واپس سپرد

ترجمہ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کچھ تیرا ہاتھ (بطور امانت) وصول کرے۔ آخر اس کو واپس ادا کرنا چاہیئے۔

مطلب۔ مثنوی کے حواشی میں لکھا ہے کہ یہ مطلب ہے۔ اس حدیث نبوی کا کہ اَلْاَمَانَۃُ مُؤَدَّاۃٌ یعنے امانت ادا ہونی چاہیئے۔ کلید مثنوی میں لکھا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ عَلَے الْیَدِ مَا اَخَذَتْ یعنے ہاتھ جو کچھ لے اس کا ادا کرنا اس کے ذمہ ہے۔

ورنہ از سرکشی راضی بایں　　　نک من و تو خانۂ قاضی دیں

ترجمہ۔ اور اگر تم (اپنی) سرکشی کے سبب سے اس پر راضی نہیں ہو (کہ چپکے سے میرا گدھا میرے حوالے کر دو) تو ابھی دیکھو گے کہ میں ہوں۔ تم ہو۔ اور قاضی شرع کا کمرہ عدالت ہے۔

گفت من مغلوب بودم صوفیاں　　　حملہ آوردند و بودم بیم جاں

ترجمہ وہ (خادم) کہتا تھا میں بے بس تھا (سارے) صوفی مجھ پر حملہ آور ہوئے۔ اور میں (پہلے ہی صعوبت سفر سے) نیم جان تھا (ان کا مقابلہ کیونکر کرتا)

تو جگر بندے میانِ گرگاں — اندر اندازی و جوئی زاں نشاں

ترجمہ تم کلیجی کا ایک ٹکڑا بلیوں میں پھینکتے ہو۔ پھر اس کا نشان ڈھونڈتے ہو۔
مطلب تین تین دن کے بھوکے صوفی۔ اور ان کو مل جائے ایک غریب الوطن سادہ لوح صوفی کا گدھا۔ وہی مثال ہے گوشت خر دندان سگ۔ پھر تم امید رکھتے ہو۔ کہ تمہارا گدھا سلامت رہیگا۔ سعدی رہ ؎
ملحد گرسنہ برخانہ خالی برخوان — عقل باور نکند کز رمضاں اندیشد

درمیانِ صد گرسنہ گردۂ — پیشِ صد سگ گربۂ پژمردۂ

ترجمہ (تم) سو بھوکوں کے سامنے روٹی کا ٹکڑا (پھینکتے ہو۔ اور اس کے بچ رہنے کی امید رکھتے ہو؟) سو کتوں کے آگے ایک ادھ موئی بلی کو ڈال دیتے ہو۔ اور اسکے سلامت رہ جانیکے متوقع ہو؟)

گفت گیرم کز تو ظلماً بستدند — قاصدِ جانِ منِ مسکیں شدند

تو نیائی و نگوئی مر مرا — کہ خرت را مے برند اے بے نوا

ترجمہ (صوفی نے) کہا۔ مانا کہ وہ (ظالم) لوگ گدھے کو تم سے جبراً (چھین کر) لے گئے (اور) انہوں نے مجھ غریب کو (اس نقصان کے صدمے سے) مار ڈالنے کی ہی ٹھان لی (مگر حیف تو یہ ہے کہ) تم بھی (میرے پاس) نہیں آتے۔ اور مجھے اطلاع نہیں دیتے۔ کہ ارے کمبخت تیرے گدھے کو یہ ظالم لئے جا رہے ہیں۔

تا خر از ہر کہ بود من واخرم — ورنہ توزیعے کنند ایشاں زرم

لغات واخرم میں واپس لے لیتا۔ خرید لیتا۔ توزیع تقسیم۔ چندہ۔ زر۔ زر قیمت صنائع خر، واخرم میں تجنیس۔
ترجمہ تاکہ میں اس شخص سے جس نے گدھا لیا ہے واپس لے لیتا۔ ورنہ (اگر وہ فروخت ہو چکا تھا تو اسکی قیمت کا) روپیہ بحصہ رسدی جمع کر کے مجھے دیدیتے۔

صد تدارک بود چوں حاضر بدند — ایں زماں ہر یک باقلیمے شدند

ترجمہ جب وہ موجود تھے۔ تو مجھ کو اطلاع دینے سے اس طرح کے بندوبست ہو سکتے تھے (مگر) اب کیا ہو سکتا ہے۔ جبکہ ان میں سے ہر شخص اپنے اپنے دیس کو سدھارا۔

من کرا گیرم کرا قاضی برم — ایں قضا خود از تو آمد بر سرم

ترجمہ۔ اب میں کس کو پکڑوں (اور) کس کو قاضی کے پاس لے جاؤں؟ یہ مصیبت تمہارے ہی سبب سے مجھ پر نازل ہوئی ہے۔

چُوں نیائی و نگوئی اے غریب ‏ پیش آمد ایں چنیں ظُلمِ مُہیب

ترجمہ - تم کیوں میرے پاس نہ آئے - اور مجھکو مطلع نہ کیا - کہ اے بیوطن! اس قسم کا سخت ظلم پیش آیا ہے -

گفت واللہ آمدم من بارہا ‏ تا تُرا واقف کُنم زیں کارہا

ترجمہ - (خادم نے) کہا - بخدا! میں بارہا حاضر ہوا - تاکہ آپ کو اس کارروائی سے مطلع کروں -

تو ہمی گفتی کہ خر رفت اے پسر ‏ از ہمہ گویندگاں با ذوق تر

ترجمہ (مگر جب میں سنتا تھا کہ) جناب بھی گانیوالوں کے ساتھ مل کر پورے ذوق سے بار بار کہتے ہیں - کہ اے لڑکے گدھا جاتا رہا - تو: -

باز میگشتم کہ او خود واقف ست ‏ زیں قضا راضی ست مردِ عارف ست

ترجمہ - تو میں (کچھ عرض کئے بدون) واپس چلا جاتا تھا - کہ حضرت خود (گدھے کے جاتے رہنے سے) واقف ہیں (اب ان کو کچھ کہنے سننے کی کیا ضرورت ہے) وہ اس مصیبت پر راضی (برضائے الٰہی ہو چکے) ہیں (اس لئے کچھ تدارک کرنا نہیں چاہتے - اور کیوں نہ ہو آخر) مرد عارف ہیں (گدھا تو کیا رہا وہ تاج و تخت پر لات ماردیں)

گُفت آں را جملہ میگُفتند خوش ‏ مر مرا ہم ذوق آمد گُفتنش

ترجمہ (صوفی صاحب نے) فرمایا - اس فقرہ کو سب لوگ مزے سے ساتھ گاتے تھے - مجھ کو اس کے گانے میں لطف آیا (ورنہ گدھے کا حال مجھے کیا معلوم؟)

مر مرا تقلیدِ شاں برباد داد ‏ کہ دو صد لعنت بریں تقلید باد

ترجمہ مجھ کو تو ان (لفنگوں) کی پیروی نے برباد کیا (سچ تو یہ ہے) کہ اس قسم کی پیروی پر دوسو مرتبہ لعنت ہو!

نوٹ - تقلید سے یہاں بے جا رسن اندھوں کی سی پیروی نقل و محاکات - بھیڑیا چال وغیرہ مراد ہے - تقلید مصطلح الگ چیز ہے - اگر کوئی متعصب اس شعر کو تقلید مصطلح کے خلاف پیش کرے - تو اس کے جواب کے لئے وہ انتباہی نوٹ پڑھ لینا چاہئے - جو چند صفحات پیشتر سپرد قلم ہو چکا ہے - نیز مفتاح العلوم حصہ دوم میں قصہ خواجہ تاجر کے خاتمے کے قریب بھی ایک مبسوط نوٹ اسی قسم کا درج ہوا ہے - وہ بھی ملاحظہ کر لیا جائے -

خاصہ تقلیدِ چنیں بے حاصلاں ‏ کآبِ رُو را ریختند از بہرِ ناں

ترجمہ۔ خصوصاً ایسے بیہودہ لوگوں کی دیکھا دیکھی کوئی کام کرنا (تو بہت ہی احمقانہ فعل ہے) جنہوں نے روٹی کے لئے اپنی آبرو گرا دی۔

مطلب۔ یعنے ان لوگوں نے شکم پری کے لئے چوری اور خیانت کا ارتکاب کیا۔ اور اپنے خرقہ تصوف کو اس عیب سے داغدار کر لیا۔ کلید مثنوی میں لکھا ہے۔ کہ تقلید تین قسم کی ہوتی ہے۔ ایک غافل لوگوں کی تقلید۔ وہ مضر ہے۔ دوسری گمراہ لوگوں کی تقلید۔ وہ اس سے بھی زیادہ نقصان رساں ہے۔ تیسری اہل اللہ کی تقلید۔ وہ مفید اور موجب نجات ہے۔ مولانا نے "مر مرا تقلید شاں الخ" میں تقلید مضر کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد اس تقلید کا ذکر فرماتے ہیں۔ جو زیادہ مضر ہے اس لئے اس کی نسبت ارشاد ہے۔ کہ وہ تقلید تو جیسی بھی سو تھی۔ مگر ان ضالین کی تقلید تو بالخصوص بہت ہی نقصان رساں ہے۔ آگے عکس چنداں باید الخ سے تقلید اہل اللہ کو بیان فرمائیں گے۔ جو کہ محمود و مفید ہے۔

عکس ذوقِ آں جماعت میزدے وین دلم زاں عکس ذوقیں میشدے

ترجمہ۔ اس جماعت کے (گونا گون نعمتیں کھانے سے جو) ذوق (انہیں حاصل ہوا تھا اس) کا عکس (مجھ پر) پڑ رہا تھا۔ اور میرا یہ دل (بھی) اس عکس سے مستغرق ذوق ہو رہا تھا (اس لئے میں بھی شریک ترانہ ہو گیا)۔

مطلب۔ ان لوگوں کے ذوق نے مجھ کو بھی مستغرق ذوق کر دیا۔ مگر ان کا ذوق لذت مطعومات و مشروبات سے تھا۔ اور میرا لذت روحانیہ سے۔ آگے تقلید محمود کے بیان کی طرف انتقال ہے۔

عکس چنداں باید از یاران خوش کہ شوی از بحر بے عکس آبکش

لغات۔ یاران خوش اچھے دوست۔ مراد مرشدان کاملین۔ بحر بے عکس۔ ذات بے ہمتا مراد حق تعالیٰ۔ آبکش پانی کھینچنے والا۔ مستفیض۔

ترجمہ (ہاں) رفقائے خیر (یعنے اہل اللہ کے ذوق) کا عکس (اچھا ہے مگر وہ بھی صرف) اسی قدر چاہیے کہ (اس کی بدولت) تم ذات بے ہمتا (حق تعالےٰ) سے مستفیض ہو جاؤ (اور بس۔ اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں)

مطلب۔ یعنے اس صوفی کا حرف بحرف کے ترانہ میں اس چنڈال چوکڑی کی تقلید کرنیکا جو قصہ مذکور ہوا ہے تم اس سے مطلق تقلید اور مطلق اخذ عکس کو مذموم نہ سمجھنے لگنا۔ بلکہ کاملین کی تقلید اور ان سے اخذ عکس کی ضرورت ہے لیکن وہ بھی اسی قدر کہ اس کی بدولت حق سبحانہ سے فیض ملنے کے قابل ہو جائے اور بس۔ جب اسقدر قابلیت حاصل ہو گئی۔ تو پھر اس تقلید کی ضرورت مرتفع ہو جاتی ہے۔ اسوقت یہ عکس کوئی چیز نہیں۔

یہ تقلید فی الطریقت کا ذکر ہے۔ تقلید فی الفقہ کا حکم اس کے برخلاف ہے۔ چونکہ طریقت میں اجتہاد ہمیشہ کے لئے جاری ہے۔ اور ہر مرید کمال کے درجہ کو پہنچ کر مرشد مجاز بن سکتا ہے۔ اور وہ مقلد سے محقق اور مبتدی سے منتہی۔ غیر مجتہد سے مجتہد کے رتبے کو پہنچ سکتا ہے۔ اس لئے وہ اس درجے میں اپنے مرشد کی تقلید کرنے سے مستغنی ہو سکتا ہے۔ لیکن فقہ میں بالاجماع چوتھی صدی کے بعد اجتہاد منقطع ہو چکا۔ اب کسی کو جائز نہیں۔ کہ فقہ میں اجتہاد سے کام لے۔ اس لئے تاقیامت کوئی مقلد فی الفقہ خود محقق و مجتہد نہیں بن سکتا۔ بلکہ اسکو بہر حال

تقلید فی الطریقت اور تقلید فی الفقہ میں فرق

کسی امام مجتہد مطلق کی تقلید کرنی ہوگی۔

کلید مثنوی میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر کی قدس سرہٗ سے منقول ہے۔ وہ فرماتے تھے۔ کہ شیخ کو ایسا سمجھو۔ جیسے مشاطہ جو طالب و مطلوب کے درمیان واسطہ ہوتی ہے۔ اور وہ ہر ممکن تدبیر سے طالب کو مطلوب تک پہنچانے والی ہوتی ہے۔ لیکن عین وصال اور خلوت راز میں صرف طالب و مطلوب ہی ہوتے ہیں۔ مشاطہ کو خلوت سے کچھ تعلق نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس معاملہ میں شرکت کی مطلق گنجائش نہیں۔ کما قیل ؎

شرکت غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری — غیر کی ہو کے رہے یا شب فرقت میری

صائب ؎ شرکت فیض شہادت برنتابد رشک عشق — کشتن پرویز داغ کوہکن را تازہ کرد

اسی طرح شیخ کامل ایک طالب کو حق سبحانہ تک پہنچانے والا ہے۔ جب طالب اپنے مطلوب تک پہنچ جاتا ہے۔ یعنے وصول الی الحق کے درجے پر فائز ہو جاتا ہے۔ تو اس کا تعلق حق سبحانہ کے ساتھ بلا واسطہ ہوتا ہے۔ پھر شیخ کے توسط کی ضرورت نہیں رہتی۔

عکس کاول زد تو آں تقلید داں — چوں پیاپے شد شود تحقیق آں

ترجمہ: (مرشد کا) عکس جو پہلے پہلے (یعنے مرید کے عدم کمال کی حالت میں اس پر) پڑتا ہے۔ اس کو تم تقلید سمجھو۔ جب پے در پے (یہ عکس) پڑتا رہا (اور مرید کو درجہ کمال حاصل ہوگیا) تو وہ تحقیق بن جاتا ہے (پھر تقلید کی ضرورت نہیں)

مطلب۔ یہ طریقت کا ذکر ہے جس میں ایک مقلد ترقی کر کے مجتہد بن جاتا ہے۔ اور تقلید کی ضرورت اس سے مرتفع ہو جاتی ہے۔ مگر فقہ میں یہ بات نہیں۔ اس میں علے الدوام مقلد مقلد ہی رہتا ہے۔ وہاں دعوائے اجتہاد گمراہی ہے۔

تا نہ شد تحقیق از یاراں مبر — از صدف مگسل نگشتہ قطرہ دُر

لغات۔ مبر از بریدن۔ قطع تعلق نہ کر۔ صدف سیپ۔ دُر موتی۔

ترجمہ۔ (لہٰذا طریقت میں) جب تک تحقیق (کا درجہ حاصل) نہ ہو۔ یاران طریقت (یعنے اپنے مرشد) سے ترک استفاضہ نہ کرو۔ جب تک قطرہ سے موتی نہ بن جاؤ۔ سیپ سے جدا نہ ہو (کہ قطرہ کا موتی بننے تک اس میں تربیت پاتے رہنا ضروری ہے)

صاف خواہی چشم عقل و سمع را — بردراں تو پردہائے طمع را

اتباع شیخ میں ترک طمع سب سے زیادہ ضروری ہے

ترجمہ (اگر تم اپنی عقل کی آنکھ اور قوت سماعت کا (غلط ادراکات سے) محفوظ رہنا چاہتے ہو۔ تو طمع کے پردوں کو چاک کر دو۔

مطلب۔ اتباع شیخ میں اخلاق ذمیمہ کا ترک کرنا لابد ہے۔ لہٰذا اگر تم اتباع شیخ کے فیوض سے متمتع ہونا چاہو۔ تو اپنے احساسات و ادراکات کو غلطی سے بچانے کی کوشش کرو۔ اور اس کے لئے سب سے پہلے طمع کو چھوڑ دو۔ وہ سب سے بڑا حجاب ادراکات اور مانع ترقیات ہے۔ سعدی رح ؎

برا وج فلک چوں پرد جرہ باز — کہ در شہپرش بستہ سنگ آز

گرش دامن از چنگ شہوت رہا
کنی رفت تا سدرۃ المنتہٰے

اتباع شیخ کے فیوض سے محروم رکھنے میں طمع کا دخل باقی تمام رذائل سے زیادہ ہے۔ امیر خسرو رہ ؎

حرص بحاکت کشد شاہِ دیں گیر زانکہ
بے روش مصطفٰے راہ بر افلاک نیست

زانکہ آں تقلیدِ صوفی از طمع
عقل او بربست از نور و لمع

لغات۔ "از" کا کلمہ مصرع میں سببیت کے لئے۔ لمع روشنی۔ چمک۔

ترجمہ کیونکہ (کھانے پینے کی) طمع ہی کے سبب سے اس صوفی (نے مکار صوفیوں) کی تقلید (کی اور تقلید) نے اس کی عقل کا نور اور روشنی بند کر دی۔ سعدی رہ ؎

بروز دشرہ دیدۂ ہوشمند
درارد ہوا مرغ و ماہی بہ بند

زانکہ صوفی را طمع بُردش زراہ
ماند در خسران و کارش شد تباہ

ترجمہ۔ کیونکہ طمع ہی نے صوفی کو گمراہ کیا۔ (آخر) وہ خسارہ میں رہا۔ اور اس کا (گدھا گم ہونے سے سہولت سفر کا) کام برباد ہوگیا۔

طمعِ لوت و طمعِ آں ذوق و سماع
مانع آمد عقل او را زاطلاع

ترجمہ۔ طعام کی حرص اور اس ذوق و سماع کی حرص اس کی عقل کے لئے (ان مکار صوفیوں کے منصوبے پر) اطلاع پانے سے مانع ہوگئی۔ سعدی رہ ؎

مگر مے ندانی کہ دُوراز دوام
نیند اخت جز حرص خوردن بدام

چو ہوش آنکہ نانِ پنیرش خوری
بدانش در افتی و پیرش خوری

گر طمع در آئینہ برخاستے
در نفاق آں آئینہ چوں ماستے

ترجمہ۔ طمع (وہ بُرِی بلا ہے کہ) اگر (وہ) آئینے میں پیدا ہو جائے۔ تو وہ بھی ہم لوگوں کی طرح منافق بن جائے۔

مطلب۔ آئینے کا کام صاف گوئی ہے۔ وہ چہرے کا کھرا کھوٹا وصف صاف صاف بیان کر دیتا ہے۔ لیکن طمع وہ بلا ہے کہ اگر آئینے کو عارض ہو جائے۔ تو وہ بھی منافقانہ روش اختیار کرلے۔ اور کچھ کا کچھ بیان کرنے لگے ؎

بہت نصفت پسند انساں جو حق سے ٹل نہ سکتے تھے
کسی پر پیچ حیلے سے کسی ڈھب سے کسی فن سے

معاً دیکھی پھسلتی موقفِ حق سے زبان ان کی
جونہی پیڑی کسی نے وہ ملائی اور مکھن سے

گر ترازو را طمع بودے بمال
راست کے گفتے ترازو وصفِ حال

ترجمہ اگر ترازو کو (بھی) مال کی طمع ہوتی۔ تو ترازو وزن کا (صحیح) حال کب بیان کرتا؟

مطلب۔ ترازو کے ایک پلڑے میں مثلاً ایک سیر کا بٹ رکھ کر دوسرے پلڑے میں جنس ڈالتے جاتے ہیں جب

وہ جنس اس باٹ کے برابر ہو جاتی ہے۔ تو فوراً ترازو کی ڈنڈی سیدھی ہو کر زبان حال سے پکار اٹھتی ہے۔ کہ بس ایک سیر پورا ہو گیا۔ اب زیادہ نہ ڈالو۔ لیکن اگر ترازو کو بھی حرص عارض ہوتی۔ اور وہ چاہتا۔ کہ اس جنس کو مجھ میں ڈالتے ہی چلے جائیں۔ تو ظاہر ہے کہ اس کی ڈنڈی کی ہیئت کچھ کی کچھ ہوتی اور وہ ہرگز نہ بتا سکتی۔ کہ جنس کا وزن کیا ہے۔ گویا اسوقت اسکو حق گوئی کی توفیق ہی نہ رہتی۔ رشوت میں یہی حالت ہوتی ہے کہ اس خلاف استحقاق مال کے ملنے سے زبان حق گوئی سے معطل ہو جاتی ہے۔ کما قیل ؎

گر اے کسے خوری برشوت　　　　　مہر خیش کند زبان تو لال

گفت گیرم کز طمع قاروں شوی　　　　آخر الامر اندراں ہاموں شوی

لغات۔ قارون ایک نہایت مالدار اور حریص و بخیل کافر تھا۔ جو حضرت موسےٰ علیہ السلام کے زمانے میں گزرا ہے مفتاح العلوم حصہ اول کے اواخر میں اس کا حال سپرد قلم ہو چکا ہے۔ ہاموں جنگل مراد قبرستان۔

ترجمہ۔ (ترازو تو زبان حال سے یہ) کہتی ہے کہ (اے طامع!) فرض کیا کہ تو اپنی طمع سے قارون (کے برابر مالدار) بھی ہو جائے تو انجام کار اسی جنگل میں تیرا ٹھکانا ہوگا (جہاں پہنچ کر سب تہیدست قانع اور مالدار طامع برابر ہو جاتے ہیں)

مطلب ترازو اسقدر حق گو اور راست گفتار ہے کہ جب مال کے لین دین میں اس سے کام لیا جاتا ہے۔ تو ہر مرتبہ اپنے کانٹے کی زبان حال سے پکارتی جاتی ہے۔ کہ بس بس زیادہ چیز میرے پلڑے میں نہ ڈالو۔ اس زیادتی سے تم اگر مالدار بھی ہو گئے۔ تو بھی آخر فنا ہی فنا۔ مگر طمع وہ آفت ہے۔ کہ اگر ترازو کو بھی عارض ہوتی۔ تو پھر نہ اس کے کانٹے میں راست گفتاری و حق گوئی کی صلاحیت رہتی۔ نہ اس کی مدد سے صحیح توازن کا اندازہ ہو سکتا۔

اختلاف۔ یہ بیت ہمارے نسخے میں نہیں ہے قلمی نسخے میں موجود ہے۔

ہر نبی میگفت با قوم از صفا　　　　من نخواہم مزد پیغام از شما

ترجمہ ہر پیغمبر نے (اپنی اپنی) قوم سے بخلوص (نیت) یہ کہا ہے۔ کہ میں (اس) پیغام (رسالت) کا معاوضہ تم سے لینا نہیں چاہتا۔

مطلب۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا۔ وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ۔ اے میری قوم میں تم سے اس پیغام رسالت پر مال نہیں مانگتا میرا اجر تو اللہ پر ہے (ہود ع ۳) حضرت ہود نے اپنی قوم عاد سے کہا تھا۔ يٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَي الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ اے میری قوم میں تم سے اس پیغام رسالت پر اجرت نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو اس ذات پاک پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے (سورہ ہود ع ۵) پھر سورہ شعراء میں کئی پیغمبروں کی زبان سے یہ قول منقول ہے۔ کہ انہوں نے اپنی اپنی قوم سے کہا۔ وَمَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اور میں اس سمجھانے پر تم سے کچھ اجرت تو مانگتا نہیں۔ میری اجرت تو بس پروردگار عالم پر ہے (شعراء ع ۶۔۷۔۸۔۹۔۱۰) اس لئے مولانا فرماتے ہیں۔ ہر نبی گفت الخ پیغمبروں سے بڑھ کر حق گو اور راست گفتار کون ہو سکتا ہے۔ مگر چونکہ ان کی حق گوئی کے لئے بھی طمع اور غرض سے بریت سب سے مقدم تھی۔ اس لئے وہ اپنی اپنی قوم پر اپنے بے طمع اور بے غرض ہونے کا اظہار کر دیتے تھے۔

من دلیلم حق شمارا مشتری — داد حق دلّالیم ہر دو سری

لغات ۔ دلیل راہ بتانیوالا مراد دلال جو خریدار کو سودا فروش تک پہنچاتا ہے ۔ اور سودا فروش کو خریدار سے ملاتا ہے ۔ مشتری خریدار ۔ دلّالی دلالی کا محنتانہ ۔ ہر دو سری دونوں طرف کا ۔

ترجمہ ۔ (ہر نبی کہتا آیا ہے کہ) میں تو (محض تمہاری بضاعت عمل کی قیمت دلانے کے لئے تم کو خریدار کی طرف) راہ دکھانیوالا ہوں (اور) حق تعالے تمہارا خریدار ہے ۔ اور حق تعالیٰ نے مجھے دونوں طرف سے (اس) دلالی کا معاوضہ دیدیا ہے ۔

مطلب دلال خریدار سے بھی معاوضہ لیا کرتا ہے ۔ کہ اس کو حسب پسند چیز دلادی ۔ اور فروخت کرنیوالے سے بھی انعام پاتا ہے ۔ کہ اس کی چیز فروخت کرادی ۔ مگر پیغمبر اپنی دلالی پر دونوں طرف کا معاوضہ حق تعالیٰ سے پاتے ہیں ۔ اس لئے لوگوں سے فرماتے ہیں ۔ لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا ۔ یعنے ہم تمہارے بائع اعمال ہونے کی حیثیت سے جو معاوضہ تم سے لینے کا حق رکھتے تھے ۔ اس سے دست بردار ہوتے ہیں ۔ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ (دونوں طرف کا) ہمارا معاوضہ اللہ کے ذمے ہے (وہی دیگا)

ہست مزد کار مزد دلّال را — مزد باید داد تا گوید سزا

ترجمہ دلال کو (اپنے) کام کا معاوضہ ملنے کا حق (حاصل) ہے (پس) اسکو معاوضہ دیدینا چاہیئے تاکہ (سودا کرانے میں) ٹھیک بات کہے ۔

مطلب ۔ یہ بھی گویا پیغمبر ہی کا قول ہے ۔ یعنے دلال کو اس کی مزدوری ملنے کی ضرورت ہے ۔ تاکہ وہ معاملہ میں مناسب گفتگو کرے ۔ اس لئے مجھے بھی مزدوری کی ضرورت ہے ۔

سوال ۔ تا گوید سزا کے لفظ سے تو یہ معلوم ہوتا ہے ۔ کہ انبیاء بھی (معاذ اللہ) بطمع کام کرتے ہیں ۔ یعنے اگر انکو مزدوری کی طمع نہ دلائی جائے ۔ تو وہ اپنا فرض منصبی اچھی طرح ادا نہ کریں ۔ وحاشاہم ذالک ۔

جواب ۔ مصرعہ مذکورہ عام دلالوں کی حالت کا نوٹ پیش کرتا ہے ۔ نہ کہ انبیا کی حالت کا ۔ یہاں نبی نے اپنی حالت کو مجملاً ایک دلال کی حالت سے تشبیہ دی ہے ۔ جس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ مشبہ اور مشبہ بہ کی تمام تفصیلی حیثیات میں بھی تشابہ پایا جائے ۔ دلال بطمع اجرت کام کرتے اور نبی بامتثال امر اپنا فرض منصبی بجالاتے ہیں ۔ چونکہ اس شعر میں دلال کا ذکر تھا ۔ اس لئے اسکے بطمع اجرت اچھا کام کرنے کا ذکر آگیا ۔ جو نبی پر چسپاں نہیں ہوسکتا ۔ یہاں اس سے مقصد صرف یہ ہے ۔ کہ اجر ضرور ملنا چاہیئے ۔ دلال کو دلالی کا اجر ۔ نبی کو نبوت کا ۔ چنانچہ اب فرماتے ہیں ۔ کہ وہ اجر کیا ہے ؟

چیست مزد کار من؟ دیدار یار — گرچہ خود بوبکر بخشد چل ہزار

ترجمہ ۔ میرے کام کا معاوضہ کیا ہے ؟ محبوب (حقیقی) کا دیدار (جمال) اگرچہ حضرت ابوبکر چالیس ہزار درم (راہ خدا میں) دے ڈالیں (مگر وہ کارخیر خود ان کے اپنے لئے ہے میرا مزد رسالت نہیں ہے)

مطلب یہ بھی گویا نبی کا مقولہ ہے ۔ جس میں وہ اب اپنے کام کی مزدوری یا اجر کی تعیین کرتا ہے ۔ یعنے میرا محنتانہ سیم وزر اور مال ومتاع نہیں ۔ بلکہ دیدار حق ہے ۔ دوسرے مصرعہ میں عام انبیاء سے خاص نبی آخر الزمان کے حال کی



طرف انتقال ہے۔ یعنے گو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے یار غار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ کے لئے چالیس ہزار دینار خرچ کر ڈالے۔ مگر وہ آپ کا مزد رسالت نہیں ہو سکتا۔ بلکہ خود حضرت ابو بکر رضہ نے اپنے لئے دارین کی سعادت خریدی ہے۔ جس کی بدولت وہ انبیاء کے بعد تمام عالم انسان سے افضل ہو گئے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے لو وزن ایمان ابی بکر بایمان اھل الارض لرجح یعنے اگر ابو بکر رضہ کے ایمان کو باقی تمام اہل زمین کے ایمان کے برابر رکھ کر وزن کیا جائے۔ تو وہ بڑھ جائیگا۔ (تاریخ الخلفاء)

حضرت ابو بکر نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں جسقدر مال لٹایا ہے۔ وہ درجہ کسی انسان کو نصیب نہیں ہوا۔ اسی لئے شعر مذکور میں انہی کا ذکر تمثیلاً کیا گیا۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما نفعنی مال قط ما نفعنی مال ابی بکر فبکی ابو بکر وقال ھل انا و مالی الا لک یا رسول اللہ یعنے ابوہریرہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ مجھے کبھی کسی کے مال سے اسقدر فائدہ نہیں پہنچا۔ جسقدر ابو بکر کے مال سے پہنچا ہے۔ تو حضرت ابو بکر نے رو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ میں اور میرا مال آپ ہی کے تو ہیں (تاریخ الخلفا منقول از مسند امام احمد) ابن عساکر نے حضرت عائشہ صدیقہؓ اور عروہ ابن زبیر رضہ کے مختلف طریقوں سے روایت کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ کہ اسلم ابوبکر یوم اسلم ولہ اربعون الف دینار وفی لفظ اربعون الف درھم فانفقھا علی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ یعنے جس روز حضرت ابو بکر مسلمان ہوئے۔ تو ان کے پاس چالیس ہزار دینار اور بعض روایتوں میں چالیس ہزار درم تھے۔ جن کو انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر خرچ کر دیا (تاریخ الخلفا) اس سے معلوم ہوا۔ کہ شعر میں چل ہزار سے یہی عدد مخصوص مراد ہے۔ جو اسی روایت پر مبنی ہے۔ اور ایک شارح صاحب نے جو لکھا ہے کہ اس سے عدد مخصوص مراد نہیں۔ بلکہ کثرت خرچ مقصود ہے۔ یہ درست نہیں۔

چل ہزار اُو نباشد مزدِ من کے بود شبہ شبہ دُرِّ عدن

لغات۔ شبہ پہلا کلمہ بکسر سین وسکون با عربی ہے۔ بمعنے مثل ونظیر وہم شکل دوسرا لفظ بفتح شین و با وہائے مختفی ہے۔ بمعنے دانہائے آبگینہ جن کو ہندی میں پوتھ کہتے ہیں۔ دُرِّ عدن اچھی قسم کے موتی جو جزیرہ عدن سے دستیاب ہوتے ہیں۔ یہ جزیرہ حدود یمن میں ہے۔

ترجمہ۔ ان کے چالیس ہزار دینار میرا معاوضہ نہیں ہو سکتے (میرا معاوضہ تو مشاہدہ جمال احدیت ہے اور چالیس ہزار دینار کی) پوتھ (مشاہدہ جمال کے) دُرِّ عدن کے برابر کب ہو سکتی ہے!

یک حکایت گویمت بشنو بہوش تا بدانی کہ طمع شد بندِ گوش

ترجمہ میں تم کو ایک حکایت سناتا ہوں (توجہ سے سنو) تاکہ تم کو معلوم ہو جائے کہ طمع (یہاں تک) کان کو بند کر دیتی (کہ وہ حق بات کو سنتا ہی نہیں)

ہر کرا باشد طمع الکن شود با طمع کے چشم دِل روشن شود

لغات۔ الکن گونگا۔ ہکلا۔ با بمعنے مع ہے۔

ترجمہ جس شخص میں طمع ہو۔ وہ (بہرا ہونے کے علاوہ) گونگا (بھی) ہوتا ہے کہ حق بات نہیں کہہ سکتا۔ (علاوہ ازیں وہ دل کا اندھا بھی ہوتا ہے) طمع کی موجودگی میں دل کی آنکھ روشن کیونکر ہوسکتی ہے!

مطلب۔ غرض طمع کا حجاب اہلِ طمع کے تمام آلات ادراک پر چھا جاتا ہے۔ اور ان کی وہی مثال ہو جاتی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ (سورہ اعراف ع ۲۲) ان لوگوں کے دل ہیں۔ مگر ان سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے۔ ان کی آنکھیں ہیں۔ مگر ان سے دیکھ نہیں سکتے۔ ان کے کان ہیں۔ مگر ان سے سن نہیں سکتے۔ یہ لوگ چوپایوں کی مثل ہیں۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ یہ لوگ بڑے غافل ہیں۔

پیشِ چشمِ او خیالِ جاہ و زر　　　ہمچناں باشد کہ مُو اندر بصر

ترجمہ۔ اس کی نظر میں جاہ اور دولت کا خیال (اس کو اس طرح (پریشان کرتا) رہتا ہے۔ جس طرح آنکھ میں بال (موجب تکلیف ہوتا ہے)

جز مگر مستے کہ از حق پُر بود　　　گرچہ بدہی گنجہا او حُر بود

ترجمہ۔ ہاں اس مست کے سوا جو (محبت) حق (کی شراب کے نشے سے) پُر ہو۔ تم اگرچہ اسکو خزانے دو۔ مگر وہ (ان کی خواہش سے) آزاد ہو۔ سعدی رح ؎

خوشا وقتِ شوریدگانِ غمش　　　کہ گر ریش بینند و گر مرہمش
گدایانے از بادشاہی نفور　　　بامیدش اندر گدائی صبور

ہر کہ از دیدار برخوردار شُد　　　ایں جہاں در چشمِ او مُردار شُد

ترجمہ۔ جو شخص (حق سبحانہ کے) دیدار (جمال) سے بہرہ ور ہوگیا۔ اس کی نظر میں یہ جہان مُردار بن گیا۔ حافظ رح ؎

خاطرم وقتے ہوس کردے کہ بینم چیزہا　　　تا ترا دیدم نکروم جز بدیدارت ہوس

لیک آں صُوفی زِمستی دُور بُود　　　لاجرم از حرص او بے نُور بُود

ترجمہ لیکن وہ صوفی (جو اپنے گدھے کو کھو بیٹھا۔ دیدار حق کی) مستی سے محروم تھا۔ اس لئے (کھانے پینے کی) حرص کے باعث وہ بے نور تھا۔ (بھی تو اس پر مصیبت پڑی اگر صاحب بصیرت ہوتا۔ تو لذات دنیا کی پروا نہ کرتا اور نہ مصیبت میں مبتلا ہوتا)

صد حکایت بشنود مدہوشِ حرص　　　در نیاید نکتۂ در گوشِ حرص

ترجمہ حرص کا متوالا سینکڑوں (عبرتناک) حکایات سنتا ہے مگر اس کے حرص کے (ساتھ لبریز) کان میں ایک بات بھی نہیں پڑتی۔

قصّۂ آں مفلس کہ در زندان بود و زندانیاں ازو در فغاں

(اس مفلس کا قصہ جو قید خانہ میں تھا۔ اور قیدی اس سے نالاں (تھے)

بود شخصے مفلسے بے خان و ماں ماندہ در زندان و بندِ بے اماں

ترجمہ۔ ایک بے خان و مان مفلس آدمی تھا۔ جو (کسی جرم سے) قید خانہ میں پڑا ہوا تھا (اور اس کو) قید سے امن نہیں (دیا جاتا تھا)

لقمۂ زندانیاں خوردے گزاف بر دلِ خلق از طمع چوں کوہِ قاف

لغات۔ گزاف بضم کاف اور بقولے بکسر۔ بیہودگی کوہ قاف اگلے لوگوں کا خیال تھا کہ یہ پہاڑ ساری دنیا پر محیط ہے۔ جامی رحمۃ اللہ علیہ

گشتہ دی نانۂ طبعِ مرا ناف معطر کن زمشکم قاف تا قاف

ترجمہ۔ وہ دوسرے قیدیوں کا لقمہ بیہودگی سے (چھین کر) کھا جاتا۔ (اور اس کی اس بے پناہ) طمع کے سبب سے لوگوں کے دلوں پر (اس کا خوف اس طرح احاطہ کر چکا تھا) جس طرح (دنیا کے گرد) کوہ قاف

زہرہ نے کس را کہ لقمہ ناں خورد زانکہ آں لقمہ ربا چابک برد

ترجمہ کسی کا یہ دل گردہ نہ تھا۔ کہ بے کھٹکے روٹی کا لقمہ کھا سکے۔ کیونکہ (خوف تھا کہ) وہ لقمہ اڑا لے جانیوالا فوراً اڑا لے جائیگا۔

ہر کہ دور از دعوتِ رحماں بود او گدا چشم ست اگر سلطاں بود

ترجمہ جو شخص خدا کی دعوت سے دُور (یعنے غیر متوکل) ہو۔ وہ بھوکی آنکھ والا ہے۔ اگرچہ بادشاہ ہی کیوں نہ ہو۔ صائب

با تہی چشماں چہ سازد نعمتِ رُوئے زمیں خاک نتوانست کردن سیر چشمِ دام را

مر مروّت را نہادہ زیرِ پا گشتہ زنداں دوزخے زاں ناں ربا

ترجمہ (غرض) اس (کمبخت) نے آدمیت کو پاؤں سے کچل ڈالا تھا۔ اس روٹی چھیننے والے (کے کرتوتوں) سے قید خانہ دوزخ کا نمونہ بن گیا تھا۔

گر گریزی بر امیدِ راحتے زاں طرف ہم پیشت آید آفتے

ترجمہ اگر تم (ایک تکلیف سے تنگ آ کر) آرام کی امید پر کسی طرف کو بھاگو۔ تو ادھر سے بھی کوئی نہ

کوئی آفت سامنے آتی ہے۔

مطلب قید خانہ خود مصائب و آلام کا گھر ہے۔ مگر جب بچارے قیدیوں کو یہ موقع ملتا۔ کہ تنہائی مشقت تکان۔ اور بھوک کے مصائب میں کسی قدر طعام کھا کر لطف سیری حاصل کریں۔ تو یہ مفلس بلائے بے درماں بن کر آتا اور روٹی چھین لے جاتا۔ اس تواتر مصائب سے یہ قید خانہ دوزخ کا نمونہ بن گیا تھا۔ یہی حال دنیا کے قید خانہ کا ہے۔ کہ ایک مصیبت سے بھاگو۔ تو دوسری مصیبت کا سامنا ہے۔ نظامی رح ؎

چو کار افتادہ گردد بے نوائے ۔ درش در گیرد از ہر سو بلائے

صائبؒ ؎ نیست جدائی ز ہم حلقۂ زنجیر را ۔ حادثۂ روزگار از پئے یکدیگر ست

ہیچ کُنجے بے دد و بے دام نیست ۔ جُز بخلوت گاہِ حق آرام نیست

لغات دد درندہ جانور جیسے شیر۔ چیتا۔ بھیڑیا وغیرہ۔ دام درندہ جانوروں کے سوا باقی صحرائی جانور جیسے ہرن۔ بارہ سنگا۔ گورخر وغیرہ۔

ترجمہ۔ دنیا کا کوئی گوشہ درندہ و چرندہ جانوروں سے خالی نہیں۔ خلوت گاہ حق کے سوا کہیں بھی آرام نہیں۔

مطلب۔ وحشی چرندہ جانور کھیتی باڑی کے لئے آفت ہیں۔ اور درندہ جانوروں سے جان کا خطرہ ہے۔ مطلب یہ کہ دنیا مال و جان کی آفتوں سے پر ہے۔ جو شخص دنیا کا دلدادہ ہے۔ وہ ان خطرات کی پریشانیوں میں مبتلا رہتا ہے۔ ہاں جو لوگ واصل بحق یا کم از کم متوجہ الی الحق ہیں۔ وہ بے شک آرام میں ہیں۔ ان کو یہ پریشانیاں نہیں ستاتیں۔ اگر بعض حوادث کے باعث بتقاضائے بشریت ان حضرات پر ملال و حزن کے آثار پائے بھی جاتے ہیں۔ تو وہ دیرپا اور گہرے نہیں ہوتے بلکہ عارضی اور سرسری ہوتے ہیں۔ حقیقتہً یہ حضرات ایک استمراری اور پائیدار سچی خوشی سے بہرہ ور ہیں۔ اور عام لوگ اس مقام سے بے بہرہ ہیں۔ کما قیل ؎

از نشاطِ اہلِ دل ظاہر پرستاں غافل اند ۔ پستہ دائم درمیانِ پوست خنداں میشود

کُنجِ زندانِ جہانِ ناگزیر ۔ نیست بے پا مُزد و بے دقّ الحصیر

لغات۔ پامزد محنت مزدوری۔ دق الحصیر دق کے معنے کوٹنا۔ حصیر کے معنے چٹائی۔ مراد محنت و مشقت کیونکہ جم کر بیٹھنے اور مسلسل کام کرنے سے نیچے کی بچھی ہوئی چٹائی جلدی ٹوٹتی ہے۔ اس ضیافت کو بھی دق الحصیر کہتے ہیں۔ جو مکان کے تعمیر ہونے پر لوگوں کو دی جاتی ہے۔ فارسی میں اس کو بوریا کوبی کہتے ہیں۔ مگر یہاں پہلے معنے مراد ہیں۔

ترجمہ اس جہان کے قید خانہ کا گوشہ جس کے (اندر مقید ہوئے) بدون چارہ نہیں۔ محنت و مشقت سے خالی نہیں ہے۔

مطلب۔ جہان کو ناگزیر اس لحاظ سے لکھا ہے کہ وہ دار العمل ہے۔ اور آخرت کی جزا و سزا اسی پر مترتب ہے جہان نہ ہو۔ تو عمل کیونکر ہو۔ عمل نہ ہو۔ تو سزا و جزا کس بات کی ہو۔ پھر آخرت کا سلسلہ ہی نہیں رہتا۔ جہان کو اس لحاظ سے بھی ناگزیر کہہ سکتے ہیں۔ کہ انسان اگر چاہے۔ کہ جہان کی قید سے رستگار ہو جاؤں۔ تو نہیں ہو سکتا۔ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ

اے گروہ جن و انسان اگر تم آسمانوں اور زمین کے کناروں سے ہو کر باہر نکل سکتے ہو۔ تو نکل جاؤ۔ کچھ ایسا ہی زور ہو تو نکلو (سورہ رحمٰن ع۲) صائبؒ ؎

درعدم آباد جہاں رخنۂ آزادی نیست — چشم تا کار کند حلقۂ دام است اینجا

پھر فرماتے ہیں کہ یہ جہان دارالمحن ہے۔ حافظؒ ؎

بساطِ دہرِ دُوں پرورندارد شہد آسایش — مذاقِ از زہرِ اوایل بشوی از تلخ واز شورش

غنیؒ ؎ برُوئے زمین ہیچکس آسودہ نباشد — گنجے بود آرام کہ در زیرِ زمین ست

واللہ ار سوراخِ مُوشے در روی — مُبتلائے گربہ چنگالے شوی

ترکیب۔ درحرف جار سوراخ موشے سے ضرورۃً موخر آیا ہے یعنے در سوراخ موشے ہے۔ گربہ چنگال میں اضافت مقلوب ہے۔ یعنے چنگال گربہ۔

ترجمہ واللہ! اگر تم (مصائب سے بچنے کے لئے) کسی چوہے کے بل میں بھی گھس جاؤ۔ تو وہاں بھی (کسی نہ کسی) بلی کے پنجے میں گرفتار ہو جاؤ گے۔

مطلب۔ دنیا کے کسی گوشے اور کسی مخفی سے مخفی مقام میں بھی مصائب و آلام سے امن نہیں۔ صائبؒ ؎

خروشِ سیلِ حوادث بلند مے گوید — کہ خواب امن دریں خاکداں نمے باشد

اگر دوسری آفات سے امن بھی ہو۔ تو کم از کم اپنے پریشان خیالات ہی باعث اذیت بن جاتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

آدمی را فربہی ہست از خیال — گر خیالاتش بود صاحب جمال

ترجمہ (خیال کی تاثیر ملاحظہ ہو کہ) اگر آدمی کے خیالات اچھے ہوں۔ تو (خیال ہی) خیال سے (حوصلہ مندی کے باعث) موٹا ہو جاتا ہے۔

ور خیالاتش نماید ناخوشے — مے گدازد ہمچو موم از آتشے

ترکیب۔ ناخوشے میں یائے مجہول تنکیر کے لئے ہے۔ اور یہ صفت ہے۔ جس کا موصوف امر مقدر ہے۔

ترجمہ۔ اور اگر اس کے خیالات کوئی نامرغوب (امر) اسکو دکھاتے ہیں۔ تو اس طرح گھلنے لگتا ہے جس طرح آگ کے سامنے موم۔

مطلب۔ اوپر کہا تھا کہ انسان خواہ کہیں جا چھپے وہ تکالیف سے نجات نہیں پا سکتا۔ کم از کم خیالی تشویشات ہی اس کے لئے باعث تکلیف ہونگی۔ اب خیالات کی تاثیر کا ذکر فرماتے ہیں۔ کہ یہ خیالی ادھیڑبن بھی اسقدر موثر ہے۔ کہ آدمی کو فربہ و لاغر بناتی رہتی ہے۔

درمیانِ مار و کژدم گر ترا — با خیالاتِ خوشاں دارد خدا

مار و کژدم مر ترا مونس شود — کاں خیالت کیمیائے مس شود



ترجمہ (اچھے خیالات اسقدر مفید ہیں کہ) اگر خداوند تعالیٰ تم کو اچھے خیالات کے ساتھ سانپ اور بچھو کے درمیان بھی رکھے۔ تو سانپ اور بچھو (جیسے موذی جانور بھی) تمہارے مونس (و غمخوار) بن جائیں۔ کیونکہ تمہارا وہ (اچھا) خیال تانبے (کو سونا بنانے) کے لئے کیمیا کا کام کر جائے۔

مطلب۔ خدا کے ساتھ لو لگانیوالوں اور اسی کے خیال میں مست رہنے والوں کے لئے مصائب و نوائب کی تلخی شربت کا گھونٹ بن جاتی ہے۔ صائبؒ ؎

نیست دلگیری زکوہ بے ستوں فرہاد را　　عشق چوں مشاطہ گردد سنگ خارا ہم خوش ست

یہ مطلب بھی نکل سکتا ہے۔ کہ اگر تمہارے دل پر خیر خواہی کے خیالات غالب ہوں۔ تو دشمن بھی بدخواہی سے باز آجائے کیونکہ بدخواہانہ خیالات کا انعکاس ہی دوسری طرف بدخواہی کے خیالات کو اکساتا ہے۔ جیسے ایک نقل مشہور ہے۔ کہ ایک تاجر نے اپنے بیشمار سامان تجارت کو پڑا دیکھ کر کہا اگر بادشاہ مر جائے۔ تو اس کے ماتم اور تکفین و تجہیز پر یہ سارا سامان فروخت ہو جائے۔ اس خیال بد کی بدی فوراً ادھر بادشاہ کے دل پر منعکس ہوئی۔ جو اس وقت اپنے محل پر کھڑا سیر دیکھ رہا تھا اس نے تاجر کی سر بفلک کوٹھیاں دیکھ کر خیال کیا۔ کہ یہ تاجر لوگوں کو لوٹ کھسوٹ کر بہت مالدار ہو گیا کسی بہانہ سے اس کی جائداد ضبط کر لی چاہیئے۔ دوسرے لمحہ میں ادھر تاجر اپنے خود غرضانہ خیال کی ناپاکی محسوس کر کے توبہ توبہ کرنے لگا۔ تو ادھر بادشاہ بھی اپنے خیال کی کجروی پر استغفار پڑھ رہا تھا۔ ونعم ما قیل ؎

آئینہ رُو نماست جاناں دلِ تو　　ہم از دلِ خویش پرس حالِ دلِ من

ایک اور مطلب بھی ہو سکتا ہے۔ کہ تم خدا کے خیال میں مست اور اس کے احکام کے کامل مطیع ہو جاؤ۔ تو خدا کی مخلوق بھی تمہاری مطیع و مسخر ہو جائے۔ سعدیؒ ؎

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ　　کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

صَبر شیریں از خیالِ خوش شدست　　کاں فرح واں تازگی پیش آمدست

ترجمہ (۱) (مصائب پر) صبر (بھی اجر کے) خوشگوار خیال سے گوارا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ فرح اور تازگی پیش نظر ہوتی ہے (جو صابرین کو انجام صبر پر یا آخرت میں حاصل ہوگی)

(۲) (صبر بکسرہ صاد کی تقدیر پر یوں ترجمہ ہوگا)۔ اچھے خیال سے ایلوا بھی میٹھا بن جاتا ہے (جو نہایت کڑوی اور ناگوار دوا ہے) کیونکہ (طبیعت کی) وہ فرحت و تازگی (اسوقت نظر کے) سامنے ہوتی ہے (جو بیمار کو اسکی دوائی تاثیر سے متوقع ہے)

آں فرح آید زِ ایماں در ضمیر　　ضُعفِ ایماں نا امیدی و زحیر

لغات۔ فرح خوشی۔ ضمیر دل۔ زحیر مرض پیچش مجازاً بمعنے ناخوشی۔

ترجمہ۔ وہ طمانیت (جو مومنوں کو حاصل ہوتی ہے) ایمان ہی (کے خیالات) سے (ان کے) دل میں پیدا ہوتی ہے (بخلاف اس کے) ضعف ایمان ناامیدی اور ناخوشی (کا باعث) ہے۔

مطلب۔ صبر بفتح صاد کی صورت میں اس فرح و طمانیت کے دل میں آنے کا اصل منشا ایمان ہوتا ہے۔ کیونکہ ایمان نام ہے تصدیق کا۔ پس جب ان مواعید کی تصدیق ہوگی۔ جو صبر کرنیوالوں کے لئے کئے گئے ہیں۔ تو دنیا و آخرت میں اسکے

اچھے نتائج کی امید ہوتی ہے۔ اور امید سے فرحت حاصل ہوتی ہے۔ اور جب تصدیق نہ ہو۔ یا ہو گی۔ مگر عوارض کے سبب سے اس کی طرف التفات نہ ہو گی۔ تو فرحت کہاں؟ پس جب ایمان منشاء ہے امید کا۔ اور امید منشاء ہے فرح کا تو ناامیدی دلیل ہو گی۔ ضعف ایمان کی اور موجب ہو گی رنج و تکلیف کے لئے (کلید)۔ صائبؔ ؎

صبر کن بر تلخ کامیہا کہ آخر روزگار　　چشمہ سازد نوش سازد بوسہ گاہ نیش را

صبر از ایماں بیابد سر کلہ　　حیث لا صبر فلا ایمان لہ

لغات۔ سرکلہ مرکب اضافی ہے باضافت مقلوب یعنے کلاہ سر۔ مراد طرہ امتیاز و جاہ اعزاز۔ مصرعہ دوسرا ایک حدیث سے اقتباس ہے۔ جو بحر العلوم میں ان الفاظ درج ہے۔ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ لَا صَبْرَ لَہٗ فَلَا اِیْمَانَ لَہٗ یعنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جس شخص میں صبر نہیں اس میں ایمان نہیں۔ اس مضمون کی تائید دوسری احادیث بھی کرتی ہیں۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں ایک حدیث صحیح مسلم سے منقول ہے۔ عجبا لامر المومن ان امرہ کلہ لہ خیر ولیس ذالک لاحد الا للمؤمن ان اصابتہ سراء شکر فکان خیرا لہ وان اصابتہ ضراء صبر وکان خیر اللہ یعنے مومن کا کام خوب ہے۔ کہ اس کا کام ہر طرح اچھا ہے۔ اور یہ صرف مومن ہی کے لئے ہے۔ چنانچہ اگر اس کو کوئی خوشی پیش آتی ہے تو شکر کرتا ہے۔ پس یہ اس کے لئے اچھا ہے اور اگر اسکو کسی تکلیف کا سامنا ہوتا ہے تو صبر کرتا ہے۔ تو یہ بھی اس کے لئے اچھا ہے۔

ترجمہ۔ (اسی لئے) صبر نے ایمان (کہلانے) سے شرف پایا ہے (چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ) جہاں کہیں (کسی میں) صبر نہیں تو اس میں ایمان بھی نہیں۔

گفت پیغمبر خدائش ایماں نداد　　ہر کرا نبود صبوری در نہاد

ترجمہ جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس شخص کو خدا نے ایمان نہیں دیا جس کے اندر صبر نہ ہو۔

مطلب۔ یہ شعر یا تو اوپر کی حدیث کا ترجمہ و معنے ہے یا اس مشہور حدیث کو بطور روایت بالمعنے ادا کیا گیا ہے۔ کہ اَلصَّبْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ یعنے صبر ایمان کا ایک حصہ ہے۔ کیونکہ جب ایمان کا حصہ یعنے صبر نہ رہا۔ تو اس کا کل یعنے ایمان بھی من حیث الکل باقی نہ رہے گا۔

اوپر یہ ذکر چلا آتا تھا کہ انسان کو دنیا کے کسی مامون سے مامون گوشے میں چین لینا نصیب نہیں۔ کم از کم اس کی اپنی خیالی تشویشات کی الجھنیں ہی ہر وقت ہر جگہ اور ہر حالت میں اس کو ستاتی رہتی ہیں۔ پھر اس بیان کی توضیح کے لئے خیال کی نمایاں تاثیرات کے چند نمونے پیش کئے۔ اب فرماتے ہیں۔ خیالات جس طرح اپنے اثر کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔ اسی طرح اپنی ذات کے اعتبار سے بھی جداگانہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ:۔

آں یکے در چشم تو باشد چو مار　　ہم وے اندر چشم آں دیگر نگار

لغات۔ مار سانپ۔ مراد مکروہ و ناپسند۔ نگار معشوق۔ مراد خوب و پسندیدہ۔

ترجمہ وہ ایک ہی شخص (ہوتا ہے۔ جو) تمہاری نظر میں سانپ (کی طرح قابل نفرت) ہوتا ہے

اور وہی اس دوسرے (آدمی) کی نظر میں (گویا) محبوب (ہے) سعدی رحمۃ اللہ علیہ
اے سیر ترا نانِ جویں خوش ننماید — معشوقِ من است آنکہ بنزدیکِ تو زشت است
حورانِ بہشتی را دوزخ بود اعراف — از دوزخیاں پرس کہ اعراف بہشت است
آگے اس تفاوت کی وجہ بیان فرماتے ہیں۔

زانکہ در چشمت خیالِ کفر اوست — واں خیالِ مومنی در چشمِ دوست

ترجمہ۔ کیونکہ تمہاری نظر میں اسکے کفر کا خیال (بس رہا) ہے۔ اس لئے (تم کو اس سے نفرت ہے) اور (اسکے) دوست کی نظر میں وہی اس کے مومن ہونے کا خیال (جاگزین ہے۔ اس لئے وہ اسکو محبوب ہے)
مطلب۔ ہر شخص کی اخلاقی و مذہبی حالت کے بعض پہلو اچھے اور بعض بُرے ہوتے ہیں۔ اس کا بدخواہ ہمیشہ اس کے بُرے اوصاف کو زیر نظر رکھتا ہے۔ اور خیر خواہ صرف اچھے اوصاف کو دیکھتا ہے۔ اور خیالات کا یہ تضاد تعلقات کے تفاوت پر مبنی ہے۔ سعدی رحمۃ اللہ علیہ
چشمِ بداندیش کہ بر کندہ باد — عیب نماید ہنرش در نظر
ور ہنرے داری و ہفتاد عیب — دوست نہ بیند بجز آں یک ہنر

کاندریں یک شخص ہر دو فعل ہست — گاہ ماہی باشد او وگاہ شست

ترجمہ کیونکہ اس ایک ہی شخص میں دونوں قسم کی (اچھی اور بری) صفات ہیں (چنانچہ کبھی وہ (ایک کی نظر میں) مچھلی (محسوس) ہوتا ہے۔ اور کبھی (دوسرے کی آنکھ میں) مچھلی پکڑنے کا کانٹا۔

نیم او مومن بود نیمیش گبر — نیم او حرص آوری نیمیش صبر

ترجمہ وہ (اپنے اچھے اوصاف کے لحاظ سے) آدھا مومن ہوتا ہے (اور اپنے بُرے اوصاف کے اعتبار سے) آدھا آتش پرست۔ اس کا نصف حصہ حرص سے پر اور نصف (مجسّم) صبر (و قناعت) ہوتا ہے۔
مطلب۔ ہر شخص میں کچھ اوصاف اچھے ہوتے ہیں۔ تو ان کے ساتھ بعض بری صفات بھی ہوتی ہیں۔ ہر کجا گلے ست خارے ست وہر کجا گنجے ست مارے ست۔

گفت یزدانت فَمِنۡکُمۡ مُّؤۡمِنٌ — باز مِنۡکُمۡ کَافِرٌ گبرِ کہن

ترجمہ (چنانچہ) تمہارے پروردگار کا ارشاد ہے۔ فَمِنۡکُمۡ مُّؤۡمِنٌ (یعنی تم میں سے بعض مومن ہیں) پھر (فرمایا) فَمِنۡکُمۡ کَافِرٌ یعنی تم میں سے بعض کافر ہیں۔ جس سے بُرا کافر مراد ہے)
مطلب۔ اس میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے کہ ھُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ فَمِنۡکُمۡ کَافِرٌ وَّ مِنۡکُمۡ مُّؤۡمِنٌ ؕ وَ اللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ۔ وہی تو ہے جس نے تم کو پیدا کیا۔ اس پر بھی تم میں سے بعض کافر ہیں اور بعض مومن۔ اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ دیکھ رہا ہے (سورہ تغابن ع ۱)

اوپر ایک شخص میں مختلف صفات نیک و بد ہونیکا ذکر تھا۔ مگر اس آیت میں ایک قوم میں مختلف صفات کے اشخاص کا ہونا مذکور ہے۔ شارح کلید مثنوی کے نزدیک اس آیت کے ایراد سے بھی مولانا کا یہی مقصود ہے۔ کہ ہر فرد بشر میں بعض کافرانہ صفات ہیں اور بعض مومنانہ اگرچہ حق سبحانہ کی مراد اس آیت میں یہ نہیں ہے۔ پھر مولانا کی اس مراد پر تفسیر بالرائے ہونیکا جو اعتراض وارد ہوتا ہے۔ اس کا جواب دیا ہے۔ مگر ہمارے نزدیک اس تکلف کی ضرورت ہی نہیں۔ بلکہ مولانا کی مراد اس آیت سے وہی ہے۔ جو اس کے صحیح معنے ہیں۔ اور مطلب یہ ہے۔ کہ جس طرح ایک شخص آدھا مومن اور آدھا گبر ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر ساری امت کو شخص واحد فرض کر لیا جائے۔ تو بعض افراد کے مسلمان اور بعض کے کافر ہونے کے اعتبار سے گویا اس فرضی شخص کا آدھا وجود مومن اور آدھا کافر ہے۔ اور اس قسم کے افتراضات تمثیلات میں شائع وذائع ہیں۔ پھر جس طرح ایک شخص اپنے اچھے اوصاف کے لحاظ سے دوست کی نظر میں سراپائے محاسن ہوتا ہے۔ اور اپنے برے اوصاف کے اعتبار سے دشمن کی نگاہ میں مجموعہ معائب بن جاتا ہے۔ اسی طرح ایک قوم بھی اپنے اچھے افراد کی بدولت نیک نام اور برے افراد کے باعث بدنام ہو جاتی ہے۔ سعدی رح ؎

چو از قومے یکے بیدانشی کرد ۔۔۔ نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

نمے بینی کہ گاوے در علف زار ۔۔۔ بیالاید ہمہ گاوان دہ را

اور یہ بھی اپنے اپنے تخیل ہی کا کرشمہ ہے۔ کہ کسی کا حسن ظن اس قوم کے اچھے افراد کی نظیر کو پیش نظر رکھے گا۔ اور کسی کا سوء ظن اس کے برے افراد کو مثالاً سامنے لائیگا۔

ہمچو گاوے نیمۂ جلدش سیاہ ۔۔۔ نیمۂ دیگر سفید و ہمچو ماہ

ترجمہ۔ جس طرح ایک بیل کی آدھی کھال سیاہ ہو۔ اور باقی آدھی سفید اور چاند کی طرح (روشن) ہو (اسی طرح ہر شخص کے بعض اخلاقی پہلو تاریک اور بعض روشن ہوتے ہیں)

ہر کہ ایں نیمہ بہ بیند رد کند ۔۔۔ ہر کہ آں نیمہ بہ بیند کد کند

ترجمہ۔ جو شخص (اس کے) اس (تاریک پہلو کے) نصف حصے کو دیکھتا ہے۔ وہ (نفرت سے اس کو) چھوڑ دیتا ہے (اور) جو شخص (اسکے) اُس (روشن پہلو کے) نصف حصے کو دیکھتا ہے وہ (اس کو مرغوب و محبوب ثابت کرنے کے لئے) بحث (و تکرار) کرتا ہے۔

از جمال یوسف اخواں پس نفور ۔۔۔ لیک اندر دیدۂ یعقوب نور

لغات۔ یوسف ایک پیغمبر تھے۔ جن کا حسن و جمال ضرب المثل چلا آتا ہے۔ یعقوب بھی پیغمبر تھے۔ وہ حضرت یوسف کے والد اور حضرت اسحاق ؑ کے فرزند اور حضرت ابراہیم ؑ کے پوتے تھے۔ حضرت یعقوب کو اللہ تعالےٰ نے کئی فرزند عطا کئے تھے۔ مگر ان میں سے ایک منجھلے فرزند حضرت یوسف ؑ کے جمال ظاہر کے انوار اور کمال باطن کے آثار نے باپ کے دل میں سب سے زیادہ گھر کر رکھا تھا۔ بھائیوں کے لئے یہ معاملہ باعث حسد ہو گیا۔ اور ان کا وہی جمال بے مثال جو باپ کی آنکھوں کا نور تھا۔ بھائیوں کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگا۔ آخر یہ بھائی سیر و شکار کے بہانے سے حضرت یوسف ؑ کو ساتھ لے گئے۔ اور جنگل میں ایک کنوئیں کے اندر انہیں قید کر دیا۔ ایک قافلہ والے اس کنوئیں کے پاس

اُترے۔ تو انہوں نے حضرت یوسف کو کنوئیں سے نکالا۔ اور جیسا کہ غلاموں کی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ انہیں انکے بھائیوں سے چند درہم کے عوض میں خرید لیا۔ ل

ترجمہ (دیکھو) حضرت یوسف علیہ السلام کے جمال سے بھائی نہایت متنفر تھے لیکن (وہی جمال) حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں کا نور تھا ؎

ہنر بچشم عداوت بزرگتر عیبے ست　　　گل ست سعدی و در چشم دشمناں خارست

از خیالِ بد نظرشاں زشت دید　　　چشم فرع و چشم اصلی ناپدید

لغات۔ زشت بدصورت۔ چشم فرع فروعی آنکھ۔ ظاہری آنکھ۔ جس کی حد ادراک اشیاء کی صرف ظاہری حالت تک ہے۔ چشم اصلی۔ بصیرتِ قلب۔ جو ہر بات کی گہرائی میں پہنچتی ہے۔ اور اس کے تمام نتائج و عواقب کو محسوس کرتی ہے۔ فرع کے معنے شاخ اور اصل کے معنے جڑ کے ہیں۔ جس طرح شاخیں ظاہراً نمایاں ہوتی ہیں۔ اسی طرح چشم فرع کا احساس و ادراک بھی ظاہر اشیاء سے تعلق رکھتا ہے۔ اور جس طرح جڑ زمین کے اندر مستور ہوتی ہے اسی طرح چشم اصلی کا ادراک ہر بات کی گہرائی تک پہنچتا ہے۔ ناپدید غیر نمایاں۔ نابود۔ معدوم۔ ترکیب۔ چشم فرع بدل ہے نظر سے جو پہلے مصرعہ میں ہے۔

ترجمہ۔ (حسد کے) خیال سے (بھائیوں کی) نظر نے ان کو (یعنے حضرت یوسفؑ کو) بُری صورت میں دیکھا۔ (ان کا یہ دیکھنا) فروعی آنکھ (سے تھا) اور (اسوقت ان کی) اصلی آنکھ نابود (تھی)۔

مطلب۔ بھائیوں کی ظاہری آنکھ نے دیکھا۔ کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف کے ساتھ کمال محبت ہے۔ تو ازراہ حسد یہ ان کو ناگوار ہوا۔ اسی سبب سے حضرت یوسفؑ کے تمام انوار جمال و کمال بھی ان کی نظر میں بدنما بن گئے۔ سعدیؒ ؎

نورِ گیتی فروز چشمہ ہور　　　زشت باشد بچشم موشک کور

لیکن اگر وہ چشم اصلی سے بہرہ ور ہوتے۔ اور ان کی بدولت حضرت یوسف کی ذات والاصفات میں وہ آئندہ حاصل ہونے والے کمالات کا مشاہدہ کرتے۔ جن کو حضرت یعقوب مشاہدہ کر رہے تھے۔ اور اسی لئے یہ بیٹا اپنے باپ کی نظر میں سب سے زیادہ محبوب و معزز تھا۔ تو یقیناً وہ بھی باپ کی طرح اپنے اس برادر عزیز کی قدر کرتے۔ اور ان کے ساتھ قید چاہ اور غلامانہ حیثیت میں ان کی فروخت کی بدسلوکی نہ کرتے۔

برادران یوسف کی ان افسوسناک بدسلوکیوں کے وقت "چشم اصلی" سے محروم ہونے کو خود یوسف علیہ السلام نے جہل سے تعبیر کیا ہے۔ جبکہ انہوں نے حکومت مصر کے منصب جلیل پر سرفراز ہونے کی حالت میں اپنے بھائیوں سے فرمایا۔ هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ۔ تم کو کچھ یاد بھی ہے؟ کہ جس وقت تم جہالت پر آمادہ تھے سو تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کچھ کیا تھا؟ (سورہ یوسف ع ۱۰) پھر خود ان بھائیوں نے اپنی اس چشم اصلی کی محرومی کو خطا قرار دیا۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں۔ تَاللّٰهِ لَقَدْ آثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَإِنْ كُنَّا لَخَاطِئِينَ بخدا کچھ شک نہیں۔ کہ تم کو اللہ نے ہم پر بڑی برتری بخشی ہے۔ اور بے شک ہم خطاکار تھے (سورہ یوسف ع ۱۰)

حضرت یوسف کے بھائیوں پر اس الزام جہل اور خود بھائیوں کے اس اعتراف خطا سے ظاہر ہے۔ کہ پھر ان کو یہ چشم اصلی حاصل ہو گئی تھی۔ بلکہ روایات سے ثابت ہے کہ پھر سارے بھائی منصب نبوت سے سرفراز ہو گئے تھے۔

آگے مولانا چشم ظاہر کو چشم فرع کہنے کی وجہ بیان فرماتے ہیں۔

نوٹ۔ ایک شارح نے چشم فرع کو نظر سے بدل کرنے کی بجائے چشم اصلی کا معطوف علیہ بنا کر ناپدید کا مبتدا، قرار دے لیا۔ یعنے اخوان یوسف کی نہ چشم ظاہر تھی۔ نہ چشم باطن۔ مگر یہ تقدیر تکلف و اشکال سے خالی نہیں۔ بخلاف ہماری اختیار کردہ صورت کے۔

چشم ظاہر سایۂ آں چشم داں — ہر چہ آں بیند بگردد ایں بداں

ترجمہ۔ ظاہری آنکھ کو اس (قلبی) آنکھ کا سایہ سمجھو۔ جو کچھ وہ دیکھے گی یہ بھی اس کی طرف پھر جائیگی۔

مطلب۔ اصلی آنکھ قلبی ہے۔ اگر وہ غلط دیکھے گی۔ تو ظاہری آنکھ بھی غلط بیں ہو جائے گی۔ چونکہ اخوان یوسفؑ کی چشم قلب اس وقت کور تھی۔ اور ابھی وہ وقت نہیں آیا تھا۔ جبکہ منصب نبوت کے حصول پر وہ بینا ہونے والی تھی۔ اس لئے ظاہری آنکھ سے ان کو جمال یوسفؑ نظر نہ آتا تھا۔ کیونکہ جب چشم باطن کام نہ کرے۔ تو چشم ظاہر کیا کام کر سکتی ہے۔ حافظ رہ ؎

دیدن روئے ترا دیدۂ جاں بیں باید — ویں کجا مرتبۂ چشم جہاں بین من است

آگے اس کی دلیل دیتے ہیں۔

سایۂ اصل ست فرع امّا کجا — سایہ با خورشید پا دارد کجا؟

ترجمہ۔ فرعی (آنکھ۔ یعنے چشم ظاہر اصلی (آنکھ یعنے چشم باطن) کا سایہ ہے لیکن (کہاں وہ اور کہاں یہ) آفتاب کے سامنے سایہ کب ٹھیر سکتا ہے؟

مطلب۔ بے شک اخوان یوسف کی ظاہری آنکھ کھلی تھی۔ اور بے شبہ ظاہری آنکھ باطنی آنکھ کا سایہ ہے۔ لہذا تم کہو گے کہ اس میں کچھ کچھ باطنی آنکھ کے سے خواص اور کسی حد تک ادراک حقائق کی قوت ہونی چاہیئے۔ مگر اس کو اس سے کیا نسبت ہے۔ آفتاب کے سامنے سایہ کی کیا حیثیت؟ پس جب ان کی چشم باطن کور تھی تو چشم ظاہر سے حضرت یوسفؑ کا جمال کیونکر دیکھ سکتے تھے۔ آفتاب کے سامنے سایہ نہیں ٹھیر سکتا۔ اور آفتاب کے غروب ہونے سے سایہ کا وجود ہی نہیں رہتا۔ اسی لئے چشم باطن کے آگے چشم ظاہر کا ادراک ہیچ ہے۔ اور چشم باطن کے کور ہونے پر چشم ظاہر میں صلاحیت ادراک ہی نہیں رہتی۔ آگے چشم باطنی کو کشادہ رکھنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

تو مکانی اصلِ تو در لامکاں — ایں دکاں بربند و بکشا آں دکاں

لغات۔ مکانی دنیوی۔ مادی۔ لامکان عالم ارواح۔ مجردات کا عالم۔ ایں دکان سے مادیات کا عالم۔ اور آں دکان سے مجردات کا عالم مراد ہے۔ ترکیب۔ تو مبتدا مکانی خبر ہستی رابط۔ جملہ محذوف مکانی میں یا نسبت کی ہے نہ کہ خطاب کی۔

ترجمہ۔ تم مادی (مخلوق) ہو اور تمہاری اصل (یعنے روح) لامکان میں ہے (یعنے مجرد ہے پس) تم اس (مادیات کے انہماک کی) دکان کو بند کر دو۔ اور (توجہ بعالم غیب کی) وہ دکان کھول لو۔

مطلب۔ تم دنیا کے جنجال میں گرفتار رہ کر حقیقت شناسی سے محروم ہو رہے ہو۔ دنیا سے آنکھ بند کر کے گلزار غیب کی سیر ک



روح کے مادی یا غیر مادی ہونے کے متعلق متکلمین کا ۔ صوفیہ کا ۔ اور حکما کا مذہب

چشمے کہ بستہ از نظر صائب از جہاں — رخسار زار روئے بگلزار کردہ اند

یہاں مولانا رح نے روح کو لامکانی فرمایا ہے ۔ جو کہ مجردات کے خواص میں سے ہے ۔ حالانکہ متکلمین روح کو مادی کہتے ہیں ۔ مگر حقیقت یہ ہے ۔ کہ اس بارہ میں متکلمین کی رائے غلط ہے ۔ وہ تجرد کو باری تعالیٰ خواص میں سے قرار دیتے ہیں ۔ اس لئے روح کو مادی تسلیم کرنا پڑا ۔ حالانکہ یہ محض دعوے ہے ۔ جس کی کوئی دلیل نہیں ہے اور محض مصادرہ علے المطلوب ہے ۔ اس لئے کہ اول روح کا غیر مجرد اور مادی ہونا ثابت ہو ۔ تو پھر تجرد باری تعالیٰ کے خواص سے ہو سکتا ہے ۔ اور جب روح کا مادی ہونا پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ سکتا ۔ تو پھر باری تعالےٰ کے لئے تجرد کا اختصاص کیونکر ثابت ہو سکتا ہے ۔ صوفیہ اور حکما اس کے قائل ہیں ۔ کہ روح مجرد ہے ۔ اور تجرد خواص باریتعالیٰ سے نہیں ہے ۔ ہاں یہ حکما کی گمراہی ہے ۔ کہ روح کو قدیم بالذات کہنے لگے ۔ صوفیہ اس کو قدیم نہیں مانتے ۔ ہاں مجرد مانتے ہیں ۔ اور اس میں کوئی خرابی نہیں ۔ اور وہ روح جس کی نسبت حدیث میں نسمہ کا لفظ آیا ہے ۔ اور جسکو کہ فرشتے حریر میں لپیٹ کر لے جاتے ہیں ۔ اس سے روح طبی مراد ہے ۔ جس کو جسم مثالی بھی کہتے ہیں ۔ اور جس کو اہل کشف نے لکھا ہے کہ روح بالکل انسان کی ہم شکل اور ٹھیک اس کی مثل ہوتی ہے ۔ پس اس حدیث سے روح کے تجرد پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا ۔ (کلید)

شش جہت مگریز زیرا در جہات — ششدر ست و ششدرہ مات ست مات

لغات ۔ شش جہت چھ طرفیں جن سے دائیں بائیں ۔ آگے پیچھے اور اوپر نیچے کی اطراف مراد ہوتی ہیں ۔ اور مقصود اس سے دنیا کی تمام اطراف ہیں ۔ ہر طرف ۔ ہر سمت ۔ جہات اطراف جمع جہت کی ۔ ششدر کنایہ ہے اس جگہ سے جس سے رہائی دشوار ہو ۔ اور مجازاً بمعنے عاجز و متحیر بھی مستعمل ہے ۔ ششدر درحقیقت چھ خانوں کا نام ہے ۔ جو نرد کی بازی میں ہوتے ہیں ۔ جب مہرہ ان میں آن پڑتا ہے ۔ تو اس کی رہائی ناممکن ہو جاتی ہے ۔ ایک شرح میں لکھا ہے ۔ کہ ششدر شطرنج کے درمیانی چار خانوں کو کہتے ہیں ۔ یہ غیر صحیح ہے ۔ کیونکہ اس اصطلاح کو شطرنج سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔ ششدرہ میں ہا نسبت کے لئے ہے ۔ یعنے ششدر میں بند ہونے والا مہرہ ۔ مات شطرنج بازوں کی اصطلاح میں شاہ شطرنج کا گرفتار و مقید ہو جانا ۔ صنائع ۔ شش کے لفظ میں صنعت تجنیس ہے ۔ اور مختلف بازیوں کی مناسبات پُرلطف ہیں ۔

ترجمہ ۔ اطراف دنیا میں (حریصانہ تگ و دو سے) بھاگے بھاگے نہ پھرو ۔ کیونکہ یہ اطراف وہ مقام ہیں جن سے رہائی ناممکن ہو ۔ اور ناقابل رہائی مقام میں جا پڑنے والا مقید ہوا سو مقید ہوا ۔ غنی رح

نیست در گلزار گیتی رنگ آزادی کہ ہست — گل اسیر گلبن و بلبل گرفتار قفس

ایں سخن را نیست حد زندانیاں — مضطر اند از دست آں خر قلتباں

لغات ۔ زندانیاں جمع زندانی قیدی ۔ مضطر ۔ مجبور ۔ بے بس ۔ قلتبان بے غیرت ۔ بیحیا ۔ دیوث

ترجمہ ۔ اس (علوم و معانی کی) بحث کی تو کوئی حد نہیں (اب اصل قصے کی طرف توجہ کرو کیونکہ) قیدی لوگ اس گدھے بے غیرت (قیدی) کے ہاتھوں (سخت) بے بس ہو رہے ہیں (ان کی رستگاری کراؤ) ۔

انتباہ ۔ قصہ نویسی کا یہ ایک پُرلطف انداز ہے ۔ کہ واقعہ کو اس طرح فرض کر لیا جائے کہ گویا وہ اسوقت

وقوع پا رہا ہے۔ اور اس کی تفصیلات کو اس طرح سے بیان کیا جائے۔ گویا واقعہ کی جزئیات یکے بعد دیگرے نظر کے سامنے ظہور میں آرہی ہیں۔ اس انداز پر مولانا فرماتے ہیں۔ کہ ہم تو بیان معارف میں مصروف ہو گئے۔ ادھر زندانی بیچارے حیران ہیں۔ کہ کب ہماری رستگاری کا وقت آئے۔

شکایت کردن اہل زندان نزد وکیل قاضی از دست آں مفلس

قیدیوں کا قاضی کے وکیل سے اس مفلس کی شکایت کرنا

اہلِ زنداں در شکایت آمدند ۔۔۔ با وکیلِ قاضیِ اِدراک مند

لغات ۔ وکیل ذمہ دار جس کے سپرد کوئی کام کیا جائے۔ آجکل کی اصطلاح میں قانونی پیروکار اور مشیر کو جو وکیل کہتے ہیں۔ تو اسی لحاظ سے کہ مقدمہ کی پیروی کا کام اس کے سپرد کیا جاتا ہے۔ مگر یہاں وکیل بمعنے اعم مراد ہے یعنے کارندہ ۔ اہل زنداں کی شکایات سننا۔ اور ان کی نگرانی اس کے سپرد ہوگی۔ قاضی مقدمات کا فیصلہ کرنے والا۔ جج مجسٹریٹ۔ منصف۔ شاہان اسلام کے زمانے قید خانہ قاضی کے ماتحت ہوتا ہوگا۔ اور قاضی کا ایک ملازم خاص اس کام پر مامور ہوگا۔ کہ اہل زنداں کی شکایات نوٹ کر لیا کرے۔ ادراک مند عقلمند۔

ترجمہ عقلمند قاضی کے وکیل سے اہل زنداں شکایت کرنے لگے۔

کہ سلام ما بقاضی بر کنوں ۔۔۔ باز گو آزارِ ما زاں مردِ دُوں

لغات ۔ بر صیغہ امر بُردن سے۔ آزار دکھ۔ دُوں کمینہ خسیس۔

ترجمہ ۔ کہ (براہ مہربانی) ابھی ہمارا اسلام قاضی (صاحب) کی خدمت میں پہنچاؤ۔ پھر ہمارا دکھ (ان سے) بیان کرو (جو) اس کمینے شخص سے (ہم کو پہنچ رہا ہے)

کاندریں زنداں بماند او مستمر ۔۔۔ یاوہ تاز و طبل خوارست و مُضر

لغات ۔ مستمر ہمیشہ سے ۔ مدت دراز سے ۔ یاوہ تاز بیہودہ پھرنے والا آوارہ گرد ۔ تاز مشتق ہے تاختن سے طبل خوار کھا کھا کر ڈھول کی طرح پیٹ کو پھلا لینے والا۔ پیٹو۔

ترجمہ ۔ کہ وہ (ظالم) مدت دراز سے اس قید خانہ میں پڑا ہے۔ بیہودہ بھاگ دوڑ کرنیوالا ہے پیٹو بھسلور (سب کے لئے) نقصان رساں ہے۔

مردِ زندانی نیابد لقمہ ۔۔۔ ور بصد حیلت کشاید طعمہ

درزماں پیش آید آں دوزخ گلو ۔۔۔ حجتش اینکہ خدا گفتہ کُلُوا

لغات طعمہ بالضم کھانا۔ ایک بار کا کھانا۔ دوزخ گلو دوزخ کے سے گلے والا جس کا گلا ہر وقت کھانے کی طلب

کرتا ہے۔ جس طرح دوزخ قیامت کے روز بے انتہا مخلوق کو لقمہ کر جانے کے بعد اور لقمہ طلب کریگا۔ اور پکارے گا۔ هَلْ مِنْ مَّزِيْد ۔ کیا کچھ اور لوگ بھی ہیں۔ جو مجھ میں ڈالیں جائیں گے۔ حجت دلیل۔ ثبوت۔

ترجمہ۔ (کوئی) قیدی آدمی (اس سے محفوظ رہ کر باطمینان) ایک لقمہ (بھی کھانے) نہیں پاتا۔ اور اگر سو تدبیروں سے (آنکھ بچا کر اپنا) طعام کھولتا (اور کھانے بیٹھتا) ہے۔ تو وہ دوزخ کے گلے والا (پیٹو) فوراً (بلائے بے درماں کی طرح) آن پہنچتا (اور خواہ مخواہ کھانے لگ جاتا) ہے۔ اس کی حجت یہ ہے کہ خدا کا حکم ہے کہ کھاؤ (پھر میں کیوں نہ کھاؤں)

مطلب خدا کے کلام میں کئی جگہ کلوا کا حکم وارد ہے۔ مثلاً كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا کھاؤ پیؤ اور اسراف نہ کرو۔ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ۔ اللہ کے رزق سے کھاؤ اور زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو۔ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ کھاؤ جو کچھ حلال اور پاک چیزیں زمین میں ہیں اور شیطان کی پیروی نہ کرو وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام آیات میں اپنی اپنی جگہ کھانے کا حکم کسی خاص قید یا خاص حیثیت سے وارد ہے۔ مگر اس پیٹو نے کلوا سے مطلق حکم لے کر شکم پُری کا بہانہ بنا لیا۔ اور اپنے لئے غصب و سرقہ سے حاصل کیا ہوا طعام کھا لینا مباح کر لیا۔ سچ ہے ع

خوئے بد را بہانہ بسیار

چوں مگس حاضر شود در ہر طعام　　از وقاحت بے صلاح و بے سلام

لغات۔ طعام کھانا۔ ضیافت پر بھی اطلاق کرتے ہیں۔ وقاحت بے شرمی۔ بے غیرتی۔ صلاح عربی لفظ ہے۔ نیکی ضد۔ فساد مگر فارسی والے اس کو صلا کرنے کے معنے میں بھی استعمال کرتے ہیں۔ یعنے کھانے کو کہنا شریک طعام کرنا کھانے کی تواضع کرنا اور صلا کے معنے عربی میں بھی طعام کے لئے پکارنے کے ہیں۔

ترجمہ۔ وہ ہر کھانے میں مکھی کی طرح بے شرمی کے ساتھ بے بلائے اور بلا سلام کئے آ حاضر ہوتا ہے

پیش او نے ہیچ ست لوت شصت کس　　کر کند خود را اگر گوئیش بس

ترجمہ (وہ اسقدر پرخور ہے کہ) اس کے آگے ساٹھ آدمیوں کا کھانا تو کچھ بھی نہیں۔ اگر اس کو کہو۔ کہ بس کرو۔ تو (وہ سنتا ہی نہیں) اپنے آپ کو بہرا بنا لیتا ہے۔

زیں چنیں قحط سہ سالہ داد داد　　ظلِ مولانا ابد پاینده باد

ترجمہ۔ ایسے (پیٹو کی دستبرد تو پورے) تین سال کے قحط کے لگ بھگ ہے اس سے فریاد ہے فریاد ہے (حضور کا سایہ ہمیشہ کے لئے قائم رہے۔

گو ز زنداں تا رود ایں گاو میش　　یا وظیفہ کن ز وقفے لقمہ ایش

ترجمہ اسکو حکم دیجئے تاکہ یہ بھینسا قید خانے سے چلا جائے۔ یا (اگر اسکو قید خانے ہی میں رکھنا منظور ہے تو) صیغہ اوقاف سے اس کی خوراک مقرر کر دیجئے۔

اے ز تو خوش ہم ذکور و ہم اناث　　　داد کن المستغاث المستغاث

لغات - ذکور جمع ذکر مرد - رجال - اناث جمع انثی عورتیں - نساء المستغاث جس کے پاس فریاد کریں -

ترجمہ عالیجاہا! آپ سے تمام مرد اور عورتیں خوش ہیں - آپ (ہمارا) انصاف کیجئے - آپ کے حضور میں فریاد ہے فریاد ہے -

سوئے قاضی شد وکیلِ بانمک　　　گفت با قاضی شکایت یک بیک

لغات - بانمک ملیح - پسندیدہ - خوش مزاج - باذاق - یک بیک ساری کی ساری -

ترجمہ وہ خوش مزاج وکیل قاضی کی طرف گیا - اور قاضی سے (ان لوگوں کی) ساری کی ساری شکایات کہدیں -

خواند او را قاضی از زنداں بہ پیش　　　پس تفحص کرد از اعیانِ خویش

ترجمہ - قاضی نے اس (مفلس) کو قید خانہ سے اپنے سامنے بلایا - پھر اپنے اہلکاروں سے (اس کا حال) دریافت کیا (کہ آیا واقعی یہ تہیدست و گرسنہ چشم ہے اور قیدیوں کو ستاتا ہے)

گشت ثابت پیشِ قاضی آں ہمہ　　　کہ نمودند از شکایت آں رمہ

ترجمہ اس (قیدیوں کی) جماعت نے جو جو شکایتیں کی تھیں - سب کی سب قاضی کے سامنے پایۂ ثبوت کو پہنچ گئیں -

گفت قاضی خیز زیں زنداں برو　　　سوئے خانہ مُردہ ریگِ خویش شو

لغات - مُردہ ریگ موروثی چیز - بری بھلی چیز جو وراثتاً پہنچی ہو - مراد حقیر و ناکارہ -

ترجمہ (تو) قاضی نے حکم دیا اٹھ کھڑا ہو اس قید خانہ سے دفع ہو - اور اپنے گرے پڑے موروثی کوٹھے کی طرف چلا جا -

مسئلہ - اگر قرضدار کے خلاف اس کا قرضخواہ وصولی قرضہ کے لئے نالش کرے - اور قرضہ ثبوت کو پہنچ جائے - مگر قرضدار عذر کرے کہ میرے پاس کچھ نہیں - قرض کہاں سے ادا کروں - اور قاضی کو شبہ ہو - کہ شاید اس نے مال چھپا رکھا ہو اور بہانہ بناتا ہو - تو اسکو قید رکھنے کا حکم ہے حتیٰ کہ قید سے تنگ آ کر قرض ادا کرنے پر آمادہ ہو جائے - لیکن اگر اثنائے قید میں ثابت ہو جائے - کہ واقعی اس کے پاس کچھ نہیں - تو پھر اس کو رہا کر دینے کا حکم ہے - غالباً یہ مفلس قرضہ کے متعلق قید ہوگا - اور اس بنا پر "پس تفحص کرد" سے معلوم ہوتا ہے - کہ قاضی نے آس پاس کے لوگوں سے اس کی حالت افلاس کے متعلق تحقیقات کی ہوگی - تاکہ اس کا افلاس ثابت ہونے پر اسکو قید خانہ سے چھٹی دی جائے - اور دوسرے قیدیوں کو اس کے شر سے نجات دلائی جائے - مگر "کہ نمودند آں شکایت" سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی نے اس کی ان کارستانیوں کے متعلق بھی تحقیقات کی - جو وہ قید خانہ میں کرتا تھا - آخر ان وجوہ سے اس کو قید خانہ سے نکل جانے کا حکم دیا - کیونکہ مفلس گرسنہ چشم

کا بار ناقابل برداشت ہوتا ہے۔ سعدیؒ ؎

گر گدا پیش رو لشکر اسلام بود   کافر از بیم توقع برود تا در چین

گفت خان و مانِ من احسانِ تست   ہمچو کافر جنّتم زندانِ تست

ترجمہ وہ بولا میرا گھر بار تو حضور کا (یہ) احسان (ہی) ہے (کہ مجھے زندان میں رہنے دیں تاکہ لوگوں سے چھین جھپٹ کر پیٹ پالتا رہوں) کافر کی طرح میری بہشت (یہی) قید خانہ ہے۔

مطلب۔ دوسرے مصرعہ کا مضمون صحیح مسلم کی اس حدیث سے ماخوذ ہے۔ جو روایت ابوہریرہؓ مروی ہے کہ الدنیا سجن المؤمن وجنۃ الکافر یعنے دنیا مومن کا قید خانہ ہے۔ اور کافر کے لئے بہشت ہے۔ یعنے اس قید خانہ کی مثال دیتا ہے۔ جس طرح دنیا مومنوں کے لئے قید خانہ ہے۔ اسی طرح یہ قید خانہ نیک لوگوں کے لئے موجب تکلیف ہوگا۔ مگر جس طرح دنیا کافروں کے لئے بہشت ہے۔ اس طرح یہ قید خانہ مجھ بدبخت کے لئے موجب راحت ہے۔

گر ز زندانم برانی تو بر د   خود بمیرم من ز درویشی و کد

ترجمہ اگر حضور مجھے جبراً قید خانہ سے نکال دیں گے۔ تو میں تہیدستی اور مشقت سے مرجاؤں گا۔

ہمچو ابلیسے کہ میگفت اے سلام   رَبِّ اَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامِ

ترجمہ جیسے ابلیس کہتا تھا الٰہی (مجھے قیامت تک مہلت دے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس کا یوں ذکر ہے) رَبِّ اَنْظِرْنِیْ الخ

مطلب۔ دوسرے مصرعہ میں ابلیس کے اس قول کی طرف اشارہ ہے۔ جو قرآن مجید میں مذکور ہے۔ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ یعنے اے میرے پروردگار مجھے روز قیامت تک مہلت دے (سورہ حجر ع ۲)

کاندریں زندانِ دنیا من خوشم   تاکہ دشمن زادگان را مے کُشم

ترجمہ کیونکہ میں اس دنیا کے قید خانہ میں خوش ہوں۔ تاکہ (بنی آدمؑ جو میرے) دشمن (آدمؑ) کی اولاد ہیں ان) کو (روحانی و جسمانی موت سے) ہلاک کرتا رہوں۔

مطلب۔ شیطان نے کہا۔ رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ۔ اے میرے پروردگار جیسے تونے مجھ کو بے راہ کیا ہے۔ میں بھی ضرور ان کو دنیا میں سبز باغ دکھاؤں گا اور ان کو گمراہ کر کے چھوڑوں گا (سورہ حجر ع ۳) گمراہ کرنے سے ان تمام جرائم و آثام پر آمادہ کرنا مراد ہے۔ جن میں قتل چوری۔ زنا۔ مے نوشی۔ رہزنی۔ قمار وغیرہ افعال داخل ہیں۔ اور جن میں جسمانی و روحانی دونوں طرح کی ہلاکت مضمر ہے۔ پس بیت مذکور کے کلمہ مے کشتم میں کشتن کو موت روحانی کے ساتھ مقید کرنا ضروری نہیں۔ جیسے کہ ایک شارح نے کیا ہے۔ کیونکہ قتل ناروا۔ زنا سے اضاعت نطفہ اور اسقاط جنین وغیرہ افعال بھی شیطانی تحریکات سے ہوتے ہیں۔ جو بنی آدم کی موت جسمانی پر مشتمل ہیں۔ اور قابیل کے ہاتھوں ہابیل کا قتل ہونا شیطان کا بنی آدم پر جسمانی ہلاکت کا پہلا وار تھا۔ اور ایسے وار آجکل شب و روز ہوتے ہیں۔ نیز شیطان کے اس قول سے کہ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّیَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِیْلًا

اگر تو مجھ کو قیامت تک مہلت دے۔ تو قدرے قلیل لوگوں کے متعلق تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ البتہ اکثر کی جڑ نہ کاٹ ڈالوں تو کہنا (بنی اسرائیل ع ۷) سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ شیطان کا بنی آدم کو موت روحانی کے ساتھ موت جسمانی کی اذیت پہنچانے میں بھی ہاتھ ہے۔ مولانا روم رحمہ

زانکہ ایں شیطاں عدوِ جانِ تست　　دائما در فکرتِ ایمانِ تست

ہر کہ اورا قوتِ ایمانے بود　　وز برائے زادِ رہ نانے بود

لغات۔ قوت بروزن حوت غذا۔ روزی۔ ایمانے کی یائے مجہول تقلیل کا افادہ کرتی ہے۔

ترجمہ۔ جس شخص کے پاس قدرے قلیل ایمان کی روزی ہو اور سفر (آخرت) کے توشہ کے لئے ایک روٹی بھی ہو۔

مے ستانم گہ بمکر و گہ بہ ریو　　تا برآرند از پشیمانی غریو

لغات۔ ریو۔ مکر۔ فریب۔ غریو۔ شور۔ فریاد۔ فغاں۔

ترجمہ۔ تو میں (اس روزی) اور روٹی کو) کبھی مکر اور کبھی فریب کے ساتھ (ان سے) چھین لونگا۔ حتیٰ کہ وہ پچھتا کر شور (واویلا) کرنے لگیں گے۔

گہ بدرویشی کنم تہدیدشاں　　گہ بزلف و خال بندم دیدشاں

ترجمہ (اور) کبھی ان کو محتاجی سے ڈراؤں گا۔ کبھی زلف و خال (کی عشق بازی) سے ان کی (خدا بینی کی) آنکھیں بند کردوں گا۔

مطلب۔ یہ بیت اس آیت کے مضمون پر مشتمل ہے۔ اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ وَاللّٰہُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَۃً مِّنْہُ وَفَضْلًا ج وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ہ شیطان تم کو محتاجی کے احتمالات میں مبتلا کرتا ہے۔ اور تم کو بے حیائی کی ترغیب دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے بخشش اور فضل کا وعدہ کرتا ہے۔ اور اللہ گنجایش والا اور بڑے علم والا ہے (بقرہ ع ۳۷) شیطان لوگوں کو محتاجی و تنگدستی کے خیال سے فکر و تردد میں اس طرح ڈالتا ہے۔ کہ اگر نماز۔ حج۔ روزہ۔ ترک ربا۔ ادائے زکوٰۃ وغیرہ احکام دین پر عمل کرینگے تو فقر و تنگدستی ستائے گی۔ اور اس سے اس کی غرض محض یہ ہے۔ کہ وہ احکام دین پر عمل کرنا چھوڑ دیں۔ اور دنیا پرستی و دولت طلبی میں مشغول ہو کر طلب حق سے غافل ہو جائیں۔ جیسے آجکل کی نئی روشنی میں جو حقیقۃً ظلمت جہل کا زمانہ ہے اکثر لوگ کہا کرتے ہیں۔ کہ علوم دین کی تحصیل اور ترک سود خواری اور پرہیزگاری بھوکا مرنے کی مترادف ہے۔ اسی لئے مولوی بن کر پیٹ پالنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس خیال سے یہ لوگ احکام دین کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں۔ اور کفار کے علوم و فنون کی تحصیل میں لگ کر دین و مذہب سے بیگانہ اور کفار کے طرز و انداز کے مقلد بن جاتے ہیں۔ اور اپنے آپ کو بوٹ سوٹ۔ ہیٹ۔ کالر۔ ٹائی نکر سے آراستہ کر کے فرنگیانہ روپ میں جلوہ گر کرنا موجب فخر سمجھتے ہیں (ان) لوگوں کا یہ سارا تغیر احوال شیطان کی اسی "تہدید بدرویشی" کے ماتحت عمل میں آتا ہے۔ دوسرے مصرعہ میں شیطان کے امر بالفحشاء کی طرف اشارہ ہے۔ یعنے شیطان جس آدمی کے تباہ کرنے کی تاک میں ہوتا ہے۔ اس کے دل

میں عشق بازی کی آگ لگا دیتا ہے۔ جس کی صورت یہ ہے۔ کہ اگر اتفاقاً کوئی عورت یا لڑکا اس شخص کے سامنے آتا ہے یا اس سے ہمکلام ہونے کا موقع ہوتا ہے۔ تو شیطان اس کے دل میں اس عورت یا لڑکے کے پری جمال و ماہ تمثال ہونے کا نقشہ کچھ اس انداز سے جماتا ہے۔ کہ اس کے دل و دماغ میں پسندیدگی کی ایک بجلی سی کوند جاتی ہے۔ جس کی برقی رَو اس کے تمام قوائے ظاہر و باطن پر مسلط ہو کر اس کو اپنے اس محبوب کے لئے سراپائے اشتیاق بنا دیتی ہے پھر وہ خدا اور اس کے احکام کو بھول جاتا ہے۔ جس کے بعد اگلی منزل بدکاری و رسوائی اور اضاعت مال و خرابی مآل ہے۔ اور اس سے شیطان کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ سعدی رح ؎

آں رہِ دوزخ ست کہ شیطان می‌رود ۔۔۔ بیدار باش تا پئے او راہ نسپری

قوتِ ایمانی دریں زنداں کم ست ۔۔۔ وانچہ ہست از قصدِ ایں سگ در خم ست

ترجمہ ایمان کی روزی (اول تو) اس دنیوی قید خانہ میں کم ہے۔ اور جو کچھ ہے (بھی) وہ اس کتے (شیطان) کی تاک کے سبب سے ہیر پھیر میں پڑی ہوئی ہے۔

مطلب زندان کے لفظ سے دنیا کی تشبیہ اس قید خانہ سے مقصود ہے۔ جس کا قصہ بیان ہو رہا ہے۔ یعنے جس طرح قید خانہ میں اول تو خود ہی اطعمہ و اشربہ کی قلت تھی۔ اور اگر کچھ میسر آتا۔ تو وہ یہ مفلس اڑا لے جاتا۔ یہی حال دنیا میں شیطان کے سبب سے ہے۔ خم (ہیر پھیر) کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کسی بیباک و لقمہ ربا کتے کی چھینا جھپٹی کے خوف سے طعام کو چھپا چھپا کر رکھتے ہیں۔ اور باطمینان و فراغت بیٹھ کر نہیں کھا سکتے۔ اسی طرح سگ شیطان کے سبب سے متاع ایمان ہر وقت خطرہ میں ہے۔ اور اخفا و تحفظ کے خم و پیچ میں پڑا ہوا ہے۔ صائب رح ؎

ابلیس کند راہزنی راہرواں را ۔۔۔ ایں گرگ نظر از گلہ بر سرِ گلہ دارد

از نماز و صوم و صد بیچارگی ۔۔۔ قوتِ ذوق آید برد یکبارگی

ترکیب۔ آید فعل قوت ذوق فاعل اور از نماز الخ متعلق۔ یہ جملہ شرط ہوا۔ برد فعل جس کا فاعل ضمیر راجع بہ شیطان ہے یہ دوسرا جملہ جزا۔

ترجمہ۔ (جب) نماز۔ روزہ اور سینکڑوں عاجزیوں سے (تھوڑی سی) ذوق کی روزی ہاتھ آتی ہے تو شیطان اس کو بھی ایکبارگی اڑا لے جاتا ہے۔

مطلب۔ غریب انسان مر مر کر اعمال کی کھیتی بوتا ہے۔ اور اس کے لئے رات دن محنت کرتا ہے۔ جب اس کی پیداوار سے متمتع ہونے کا وقت آتا ہے۔ تو شیطان فوراً اس کے سارے ثمرات اعمال کو لوٹ لے جاتا ہے۔ اور اس کو تباہ کر جاتا ہے۔ جس کی صورت یہ ہوتی ہے۔ کہ وہ انسان کو کسی ایسی معصیت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ جو حبط اعمال و بطلان ثمرات کا باعث ہوتی ہے۔ آگے اس سے پناہ مانگتے ہیں۔

اَسْتَعِیْذُ اللّٰہَ مِنْ شَیْطَانِہٖ ۔۔۔ قَدْ ھَلَکْنَا آہ مِنْ طُغْیَانِہٖ

ترکیب۔ شیطانہ کی ضمیر مضاف الیہ اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے۔ اور وجہ اضافت یہ کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو پیدا کیا ہے۔ اور انسان کے لئے موجب ابتلا بنایا ہے۔ من طغیانہ متعلق ھلکنا کے یا آہ کے۔ دونوں

طرح ہو سکتا ہے۔ مگر دوسری تقدیر زیادہ اچھی ہے۔

ترجمہ۔ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اسکے (پیدا کئے ہوئے) شیطان سے۔ ہائے رے اسکی تعدی! ہم تو (اس کے ہاتھوں) تباہ ہوگئے۔

یک سگ ست و در ہزاراں مے رود   ہر کہ در وے رفت او آں میشود

صنائع۔ یہ شعر ذوالقافیتین ہے۔

ترجمہ۔ شیطان ایک کتا ہے اور (اکیلا) ہزاروں اشخاص میں گھسا چلا جاتا ہے۔ اور جس میں گھستا ہے وہ بھی وہی (شیطان) بن جاتا ہے

مطلب۔ ایک شیطان کے ہزاروں میں گھس جانے کا یہ مطلب نہیں۔ کہ شیطان کی شخصیت صرف ایک ہے۔ کوئی دوسرا شیطان نہیں ہے۔ بلکہ شیاطین بہت ہیں۔ چنانچہ ہر آدمی کے ساتھ ایک ایک شیطان لگا ہوا ہے۔ کما قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ما منکم من احد الا وقد وکل بہ قرینہ من الجن وقرینہ من الملٰئکۃ یعنے تم میں سے جو شخص بھی ہے اس کے ساتھ ایک ساتھی شیطان اور ایک ساتھی فرشتہ لگا دیا گیا ہے (مشکوٰۃ) ہاں ان سب شیاطین کا سردار ایک ہے۔ جس کا نام ابلیس ہے۔ اور جس کا قصہ حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ وقوع پذیر ہوا تھا۔ پس مطلب یہ ہے۔ کہ گو شیاطین لاکھوں کروڑوں ہیں۔ مگر اسی ایک ابلیس کا عمل ہے جو ہر شخص پر کارگر ہو رہا ہے۔ اور اس کو وہ اپنی اسی ذریت کے ذریعہ سے وقوع میں لاتا ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں ایک اور حدیث ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ابلیس اپنی ذریات کو فساد انگیزی و فتنہ پردازی کے لئے بھیجتا ہے تو جو شیطان سب سے زیادہ فتنہ برپا کرتا ہے۔ وہ اس کا سب سے زیادہ مقرب ہوتا ہے۔ پھر جس جس شیطان نے جو کام کیا ہوتا ہے۔ وہ اس کی رپورٹ پیش کرتا ہے۔ اس سے بھی یہی ثابت ہے۔ کہ دنیا جہان کے سارے فتنے ایک ابلیس ہی کی کارستانی ہے۔

شیطان اور اس کی ذریات کا سلسلہ عمل

دوسرے مصرعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض اشخاص جو شیطانی تاثیرات سے متاثر ہوتے ہیں۔ وہ بھی شیطان بن جاتے ہیں۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا۔ اس طرح ہم نے شریر آدمیوں اور جنوں کو ہر ایک نبی کا دشمن بنا دیا ہے۔ کہ دھوکا دینے کی غرض سے ایک دوسرے کے کان میں چکنی چپڑی باتیں پھونکتے رہتے ہیں (سورہ انعام ع ۱۴) بلکہ انسانی شیطانوں کا فتنہ جناتی شیطانوں سے بھی زیادہ سنگین ہوتا ہے سعدی رح

دیو با مردم نیامیزد مترس   بل بترس از مردمانِ دیو سار

ہر کہ سرد ت کرد میداں کہ دروست   دیو پنہاں گشتہ اندر زیر پوست

ترکیب۔ شعر کے آخری جملہ میں تقدیم و تاخیر ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے۔ دیو درو زیر پوست پنہاں گشتہ است۔

ترجمہ۔ جو (آدمی یا چیز) تم کو (عشق الٰہی یا دینی سرگرمی سے) سرد کر دے۔ تو یاد رکھو کہ اس میں پوست کے نیچے شیطان چھپا ہوا ہے۔

مطلب۔ جس آدمی کی صحبت یا جس چیز کا شوق حق تعالیٰ کی طرف سے غافل کر دے۔ وہ خود شیطان ہے

یا اس میں شیطان پوشیدہ ہے۔ اس کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا۔ کہ وہ ایک کبوتر کے پیچھے جا رہا ہے۔ تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ شَیْطَانٌ یَتْبَعُ شَیْطَانَۃً یعنے یہ شخص ایک شیطان ہے جو شیطان کبوتری کے پیچھے جا رہا ہے (کلید)

چوں نیاید صورت آید در خیال　　تاکشاند آں خیالت در وبال

ترجمہ اگر (شیطان) مجسم (ہوکر سامنے) نہ آئے۔ تو خیال میں آتا ہے۔ تاکہ وہ (گمراہ کن) خیال تم کو (گمراہی کے) وبال میں کھینچے۔

مطلب۔ خیال میں شیطان کے مؤثر و دخیل ہونے پر بہت سی احادیث ناطق ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ ان الشیطان یجری من الانسان مجری الدم۔ یعنے شیطان انسان کی رگ رگ میں پھرتا ہے۔ اور فرمایا۔ یاتی الشیطان احدکم فیقول من خلق کذا من خلق کذا حتے یقول من خلق ربک فاذا بلغہ فلیستعذ باللہ یعنے تم میں کسی شخص کے پاس (اس کے تخیل میں) شیطان آتا ہے۔ تو کہتا ہے اس کو کس نے پیدا کیا۔ اس کو کس نے پیدا کیا یہاں تک کہ کہتا ہے تیرے پروردگار کو کس نے پیدا کیا۔ پس جب اس کو یہ بات پہنچے۔ تو اعوذ باللہ پڑھے (مشکوٰۃ)

از خیالاتِ تو مے آید بلا　　چوں خیالت فاسد آمد جابجا

ترجمہ تیرے (بُرے) خیالات ہی سے بلا نازل ہوتی ہے۔ جبکہ تیرے خیال موقع بموقع بگڑتے رہتے ہیں۔

مطلب جن لوگوں پر شیطان مسلط ہوتا ہے۔ ان کے دل میں ہر موقع پر اور ہر وقت فاسد خیالات پیدا ہوکر انہیں ارتکاب معاصی پر اکساتے رہتے ہیں۔ جن کی آخر شامت پڑتی ہے۔ یا آخرت میں پڑے گی۔ اب ان مواقع کا ذکر فرماتے ہیں۔ جن میں فاسد خیالات باعث معصیت ہوتے ہیں۔ یہ مواقع فی نفسہا برے نہیں ہیں۔ مگر ان میں خیالی کجی باعث گناہ بن جاتی ہے۔

گہ خیالِ فرجہ وگاہے دکان　　گہ خیالِ علم وگاہے خان ومان

ترجمہ۔ کبھی فراخ دستی کا خیال (جو کسب حرام کا موجب بن جاتا ہے) اور کبھی دکان کا (جس میں ماپ تول کا گناہ ہوتا رہتا ہے) کبھی علم کا خیال (جو شہرت یا کسب زر کی نیت سے باعث وبال بنتا ہے) اور کبھی گھر بار کا (جو خدا سے غافل کر دیتا ہے)

گہ خیالِ مکسب وسوداگری　　گہ خیالِ تاجری و داوری

لغات۔ مکسب پیشہ۔ جس سے روزی کمائی جائے۔ داوری عہدہ۔

ترجمہ کبھی پیشے اور سوداگری کا خیال۔ کبھی تاجر کہلانے اور کسی عہدہ (پانے) کا خیال (جبکہ ان کے باعث حق کی طرف سے غفلت پیدا ہوتی ہے)

گہ خیالِ نُقْرہ و فرزند و زن گہ خیالِ بو الفضول و بو الحزن

ترجمہ۔ کبھی روپے کا خیال اور کبھی بیوی بچے کا (اور یہ بھی عذاب ہے غافل کرتا ہے) کبھی (کسی) فضول آدمی کا خیال (جو فضول باتیں سکھاتا ہے) اور کبھی کسی) غمگین کا (خیال جو دل کو پریشان کرتا ہے)

گہ خیالِ کالہ وگاہے قماش گہ خیالِ مفرش وگاہے فراش

ترجمہ کبھی اسباب کا خیال کبھی عمدہ چیزوں کا۔ کبھی اس جگہ کا جہاں فرش بچھاتے ہیں۔ کبھی فرش کا (یہ خیالات بھی باعث تشویشات ہیں)۔

گہ خیالِ آسیا و باغ و راغ گہ خیالِ میغ و ملغ و لیغ و لاغ

لغات۔ راغ جنگل۔ میغ بادل۔ ماغ گھر۔ غبار۔ بخار۔ لیغ بد دل۔ لاغ شوخی صنائع۔ یہ شعر صنعت جمع وتجنیس سے بھرپور ہے۔

ترجمہ۔ کبھی چکّی کا خیال (کہ مل جائے تو آٹا پیسیں) اور (کبھی) باغ کا (کہ جانور نقصان نہ کردیں) اور (کبھی) جنگل (اور کھیتی) کا (کہ دیکھئے پیداوار کیسی ہوتی ہے) کبھی بادل کا خیال (کہ برس جائے تو قحط ٹلے) اور (کبھی) گھر کا (خیال کہ مینہ نہیں تو یہی سہی) اور (کبھی کسی) بد دل آدمی کا (جس سے پالا پڑگیا ہو) اور (کبھی کسی) شوخی کا (جو کسی سے وقوع پاکر باعث رنج ہو۔ اور یہ باتیں بھی طمانیت قلب کے لئے آفت ہیں)۔

گہ خیالِ آشتی و جنگہا گہ خیالِ نامہا و ننگہا

لغات۔ آشتی صلح۔ دوستی۔ خیالِ نامہا نام آوریوں کا خیال۔ ننگ شرم و عار۔

ترجمہ۔ کبھی صلح و دوستی کا خیال (جس میں کبھی خلاف غیرت ہار ماننی یا خوشامد کرنی بھی پڑجاتی ہے) اور (کبھی) لڑائیوں کا (خیال۔ جس سے ظلم و تعدی کا احتمال ہے) کبھی نام آوریوں کا خیال (اور فخر و ریا تو صریح حرام ہے) اور (کبھی) شرم و غیرت کا (خیال۔ کہ یہ بھی بعض اوقات اداے فرائض سے مانع اور کبھی عجب و غرور کا باعث ہوتا ہے)

مطلب۔ غرض یہ مختلف خیالات انسان کو حیرت گاہ عالم کے کونے کونے میں لئے پھرتے ہیں۔ اس لئے اس کو ایک لمحہ کے لئے طمانیت قلب میسر نہیں ہوتی۔ حافظ ؎

این دلِ صد پارۂ من ہیچو اوراقِ خزاں ہر نفس در عالمے ہر دم بجائے دیگرست

ایسی حالت میں نہ عزلت وخلوت مفید ہے۔ نہ طاعت وعبادت میں کچھ لطف سعدی رہ ؎

چو ہر ساعت از تو بجائے رود دل
نہ تنہائی اندر صفائی نہ بینی

ہیں بروں کن از سر ایں تخییلہا ہیں بروب از دل چنیں تبدیلہا

لغات۔ تخییل خیال کرنا۔ بروب امر ہے روفتن صاف کرنا ہے۔

ترجمہ۔ خبردار! (اپنے) سر سے ان (تشویش کن) خیالات کو نکال ڈالو۔ خبردار! (اپنے) دل سے ایسی (باتیں جو عقائد و اعمال میں آنا فانا) تبدیلیاں (ڈال دیں) ہٹا دو۔ جامی رح

دریں رہ حاصلے جز یکدلی نیست دودل بودن بجز بے حاصلی نیست
نہ بنید پستہ یک مغز چنداں چو بادام دو مغز آزار سنداں

ہیں بگو لاحولہا اندر زماں از زباں تنہا نہ بل از عین جاں

ترجمہ۔ خبردار! اسی وقت بار بار لاحول پڑھنی شروع کر دو (تاکہ شیطانی خیالات دور ہو جائیں۔ اور) صرف زبان ہی سے نہیں بلکہ تہ دل سے (پڑھو)

تتمۂ قصہ مفلس زندانی با قاضی

مفلس اور قاضی کے قصے کا بقیہ

گفت قاضی مفلسی را وانما گفت اینک اہل زندانت گوا

ترجمہ (غرض) قاضی صاحب مفلس سے فرماتے تھے تم اپنی مفلسی کو ثابت کرو (اور) وہ کہتا تھا یہ آپ کے اہل زنداں گواہ ہیں۔

مطلب۔ مفلسی کے ثبوت سے مدیون کو قید سے خلاصی مل جاتی ہے۔ مگر یہ مفلس تو قید رہنا پسند کرتا تھا۔ لہذا قاضی اس کی خلاصی کی غرض سے افلاس کا ثبوت نہیں مانگتا تھا۔ بلکہ اس نے جو عذر کیا تھا۔ کہ میں قید خانہ سے نکلا تو افلاس سے بھوکا مر جاؤں گا۔ تو قاضی اس کا ثبوت مانگتا ہے۔ کہ یہ عذر کہاں تک درست ہے۔ مفلس بولا قیدیوں سے پوچھ لو جن کی روٹیاں چھین کر کھا جانا میرا شیوہ ہے۔ کہ میں کس قدر مفلس۔ تہیدست اور بھوکا ہوں۔

گفت ایشاں متہم باشند چوں میگریزند از تو میگریند خوں

ترجمہ۔ قاضی صاحب نے کہا۔ چونکہ یہ لوگ تجھ سے متنفر اور نالاں ہیں۔ (اس لیے) ان پر غرضمندی کی تہمت عائد ہوتی ہے (پس ان کی گواہی مقبول نہیں ہو سکتی)

وز تو میخواہند تا ہم وارہند زیں غرض باطل گواہی میدہند

ترجمہ اور چاہتے ہیں کہ تجھ سے نجات پائیں۔ اس غرض باطل سے گواہی دیتے ہیں۔

مطلب۔ اہل غرض اور قرابت دار کی شہادت مقبول نہیں۔ کیونکہ غرضمند کا مقتضائے غرض اور قرابت دا

کا جذبہ عصبیت حق گوئی سے مانع ہوتا ہے۔ قاضی کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ تم سے سخت دق ہیں۔ لہٰذا ان کو اپنے گواہی دینے میں حق وصواب سے کوئی خاص غرض نہیں ہوگی۔ وہ تو بہرحال وہی گواہی دیں گے۔ جس کی بنا پر تم قیدخانہ سے دفع ہو جاؤ۔ لہٰذا ان کی گواہی معتبر نہیں۔ ممکن ہے کہ تم مالدار ہو۔ اس لئے تمہارا قید رکھنا لازم ہو اور ممکن ہے کہ تم مفلس ہی ہو۔ مگر نہ اسقدر کہ قیدخانہ سے نکل کر اپنے گزارے کے لئے بھی نہ کما سکو۔ لہٰذا تم کو چھوڑ دینا ہی مناسب ہو۔ مگر بطور فیصلہ شرعی نہ کہ قیدیوں کی غرض باطل کے لئے۔

جملہ اہلِ محکمہ گفتند ما ۔۔۔ ہم بر ادبار و بر افلاسش گوا

ترجمہ۔ (اس پر) تمام اہل محکمہ بول اٹھے (کہ) ہم (بھی) اس مفلس کی تباہ حالی اور افلاس پر گواہ ہیں۔ (اس کو قیدخانہ سے نکال دینا ہی بہتر ہے)

ہر کرا پرسید قاضی حالِ او ۔۔۔ گفت مولا دست ازیں مفلس بشو

ترجمہ۔ قاضی صاحب جس سے بھی اس کا حال دریافت کرتے۔ وہ یہی کہتا۔ جناب عالی! اس مفلس سے ہاتھ دھو لیجئے (اس کا یہاں مقید رکھنا بے سود ہے)

گفت قاضی کش بگردانید فاش ۔۔۔ گردِ شہر او مفلس ست و بس قلاش

لغات۔ کش کہ اورا۔ بگردانید بمعنے بگردش آرید ہے نہ کہ بمعنے بکنید۔ قلاش مفلس۔ بے عزت۔ لچا۔ کنگال۔

ترجمہ (قاضی نے) حکم دیا کہ اس کو شہر کے گرد (تمام گلی کوچوں میں) علانیہ پھراؤ (اور منادی کرو کہ) وہ مفلس ہے اور نہایت کنگال ہے۔

کو بکو او را منادی ہا کنید ۔۔۔ طبلِ افلاسش بہر جا بر زنید

ترجمہ۔ گلی گلی میں منادی پر منادی کردو۔ اور اس کے افلاس کا ڈھنڈورا ہر جگہ پیٹ دو۔

ہیچکس نسیہ نہ بفروشد بدو ۔۔۔ قرض ندہد ہیچکس او را تسو

لغات۔ نسیہ اُدھار۔ قرض۔ تسو چار جو کی مقدار۔ یک نیم حبّہ۔

ترجمہ (کہ) کوئی شخص اس کے ہاتھ اُدھار (سودا) فروخت نہ کرے (اور) کوئی اس کو چار جو برابر بھی قرض نہ دے۔

ہر کہ دعوےٰ آردش اینجا بفن ۔۔۔ ہیچ زندانش نخواہم کرد من

لغات۔ فن حیلہ۔ چالاکی۔ ہوشیاری۔ ہیچ ہرگز۔ قطعی۔ بالکل۔

ترجمہ۔ جو شخص (اس منادی کے باوجود بطور تجاہل) چالاکی سے اسکے خلاف دعوےٰ یہاں (محکمہ قضا میں) دائر کریگا (تو اس کے دعوے کی بنا پر) میں اس (مفلس) کو ہرگز قید نہیں کرونگا۔

پیش من افلاسِ او ثابت شد است نقد و کالانیستش چیزے بدست

ترجمہ۔ کیونکہ ہمارے روبرو اس کا افلاس ثابت ہوچکا ہے۔ نقد و جنس وغیرہ اس کے پاس کچھ نہیں۔ (لہذا اسکو مقید کرنا لاحاصل ہے)

آدمی در حبسِ دُنیا زاں بود تا بود کافلاسِ او ثابت شود

ترجمہ۔ آدمی بھی دنیا کے قید خانے میں اسی لئے مقید ہوتا ہے۔ کہ شاید اس کا افلاس ثابت ہوجائے۔

مطلب۔ یہاں تمثیلاً ایک نصیحت فرماتے ہیں۔ یعنے جس طرح مدیون کو جیل میں اس لئے رکھا جاتا ہے۔ کہ قید سے تنگ آکر قرض ادا کر دے۔ اور اس سے اس کا مالدار ہونا ثابت ہوجائے یا جب وہ باوجود تکالیف قید کے کچھ ادا نہ کرے گا۔ تو اس کا مفلس و تہیدست ہونا پایہ ثبوت کو پہنچ جائے گا۔ اسی طرح انسان کو دنیا کے جیل میں اسی لئے مقید کیا گیا ہے۔ کہ یہ بات ازروئے دلیل ظاہر ہوجائے۔ کہ وہ دولت دین سے مالامال ہے۔ یا وہ اس دولت سے تہیدست و بدحال ہے۔ تاکہ اس کے بعد اس کی حالت دینی کے مطابق سلوک کیا جائے۔ يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ ج فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ ۝ فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ ۝ جب وہ دن آپہنچے تو کوئی شخص بے حکم بات تک نہ کرسکیگا پھر بعض بدبخت اور بعض نیک بخت ہونگے۔ ترجمہ بدبخت ہیں وہ دوزخ میں ہونگے۔ وہاں کو چلانا اور دھاڑنا ہوگا۔ پھر ایک آیت کے بعد اگلی آیت یہ ہے۔ وَأَمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِينَ فِيهَا الآیہ۔ اور جو لوگ نیک بخت ہیں تو وہ بہشت میں ہونگے برابر اسی میں رہیں گے الخ (ہود ع ۹) گو حق تعالیٰ کو اس کے سعید و شقی ہونے کا پہلے سے علم ہے۔ اور وہ اپنے علم کی بنا پر اس کے ساتھ حسب استحقاق سلوک کرسکتا تھا۔ مگر اس نے اپنے علم پر اس لئے اکتفا نہیں کیا۔ کہ کسی کو پھر یہ عذر کرنے کا موقع نہ ملے۔ کہ مجھے دنیا میں بھیجکر تو دیکھ لیا ہوتا کہ کس قدر نیک اعمال کرتا ہوں۔

مُفلسی دیو را یزدانِ ما ہم منادی کرد در قُرآنِ ما

ترجمہ (اسی طرح) ہمارے خداوند پاک نے شیطان کی مفلسی کی بھی ہمارے قرآن مجید میں منادی کردی ہے۔

کو دغا و مُفلس ست و بدسخن ہیچ با او شرکت و سودا مکن

ترجمہ کہ وہ شیطان (سراپا ہے) دغا (یعنے پورا دغا باز) کنگال اور بدکلام ہے۔ اس کے ساتھ ہرگز (کسی قسم کی) شراکت اور سودا نہ کرو۔

مطلب۔ قرآن مجید میں جابجا یہ منادی آئی ہے۔ جیسے کہ اللہ فرماتا ہے۔ أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يٰبَنِيٓ اٰدَمَ أَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ ج إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ۝ اے بنی آدم کیا میں نے تم کو پہلے سے نہیں کہدیا تھا۔ کہ شیطان کی پوجا نہ کرنا وہ تمہارا کھلا دشمن ہے (یٰس ع ۴)

ور کُنی او را بہانہ آوری ۔۔۔ مُفلِس ست و صرفہ از وے کے بری

لغات۔ صرفہ خرچ میں کفایت ملحوظ رکھنا۔ فائدہ اور نفع اٹھانا۔ یہاں صرفہ سے زر ڈگری مراد ہے۔

ترجمہ۔ اور اگر (اس کے ساتھ معاملہ) کروگے تو (اس کے لئے آخرت کی عدالت میں اس) بہانہ کا موقع پیدا کر دوگے (کہ) وہ مُفلس ہے (کچھ ادا نہیں کر سکتا) اور (پھر نالش کر کے) اس سے (خرچہ اور) زر ڈگری کیونکر وصول کروگے۔

مطلب۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَیَوْمَ یَقُوْلُ نَادُوْا شُرَکَاءِیَ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَیْنَهُمْ مَّوْبِقًا ۝ اور جس روز اللہ تعالیٰ (کافروں سے) فرمائیگا۔ کہ جن شیاطین وغیرہ کو تم میرا شریک سمجھا کرتے تھے۔ ان کو پکارو تا۔ (کہ وہ تمہاری کچھ مدد کریں) پھر وہ ان کو پکاریں گے۔ تو وہ جواب نہیں دیں گے (یعنے وہ مدد و اعانت کرنے بلکہ جواب تک دینے سے مفلس ہوں گے) اور ہم ان کے مابین ایک ہلاکت کی آڑ قائم کردیں گے (کہف ع ۷)

حاضر آوردند چوں فتنہ فروخت ۔۔۔ اُشتر کُردے کہ ہیزم میفروخت

لغات۔ فروخت افروخت باسقاطِ الف ہے۔ کُرد ایک صحرا نشین قوم کا نام ہے۔ صنائع فروخت بمعنے روشن و مشتعل شد اور فروخت بمعنے بیع کردن میں تجنیس تام ہے۔

ترجمہ جب (اس مفلس کی مفلسی کا) فتنہ (اور چرچا خوب) بھڑک اٹھا۔ تو ایک کُرد کا اونٹ (پکڑ کر) لے آئے۔ جو لکڑیاں (اونٹ پر لاد کر) فروخت کیا کرتا تھا۔

کُرد بیچارہ بسے فریاد کرد ۔۔۔ ہم مُوَکَّل را بدانگے شاد کرد

لغات۔ مُوَکَّل جس کو کوئی کام سپرد کیا جائے۔ کارندہ۔ مراد سپاہی۔ دانگ ۶ رتی کا وزن اور ایک چھوٹا سکہ۔

ترجمہ۔ کرد بیچارہ بہت چلاتا رہا (کہ مجھے اس بیگار سے معاف رکھو حتیٰ کہ) اس (غریب) نے سپاہی کو بھی دو چار پیسے (بطور رشوت) دے کر خوش (کرنے کا قصد) کیا (مگر اس کی کون مانتا تھا)

اُشترش بُردند از ہنگام چاشت ۔۔۔ تا شب و افغانِ او سُودے نداشت

ترجمہ (چنانچہ) اس کا اونٹ پہر دن چڑھے سے رات تک (کے لئے) لے گئے۔ اور اس کی چیخ پکار کا کچھ اثر نہ ہوا۔

بر شتر بنشست آں قحطِ گراں ۔۔۔ صاحبِ اشتر پَئے اشتر دواں

ترجمہ۔ وہ مفلس جو لوگوں کے لئے آفت ہونے کے لحاظ سے بمنزلہ قحط عظیم (تھا) اونٹ پر بیٹھ گیا (اور) اونٹ والا اونٹ کے پیچھے پیچھے دوڑتا جاتا تھا۔

سُو بسُو و کُو بکُو مے تاختند — تا ہمہ شہرش عیاں بشناختند

ترجمہ ہر طرف گلی گلی دوڑتے (اور منادی کرتے) پھرتے تھے۔ یہاں تک کہ تمام (اہل) شہر نے اس کو نمایاں طور پر پہچان لیا (کہ یہ مفلس دقلاش و ناقابل معاملہ ہے)

پیش ہر حمّام و ہر بازارگہ — کردہ مردم جُملہ در شکلش نگہ

ترجمہ ہر حمام اور بازار کے مقام میں لوگوں نے اس کی صورت پر نظر کی (اس لئے سب اس سے مطلع ہو گئے)

دہ منادی گر بلند آوازیاں — تُرک و کُرد و رُومیان و تازیاں

ترجمہ دس منادی کرنیوالے بلند آواز (جن میں) ترک۔ کرد۔ رومی اور عرب (شامل تھے۔ منادی کرتے جاتے تھے)

جُملگاں آوازہا برداشتہ — کایں ہمہ تخمِ جفاہا کاشتہ

ترجمہ۔ یہ سب (بہ آوازِ بلند (اعلان) کرتے تھے۔ کہ اس مفلس نے سر بسر بدمعاملگیوں کا بیج بویا ہے۔

بینوائے۔ بداوائے۔ بے وفا — ناں رُبائے۔ نرگدائے۔ بے حیا

لغات۔ بداوا قرض اور دیگر حقوق کی ادائگی میں بدمعاملہ۔ نر بڑا۔ بھاری۔ بڑا صناعہ۔ یہ شعر صنعت جمع و تنسیق صفات اور ترصیع وغیرہ مختلف خوبیوں کے لحاظ سے سلک جواہر سے کم نہیں۔

ترجمہ۔ (یہ مفلس) ایک بے سروسامان (آدمی) ہے۔ لین دین میں بدمعاملہ ہے۔ روٹی چھین لے جانیوالا ہے۔ بڑا بھکاری ہے (ساتھ ہی) بے حیا (بھی) ہے۔

مُفلس ست و او ندارد ہیچ چیز — قرض تا ندہد کسے او را پشیز

لغات۔ تا یہاں حرف تنبیہ کی حیثیت سے آیا ہے۔ پشیز پیسہ۔ دھیلا۔ دمڑی وغیرہ تانبے کا سکہ۔

ترجمہ۔ وہ مفلس ہے۔ اور اس کے پاس کچھ نہیں۔ خبردار! کوئی اس کو دھیلا قرض نہ دے۔ (ورنہ اس کی واپسی کی امید نہ رکھے)

ظاہر و باطن ندارد حبّہ — مُفلسے قلبے دغاے دُبّہ

لغات حبّہ دانہ۔ رتی۔ رتی بھر سونا یا چاندی۔ قلب کھوٹی چاندی۔ کھوٹا سکہ۔ دبّہ بفتح دال ہتی کا دھیر بضم دال پھیپھی یعنی مادہ ریچھ۔

ترجمہ۔ باہر اندر ایک دانہ بھی اس کے پاس نہیں ہے (وہ) ایک مفلس (ہے) کھوٹا (ہے مجسم) دغا (یعنے بڑا دغاباز) ہے (ناکارہ پن میں) مٹی کا ڈھیر (یا شرارت میں رکھپنی)

ہاں وہاں بااو حریفی کم کنید　　　چونکہ کاز آرد گرہ محکم زنید

لغات۔ حریفی شرکت معاملہ۔ حریف بمعنے شریک و مقابل اور یائے مصدری ہے۔ کاز قینچی۔ گرہ گٹ کا اوزار۔
ترجمہ۔ خبردار! خبردار! اس کے ساتھ معاملہ نہ کرو۔ چونکہ (وہ گرہ کاٹنے کی غرض سے) قینچی لئے پھرتا ہے (اس لئے) اپنی گرہ مضبوط رکھو۔
مطلب۔ یا تو واقعی وہ مفلس گٹھ کترا بھی ہوگا۔ اور افلاس و ناداری عموماً ایسے فن سکھا دیتی ہے۔ یا یہ بات بطور استعارہ کہی گئی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس مفلس کی زبان جب خوشامد اور منت سماجت پر آتی ہے۔ تو اپنے اثر سے لوگوں کی گرہ اور جیب کے لئے قینچی کا کام کر جاتی ہے۔ جس کا ثبوت آگے ایک شعر میں خوش دم سے بھی ملتا ہے۔ اور وہ اسے قرض دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ لہذا اب ہر شخص محتاط رہے۔ اور اس کو قرض نہ دے۔

ور بحکم آرید ایں پژمردہ را　　　من نخواہم کرد زنداں مردہ را

ترجمہ۔ اور اگر تم اس ادھ موئے (شخص) کو محکمہ (قضا) میں لاؤگے۔ تو میں اس مردے (سے مشابہ شخص) کو قید نہیں کرونگا۔

خوش دم است و او گلویش بس فراخ　　　با شعار نو، دثار شاخ شاخ

لغات۔ خوش دم چرب زبان۔ باتونی۔ شعار ابرہ۔ اوپر کا کپڑا۔ دثار استر۔ نیچے کا کپڑا۔
ترجمہ۔ وہ بڑا چرب زبان ہے (باتوں سے لوگوں کے من موہ لیتا ہے) اور اس کا گلا فراخ ہے (سب کچھ ہڑپ کر جاتا ہے) اس کا ظاہر تازہ بتازہ ہے اور باطن پھٹا پرانا ہے (یعنے ظاہر آراستہ و باطن خراب) کما قیل ؎

بر وے گرم ایں خوش ظاہراں باید تسلی شد　　　کہ غیر از پوست مغزے نیست چوب دارچینی را

گر بپوشد بہر مکر آں جامہ را　　　عاریہ ست او تا فریبد عامہ را

ترکیب۔ آں کا مشار الیہ کس محذوف ہے۔ جامہ اسکا مشار الیہ نہیں۔ جیسے کہ ایک شارح نے غلطی سے سمجھا ہے
ترجمہ۔ اگر وہ (شخص لوگوں کو) فریب (دینے) کے لئے (کوئی عمدہ) لباس زیب تن کرتا ہے۔ تو (سمجھو کسی سے) مانگ لایا ہے۔ تاکہ (اپنی ظاہری سج دھج سے) عام لوگوں کو دھوکا دے۔ صائبؒ ؎

جلوہ کردن در لباس عاریت دون ہمتی ست　　　جامۂ کز تن بروں آید بآں نازاں مشو

حرف حکمت بر زبان ناحکیم　　　حلہائے عاریت داں اے سلیم

لغات۔ ناحکیم فن حکمت سے عاری۔ غیر دانشمند۔ حلہ اعلیٰ پوشاک۔ خلعت۔ سلیم سلامت رہنے والا بھولا بھالا

ترجمہ۔ اے بھولے بھالے (عزیز!) ایک غیر دانشمند آدمی کی زبان پر دانائی کی بات آ جائے تو اس کو ایسی سمجھو جیسے مانگی ہوئی پوشاکیں (کسی نے پہن رکھی ہوں۔ اسی طرح یہ شخص اس بات کو کسی سے سن سنا کر نقل کر رہا ہے)

مطلب۔ ایسی باتوں میں پائیدار روشنی نہیں ہوتی۔ صائبؒ ؎

زنور عاریت بگذر کہ شمع ماہ تاباں را | اگر صد بار روشن میکنی خاموش میگردد

گرچہ دزدے جامۂ پوشیدہ است | دست تو چوں گیر دآں ببریدہ است

ترجمہ اگرچہ ایک چور نے (دراز آستین) قمیص پہن رکھی ہے (مگر جب تم سے مصافحہ کرنے کا موقع ہوا تو وہ تمہارا ہاتھ کیونکر پکڑے۔ وہ تو کٹا ہوا ہے۔

مطلب۔ چور کا ہاتھ شرع کے حکم سے چوری کی سزا میں کاٹ دیا جاتا ہے۔ وہ کٹے ہوئے ہاتھ کو آستین میں چھپا کر اپنے آپ کو تندرست ہاتھوں والا نمایاں کر سکتا ہے۔ مگر مصافحہ کے وقت یہ بھید کھل جاتا ہے۔ اس طرح ایک جاہل و ناداں اقوال حکما اور ابیات شعرا یاد کر کے اس نمائشی علم میں اپنے جہل و نادانی کو چھپا لیتا ہے۔ مگر جب کوئی علمی معرکہ آن پڑتا ہے۔ تو اس کے علم کی قلعی کھل جاتی ہے صائبؒ ؎

از دو حرف قالبی کز دیگراں آموختہ است | دعوی گفتار بر طوطی مسلم کے شود

جامی رہ ؎ زہر جا جمع کردی چند بیتے | بدیوانت نہ بینم غیر زیں ہیچ

چوں شبانگہ از شتر آمد بزیر | گرد گفتش منزلم دورست و دیر

بر نشستی اشترم را از پگاہ | جو رہا کردم کم از اخراج کاہ

لغات۔ شبانگہ رات کا وقت۔ منزل گھر۔ پگاہ۔ صبح۔ رہا معاف اخراج خرچ۔

ترجمہ۔ جب رات کے وقت وہ (مفلس) اونٹ سے اترا۔ تو کرد نے (جس کو سپاہیوں سے تو کچھ ملنے کی توقع نہ تھی۔) اس سے کہا (بھائی صاحب!) میرا گھر دور ہے۔ اور (بڑی) دیر (ہو چکی ہے لہٰذا اب اس جگہ اونٹ کے دانہ چارہ کی فکر کرنی ہو گی) تم صبح سے میرے اونٹ پر چڑھے پھرتے رہے (پس اتنی امداد کرنا تمہارا فرض ہے۔ چلو خیر) میں نے دانہ تم کو معاف کیا۔ کم از کم گھاس کا خرچ تو (عطا) ہو۔

گفت تا اکنوں چہ میکردیم پس | ہوش تو کو؟ نیست اندر خانہ کس؟

ترجمہ (مفلس نے) کہا (ارے بھلے مانس!) تو اب تک ہم کیا کر رہے تھے۔ تمہارے ہوش و حواس کیا ہوئے؟ تمہارے خانۂ دماغ میں کچھ عقل ہے کہ نہیں؟

مطلب نیست اندر خانہ کس کے معنے گھر میں کوئی لائق آدمی نہیں۔ یعنی دروازہ پر جتنا چاہو چیختے چلاتے رہو مگر گھر کے اندر کوئی سننے سمجھنے اور جواب دینے والا نہیں۔ اگر کوئی انسان اندر موجود ہے بھی تو اس سے جواب

کی توقع رکھنا ایسا ہی ہے جیسے دیوار سے۔ یہ محاورہ اس شخص کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ جس پر کوئی نیک بات اور مفید نصیحت اثر نہ کرے۔ سعدی رح

آنرا کہ عقل وہمت وتدبیر ورائے نیست　　خوش گفت پردہ دار کس درسرائے نیست

چرخ افلاسم شنید اے پُر طمع　　تو نہ بشنیدی بگوشِ بے لمع

لغات۔ لمع نور۔ روشن۔ یہاں وہ قوت سماعت مراد ہے۔ جس سے حق شناسی پیدا ہو۔ جو ظاہری حِس سماعت سے ایک جداگانہ چیز ہے۔ جیسے کفار کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اور ان کے کان ہیں۔ جن سے وہ سننے کا کام نہیں لیتے۔ حالانکہ ان کے کانوں میں ظاہری شنوائی کی قوت موجود تھی۔

ترجمہ۔ اے لالچی آدمی! آسمان تک نے تو میرے افلاس کا حال سن لیا (مگر) تو ایسے کان سے (کیونکر سنتا) جس میں (سمع قبول کا) نور نہیں ہے (چنانچہ) نہ سن سکا۔

طبلِ افلاسم بچرخِ سابعہ　　رفت وتو نشنیدۂ ایں واقعہ

لغات۔ طبل ڈھول۔ نقارہ۔ ڈھنڈورہ۔ سابعہ ساتواں۔

ترجمہ۔ میری مفلسی کا ڈھنڈورا ساتویں آسمان تک پہنچ چکا ہے۔ اور تو نے ابھی تک یہ واقعہ نہیں سنا۔

گوشِ تو پر بُودہ است از طمعِ خام　　پس طمع کر میکند گوش اے غلام

ترجمہ۔ (اور سنتا کیونکر؟) تیرا کان تو بیہودہ لالچ (کے میل) سے پُر ہے۔ پھر اے عزیز! یہ بھی یاد رکھ کہ لالچ کان کو بہرا کر دیتا ہے (اس لئے وہ سچی بات سُن نہیں سکتا)

تا کلوخ وسنگ بشنید ایں بیاں　　مُفلس ست ومُفلس ست ایں قلتباں

ترجمہ حتےٰ کہ ڈھیلے اور پتھر تک نے تو یہ تذکرہ سُن لیا۔ کہ یہ بھڑوا مفلس ہے۔ مفلس ہے۔

تا بہ شب گفتند وبرصاحب شُتر　　بر نزد کو از طمع پُر بود پُر

ترجمہ۔ وہ (منادی کرنے والے) رات تک تو یہی بات رٹتے رہے اور (لطف یہ کہ) اونٹ والے پر اس کا (خاک بھی) اثر نہ ہوا۔ کیونکہ وہ طمع سے لبالب پُر تھا۔

ہست بر سمع وبصر مُہرِ خُدا　　در حُجب بس صُورت ست وبس صدا

لغات۔ حجب بضم حا وجیم جمع حجاب پردے۔ بس بہت۔

ترجمہ۔ کان اور آنکھ پر خدا کی (طرف سے) مہر لگی ہوتی ہے۔ بہت سی صورتیں اور بہت سی

آوازیں حجابات میں ہوتی ہیں۔ جن کو خدا کی مشیت کے بغیر دیکھ اور سن نہیں سکتے۔

مطلب۔ جیسے کفار کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔ ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے۔ اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہے۔ اور آخرت میں ان کو بڑا عذاب ہوگا۔ (بقرہ ع ۱) یہ ان لوگوں کا ذکر ہے۔ جو دنیوی اغراض کے انہماک میں اپنی حق شناسی کی قوت کو معطل کر لیتے ہیں۔ اور ادراک حقائق اور حصول ہدایت سے محروم رہتے ہیں صائبؒ ؎

سیلیِ مرگ بعقبے نکند مارا رُو — ایں چنیں کز تہ دل رُوے بدنیا کردیم

گر شعر بالا میں یہ مراد ہے کہ ہر آنکھ اور ہر کان کی قوت ادراک مشیت حق کے ماتحت اپنا کام کرتی ہے

آنچہ او خواہد رساند ایں بچشم — از جمال و از کمال و از کرشم

ترجمہ۔ (پھر) وہ جس جمال و کمال اور کرشمہ کو چاہتا ہے اس کو آنکھ تک پہنچا دیتا ہے (اور وہ اس کو دیکھ لیتی ہے)۔

وانچہ او خواہد رساند و بگوش — از سماع و از بشارت وز خروش

ترجمہ۔ اور وہ جس قوالی اور خوشخبری اور (عام) شور (وغوغا) کو چاہتا ہے کان تک پہنچا دیتا ہے (اور وہ اس کو سن لیتا ہے)

مطلب۔ صاحب کلید فرماتے ہیں۔ کہ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ سمع و بصر خود کچھ سن اور دیکھ نہیں سکتے۔ بلکہ خداوند کریم جس کان کو چاہے۔ حق بات سنا دے۔ جس آنکھ کو چاہے حقائق دکھا دے۔ اور جس کو چاہے محروم کر دے۔ اور اگر اپنے اختیار میں ہوتا۔ تو پھر کفار بھی انبیاء کو کیوں نہ مان لیتے۔ بلکہ بعض لوگوں نے تو آیہ تَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ (تم ان کو اپنی طرف نظر کرتے دیکھتے ہو حالانکہ وہ دیکھتے نہیں) کی یہ تفسیر کی ہے کہ کافروں کو خود حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک نظر ہی نہیں آتی تھی۔ پس اگر اس آیت کی یہ تفسیر لیجائے تو پھر "در حجب بس صورت و بس صداسے" کے معنے صاف ہیں۔ کہ ان کو حقیقۃً وہ صورتیں اور آوازیں دکھائی اور سنائی دیتی ہی نہیں۔ پس معلوم ہوا۔ کہ جب تک حق تعالےٰ بصیرت اور سمع قبول عطا نہ فرمائیں۔ اس وقت تک کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ اور انسان کے اختیار میں کچھ بھی نہیں۔ انتہیٰ۔ یہ بیان اگرچہ فی الحقیقت درست ہے۔ مگر اس کے الفاظ کسی حد تک ناظر الی الجبر ہیں۔ خصوصاً یہ آخری فقرہ کہ انسان کے اختیار میں کچھ بھی نہیں۔ اس مسئلہ کی تشریح اسی انداز سے ہونی چاہیئے جس طرح آیہ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا کی تفسیر کی جاتی ہے۔ یعنے یہ جو فرمایا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ کسی کو گمراہ کرتا ہے اور کسی کو ہدایت کرتا ہے۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ کچھ یکساں حیثیت اور یکساں صلاحیت کے لوگوں میں سے کسی کو خواہ مخواہ گمراہ بنا دیتا ہے۔ اور کسی کو بلاوجہ ہدایت دے دیتا ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے۔ کہ یہ لوگ خود اپنے اختیار اور ارادہ سے اپنے آپ کو حق کی طرف مائل یا حق سے دُور کر لیتے ہیں۔ پھر چونکہ اہل حق اور اہل باطل کا اختلاط مضرا اور خلاف مصالح ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے۔ کہ اہل حق کی ہدایت اور اہل باطل کی گمراہی نمایاں ہو جاتی ہے۔ اور اس مطلب کی تائید آیت کا اگلا حصہ کر رہا ہے۔ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ الخ یعنے

یہ گمراہ کرنے کا عمل انہی لوگوں پر وقوع پاتا ہے۔ جو پہلے ہی فاسق اور خدائی عہد کے برخلاف چلنے والے ہیں۔ گویا ان کے یہ بُرے عقائد و اعمال جو انہوں نے خود اختیار کر رکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے نمایاں اور ظاہر ہو جاتے ہیں۔ نہ یہ کہ ان کو ناحق و بے گناہ گمراہی کے گڑھے میں گرایا جاتا ہے۔ جو جبریہ کا عقیدہ ہے۔ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے ترجمے پر یہ حاشیہ تحریر فرماتے ہیں۔ یعنے اہل حق اور اہل باطل میں تمیز تام منظور ہے جو نہایت مفید اور ضروری ہے۔

پس ہر دو شعر کا صحیح مطلب یہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ جس کو جیسی بات سنوانی اور جیسی چیز دکھلانی چاہتا ہے۔ سنوا اور دکھلا دیتا ہے۔ اور ہر شخص کو وہی بات اور وہی چیز سنواتا اور دکھلاتا ہے۔ جس کے وہ قابل ہوتا ہے۔ اور جس کی کہ اس میں مناسبت ہوتی ہے۔ کما قیل ؎

قسمت کیا ہر چیز کو قسام ازل نے ۔۔۔ جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا
بلبل کو دیا نالہ تو پروانہ کو جلنا ۔۔۔ غم مجھ کو دیا سب سے جو مشکل نظر آیا

گرچہ ہستی تو کنوں غافل ازاں ۔۔۔ وقتِ حاجت حق کند او را عیاں

ترجمہ۔ اگرچہ تم ان (صورتوں اور آوازوں) سے (جو حق کی طرف سے آئی ہیں) اس وقت غافل ہو۔ لیکن حق تعالیٰ (بروز قیامت) جب اس کی ضرورت ہوگی (تم پر) ان کو عیاں کر دیگا۔

مطلب۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ یَوْمَ تَجِدُ کُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَیْنَهَا وَبَیْنَهٗٓ اَمَدًا بَعِیْدًا ؕ "جس دن ہر شخص جو بھلائی یا بُرائی اس نے کی ہے اپنے سامنے موجود پائے گا۔ آرزو کرے گا کاش یہ دن اس سے بہت دُور رہتا (آل عمران ع ۳) غرض قیامت کے روز ساری باتیں ظاہر ہو جائیں گی۔ کہ کون کون سی حق تھیں کون سی باطل۔ اس پر یہ عذر پیش ہو سکتا ہے۔ کہ یہ انکشاف تو آخرت ہی میں ہوگا۔ دنیا میں کسی کو کیا معلوم کونسا امر حق ہے کونسا باطل۔ کونسی بات اچھی ہے کونسی بُری۔ پھر لوگوں کا کیا قصور۔ یہ بیچارے تو اندھے ہیں۔ جدھر رُخ ہوا چل پڑے۔ نیچے اس کا جواب دیتے ہیں۔

گفت پیغمبر کہ یزدانِ مجید ۔۔۔ از پئے ہر درد درماں آفرید

ترجمہ۔ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ خداوند جل و علا نے ہر درد کی دوا پیدا کی ہے۔

مطلب۔ یہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہے۔ جو مشکوٰۃ شریف میں مندرج ہے کہ فرمایا جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ دَاءً اِلَّا اَنْزَلَ لَهٗ شِفَآءً یعنے اللہ تعالےٰ نے جو بیماری پیدا کی ہے اس کے لئے دوا بھی نازل فرمائی ہے۔ اور مقصد اس کے ایراد سے یہ ہے کہ تم لوگ دنیا میں حق و باطل۔ نیکی و بدی۔ طاعت و معصیت میں امتیاز محسوس نہیں ہوتا۔ تو اس جہل و نادانی کے مرض کی دوا اتباع انبیاء ہے۔ اس کو اختیار کرو۔ سعدی رح ؎

اگر تو علم آموزی بدیوانِ محمد رد ۔۔۔ کہ بوجہل آں بود کز خود بدانش بوالحکم گردد

مگر اس سعی و جہد کے ساتھ جو طلب حق میں کی جائے۔ بھروسہ حق تعالیٰ پر ہی ہونا چاہیئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

گرچہ درماں جوئی و گوئی بجاں | کائے خداوند زمانِ کارِمن رساں
لیک آں درماں نہ بینی رنگ و بُو | بہرِ دردِ خویش بے فرمانِ اُو

ترجمہ۔ اگرچہ تم (اپنے مرض جہل کے لئے اتباع رسولؐ کی) دوا تلاش کرو۔ اور تہِ دل سے دعا کرو کہ الٰہی میرے کام کی تدبیر فرما دے۔ مگر (یاد رکھو کہ) اس کے حکم کے بغیر اپنے درد کے لئے اس دوا کا رنگ و بو بھی نہ پاسکو گے۔

مطلب تمام امور اسی کے حکم سے وقوع پاتے ہیں۔ نظامی رحؒ

زمیں نا وردتا نگوئی بیار | ہنا رد ہوا تا نگوئی ببار

فائدہ جلیلہ۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ دعا کا قبول ہونا متوقع ہے۔ تو کبھی اس کے قبول نہ ہونے کا بھی احتمال ہے۔ ہرچند کہ قرآن و حدیث میں استجابت دعا کی پوری پوری توثیق ہوتی ہے۔ چنانچہ آیت اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ اور حدیث لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ اِلَّا الدُّعَاءُ اس پر شاہد ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ ہر دعا ہر زبان سے اور ہر حالت میں قبول ہو جانی ضروری ہے۔ بلکہ بندہ کے دعا کرنے کے بعد پھر اس کی قبولیت کے لئے مشیت ربانی کا تعلق بھی ضروری ہے۔ حضور قلب اور کمال خلوص کے بغیر جو دعا کی جائے۔ اس کا تو یہاں ذکر نہیں۔ اس کا قبول نہ ہونا ظاہر ہے۔ حسب ارشاد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کہ واعلموا ان اللہ لا یستجیب الدعاء من قلب غافلٍ اور یاد رکھو کہ اللہ غافل دل کی دعا قبول نہیں کرتا (مشکوٰۃ) بلکہ یہاں مقصود یہ ہے۔ کہ ممکن ہے کہ ایک مومن متقی کمال خلوص سے حضوری قلب سے اور تضرع و ابتہال سے ایک امر ببلرح یا حسن کے لئے دعا کرے اور وہ قبول نہ ہو۔ تو اس کی وجہ یہ سمجھنی چاہیئے۔ کہ مشیّت ربّانی اس کی قبولیّت کی مقتضی نہیں۔ اور مشیّت ربانی کیوں اس کی قبولیت کی مقتضی نہیں۔ شاید اس لئے کہ حکمت الٰہیہ اس کے خلاف ہو۔ یا ممکن ہے دعا کرنے والا کسی وجہ خاص سے قبولیت دعا کے انعام کا مستحق نہ ہو۔ یہ بھی احتمال ہے۔ قبولیت کا ظہور کسی دوسرے وقت پر موقت ہو چکا ہو۔ جس میں ابھی دیر ہو۔ یہ بھی بعید نہیں۔ کہ بندہ اپنے قصور علم سے ایک مضر امر کو اپنے لئے مفید سمجھ کر اس کا خواہاں ہو۔ اور خداوند تعالیٰ کا رحم و کرم بندے کو اس مضر امر سے بچانے کا مقتضی ہو۔ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لئے بُری ہو۔ اس لئے حق تعالیٰ اس کی دعا کو قبول نہ فرمائے۔ اور یہ عدم قبول بھی ایک طرح کی قبولیت ہے۔ کیونکہ بندہ اپنی بہتری کے لئے دعا کرتا ہے۔ اور اس کی بہتری یہی ہے۔ کہ جو کچھ مانگتا ہے وہ اس کو نہ دیا جائے۔ غرض ایسی بہت سی تقادیر ہیں۔ جن میں دعا کا اس رنگ میں جس میں مانگی جائے۔ قبول نہ ہونا ممکن ہے۔ اور اس سے قبولیت دعا کے وعدہ کا خلف لازم نہیں آتا۔ ہاں یہ بھی ملحوظ رہے۔ کہ ممکن ہے کہ دعا کی قبولیت کسی اور احسن صورت میں ظہور پا چکی ہو۔ جس کو بندہ محسوس نہ کرے۔ رحمت خداوندی بندے کو اس کی طلب سے زیادہ اور اس سے بہتر دے چکی ہو۔ اور وہ غلطی سے سمجھے۔ میری دعا قبول نہیں ہوئی۔

یوں سمجھنا چاہیئے۔ کہ دعا بھی ایک طرح حصول مراد کی ایک سعی و تدبیر ہے۔ جس طرح سعی کے فوائد پر کتاب و سنت ناطق ہیں۔ چنانچہ لیس للانسان الا ما سعیٰ فرمان خداوندی ہے۔ اور اِحْرِصْ عَلٰى مَا يَنْفَعُكَ

دعا کے قبول نہ ہونے کے اسباب

دعا بھی سعی و تدبیر ہے

ارشادِ پیغمبری ہے۔ اسی طرح قبول دعا کی بھی امید دلائی گئی ہے۔ مگر جس طرح بعض موانع کا سعی کو کامیابی سے متخلف کر دینا شاہد ہے۔ اور تاہم سعی کے فائدے سے انکار نہیں کیا جاتا۔ اس طرح بعض اسباب دعا کو بھی قبولیت کے ساتھ مقترن نہیں ہونے دیتے۔ اور اس سے قبول دعا کے وعدے میں نقص لازم نہیں آسکتا۔

بلکہ اس لحاظ سے دعا اور بھی زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ کہ سعی کا نتیجہ تو بعض اوقات بالکل ناکامی اور کلیۃً خیبت و خسران ہوتا ہے۔ "نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم" "یکے نقصان مایہ دیگر شماتتِ ہمسایہ" مگر دعا کرنے والا اپنی دعا کا بہرصورت کچھ نہ کچھ پھل پا ہی لیتا ہے۔ اس سے ہمارا یہ مطلب نہیں۔ کہ تدبیر و سعی کو چھوڑ کر صرف دعا ہی دعا پر اکتفا کرنی چاہئے۔ کیونکہ سعی و تدبیر اپنے موقع پر کرنی ضروری ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے۔ کہ سعی بعض دفعہ بالکل بے ثمر ہوتی ہے۔ اور دعا کبھی بھی ثمرہ سے خالی نہیں رہتی۔ یہ بجائے خود ایک عبادت ہے۔ بلکہ الدعاء مخ العبادۃ پس خداوند تعالےٰ کو جو حسب فرمان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لیس شیئ اکرم علی اللّٰہ من الدعاء دعا نہایت محبوب و مرغوب ہے۔ تو اس کا انعام کسی نہ کسی رنگ میں بندے کو دے ہی دیتا ہے۔ اگر بندہ اپنے خاص مطلوب و مقصود پر فائز نہیں ہوتا۔ تو وہ اس ذکر کی بدولت جو اس نے دعا میں کیا ہے۔ کسی آنے والی آفت سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ یا اس کا موجودہ فقر و فاقہ یا مرض رفع ہو جاتا ہے۔ یا اور نہیں۔ تو اس کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں درج ہو جاتا ہے۔ کما قیل ؎

میندار ازیں در کہ ہرگز نہ بست   تہیدست گردد بر آوردہ دست

مندرجہ بالا باتوں پر احادیث ذیل سے کافی روشنی پڑتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے۔ کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یستجاب للعبد مالم یدع باثم او قطیعۃ رحم ما لم یستعجل۔ یعنے بندہ کی دعا قبول ہو جاتی ہے۔ تاوقتیکہ کسی گناہ کی بات یا قطع رحمی کے لئے دعا نہ کرے۔ اور جب تک جلد بازی نہ کرے۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ جلد بازی سے کیا مراد ہے۔ فرمایا۔ یقول قد دعوت وقد دعوت فلم یستجاب لی فیستحسر عند ذالک ویدع الدعا۔ یعنے کہنے لگے۔ میں مدتوں دعاؤں پر دعائیں کرتا رہا۔ مگر وہ قبول نہ ہوئیں۔ پھر تھک کر دعا کرنا چھوڑ دے (مشکوٰۃ)

حضرت ابوسعید خدری رض سے روایت ہے۔ کہ جناب نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ما من مسلم یدعو بدعوۃ لیس فیہا اثم ولا قطیعۃ رحم الا اعطاہ اللّٰہ احدی ثلث اما ان یعجل لہ دعوتہ واما ان یدخرہا لہ فی الاٰخرۃ واما ان یصرف عنہ من السوء مثلہا۔ یعنے جو بندہ مسلمان کوئی دعا کرتا ہے جس میں کوئی گناہ مطلوب نہ ہو اور نہ قطع قرابت ہو۔ تو اللہ اس کو تین چیزوں میں سے ایک ضرور عطا فرماتا ہے۔ یا تو فوراً اس کی دعا قبول کر لیتا ہے یا (اس کا اجر و ثواب) آخرت میں اس کو (دینے کے لئے) ذخیرہ کر دیتا ہے۔ اور یا اس کے برابر کوئی آفت اس سے دور کر دیتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ۔ تو پھر ہم بہت بہت دعائیں کیا کریں گے۔ آپ نے فرمایا۔ اللّٰہ اکبر یعنے اللہ کا فضل بھی بہت ہے۔ (مشکوٰۃ)

کون پرچارہ ست و ہیچت چارہ نے   تا کہ نکشاید خدایت روزنے

لغات۔ کون بفتح کاف۔ دنیا۔ جہان۔ کون کے لغوی معنے ہیں ہونا۔ بننا۔ چونکہ دنیا شیئے عالم کے موجود ہونے اور

بننے کی جگہ ہے۔ اس لئے مصدر کو بمعنے ظرف استعمال کرنے لگے۔

ترجمہ۔ جہان علاجوں (کے سامان) سے پُر ہے۔ اور تیرے لئے کوئی چارہ (بہم) نہیں (پہنچ سکتا) تا وقتیکہ خداوند تعالیٰ تیرے لئے (توفیق سعی) کوئی کھڑکی نہ کھول دے۔

مطلب۔ لہذا دنیا اور دنیا والوں سے کوئی توقع نہ رکھو۔ جو مانگتے ہو خدا سے مانگو۔ دنیا کے گوناں گوں سامان اور ان سامانوں کے کارندے تم کو کچھ فائدہ نہیں دے سکتے۔ تا وقتیکہ وہ حقیقی میرسامان تم پر نظر عنایت نہ کرے صائبؒ ؎

زحق جو آنچہ مجوئی کہ تا دہان حق نبود   نیامد از سلیمان حاجت مورے روا کردن

چشم را اے چارہ جُو در لامکاں   ہیں بنہ چوں چشم کشتہ سُوئے جاں

ترکیب۔ اے چارہ جو ندا ہے۔ بنہ فعل با فاعل چشم مفعول بہ وغیرہ مل کر جواب ندا ہوا۔ صنائعؔ مقتول کی آنکھ کو جو عموماً کھلی رہ جاتی ہے۔ جان کی طرف لگی ہوئی قرار دینا حسن تعلیل ہے۔

ترجمہ۔ اے علاج کے متلاشی! ہاں ہاں! اپنی آنکھ کو لامکان میں (لگائے) رکھ۔ جس طرح مقتول کی آنکھ جان کی طرف (لگی رہتی) ہے۔ عراقیؒ ؎

زمنزل گاہ دوناں رخت بر بند   ورائے ہر دو عالم جوئے منزل

صائبؒ ؎   لامکانی شو زدار و گیر چرخ آسودہ شو   تا یکے چوں عود خواہی چرخ ایں مجمر شدن

ایں جہاں از بے جہت پیدا شدست   کہ زبیجائے جہاں را جا شدست

ترجمہ۔ یہ جہان (بھی تو) اس (ذات پاک) سے پیدا ہوا ہے جو طرف (وسمت) کی نسبت سے پاک ہے (اس کا مطلب یہ) کہ جہان کو ایک (ذات) منزہ از مکان (کی قدرت) سے (عالم وجود میں) جگہ (حاصل) ہوئی ہے۔

مطلب۔ جب اس جہان کا خالق جہت و مکان کی نسبت سے پاک ہے۔ تو تم بھی اس دنیا کے تحیز و تمکن سے دست بردار ہو کر لامکان کو اختیار کرو۔ صائبؒ ؎

در عالم بالاست تماشائے اگر ہست   بیروں زمکان ست وزماں جائے اگر ہست

بازگرد از ہست سُوئے نیستی   گر تو از جاں طالب مولیستی

لغات۔ مولیٰ بمعنے مالک و خداوند الف مقصورہ کے ساتھ ہے۔ مگر یہاں بضرورت قافیہ الف مقصورہ کو یائے مجہول سے بدل دیا گیا ہے۔

ترجمہ۔ اگر تم (دل و) جان سے مولا کے طالب ہو تو ہستی سے (دست بردار ہو کر) نیستی کی طرف رجوع کرو۔

مطلب۔ تعجب ہے کہ بندہ مولا کا طالب ہو۔ اور ساتھ ہی اپنی ہستی کا دعوے بھی کرے؟ عراقیؒ ؎

تو آنگہ ز خبر یابی کہ از خود بے خبر گردی   تو آنگہ روئے او بینی کہ رو از خود بگردانی

جب وہ مولائے پاک مکان کی نسبت سے منزہ ہے۔ تو اس کا طالب بھی کیوں نہ لامکان کے ساتھ نسبت پیدا کرے ؎

دست رد بر سینۂ دریا گزار د چوں صدف ہر کہ صائب آشنائے عالم بالا شود

جائے دخل ست ایں عدم از وے مرم جائے خرج ست ایں وجود بیش و کم

لغات۔ دخل آمدنی۔ مرم امر نتناعی رمیدن بھاگنا سے۔ صنائع تفریق۔

ترجمہ۔ یہ نیستی (یا لامکان یا عالم ملکوت) آمدنی کی جگہ ہے (لہذا) اس سے گریز نہ کرو (اور) یہ بیش و کم ہونے والا (جسمانی) وجود خرچ ہونے کی جگہ ہے (لہذا اس کی پروا نہ کرو)

مطلب۔ نیستی سے عدم محض مراد نہیں۔ بلکہ اپنے جسمانی وجود کو فنا کر دینا یا فنا سمجھ لینا یا اس کی طرف سے غیر ملتفت ہو جانا اور اپنے روحانی وجود کو مقصود بنانا مراد ہے۔ اور یہی مطلب ہے۔ لامکان یا عالم ملکوت کے ساتھ نسبت پیدا کرنے کا۔ اس مقام کو آمدنی کی جگہ اس لئے کہا ہے کہ یہاں سب جو جاتا ہے۔ وہاں پہنچ جاتا ہے۔ اس لئے وہاں ہر طرح میں ہمیشہ اضافہ ہی ہوتا ہے۔ جسمانی وجود خرچ کی جگہ اس اعتبار سے ہے۔ کہ اس کو آخر مٹی میں مل جانا ہے۔ یا اس لحاظ سے کہ ہر لمحہ اس کے اجزا تحلیل و فنا ہوتے اور ان کی بجائے نئے اجزا پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ کما برہن فی الطب غرض یہاں بھی عالم بالا کی رغبت دلائی ہے کہ وہ عالم دنیا سے کہیں افضل ہے۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک ؎

عالم معقول بر ہر کس کہ صائب جلوہ کرد لشمرد موج سراب ایں عالم محسوس را

کارگاہِ صنع حق چوں نیستی ست جز معطّل در جہانِ ہست کیست

لغات۔ کارگاہ کارخانہ۔ صنع کاریگری۔ چوں شرطیہ بمعنے چونکہ اور حرف تشبیہ بمعنے مثل و مانند یہاں دونوں احتمال ہیں۔ لہذا شعر کا ترجمہ دو طرح ہو سکتا ہے معطل بیکار۔ جہانِ ہست عالم وجود۔ دنیا و مافیہا۔

ترجمہ (۱) چونکہ صنعت حق تعالیٰ کا کارخانہ عدم ہی ہے۔ (پس) عالم وجود میں کون ہے جو معطل نہ ہو۔

مطلب۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ ایجاد کا تعلق موجود کے ساتھ نہیں ہوتا۔ بلکہ معدوم ہی کے ساتھ ہوتا ہے۔ جس کے بعد وہ موجود ہو جاتا ہے۔ پس جب من حیث الوجود ان کے ساتھ تصرف کا تعلق نہیں ہوتا۔ تو لامحالہ وہ معطل اور فیضان حق سے محروم ہیں۔

ترجمہ (۲) (نیز یہ) صنعت حق کا کارخانہ (عالم وجود بھی) مثل نیستی کے ہے (اس لئے کہ) عالم وجود میں سوائے معطل (و بیکار چیزوں) کے اور ہے کیا؟ (اور معطل ہونا موجود ہونے کے منافی ہے)۔

مطلب۔ یہاں کلمہ نیستی بمعنے عدم محض آیا ہے۔ اور پر بمعنے فنائے وجود جسمانی آیا تھا۔ یعنے تم نیستی سے کیوں متنفر ہو۔ یہ وجود جسمانی بھی تو جس پر تم نازاں ہو۔ مثل عدم و نیستی ہے۔ جس کی دلیل یہ کہ صنعت حق اس کی ایجاد سے فارغ ہو چکی ہے۔ اور صنع حق سے اس کا معطل ہو جانا بمنزلہ معدوم ہونے کے ہے۔ غرض تم جس وجود کے موجود ہونے کا ادعا کرتے ہو۔ وہ بھی بمنزلہ معدوم ہے۔ صائب ؎

درچنیں بحرے کہ ہر موج ست تیغ آبدار خویش را فانی ندانستن فنائے دیگر ست

مناجات

اے خدائے پاک بے انباز و یار　　دست گیر و جرم ما را درگذار

لغات۔ انباز شریک۔ یار مددگار۔ دست گیر مدد کر۔

ترجمہ۔ اے خداوند پاک! جو لا شریک ہے اور مددگار سے مستغنی ہے (ہماری) دستگیری کر۔ اور ہمارے گناہ سے درگزر کر۔

یاد دِہ ما را سخنہائے رقیق　　کہ ترا رحم آوَرد آں اے رفیق

ترجمہ۔ اے رفیق (اعلیٰ) ہم کو وہ رقت خیز کلمات (دعا) سکھلا دے جو (ہمارے لئے تیرے دریائے) رحم کو (جوش میں) لائیں۔

ہم دُعا از تو اجابت ہم زتو　　ایمنی از تو مہابت ہم زتو

لغات۔ اجابت قبولیت۔ ایمنی بے خوفی۔ امن و مامون ہونا۔ مہابت۔ خوف۔ ہیبت۔

ترجمہ۔ دعا (کی تلقین) بھی تیری طرف سے (ہوتی) ہے۔ قبولیت بھی تجھی سے (متوقع) ہے۔ بے خوفی بھی تیری طرف سے (غیبی تسلی پاکر) حاصل ہوتی ہے۔ خوف بھی تجھ (کو ناراض کر دینے) سے (آتا) ہے۔

مطلب۔ الٰہی دعا کو قبول تو ہی کرے گا۔ تو ایسی دعا بھی تو ہی بتائے گا۔ جو قبول ہو جائے۔ ہم کو اپنے کسی جرم و گناہ پر تیرے غضب سے ڈر لگتا ہے۔ تو اس درد کا مرہم تو ہی مہیا کرتا ہے۔ کہ ہم کو توبہ و استغفار کے وہ کلمات رقت خیز سکھا دیتا ہے۔ جس سے تیرا دریائے رحم و کرم جوش میں آجائے۔ جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے اکلِ حنطہ کی غلطی ہوئی۔ اور اس کی پاداش میں ان کو جنت سے نکلنا پڑا۔ تو تو نے ہی ان کو ایسے دعائیہ کلمات سکھا دیئے۔ جن کی بدولت پھر تیری رحمت ان کے شامل حال ہوگئی۔ چنانچہ فرمایا۔ فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ پس سیکھ لئے آدم نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات تو ان کی توبہ قبول کی اس نے بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا رحم والا ہے (بقرہ ع ۴)

دعا میں عبد کا اپنے معبود سے تخاطب ہوتا ہے۔ اس تخاطب میں بندے کی زبان پر ایسے کلمات کا جاری ہو جانا جن سے بہتر کلمات نہ مل سکیں۔ من جانب بھی اللہ ہو سکتا ہے۔ اور یہ ایک طرح کا الہام ربانی ہوتا ہے۔ اسی لئے مولانا رحمہ دعا کرتے وقت حق تعالیٰ ہی سے دعائیہ کلمات القا ہونے کی آرزو کرتے ہیں۔ اور یہ امر چنداں مستغرب نہیں۔ بلکہ دنیا میں بھی اس کے نظائر وقوع پاتے ہیں۔ صاحب کلید نے اس کی ایک مثال لکھی ہے۔ کہ جیسے کوئی نوکر اپنی خطا پر نادم ہو کر منہ بنا کر ہاتھ جوڑ کر سامنے کھڑا ہے۔ اور ہیبت و انفعال کی وجہ سے اس کی سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ اس خطا کے عذر کے لئے کونسے لفظ استعمال کروں۔ وہ ڈرتا ہے۔ کہ اگر کوئی بے محل کلمہ منہ سے نکل گیا۔ تو یہ دوسری خطا ہوگی۔ اس وقت

کلماتِ دعا کی الہامی تلقین ہو سکتی ہے

آتی کو رحم آتا ہے۔ اور مہربان ہو کر کہتا ہے۔ بول کیا کہنا چاہتا ہے۔ مگر پھر بھی وہ خاموش رہتا ہے۔ تو آقا کہتا۔ اچھا یوں کہو۔ کہ پھر ایسی حرکت نہیں کروں گا۔ پس نوکر انہی الفاظ کو دہرا دیتا ہے۔ تو اس کی خطا معاف ہو جاتی ہے۔

اسی طرح جو دعا خود آقائے حقیقی نے تلقین کی ہو۔ خواہ وحیاً یا الہاماً۔ اس پر قبولیت کی زیادہ توقع ہوتی ہے اس لئے ادعیہ قرآنیہ کے ساتھ دعا کرنا افضل سمجھا گیا ہے۔ وہ وحیاً پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے توسل سے ہم تک پہنچی ہیں۔ اور کبھی ایک مومن اور متقی و صالح بندے کے دل میں خود بخود خداوند تعالیٰ کی طرف سے دعا کے اچھے کلمات القا ہو جاتے ہیں۔ ان سے بھی قبولیت کی زیادہ امید ہوتی ہے۔ کیونکہ جب آقائے حقیقی کی طرف سے یہ اشارہ ہوا۔ کہ یوں کہو۔ اور یوں مانگو۔ تو ظاہر ہے۔ کہ کرم خداوند خود عطا پر آمادہ ہے۔ اور دعا عطا فرمانے کا ایک بہانہ ہے۔ کما قیل ؎

رحمت حق بہانے جوید   رحمت حق بہانے جوید

نکتہ۔ اس شعر میں آیہ وَادْعُوْہُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ط اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ (اعراف ع ۷) کے مضمون کی طرف ایک لطیف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ جس کے معنے یہ ہیں۔ اور خدا کے ڈر سے اور اس کے فضل کی امید پر خدا سے دعائیں مانگتے رہو۔ کیونکہ خدا کی رحمت خلوص رکھنے والوں سے بہت ہی قریب ہے۔ پس اس آیت کو ملحوظ رکھ کر شعر کا ترجمہ یوں ہوگا۔ الٰہی دعا کرنے کی توفیق تو ہی دے گا۔ اور دعا کے آداب بہا بت وا میمنی یعنے خوف عذاب و امید فضل بھی تو ہی سکھائے گا۔ اور پھر دعا کو قبول بھی تو ہی کریگا۔

گر خطا گفتیم اصلاحش تو کن   مُصلحی تو اے تو سُلطانِ سخن

لغات۔ مصلحی تو اصلاح کرنے والا ہے مصلح کے ساتھ یائے خطاب شامل ہے۔ سلطان سخن کلام کا بادشاہ مراد حق تعالیٰ بدیں اعتبار کہ وہ تمام الفاظ و کلمات کا خالق ہے۔

ترجمہ۔ اگر ہم (دعا میں کوئی خلاف ادب کلمہ) بولنے کی غلطی کر جائیں۔ تو تو اس کی اصلاح کر دے۔ اے کلام کے بادشاہ تو ہی اصلاح کرنے والا ہے۔ جامی رح ؎

بہ بد گفتن زبان من مگرداں   زبانِ من زیانِ من مگرداں

کیمیا داری کہ تبدیلش کنی   گرچہ جوئے خوں بود نیلش کنی

ترجمہ۔ تیرے پاس (قدرت کی) کیمیا ہے۔ یہاں تک کہ اس (خطا) کو (صواب سے) بدل سکتا ہے۔ اگرچہ وہ (اپنی ناپاکی کے لحاظ سے) خون کی ایک نہر (کی مانند) ہو (مگر تو چاہے) تو اس کو دریائے نیل (کی طرح طاہر و مطہر) بنا سکتا ہے۔

مطلب۔ جس طرح کیمیا کے عمل سے ماہیت تبدیل ہو جاتی ہے۔ مثلاً تانبے سے سونا اور قلعی سے چاندی بن جاتی ہے۔ اسی طرح خدا کی کیمیائے قدرت سے گنا ہگاروں کے گناہ نیکیوں میں بدل سکتے ہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ۔ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ط مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا۔ اور نیک عمل کئے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکیوں سے بدل دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے (فرقان ع ۶) جامی رح ؎



ہر خشتے از کنشت بود کعبۂ دگر — گر پر جمال تو افتد بسومنات

ایں چنیں میناگریہا کار تست — ایں چنیں اکسیرہا ز اسرار تست

لغات میناگری - میناکاری - مینا کے معنے ہیں آبگینہ - یا شیشہ یعنے کانچ - سرخ و سبز و لاجوردی وغیرہ رنگین آبگینہ سے ایک قسم کا مسالہ تیار کرکے چاندی سونے کے ظروف یا زیوروں پر نقاشی کی جاتی ہے - اسکو میناگری یا میناکاری کہتے ہیں - اکسیر کیمیا - جس سے قلب ماہیت ہوتی ہے -

ترجمہ - ایسی قدرتی نقاشیاں (کرنا) تیرا ہی کام ہے - ایسی کیمیائیں (جن سے تو مس معاصی کو طلائے حسنات بنا دیتا ہے) تیرے ہی بھیدوں سے ہیں -

آب را و خاک را برہم زدی — ز آب و گل نقش تن آدم زدی

ترجمہ تو نے پانی کو اور مٹی کو باہم ملایا - (اور اس) گارے سے آدم کے جسم کا پتلا تیار کر دیا -

مطلب جب تو یہاں تک قادر ہے - کہ پانی اور مٹی جیسی ادنےٰ چیزوں سے انسان جیسی اشرف المخلوقات ہستی کو بنا کھڑا کرتا ہے - جو نہایت عالی صفات جامع کمالات اور تیرا مظہر اتم ہے - تو ہماری سیئات کو حسنات بنا دینا تیرے آگے کونسا بڑا کام ہے -

نسبتش دادی بجفت و خال و عم — با ہزار اندیشۂ شادی و غم

لغات جفت میاں - بیوی - زوج - خال ماموں - عم چچا -

ترجمہ - (پھر) تو نے اس کو زوج - اور ماموں اور چچا (وغیرہ قرابتیوں) کے ساتھ نسبت دی (اور) ساتھ (ہی) ہزاروں خوشی و غم کے خیالات (لگا دیئے) -

مطلب آب و خاک سے صرف انسانی پتلا ہی تیار نہیں کیا - بلکہ اس کو مختلف قسم کے تعلقات کے ساتھ مربوط اور طرح طرح کے خیالات سے متکیف بھی بنا دیا - اقبال سلمہ ؎

طرح تعمیر تو از گل ریختند — با محبت خوف را آمیختند
خوف دنیا خوف عقبےٰ خوف جاں — خوف آلام زمین و آسماں
حب مال و دولت و حب وطن — حب خویش و اقربا و حب تن

باز بعضے را رہائی دادہ — زیں غم و شادی جدائی دادہ

ترجمہ - پھر تو نے بعض کو (ان تعلقات کے باوجود ان کے انہماک سے) آزادی دے رکھی ہے اس غم و خوشی سے ان کو آزاد کر رکھا ہے - غنی رح ؎

مرا جمع ست اسباب تعلق لیک آزادم — سراپا نیچہ ام چوں سرود نائے بے گرہم

؎
نیست صائب سرو را فکر خزان و نوبہار
در دل آزادہ رہ نبود امید و بیم را

بُردہ از خویش و پیوند و سرشت کردہ در چشمِ او ہر خوب زشت

لغات: پیوند تعلقات۔ خویشاوندی۔ سرشت خمیر۔ بناوٹ مجازاً بمعنے طبیعت و خصلت۔ ایک مترجم نے یہاں سرشت کا ترجمہ باپ بیٹا کیا ہے۔ خدا جانے ان کو کس لغت سے یہ معنے مل گئے۔

ترجمہ۔ تو اس کو ہر قرابت دار (کے تعلق) اور (دیگر عام) تعلقات اور (مقتضیات) طبع (کے دائرہ) سے (باہر نکال) لے گیا۔ (اور) اس کی نظر میں ہر خوشنما (چیز) کو (جو مانع عن الحق تھی) ناپسند بنا دیا۔ جامی رح ؎

خوش آنکہ خاطر از ہمہ اغیار فرد کرد فرو بست یار ذیل دلش ہست سوئے فرد

ہر چہ محسوس ست او رد میکند وانچہ ناپیدست مُسند میکند

لغات: ناپید۔ غیر محسوس بحواس ظاہری مراد حق تعالےٰ۔ مُسند بفتح نون۔ بانسد۔ محکم۔ معتبر۔ سہارا جس کے اوپر بھروسہ ہو۔ معتمد علیہ۔

ترجمہ (اب اس کی یہ حالت ہے کہ) جو کچھ محسوس ہوتا ہے (یعنے دنیا کی اشیا) ان کو وہ رد کرتا ہے۔ اور (وہ) جو محسوس بحواس ظاہر نہیں (یعنے حق تعالےٰ) اس کو اپنا سہارا بناتا ہے۔ ولنعم ما قیل ؎

آنکس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند فرزند و عیال و خانماں را چہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی دیوانہ تو ہر دو جہاں را چہ کند

وہکذا قیل ؎

دنیا طلبا! چہ گویمت رنجوری عقبےٰ طلبا! چہ گویمت مزدوری
مولا طلبا! کہ داغ مولا داری در ہر دو جہاں مظفر و منصوری

عشقِ او پیدا و معشوقش نہاں یار بیروں فتنۂ او در جہاں

صنائع۔ پیدا و نہاں اور بیروں و در جہاں کا تضاد اور عشق و معشوق اور یار اور اس کے فتنہ کی تفریق پُر لطف ہے۔

ترجمہ اس (عاشق حق) کا عشق نمایاں ہے۔ اور اس کا معشوق (حقیقی) مخفی ہے۔ یار (دنیا و عقبیٰ سے) باہر ہے (اور) اس کا فتنہ جہان میں (پھیل رہا) ہے۔ صائب ؎

ہیچ جوئندہ ندانست کہ جائے تو کجاست آخر اے خانہ برانداز سراے تو کجاست

خیالی رح ؎

اے تیر غمت را دلِ عشاق نشانہ خلقے بتو مشغول و تو غائب زمیانہ
گہ معتکفِ دیرم و گہے ساکن مسجد یعنے کہ ترا میطلبم خانہ بخانہ

حافظ رح ؎

چہ مستی ست ندانم کہ رُو بما آورد؟ ... کہ بود ساقی؟ و ایں بادہ از کجا آورد؟

یہاں تک مرتبہ فنا ـ تعلق بحق ـ اور عشق حقیقی کا ذکر تھا ـ اب اس کی ضد یعنے عشق مجازی صورت پرستی اور تعلق بغیر اللہ کا ذکر اور اس سے پرہیز کرنے کی ہدایت فرماتے ہیں ـ

ہیں رہا کن عشقہائے صُورتی ... عشق بر صورت نہ بر رُوئے ستی

لغات ـ صورتی میں یا نسبت کے لئے ہے ـ ستی بی بی ـ بیوی ـ کدبانو ـ اہلیہ ـ

ترجمہ ـ خبردار! صورت (ظاہری) کی عشق بازیوں کے خیال سے باز آؤ (کیونکہ) صورت (ظاہری) کا عشق (بھی فی الحقیقت) بیوی کے چہرہ سے تعلق نہیں رکھتا ـ

مطلب ـ پہلے مصرعہ میں مولانا صورت ظاہری کے عشق سے منع فرماتے ہیں ـ کہ اس عشق میں محصور و متوقف رہنا ایک حجاب شدید اور معرض مہالک بلکہ باعث فواحش ہے ـ اس پر سوال ہو سکتا ہے ـ کہ صورت کے عشق و محبت کے بہت سے ایسے مقام ہیں ـ کہ ان میں فواحش کا احتمال ہی نہیں ـ مثلاً ماں باپ کی محبت اور بھائیوں کی محبت جو احیاناً عشق کے درجہ تک پہنچ سکتی ہے ـ اور میاں بیوی کی محبت تو بالکل عشق اور فریفتگی ہو سکتی ہے ـ اور ہوتی ہے ـ پس مطلقاً صورت کے عشق کو بُرا کیوں قرار دیا گیا ہے ـ دوسرے مصرعہ میں اس سوال کا جواب صرف بیوی کی مثال کو پیش نظر رکھ کر دیا ہے ـ جس میں گویا ایک خاص مثال سے عام حکم مقصود ہے ـ فرماتے ہیں ـ کہ اگر میاں اپنی بیوی پر عاشق ہے ـ اور بے شبہ اس کا عشق پاک اور جائز اور غوائل معاصی سے مامون ہو تو یہ صورت اور خاکی کالبد کا عشق تھوڑا ہی ہے؟ یہ تو کسی اور ہی کا عشق ہے ـ اور اس کی دلیل آگے دینگے

حضرت مولانا بحر العلوم رح یہاں فرماتے ہیں ـ بلکہ درحقیقت یہ حق تعالیٰ کا عشق ہے ـ جو اپنے اسم جمیل کے ساتھ اس مظہر میں ظاہر ہوا ہے ـ خواہ اس جہان محسوس کا عشق ہو ـ جیسے کسی حسینہ و جمیلہ عورت کا عشق یا اس جہان غیر محسوس کا ـ جیسے جنت کی حور کا عشق ـ بلکہ ہر قسم کے عشق دراصل حق یعنے ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں ـ نہ کہ مظہر کے ساتھ ـ اگرچہ عشق کرنے والا غلطی سے اپنے آپ کو اس صورت کا عاشق سمجھتا ہو ـ چونکہ معشوق درحقیقت ذات پاک آں سبحانہ تعالےٰ ہے ـ پس اسی کا عشق اختیار کرنا چاہئے ـ اور متعین کا عشق بما ہو متعین کے ساتھ نہ کرنا چاہیے کیونکہ یہ محض جہل مرکب ہے ـ پس خاص اس کو خصوص تعین سے عری رکھ کر طلب کرنا چاہئے ـ اور یہ ارشاد پیغمبروں کے اس ارشاد کی مانند ہے ـ کہ اُعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ـ یعنے اللہ کی عبادت کرو ـ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ـ جس کا مطلب یہ ہے ـ کہ اپنے بناوٹی خداؤں کی عبادت ترک کر دو ـ کیونکہ خدا ذات حق کے سوا اور کوئی نہیں ـ تم جو عبادت کرتے ہو ـ وہ اسی کا حق ہے ـ اور خواہ مخواہ پتھروں اور دیگر مخلوق کو جو معبود بنائے پھرتے ہو ـ تو یہ محض جہالت ہے ـ پس اسی کی عبادت کرو ـ اور ان تعینات کو درمیان سے اٹھا دو ـ اور یہ جہل مرکب ہے ـ کہ اپنے بناوٹی خداؤں کو معبود برحق سمجھ رہے ہو ـ معشوقیت بھی معبودیت کی طرح حق سبحانہ کے خصائص سے ہے ـ جو شخص اس کے سوا کسی اور کو معشوق سمجھتا یا بنا لیتا ہے ـ وہ جہل مرکب میں مبتلا ہے ـ جس طرح غیر حق کو معبود حقیقی سمجھنے والا اس گرداب میں پڑا ہوا ہے ـ پس لازم ہے کہ اپنے معشوق حقیقی کے ساتھ عشق کا تعلق قائم کرے ـ نہ صورتوں کے ساتھ جن میں ہرگز معشوقیت نہیں ہے ـ جیسے کہ معبود حقیقی کی عبادت کرنی لازم ہے نہ کہ معبودان باطل کی ـ جن کا معبود حقیقی ہونا ممکن ہی نہیں (انتہے)

حسن جمال کا عشق درحق تعالیٰ کا عشق ہے

سوال - اگر کسی حسین وجمیل کا عشق اس کی صورت سے متعلق نہیں - بلکہ معشوق حقیقی سے متعلق ہے - جو اس میں ظاہر ہو رہا ہے - تو گویا عشق اچھی چیز ہے بُری نہیں - اور اچھی چیز کا نتیجہ اچھا ہونا چاہئے - بُرا نہ ہونا چاہئے - پھر کیا وجہ ہے - کہ لوگ اس قسم کے عشق و محبت سے فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتے ہیں ؟

جواب - عشق کے اچھا ہونے میں کسی کو کلام نہیں - خود مولانا دفتر اول کے آغاز میں عشق کو دافع حرص و عیب - طبیب جملہ علت ہا - دوائے نخوت و ناموس بلکہ اپنا افلاطون و جالینوس فرما چکے ہیں - اور یہاں تک ارشاد ہے - کہ عشق کی تعریف کما حقہ ہم سے ہو ہی نہیں سکتی ؎

ہر چہ گویم عشق را شرح و بیاں
چوں بعشق آیم خجل باشم ازاں

پس بیشک عشق کا نتیجہ بھی اچھا ہونا چاہئے - اور ہوتا ہے - غنی رح ؎

ہیچ تخمے نیست ضائع در زمینِ پاکِ عشق
خندہ ہائے گل و میداز گریہ ہائے عندلیب

ہاں ساتھ ہی اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا - کہ بہت سے لوگ عشق و محبت کی چاشنی میں معاصی وخطیئات سے ملوث ہو جاتے ہیں - تو اس کی وجہ یہ ہے - کہ وہ لوگ عشق کا غلط استعمال کرنے لگتے ہیں - یا یوں کہو - کہ اپنے معشوق کی غلط روش سے غلط راہ پر پڑ جاتے ہیں - اور مفید دوا کا غلط استعمال مضر ہوتا ہے - عمدہ غذا بھی بیہودہ طریق پر کھانے سے مہلک ثابت ہوتی ہے - وہ لوگ صورت کی فریفتگی میں ظاہر پر متوجہ نہیں ہوتے - بلکہ مظہر کے لٹو ہو جاتے ہیں - وہ حقیقت سے غافل ہو کر مجاز میں مقید رہ جاتے ہیں - ان کا عشق ہوس سے بدل جاتا ہے - جس کا مقصد لذت نفسانی ہے - اور عشق کا مقصد سوز و گداز ہے - امیر خسرو رح ؎

مگس قند و پروانہ آتش گزید
ہوس دیگر و عاشقی دیگر ست

پس جو لوگ عشق میں گر کر فسق و فجور سے ملوث ہو جاتے ہیں - ان کا عشق دراصل عشق ہی نہیں - بلکہ ہوس ہے - جس کا نتیجہ فسق ہے - وہ لوگ بے ادب ہیں - اور بدنام کنندگان عشق - جامی رح ؎

نا ید از بے ادباں شیوۂ عشق
مذہب عشق سراسر ادب ست

مولانا کا مقصد یہی ہے - کہ عشق کا تعلق تو دراصل حق کے ساتھ ہوتا ہے - مگر مبتلائے عشق غلطی سے صورت کو جو پرتو حق کا مظہر ہے - اپنا معشوق سمجھنے لگتا ہے - جس کا نتیجہ یہ کہ اس کا عشق ہوس سے بدل کر منجر بہ فسق ہو جاتا ہے لہذا عشق صورت سے بچنا لازم ہے -

آنچہ معشوق ست صورت نیست آں . خواہ عشق ایں جہاں خواہ آں جہاں

ترجمہ - معشوق جو ہے تو وہ صورت نہیں (بلکہ کچھ اور ہے) خواہ اس جہان (عالم ناسوت) کا عشق ہو یا اُس جہان (عالم ملکوت) کا ہو (بہرحال صورت کے ساتھ عشق کا تعلق نہیں ہوتا)

مطلب - عشق ایں جہاں و آں جہان میں یہ اشارہ ہے - کہ وہ ما سوی اللہ کا عشق ہوگا - جہان کے معنے عالم کے ہیں - پس ایں جہاں عالم ناسوت ہے - اور آں جہاں عالم ملکوت - یہاں کا عشق تو ظاہر ہی ہے - جس کا رونا اکثر رویا جاتا ہے - مولانا حالی مرحوم ؎

اے عشق تو نے اکثر قوموں کو کھا کے چھوڑا
جس گھر سے سر اُٹھایا اُس کو بٹھا کے چھوڑا

عالم ملکوت کا عشق یہ ہے - کہ جیسے کسی کو بہشت کی حور کا عشق ہو - اور اس کی طلب میں لگ جائے - اور طاعت و عبادت سے

عشق صورت کے بُرے نتائج پیدا ہونے کے اسباب

اس کا مقصود وہی ہو۔ یہ عشق بھی حق پرستی سے خالی ہے۔ صائب ؎

حق پرستی چیست؟ از بایست خود برخاستن   تا خدا از بہر خود خواہی پرستار خودی

آنچہ بر صورت تو عاشق گشتۂ   چوں بروں شد جاں چرایش ہشتۂ

لغات۔ ہشتۂ ہشتن چھوڑنا سے مشتق ہے۔ ترکیب صورت کا مضاف الیہ مقدر ہے۔ یعنے بر صورت او۔ اور یہ ضمیر آنچہ کی طرف راجع ہے۔

ترجمہ۔ جس چیز کی صورت پر تم عاشق ہو رہے ہو۔ (اگر محض اس کی صورت سے تمہارے عشق کا تعلق ہے تو) جب (اس کی) جان نکل جاتی ہے۔ تو اس کو کیوں چھوڑ دیتے ہو۔

صورتش بر جاست ایں سیری زچیست؟   عاشقا وابیں کہ معشوق تو کیست

ترجمہ۔ (اگر تم صرف اس کی صورت کے عاشق ہو تو) اس کی صورت تو اب اس کے مُردہ ہونے کی حالت میں بھی) قائم ہے (پھر اب تمہارا جی کیوں بھر گیا؟ اے عاشق ذرا غور کرو۔ تمہارا معشوق کون ہے؟

مطلب۔ اوپر جو کہا تھا۔ کہ معشوق درحقیقت صورت نہیں بلکہ کوئی اور ذات ہے۔ یہ اس دعوے کی پہلی دلیل ہے۔

آنچہ محسوس ست اگر معشوقہ ست   عاشقستے ہر کہ او را حس ہست

ترجمہ۔ جو چیز محسوس ہے (یعنے صورت ظاہر) اگر وہی معشوقہ ہے تو ہر وہ (مخلوق) جس میں حس ہو عاشق ہوتی۔

مطلب۔ یہ دوسری دلیل ہے مذکورہ دعوے کی۔ یعنے صورت محسوسہ معشوقہ نہیں ہے۔ ورنہ ہر ذی حس جس کو وہ صورت محسوس ہوتی ہے۔ عاشق ہو جاتا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ مواشی وبہائم کسی حسین کے عاشق نہیں ہوتے۔ ہاں ان میں شہوانی میلان ہو سکتا ہے۔ گر وہ عشق نہیں۔ ہوس دیگر و عاشقی دیگر ست یہی وجہ ہے کہ انسان کے عشق میں بیل۔ گدھا۔ کتا وغیرہ رقیب نہیں ہوتے۔ حالانکہ وہ اس کے معشوق کو آنکھ سے دیکھتے ہیں۔ اور رویت عموماً مبدء عشق ہوتی ہے۔ ثابت ہوا۔ کہ حس باعث عشق نہیں۔ نہ صورت محسوسہ سے عشق کا تعلق ہے۔

چوں وفا آں عشق افزوں میکند   کے وفا صورت دگرگوں میکند

ترجمہ جب (یہ ظاہر ہے کہ) معشوق کی وفا عشق کو ترقی دیتی ہے۔ تو کیا وفا صورت کو (ادنے حالت سے اعلیٰ حالت میں) متغیر کر دیتی ہے؟ (ہرگز نہیں بلکہ صورت وہی رہتی ہے)

مطلب۔ یہ مسلمہ بات ہے کہ معشوق آمادہ التفات اور عازم وفا ہو۔ تو اس کا یہ سلوک سمند عشق پر تازیانہ کا کام کر جاتا ہے۔ اور دریائے عشق شدت طغیانی پر آجاتا ہے ؎

لطف او گفت کیں بندہ ما ئی جامی   رفت بر چرخ بریں گوکبۂ اقبالم

صائب ؎

حاجت دام کمندے نیست در تسخیر ما   گردش چشمے بود بس حلقۂ زنجیر ما

امیر خسرو رح ؎

ست آں ز و قم کہ شب در کوئے خویشتم دید گفت   کیست ایں؟ گفتند مسکینے گدائی میکند

پس جب وفا سے عشق ترقی کرتا ہے۔ تو اگر عشق کا تعلق صورت سے ہے۔ تو گیا وفا سے صورت میں بھی کچھ زیادتی رونما ہوئی؟ تاکہ سمجھا جائے۔ کہ صورت کی زیادتی کے ساتھ ساتھ عشق نے زیادتی اختیار کی ہے۔ ہرگز نہیں صورت جوں کی توں ہے۔ اور عشق کہیں سے کہیں پہنچ گیا۔ معلوم ہوا۔ اس کا تعلق صورت سے نہیں کسی اور ذات سے ہے۔ کس کے ساتھ عشق کا تعلق ہے؟ یہ اگلے شعر میں بتاتے ہیں۔

مذکورہ ترجمہ اور مطلب اس بنا پر ہے۔ کہ وفا سے معشوق کی وفا قرار دی جائے۔ اور میکند کا فاعل دونوں جگہ وفا ہو۔ مگر مولانا بحر العلوم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس ترجمہ کی رکاکت ظاہر ہے۔ ان کے نزدیک یہاں وفائے عاشق مراد ہے۔ اور میکند کا فاعل دونوں جگہ آں عشق ہے۔ اور وفا صورت مرکب اضافی ہے۔ بفک اضافت۔

مولانا بحر العلوم کے نزدیک اس شعر کا موزوں ترجمہ یوں ہے۔ کہ جب (یہ مانی ہوئی بات ہے کہ عشق (عاشق کی) وفا کو ترقی دیتا ہے۔ تو پھر (اگر صورت کے ساتھ عشق کا تعلق ہو تو) وہ صورت (معشوق) کی وفا کو کیوں دگرگوں کر دیتا ہے؟

مطلب یہ کہ عشق کا خاصہ یہ ہے۔ کہ وہ وفا سکھاتا ہے۔ چنانچہ وہ عاشق کو بیش از بیش وفا پر آمادہ کر دیتا ہے۔ لامحالہ وہ معشوق پر بھی یہی اثر کرے گا۔ یعنے اسکو آمادہ وفا کریگا۔ پس اگر صورت معشوق ہوتی۔ تو کیوں نہ اس میں وفا ہوتی۔ حالانکہ اس میں وفا کا نہ ہونا مشاہد و مسلم ہے۔ کما قیل ؎

کتاب حسن بر استاد عشق خواندم گفت   دریں میانہ ہمیں آیت وفا غلط ست

حسن کے عدم وفا سے اس کی ناپائیداری بھی مراد ہو سکتی ہے۔ حافظ رح ؎

چو در دست بخند دگل مشو در دامش اے بلبل   کہ بر گل اعتمادے نیست گر حسن جہاں دارد

پرتو خورشید بر دیوار تافت   تابش عاریتی دیوار یافت

ترجمہ۔ آفتاب کی روشنی دیوار پر پڑ گئی۔ دیوار نے عارضی چمک حاصل کر لی۔

مطلب۔ تو سو صورت کے سوا معشوق کون ہے۔ آفتاب حقیقی حق سبحانہ وتعالےٰ کا پرتو دیوار یعنے ممکنات پر پڑ گیا۔ تو اس سے ممکنات میں ایک عارضی حسن پیدا ہو گیا۔ وہی حسن جاذب قلوب ہے عراقی رح ؎

گل رنگ رخ تو ندارد رنہ   رنگ رخش از پے چہ زیبا ست

اصلی جمال تو جمال حق ہی ہے۔ اس جمال حقیقی کا عکس جو حسینان مجازی پر پڑا۔ تو اس عکس کی بدولت وہ مطلوب و مرغوب بن گئے۔ پس واجب یہ ہے۔ کہ عاشق ہوں۔ تو اصل کے ہوں۔ اور نقل و مستعار کی شیفتگی سے باز آئیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

برکلوخے دل چہ بندی اے سلیم　　واطلب اصلے کہ تابد او مقیم

لغات: سلیم سادہ لوح۔ بھولا بھالا۔ سیدھا سادہ آدمی۔ تابد از تافتن چمکنا۔ مقیم ہمیشہ۔

ترجمہ۔ اے سادہ مزاج آدمی! ڈھیلے (پتھر کی بنی ہوئی دیوار) میں کیا دل لگاتا ہے۔ اس اصل (آفتاب) کی تلاش کر (جس کی روشنی نے اس دیوار کو منور کیا ہے۔ اور) جو ہمیشہ تاباں (و درخشاں) ہے۔ صائبؒ ؎

بحسن نقش انان نقاش ہر کس چشم برگیرد　　چو خار رہگذر ہر لحظہ دامان دگر گیرد

یہاں تک عام صورت پرستوں کی غلطی پر تنبیہ فرمائی ہے آگے خاص ان صوفیہ اور اہل سلوک کی غلط بیانی کی قلعی کھولتے ہیں۔ جو عشق حقیقی کی آڑ میں عشق مجازی سے لطف گیر ہوتے ہیں۔ اور بہانہ یہ بناتے ہیں کہ ہم شاہدان مجازی کی صورت میں محبوب حقیقی کا جلوہ دیکھتے ہیں۔ جامی رہ ؎

سرگشتگان کوئے بتاں را توئی مراد　　مقصد یکےست کعبہ رو انان اگر صدا اند

چونکہ یہ صاف وصریح صورت پرستی ہے۔ اور مولانا جو ایک پاک و بے لوث عشق کی تعلیم دیتے ہیں۔ صورت پرستی کا قلع قمع کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ لہٰذا یہاں ان صوفیہ کے اس مغالطہ کا تار و پود بکھیرنے لگے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ بے شک ہر حسین مجاز کا حسن شاہد حقیقی کے جمال کا پرتو ہے۔ مگر تمہارا یہ قول کہ ہمارا مطمح نظر بالقصد شاہد حقیقی ہے۔ غلط ہے۔ اس لئے کہ اگر وہ خوبیاں اور کمالات جو ایک خاص محبوب مجازی میں تمہارے لئے موجب تعشق ہیں۔ تو لازم ہے۔ کہ جہاں بھی وہ خوبیاں پائی جائیں۔ تمہارے عشق کی محرک ہوں۔ پھر کیا وجہ ہے۔ کہ اگر کسی دوسرے شخص میں وہ خوبیاں بوجہ اتم بھی نمایاں ہوں۔ تو تمہارے لئے باعث اشتیاق نہیں ہوتیں۔ پس ثابت ہوا۔ کہ حضرت بھی عشق مجازی اور صورت پرستی ہی کی آلائش سے ملوث ہیں۔ اور حق پرستی کا محض دعوےٰ ہی دعوےٰ ہے۔ اس کوچے کی خبر تک نہیں۔ سعدی رہ ؎

چو بت پرست بصورت چناں شدی مشغول　　کہ دیگرت خبر از لذت معانی نیست

ایکہ تو ہم عاشقی بر اصل خویش　　خویش از صورت پرستاں دیدہ بیش

ترکیب۔ اصل خویش میں اصل خویش کے ساتھ مضاف نہیں۔ بلکہ اصل موصوف ہے۔ اور خویش کا مضاف مزعوم مقدر ہے۔ یعنی اصل مزعوم خویش۔ دوسرے مصرعہ میں خویش مفعول ہے کی علامت مفعولیت حرف را محذوف ہے۔

ترجمہ۔ اے (صوفی صاحب!) کہ آپ بھی تو اپنے (زعم میں) اصل (محبوب حقیقی) پر عاشق ہیں (اور معشوق مجاز کے آئینے میں شاہد حقیقی کا جلوہ دیکھنے کے مدعی ہیں۔ اس لئے) اپنے آپ کو صورت پرستوں سے افضل دیکھتے ہیں۔

پرتو عقل ست آں بر حس تو　　عاریت داں آں ذہب بر مس تو

لغات: عقل سے یہاں محبت و منطق مراد ہے۔ اور حس سے جسمانی لذات۔ نفسانی احساس۔ عشقبازی۔

ترجمہ۔ (مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ کی (نفسانی) عشقبازی پر (صوفیانہ) منطق کا پرتو (جو) پڑا (تو وہ

عشقِ حقیقی کے دعاوی محض زبانی صورت پرستوں کے دعوے ہیں

عشق حقیقی نظر آنے لگی) اس (عشق حقیقی کے) سنہری ملمع کو اپنے (نفسانی عشقبازی کے) تانبے پر عارضی سمجھو۔

مطلب نفس شیطان کا قاعدہ ہے۔ کہ انسان کے برے سے برے اعمال کو اچھی صورت میں نمایاں کر کے اس پر مصر رہنے کی ترغیب دیتا رہتا ہے۔ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ۔ اس لئے وہ ان کے جواز بلکہ استحسان کی حجتیں نکالتے رہتے ہیں۔ اور وہ حجتیں بھی نفس شیطان ہی تلقین کیا کرتا ہے۔ اس طرح یہ صوفیان شاہد باز بھی ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلتے ہیں۔ اور عشق حقیقی کے دعوے سے علانیہ شاہد بازی کے مزے لوٹتے ہیں مفتاح العلوم جلد اول میں کسی جگہ حکیم بقراط کا ایک پرلطف قصہ ہم نے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا تھا۔ اس کا اعادہ یہاں غیر موزوں نہ ہوگا۔ لکھا ہے کہ ایک صوفی دعا بدکسی حسین پر عاشق ہو گیا۔ حکیم بقراط نے اس کی پریشانی و سرگردانی کی حالت کو اشتباہ کی نظر سے دیکھا۔ تو لوگ بولے۔ یہ شخص بڑا متقی۔ متورع اور عبادت گذار و پرہیزگار ہے۔ اور کہتا ہے کہ میں اس نقش پر فریفتہ نہیں ہوں۔ بلکہ اس نقش کے نقاش پر مرتا ہوں۔ حکیم بقراط نے مسکرا کر کہا۔ بات تو نکتہ کی کہتا ہے۔ مگر ہر شخص کی اس سے تشفی نہیں ہو سکتی۔ اگر وہ صرف نقاش کا عاشق ہے۔ اور نقش سے سروکار نہیں رکھتا۔ تو کسی کیسانہ بچے کو دیکھ کر اس کا دریائے عشق متلاطم کیوں نہیں ہوتا۔ وہ بھی تو اسی نقاش کی صنعت کا نمونہ بلکہ ایک تازہ تر اور پاک نمونہ ہے۔ ایک سچے عاشق کو جو بات کسی ماہرو میں نظر آتی ہے وہ ایک اونٹ میں بھی دکھائی دینی چاہیئے ؎

نگفت ار چہ صیت نکوئی رود	نہ با ہر کسے ہر چہ گوئی رود
نگارندہ را خود ہمیں نقش بود؟	کہ شوریدہ را دل بیغما بود
چرا طفل یک روزہ ہوشش نبرد	کہ در صنع دیدن چہ بالغ چہ خرد
محقق ہماں بیند اندر ابل	کہ در خوبرویان چین و چگل

اختلاف یہاں پہلے شعر کے لفظ اصل میں ایک تماشے کا اختلاف واقع ہوا ہے۔ ہمارے نسخے میں یہ لفظ اصل درج ہے۔ اور ہمارا قلمی نسخہ معتبرہ بھی اسی کا مؤید ہے۔ مگر بعض نسخوں میں اس کی بجائے عقل درج ہے اور ارشاد تھا۔ کہ "داطلب اصلے" یعنے اصل کی تلاش کر۔ پھر ان لوگوں کی تنبیہ مقصود تھی۔ جو غلطی سے اپنے آپ کو فائز باصل سمجھتے ہیں۔ حالانکہ اصل سے دور ہیں۔ "اگہ تو ہم عاشقی بر اصل خویش" پس اس طرح یہ لفظ اصل اپنے پس و پیش سے مربوط ہو جاتا ہے۔ اور ہمارے نزدیک یہی اقرب بحق ہے۔ مگر جن اصحاب نے اس کو عقل لکھا ہے۔ ان کی میزان عقل میں اگلے شعر "پر تو عقل است" الخ کے لحاظ سے اس کا عقل ہونا زیادہ موزوں ہوگا۔ اب شارحین نے اس "عاشقی بر عقل خویش" کا مطلب سمجھانے میں اپنی اپنی عقل کے تکے چلائے ہیں۔ کوئی لکھتا ہے۔ تو اپنی عقل کو صورت پرستوں کی عقل سے زیادہ جانتا ہے۔ کسی نے لکھا ہے۔ تو اپنی عقل ناقص پر عاشق ہے۔ حالانکہ تیری عقل پر لطیف و خبیر کا پرتو پڑا ہے۔ اس لئے یہ تجھے مرغوب ہے۔ پھر اس عقل ناقص کو حس سے تعبیر کر کے اس پر پرتو ڈالنے والی عقل سے ذات حق سبحانہ مراد لینی پڑی۔ پھر اس کی تاویل کے لئے ایک لمبی تقریر کی ضرورت پڑی۔ غرض ایک ہی لفظ کے ہیر پھیر نے تکلفات کا انبار لگا دیا۔ والامر کان مسہلاً۔

چوں زر اندود است خوبی در بشر　　ورنہ چوں شد شاہد تو پیرہ خر

لغات۔ چوں یہاں حرف شرط نہیں۔ جیسے کہ متبادر ہوتا ہے۔ بلکہ حرف تشبیہ ہے۔ "پیرہ" ہائے آخر زائد مفید توصیف ہے۔

ترجمہ انسان کا حسن (وجمال) سونے کے ملمع سے مشابہ ہے (جب یہ ملمع اُتر جاتا ہے تو انسان حسین و جمیل بھی نہیں رہتا) اگر (یہ بات) نہیں تو (پھر) تمہارا معشوق (گا چہرہ) (بڑا ہو کر) ایک بڈھے گدھے کی طرح (نامرغوب) کیوں ہوگیا؟

مطلب۔ یہاں سے پھر عشق صورت کا ذکر ہے۔ کہ حسن صورت ایک عارضی چیز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک انسان جو طفلی میں عشاق کا مرغوب و محبوب ہوتا ہے۔ بڑا ہو کر غیر مرغوب بن جاتا ہے۔ صائبؒ ؎

غبارِ خط بزبانِ شکستہ مے گوید کہ فیض صبح بنا گوش یار مے گذرد

حسن کا پھول مرجھایا اور عنادل کے چہچے ختم ہوئے۔ ماہ عارض پر خط نو دمیدہ کا داغ چھایا۔ اور عشاق کی گرم جوشی ٹھنڈی ہوئی۔ کما قیل ؎

خطت دمید و مطلب عاشق تمام شد اے ترک من مناز کہ ترکی تمام شد

پس ایسے حسن ناپایدار اور جمال رو بزوال کی چاہت فضول ہے۔ غنیؒ ؎

نیست حسن بے بقا شایستۂ دلبستگی با چراغ برق یک پروانہ ہمراہی نکرد

چوں فرشتہ بود ہمچوں دیو شد کاں ملاحت اندرو عاریہ بُد

لغات ملاحت نمکینی۔ خوب صورتی کی ایک شان ہے۔ عاریہ مستعار۔ عارضی۔ ناپایدار۔

ترجمہ۔ (پہلے) وہ (انسان خوبصورتی میں) فرشتے سے مشابہ تھا (پھر زوال حسن کے بعد) دیو کی طرح (بدنما) ہوگیا (اور یہ دلیل ہے اس کی) کہ وہ خوبصورتی اس میں عارضی تھی۔ صائبؒ ؎

بیک دو ہفتہ مہ چاردہ ہلالے شد دوام نیست ازیں بیش حسن ساختہ را

اندک اندک مے ستاند آں جمال اندک اندک خشک مے گردد نہال

ترجمہ (حق تعالیٰ) اس (حسین) سے تھوڑا تھوڑا (حسن و) جمال سلب کرتا رہتا ہے (جیسے کہ) ایک بوٹا تھوڑا تھوڑا خشک ہوتا ہے۔ غنیؒ ؎

کند در ہر قدم فریاد خلخال کہ حسن گلرخاں پا در رکاب ست

رو نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ بخواں دل طلب کن دل منہ بر استخواں

ترجمہ (اگر باور نہ ہو تو) جاؤ (آیہ) وَمَنْ نُعَمِّرْهُ الخ (یعنے اور جس کو ہم عمر کرتے ہیں اس کو الٹا گھٹاتے ہیں) پڑھو (اور ہماری بات کا ثبوت دیکھ لو پس) ہڈی (کی سی ناکارہ مخلوق) پر دل نہ لگاؤ (بلکہ) اس (ذات حق) کو طلب کرو جو (موجودات میں بمنزلہ) دل ہے۔

مطلب۔ یہاں اس آیت کی طرف اشارہ ہے۔ وَمَنْ نُعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ أَفَلَا يَعْقِلُونَ ۔ اور ہم جس کو بڑی عمر دیتے ہیں اس کو بناوٹ میں اُلٹا گھٹاتے ہیں۔ پس کیا اتنا بھی نہیں سمجھتے (یٰس ع ۵) گھٹانے

کا مطلب یہ ہے۔ کہ جس طرح بچپن سے جوانی تک تمام قویٰ بڑھتے ہیں۔ اسی طرح پھر جوں جوں عمر زیادہ ہوتی ہے اسی طرح ان قوےٰ میں ضعف و اضمحلال پیدا ہوتا جاتا ہے۔ حتےٰ کہ تمام قوتیں مسلوب ہو کر بڈھا ضعیف آدمی ایک طفل شیرخوار کی طرح چارپائی سے لگ جاتا ہے۔ اور اس کی چارپائی لب گور کے قریب پہنچ جاتی ہے کما قیل ؏

چہ زندگی ست کہ از استخواں بر احوالم ہمیشہ خندۂ دنداں نماکند لبِ گور

اس شعر میں حسینان جہاں بلکہ تمام ماسوی اللہ کو ان کے نقص و احتیاج کے لحاظ سے ہڈی سے تشبیہ دی ہے اور حق سبحانہ کو اس اعتبار سے کہ وہ اکمل و اشرف اور محتاج الیہ ہے۔ دل سے مشابہت دی ہے۔ جس طرح دل باقی تمام اعضائے جسم سے افضل و اہم اور دوران خون کا مرکز ہونے کی وجہ سے سارے جسم کا سبدا حیات ہے۔ اسی طرح (بلاتشبیہ) حق تعالیٰ سارے عالم سے اعلیٰ وارفع اور سب کا خالق و روزی رساں ہے۔ آگے دل طلب کن کی وجہ بتاتے ہیں۔

کاں جمالِ دل جمالِ باقی ست دو لبش از آبِ حیواں ساقی ست

ترجمہ کیونکہ اس دل (عالم یعنے حق سبحانہٗ) کا جمال سدا قائم رہنے والا جمال ہے۔ اور اس کے دونوں لب آبحیات پلانے والے ہیں۔

مطلب۔ حق تعالےٰ کے لئے لب کا اطلاق بطریق مجاز ہے۔ ایک حاکم اعلےٰ اپنے لب سے حکم دیتا ہے۔ تو کسی محتاج کے رزق و روزی کا سامان ہو کر اس کی زندگی عرضہ تلف ہونے سے بچ جاتی ہے۔ اور کسی واجب القتل مجرم کی جان بخشی ہو کر اس کو دوبارہ زندگی مل جاتی ہے۔ اسی طرح (بلاتشبیہ) حق تعالیٰ کے حکم سے ہم کو زندگی اور سامان زندگی حاصل ہوتے ہیں۔ نظامی رحمہ ؎

بحیات ست جملہ موجودات زندہ لیک از وجودِ تست حیات

خود ہم او آب و ہم او ساقی و مست ہر سہ یک شد چوں طلسمِ تو شکست

ترجمہ۔ جب تیرا (خودی کا) طلسم ٹوٹ جائیگا۔ تو (تجھے نظر آئیگا کہ) خود وہی پانی ہے وہی ساقی ہے وہی (پینے والا) مست ہے (یعنے تینوں کے تینوں ایک ہو گئے۔

مطلب اس شعر سے بظاہر وحدۃ الوجود کا اثبات مقصود ہے۔ اور وحدت شہود پر بھی اسکو محمول کر سکتے ہیں۔ وحدت وجود اور وحدۃ شہود کی بحث کمال شرح و بسط کے ساتھ مفتاح العلوم حصہ اول کے اوائل میں حیطہ تحریر میں آچکی ہے۔ اگر اس شعر کو وحدت شہود کے مضمون پر محمول کیا جائے۔ تو مطلب یوں ہوگا۔ کہ جب کمال طاعت و عبادت سے تیرا طلسم خودی ٹوٹ جائے گا۔ اور تو فانی فی مرضیات الحق ہو جائیگا۔ تو پھر تجھے قرب ذوالمنن کا وہ مرتبہ حاصل ہو جائیگا۔ جس میں بندے کی ہستی ایسی مضمحل ہو جاتی ہے۔ کہ وہ اپنے ارادہ و قدرت کو حق تعالیٰ کے ارادہ و قدرت کے سامنے کالعدم پاتا ہے۔ یعنے حقیقی فاعل خداوند تعالیٰ کو جانتا ہے۔ اور اپنے آپ کو کسی شمار میں نہیں لاتا پس اس کی نظر میں پینا۔ پلانا۔ پینے والا اور پلانے والا ایک ہو جاتے ہیں۔ حافظ رحمہ ؎

بہ پیشِ آئینۂ دل ہر آنچہ میدارم بجز خیالِ جمالت سے نماید باز

اس معنے میں اتحاد سے اتحاد ذاتی مراد نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک خاص ارتباط ہے۔ جس کو اتحاد سے تعبیر کر لیتے ہیں

جیسے دو ہم مشرب اور ہمخیال دوستوں کی نسبت کہدیتے ہیں۔ کہ وہ دونوں ایک ہیں۔ حالانکہ وہ ذاتاً الگ الگ ہوتے ہیں۔ قرب فرائض اور قرب نوافل کی اصطلاح ایک حدیث قدسی سے تعلق رکھتی ہے۔ جو مشکوٰۃ شریف کے باب ذکر اللہ عزوجل میں مندرج ہے۔ اور وہ مفتاح العلوم حصہ اول کے قصہ وزیر یہود کے اواخر میں بالتشریح بیان ہو چکی ہے۔

مولانا بحرالعلوم رح یہاں دل سے ذات حق نہیں۔ بلکہ حقیقۃً انسانی دل مراد لیتے ہیں۔ ان کے نزدیک ان دونوں شعروں کا مطلب یہ ہے۔ کہ دل کو طلب کرو۔ جو حقیقت جامعہ اور مخزن اسرار الٰہیہ بلکہ عرش الٰہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے تمام اسمائے کلیہ و جزئیہ کے ساتھ اس پر مستوی ہے۔ پس یہ دل حق کو ہر تجلی میں دیکھتا ہے۔ اور اس کا وہ جمال جو اس کو تجلی حق کی بدولت حاصل ہے۔ ہمیشہ رہنے والا ہے۔ جس پر زوال آنا ممکن نہیں۔ اور اسے یہ جمال دوام ذات حق کے افاضہ علوم سے حاصل ہوا ہے۔ جس کو یہاں آب حیواں سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور دل اس آبحیات سے اس طرح سیراب ہوتا ہے۔ کہ گویا خود ہی آب ہے۔ خود ہی ساقی ہے۔ اور خود ہی مست ہے۔ مگر یہ مشاہدہ اسوقت ہوتا ہے۔ کہ اس جسم کا طلسم ٹوٹ جائے۔ یعنے وہ حظوظ بشریہ سے پاک و صاف ہو جائے۔ اور اس کلام میں اس امر کی طرف اشارہ ہے۔ کہ جو علم اور جو مشاہدہ کہ دل پر وارد ہو۔ وہ باطن دل سے ہوتا ہے نہ کہ خارج سے۔ (انتہٰے) غرض مولانا بحرالعلوم رح کے نزدیک دل کو مطلوب بنانا چاہئے۔ نظامی رح ؎

بندۂ دل باش کہ سلطاں شوی　　خواجۂ عقل و ملک و جاں شوی

عراقی رح ؎ چہ بینی سبزہ دنیا کہ چشم جاں کند خیرہ　　تماشائے دل خود کن اگر در بند بستانی

؎ ز آستانۂ دل پا منہ بروں صائب　　اگر ہوائے تماشائے لامکاں داری

دل سے ذات حق مراد ہو یا یہی متعارف دل بہرحال مقصود اصلی حق تعالیٰ کی معرفت ہے۔ اب مولانا حصول معرفت کا صحیح طریقہ ارشاد فرماتے ہیں۔

آں یکے را تو ندانی از قیاس　　بندگی کن ژاژ کم خا ناسپاس!

لغات۔ یکے ذات واحد۔ حق سبحانہ تعالیٰ۔ قیاس دلیل عقلی۔ ژاژ خائیدن ژاژ ایک گھاس کا نام ہے۔ خائیدن کے معنے چبانا۔ مراد بکواس اور بیہودہ گوئی ہے۔

ترجمہ۔ (اے) ناشکرے! تو اس (ذات) واحد کو دلائل عقلیہ سے نہیں پہچان سکتا (اس کی معرفت مطلوب ہے تو اس کی عبادت کیا کر۔ فضول بکواس نہ کر۔

مطلب۔ اگر کوئی یہ چاہے کہ دلائل عقلیہ سے خداوند تعالیٰ کی معرفت حاصل کرے۔ تو یہ ناممکن ہے۔ طائر عقل کے اس مقام میں پر جلتے ہیں۔ امیر خسرو رح ؎

لوامع صفتش ہست چشم پوش عقول　　چو آفتاب کہ نورش حجاب ابصار ست

حکیم گفت شناسم بعقل یزداں را　　زہے کمال حماقت دہ ایں چہ گفتار ست

ز گنج خانۂ سلطاں کجا خبر دارد　　گرہ برے کہ زہر دو فلس طرار ست

پس اس کی معرفت کا مفید ترین طریقہ یہ ہے۔ کہ اس کی عبادت و طاعت اختیار کریں۔ عبادت و طاعت ہی سے دل میں نور عرفان پیدا ہو سکتا ہے ؎

ہر سرائے را چراغے ہست صائب در جہاں　　خانۂ دل روشن از نور عبادت مے شود

مغنئ تو صورت ست و عاریت　　برمناسب شادی و بر قافیت

لغات۔ عاریت یا عاریہ۔ مستعار۔ ناپایدار۔ عارضی۔ شادی بمعنے شاد ہستی یا یاء آخر خطاب کے لئے ہے۔ قافیت موزونیت تناسب ایک بیت میں دونوں مصرعوں کے آخری کلموں یا ان کے بعض حروف کو قافیہ اسی لئے کہتے ہیں کہ ان میں لفظی تناسب وموزونیت ہوتی ہے۔

ترجمہ (کیونکہ) تیرا معنے (بھی کہ جس پر عاشق ہونیکا تو مدعی ہے) صورت (ہی) ہے۔ (اور ناپایدار ہے۔ اور) متناسب (اعضا) اور (ان کی) موزونیت پر ہی تو لٹو ہو رہا ہے۔

مطلب۔ اوپر ذکر آرہا تھا کہ تم صورت پرستی سے بچو۔ پھر ان خاص صورت پرستوں کو تنبیہ کی۔ جو آئینہ صورت میں جمال حق کا مشاہدہ کرنیکے مدعی ہیں اور فرمایا کہ جمال حق کے مشاہدہ اور اس کے عرفان کی صورت عبادت و طاعت ہی سے ممکن ہے۔ اب پھر فرماتے ہیں۔ کہ یہ محض تمہارا ڈھکوسلا ہے۔ کہ تم آئینہ صورت میں جمال حق کے مشتاق ہو۔ بلکہ جمال صورت پر ہی مر رہے ہو۔ اور رویت جمال حق سے محروم صائبؒ ؎

جمعے کہ با ایں نقش و نگار ند نظر باز　　محروم ز رخسارۂ بے پردہ یار ند

معنئ آں باشد کہ بستاند ترا　　بے نیاز از نقش گرداند ترا

ترجمہ۔ معنے وہ ہیں۔ کہ تجھے (تیری خودی سے) چھین (کر اپنے آپ میں محو کر) لیں۔ اور صورت سے مستغنی کر دیں۔ غنیؒ ؎

سواد کعبہ کے منظور ارباب نظر باشد　　بسنگ سرمہ حاجت نیست ہرگز چشم روشن را

صائبؒ ؎ ز روئے خوب طلبگار حسن معنے باش　　مرو ز راہ چو نادیدگاں بصورت خشک

معنئ آں نبود کہ کور و کر کند　　مرترا بر نقش عاشق تر کند

ترجمہ معنے وہ نہیں ہوتے کہ تجھ کو (حقیقت بینی سے) اندھا اور (استماع حقائق سے) بہرا کر دیں اور تجھے صورت کا پہلے سے زیادہ مشتاق بنا دیں۔ سعدیؒ ؎

چو بت پرست بصورت چناں شدی مشغول　　کہ دیگرت خبر از لذت معانی نیست

کور را قسمت خیال غم فزا ست　　بہرۂ چشم ایں خیالات فنا ست

ترکیب۔ دوسرے مصرعہ کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یعنے یا تو وہ استفہامیہ ہو۔ یا خبریہ اور دونوں تقدیروں پر مصرعہ کا ترجمہ الگ الگ ہوگا۔

ترجمہ۔ (جو لوگ حقیقت بینی سے) اندھے (ہوں ان) کی قسمت میں (حسرت اور) غم بڑھانے والے خیال ہیں (بھلا) یہ خیالات فانیہ (کہیں) چشم (حقیقت بیں) کا حصہ ہو سکتے ہیں؟ (دوسرے مصرعہ کا دوسری طرح ترجمہ اور) چشم (ظاہر بیں) کے حصے میں تو یہی فانی چیزوں کے خیالات ہیں۔ صائبؒ ؎

در دیدۂ آنکس کہ بمعنے نبرد راہ زنداں بود آں خانہ کہ تصویر ندارد

حرفِ قرآں را ضریراں معدن اند خر نہ بینند و بپالاں بر زنند

لغات ضریراں جمع ضریر۔ نابینا۔ اندھا جس کی بینائی ضر یافتہ ہو۔

ترجمہ۔ (جیسے آنکھوں کے) اندھے قرآن مجید کے حروف (کو اس طرح رٹ لیتے ہیں گویا وہ ان) کی کان ہیں (ان کی مثال ایسی ہے کہ جیسے) گدھے کو تو نہ دیکھیں (جو مقصود بالذات ہے) اور پالان کو لینے لگیں (جو مقصود بالعرض ہے)

مطلب۔ جو لوگ مقصود بالعرض کو مقصود بالذات سمجھ کر اس کے حصول میں منہمک رہیں۔ وہ عقل کے اندھے اور احمق ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید کے پڑھنے میں اس کے الفاظ پر ہی اکتفا کرنا اور انہی کو مقصود سمجھنا اندھوں کا کام ہے۔ جو لوگ حقیقت بیں ہیں۔ وہ الفاظ کو مقصود بالعرض اور ان کے مدلول و معنے کو مقصود بالذات جانتے ہیں۔ کہ یہی قرب حق کا ذریعہ ہیں۔ اور سواری کے جانور کی بجائے اس کے پالان یا کاٹھی کو ہی کافی سمجھ لیتے ہیں۔ اسی پر چڑھ بیٹھتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں۔ کہ اس سے منزل مقصود پر پہنچ جائیں گے ؎

رہ بمعنے نبرد ہر کہ زصورت صائب ہمچو آئینہ تہیدست ز بازار شود

چوں تو بینائی پئے خر رَو کہ جَست چند پالاں دوزی اے پالاں پرست

ترجمہ جب تو بینا (و دیدہ ور) ہے تو گدھے کے پیچھے جا۔ جو کود (کر تیرے ہاتھ سے نکل گیا۔ اے پالان کے دلدادہ کب تک پالان کو سیتا رہے گا۔

مطلب۔ جو شخص مقصود بالذات کے فوت ہونے کی پروا نہ کرے۔ اور مقصود بالعرض کی دھن میں لگا رہے۔ اسکی مثال ایسی ہے۔ جیسے کوئی گدھے والا پالان لینے لگے۔ ادھر گدھا بھاگ جائے۔ اور اس کے تلف ہو جانے کا احتمال ہو۔ مگر وہ اس کی پروا نہ کرے۔ اور اپنی پالان دوزی میں شوق و ذوق سے مشغول رہے۔ صائبؒ ؎

ہر کہ قانع شد بوئے گل زگل در پردہ ماند بوسے پیراہن حجاب یوسف سیمیں تن است

خر چو ہست آید یقیں پالاں تُرا کم نگردد ناں چو باشد جاں تُرا

ترجمہ (بھلے مانس!) جب گدھا (سلامت موجود) ہے۔ تو یقیناً تجھے پالان بھی مل جائیگا۔ تیری جان سلامت ہے تو روزی بند نہیں ہوگی۔

مطلب۔ جس طرح گدھا مقصود بالذات اور پالان مقصود بالعرض ہے۔ اسی طرح قیام زندگی مقصود بالذات اکل و شرب مقصود بالعرض ہے۔ زندگی قائم اور جان سلامت ہو۔ تو قدرت خود اس کے اکل و شرب کے سامان مہیا کرتی رہتی ہے۔ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا۔ ہر جاندار کی روزی کا اللہ کفیل ہے ؎

جس نے یہ منہ دیا ہے کھانے کو دانت جس نے دیئے چبانے کو
جس نے بخشا نگلنے کو ہے گلا ہضم کرنے کو ہے دیا معدا
کیا وہ کھانے کو کچھ نہیں دیگا؟ کیوں نہیں دے گا بالیقیں دیگا

خر چو باشد کم نیاید اے عمو خود بہ پشتش رو نہد پالانِ او

ترجمہ۔ جب گدھا ہو تو اس کی (یعنے پالان کی) کمی نہیں۔ بڑے میاں! اس کا پالان تو خود اس کی پیٹھ پر آ رہیگا۔ حافظ رح

آنکس کہ داد مارا آغاز آنچہ بایست ہم میکند در آخر فکرِ مآل مارا

پشتِ خر دکانِ مال و مکسب ست جانِ تو سرمایۂ صد قالب ست

ترجمہ (ہاں یہ بھی خیال رہے کہ گدھے (کو ہی مقصود بالذات نہ سمجھ لینا بلکہ اس) کی پیٹھ مال اور کمائی کی دکان ہے (کہ اس پر مال لاد کر بیچتے اور کماتے ہیں اور اپنی جان کو پالتے ہیں پس) تمہاری جان (مقصود بالذات ہے۔ جو) سینکڑوں جسموں کی سرمایہ ہے۔

مطلب۔ ایک چیز جو دوسری چیز کے لحاظ سے مقصود بالذات ہوتی ہے۔ وہ ایک تیسری چیز کے لحاظ سے مقصود بالعرض ہو سکتی ہے۔ چنانچہ گدھا پالان کے مقابلے میں مقصود بالذات ہے۔ تو اپنے سوار کی جان عزیز کے لحاظ سے مقصود بالعرض ہے۔ اسی طرح قرآن پاک کے معانی اس کے الفاظ کی نسبت سے مقصود بالذات ہیں۔ مگر قرب حق کی نسبت سے مقصود بالعرض ہیں۔ پس ان کا اشتغال قرب حق کے لئے ہونا چاہیے۔ نہ خود ان معانی کے لئے جس سے اصل مقصود یعنے قرب حق فوت ہو جائے۔

خر برہنہ بر نشیں اے بوالفضول خر برہنہ نے کہ راکب شد رسول

ترجمہ (اگر پالان نہ ملے تو نہ سہی) اے فضول (بہانے بنانے) والے! بے پالان گدھے پر ہی بیٹھ جا۔ کیا بے پالان گدھے پر جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سوار نہیں ہوئے؟

مطلب۔ عرب میں گدھے کی سواری عام مروج ہے۔ وہاں کے گدھے قدآور اور خوش رفتار ہوتے ہیں۔ ہمارے ملک کے گدھوں کی طرح لاغر مریل اور ذلیل حالت میں نہیں ہوتے۔ چنانچہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی گدھے پر سواری کی ہے۔ اور آپ کی شان تواضع یہ تھی۔ کہ بے پالان سوار ہونے میں بھی پس و پیش نہ فرماتے۔ وکان یرکب الحمار میکفا علیہ قطیفۃ وکان معذالک یستردف اور آنحضور گدھے پر چادر بطور پالان ڈال کر سواری فرماتے۔ اور اس کے باوجود کسی دوسرے شخص کو بھی اپنے پیچھے بٹھا لیتے (احیاء العلوم)

اَلنَّبِیُّ قَدْ رَکِبَ مُعْرَوْرِیًا وَالنَّبِیُّ قِیْلَ سَافَرَ مَاشِیًا

لغات۔ معروری بضم میم و فتح رائے مہملہ۔ اعروریت الفرس اے رکبتہ عریانًا۔ معروری یعنے راکب اسپ برہنہ پشت۔ باب افعیعال سے ہے۔ رکب سوار ہوا۔ سافر سفر کیا۔ ہر دو فعل ماضی کی فتح آخر بضرورت وزن شعر ساقط ہے۔

ترجمہ۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ننگی پشت والے جانور پر سوار ہو چکے ہیں (بلکہ) اور (سنیے۔ مروی ہے کہ) حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے پیادہ پا (بھی) سفر فرمایا ہے۔

بلکہ آں شہ بس پیادہ رفتہ است   بار این و آں بسے پذرفتہ است

ترجمہ: بلکہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کبھی اتفاقاً ہی نہیں) بارہا پیادہ پا چلے ہیں (اس سے بھی بڑھ کر تواضع یہ کہ) دوسرے لوگوں کا بار بھی اٹھا لیا ہے۔

مطلب۔ یہ شعر گویا شعر سابق کے مصرعہ ثانیہ قبل ساز ناشیا کی تفسیر ہے۔ ان تین شعروں میں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تواضع و فروتنی کی مثال سے دوسرے مغرور متکبر لوگوں کو سرزنش کی ہے۔ کہ جب وہ تاجدار کونین اسقدر متواضع ہیں۔ تو تم کس کھیت کی مولی ہو۔ جو برہنہ پشت گدھے پر سوار ہونا موجب عار سمجھتے ہو۔ یہاں آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی تواضع کے بیان میں ترتیب و تدریج خوب ملحوظ ہے۔ یعنے اول تو گدھے کی سواری ہی اونٹ اور گھوڑے کی سواری سے ادنیٰ ہے۔ جس کو حضور نے ازراہ تواضع گوارا فرمایا۔ پھر بے پالان سوار ہونا اس سے بھی زیادہ فروتنی کی مثال ہے۔ پھر اس سے بھی زیادہ شان تواضع پیدل چلنے میں ہے۔ اور عام طور پر چلنے پھرنے سے بطور سفر چلنا اور بھی زیادہ جفاکشی و ہمت کا کام ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی کچھ بوجھ اٹھا لے چلنے میں اور بھی صبر و استقلال کی ضرورت ہے۔ مگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا پیدل اور بوجھ اٹھا کر چلنا۔ اور بوجھ بھی اپنا نہیں۔ بلکہ دوسرے لوگوں کا اٹھا لینا اور خلق اللہ کے کام کر دینے میں تکلیف اٹھانے سے دریغ نہ کرنا ایثار و احسان کا اعلےٰ نمونہ ہے۔ وماکان یاتیہ احد حرا و عبد او امة الا قام معہ فی حاجتہ۔ جو کوئی بھی آزاد و غلام و کنیزک آپ کی خدمت میں کسی غرض سے آتی۔ تو آپ اس کے کام کے لئے اس کے ساتھ چل پڑتے۔ وکان ارأف بالناس و خیر الناس للناس وانفع الناس للناس اور آپ لوگوں پر نہایت شفیق اور لوگوں کے لئے سب سے بہتر اور لوگوں کے لئے سب سے زیادہ نفع رساں تھے۔ (احیاء العلوم)

اوپر کے تینوں شعروں سے مدعا یہ ہے کہ مقصود بالعرض کو مقصود بالذات کے لئے موقوف علیہ نہ بناؤ بلکہ اس مقصود بالعرض کی پروا تک نہ کرو۔ مثلاً پالان نہ ملے۔ گدھے پر بلا پالان ہی سوار ہو جاؤ۔ پھر اس سے ترقی کر کے فرماتے ہیں۔ کہ اگر کوئی چیز دوسری چیز کے لحاظ سے تو مقصود بالذات ہو۔ مگر فی حد ذاتہ مقصود نہ ہو۔ اسکو بھی اگر مقصود اصلی کے لئے موقوف علیہ نہ سمجھو۔ اور اس کے فوت ہو جانے کی پروا نہ کرو۔ تو مضائقہ نہیں۔ مثلاً گدھا اگرچہ پالان کے لحاظ سے بمنزلہ مقصود بالذات کے ہے۔ مگر فی نفسہٖ مطلوب نہیں۔ بلکہ منزل مقصود پر پہنچنے کے لئے مقصود ہے۔ پس اگر گدھا نہ ملے۔ تو پیدل چلنے سے دریغ نہ کرنا چاہئے۔ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا عجیب قول نقل کیا ہے۔ کہ اگر تم کو سواری کے لئے گدھا نہیں ملا۔ تو صبر کرو۔ اور شکر کرو۔ کہ تم کو سواری کا گدھا بھی نہیں بنایا گیا۔

زرہ باز پس ماندۂ میگریست   کہ مسکین تر از من دریں دشت کیست

خرے بارکش گفت اے بے تمیز   زجور فلک چند نالی تو نیز

برو شکر کن چوں بخر بر نۂ   کہ آخر بزیر کساں خر نۂ

پس گدھے کے لئے پالان کی اور واصل منزل ہونے کے لئے گدھے کی اسقدر ضرورت کہ اس کے بغیر چارہ ہی نہ ہو۔ نہ عقلاً لازم ہے۔ کما ہو الظاہر نہ شرعاً چنانچہ خود سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے بے پالان گدھے پر سواری کی ہے۔ اور پیادہ پا سفر فرمایا ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال تواضع

شُد خرِ نفسِ تو برمیخش بہ بند　　چند بگریزد زکار و بار چند

ترجمہ۔ تیرا خرِ نفس (تیرے قبضۂ اختیار سے نکل گیا۔ اسکو (عمل بالاحکام کی) میخ پر باندھ دے۔ وہ (یوں) کب تک (طاعت و عبادت کے) کار و بار سے گریز کرتا رہیگا۔

مطلب۔ یہاں سے ایک اور ارشاد کی طرف انتقال ہے۔ اور ماسبق کی مناسبت سے نفس کے لئے گدھے کا استعارہ بطور مشاکلت ہے۔ اس مضمون کا سابق کے ساتھ رابطہ یہ ہے کہ اوپر ارشاد تھا۔ کہ فائز بمنزل ہونے کے لئے گدھے کی اور گدھے پر سوار ہونے کے لئے پالان کی پروا نہ کرنی چاہئے۔ اب فرماتے ہیں۔ کہ تمہارا نفس سرکش جو اسباب ظاہر کا اسقدر گرویدہ ہے۔ کہ ان کے بغیر مقصود بالذات اور مطلوب حقیقی کی طرف رخ نہیں کرتا۔ تو وہ تمہارے قبضہ اختیار سے نکل گیا ہے۔ اس کو قابو میں لاؤ۔ اور مطیع و منقاد بناؤ۔ کما قیل ؎

قانع کسے کہ شد بکفش خاک ہم زر ست　　سیماب نفس ہر کہ کشد کیمیا گر ست

بارِ صبر و شکر او را بُردنی ست　　خواہ در صد سال خواہی سی و بیست

لغات بُردنی میں یا لیاقت کے لئے ہے۔ خواہی میں زائد۔

ترجمہ (ان اسباب دنیا کی طرف سے) صبر کرنے کا بار (جو بہم نہیں پہنچے) اور (ان اسباب کے لئے) شکر کرنے کا بار (جو حاصل ہیں) اسی کو کھینچنا ہے۔ خواہ سو سال میں (کھینچے) یا تیس (سال میں) یا بیس (سال میں)

مطلب۔ صبر کے معنے ہیں کسی امر مرغوب کے حصول میں دیر لگنے یا اس کے حصول کے بعد فوت ہو جانے پر نفس کو ضبط میں رکھنا اور شکر کے معنے ہیں۔ کہ منعم حقیقی کے انعام و احسان پر اس کے احسانمند ہونا۔ فرماتے ہیں کہ دنیا میں نزول مصائب بھی لازم ہے۔ اور یہ جہان حصول رغائب سے بھی خالی نہیں۔ ان دونوں حالتوں میں صبر و شکر فرض انسانی ہے۔ اور نفس ہی کو چار و ناچار صبر و شکر کا بار اٹھانا ہے۔ خوشی سے اٹھائے۔ تو اس کی سعادتمندی ہے۔ ورنہ مجبور ہو کر اٹھانا پڑے گا۔ اونٹ بلبلاتے رہتے ہیں۔ اور ان پر بوجھ بھی لدتا رہتا ہے۔ مصائب کی آندھی چلنے سے رک نہیں سکتی۔ خواہ کوئی پہاڑ کی طرح اس کے آگے ثابت قدم رہے۔ یا پر کاہ کی طرح اضطرابی حرکات کرنے لگے۔ جامی رح ؎

چو گیرد صرصرِ محنت وزیدن　　نباید ہیچو کاہ از جا پریدن
بہ آں بائد کہ در دامن کشی پائے　　مثالِ کوہ باشی پائے بر جائے

ہیچ وازر وزرِ غیرے بر نداشت　　ہیچ کس ندرود تا چیزے نکاشت

لغات وازِر بوجھ اٹھانے والا۔ وِزر بوجھ۔ ندرُود فصل نہیں کاٹی درودن سے۔ صنائع قرآن مجید کی اس آیت کی طرف تلمیح ہے۔ لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِزْرَ اُخْرٰی۔ یعنے کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔

ترجمہ۔ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔ کوئی شخص تا وقتیکہ کچھ نہیں

تو تا (فصل) نہیں کاٹتا۔

مطلب۔ صبر و شکر وغیرہ اپنے ہی اعمال حسنہ کام آتے ہیں۔ دوسروں کے بھروسے پر نہ رہو۔ پیداوار کی خواہش ہے۔ تو خود کاشت تخم کی زحمت اٹھاؤ۔ صائبؒ ؎

کلید قفل خود از جیب دیگراں مطلب | چو غنچہ از گرہ خود گرہ کشاے ساز

طمع خام ست ایں مخور خام اے پسر | خام خوردن علّت آرد در بشر

کاں فلانے یافت گنجے ناگہاں | من ہم آں خواہم چرا جویم دکاں

لغات۔ خام کا کلمہ غیر پختہ اور بے صل کے معنوں میں مشترک ہے۔ اور یہاں دونوں معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔

ترکیب۔ پہلے شعر میں ایں اسم اشارہ مبیّن ہے۔ اور دوسرا شعر اس کا بیان ہے۔ ترجمہ میں اس تقدیم و تاخیر کو صاف کر دیا گیا ہے۔ خیال رہے۔ صنائع طمع خام کو خام بمعنے ناپختہ کے لحاظ سے باعث مرض یعنے دردِ شکم قرار دینا حسن تعلیل ہے۔

ترجمہ۔ صاحبزادے! یہ بات تو ایک طمع خام (یعنے بے صل چیز کی حرص) ہے کہ اس فلاں شخص کو اچانک خزانہ مل گیا۔ میں بھی اسی طرح چاہتا ہوں (کہ مجھے ایک خزانہ مل جائے۔ پھر) کیوں (کسب مال کے لئے) دکان تلاش کروں۔ تم (اس طمع) خام (سے دھوکا) نہ کھاؤ (کیونکہ) خام (یعنے کچی چیز) کا کھانا انسان کو بیمار کر دیتا ہے۔

مطلب۔ دوسروں کے بھروسے پر رہنا یا دست غیب کی توقع پر کسب و سعی چھوڑ بیٹھنا طمع خام ہے ؎

حافظ خام طمع شرمے ازیں قصہ بدار | کارنا کردہ چہ امید عطاے داری

کارِ بخت آں واں ہم نادرست | کسب باید کرد تا تن قادرست

ترجمہ (اگر کسی کو بیٹھے بٹھائے خزانہ مل گیا تو) وہ نصیب کی بات ہے (ہر شخص کا حصہ نہیں) اور وہ بھی (ہمیشہ ممکن نہیں بلکہ شاذ و) نادر (ایسا ہوتا) ہے (پس) جب تک تمہارے بدن میں قدرت ہے (تم کو اپنے زور بازو سے) کمانا چاہئے (بہانہ جوئی سے بیکار نہ بیٹھو)

مطلب۔ اس ارشاد کے لفظ صرف اپنے ظاہری معنے پر بھی محمول ہو سکتے ہیں۔ کہ ان میں سستی و بیکاری سے منع کیا ہے۔ اور سعی و جہد سے رزق در وزی کمانے کی تاکید فرمائی ہے۔ مگر اس سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے۔ کہ اگر کوئی بندہ خدا بلا ریاضت و مجاہدہ واصل بحق ہو گیا۔ تو یہ محض بخت و اتفاق کی بات ہے۔ تم کو برابر طاعت و عبادت۔ ذکر و فکر۔ اور ریاضت و مجاہدہ میں مصروف رہ کر مراتب کمال کے حصول کی کوشش کرنی چاہئے۔ اگر کسی کو بلا سعی یہ درجہ حاصل ہوا ہے۔ تو ممکن ہے۔ اس میں پہلے سے اس کی استعداد موجود ہو۔ خواہ وہ استعداد مجاہدہ سے ملی ہو یا حق تعالٰی نے اپنی حکمت سے اس کو بحالت بے اختیاری کسی ایسے امر میں مبتلا کیا ہو۔ جس سے اس کے رذائل اخلاق کا ازالہ ہو گیا ہو۔ لہذا اس کو اب مجاہدہ کی ضرورت نہ رہی ہو۔ مگر صفائی قلب و اعمال حسنہ کے بغیر کوئی اس مقام پر فائز نہیں ہو سکتا۔ نہ ہوا ہے۔ عمر خیام عفر لہ ؎

اے نیک نہ کردہ و بد بہا کردہ ۔ آنگاہ بلطفِ حق تولّا کردہ
بر عفو مکن تکیہ کہ ہرگز نبود ۔ ناکردہ چو کردہ ۔ کردہ چوں ناکردہ

کسب کردن گنج را مانع کے ست ۔ پا مکش از کار آں خود در پے است

ترجمہ ۔ (تم کمائی کئے جاؤ) کمائی کرنا خزانہ (حاصل ہونے) کا مانع تھوڑا ہی ہے (پس) تم کام کرنے سے قدم نہ ہٹاؤ۔ وہ (خزانہ) خود تمہارے پیچھے (آرہا) ہے۔

مطلب ۔ اگر خزانہ تم کو بلا محنت مل گیا ۔ تو سبحان اللہ! مگر اور محنت و کسب کرنے میں کیا حرج ہے ۔ اس سے بلا محنت حاصل شدہ خزانہ گم تو نہیں ہو جائے گا ۔ بلکہ اس میں اضافہ ہی ہوگا ۔ پس محنت کئے جاؤ ۔ خزانہ خود آتا رہے گا ۔ خواہ محنت سے آئے یا بلا محنت ۔ مطلب یہ کہ مجاہدہ کئے جاؤ ۔ پھر اگر وصول الی اللہ بلا مجاہدہ مقدر ہے تو اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی ۔ اور مجاہدات و اعمال کا ثواب الگ ملے گا ۔

تا نہ گردی تو گرفتارِ اگر ۔ کہ اگر ایں کردمے یا آں دِگر

لغات ۔ تا تعلیل کے لئے آیا ہے ۔ حرف تنبیہ بھی ہو سکتا ہے ۔ اس صورت یہ شعر جملہ مستانفہ ہوگا ۔ دونوں صورتوں میں ترجمہ دو طرح ہوگا ۔ اور مطلب بھی قدرے متفاوت ہوگا ۔

ترجمہ۱ ۔ تم اگر (مگر کے چکر) میں نہ پھنس جاؤ اور پھر حسرت سے کہنے لگو) کہ اگر میں یوں کرتا (تو یوں ہو جاتا) یا اگر وہ دوسری (تدبیر) عمل میں لاتا (تو اس کا نتیجہ یوں ہوتا)

مطلب ۔ آج سعی و جہد سے کچھ کما لو ۔ تاکہ آخر میں پچھتانا نہ پڑے ۔ کہ کاش میں یوں کرتا ۔ تو یوں ہو جاتا ۔

ترجمہ۲ ۔ خبردار! تم اگر (مگر کے چکر) میں نہ پھنس جانا ۔ (اور یوں نہ کہنا) کہ اگر میں یوں کرتا (تو بہتر تھا) یا (اگر موجودہ کوشش کو چھوڑ کر) وہ دوسری (تدبیر کرتا تو زیادہ اچھا ہوتا)

مطلب ۔ اگر وغیرہ تذبذب کے کلمات انسان کی مستعدی و ہمت کے جوش کو سرد کر دیتے ہیں ۔ جب آدمی کام کرتا کرتا سوچتا ہے ۔ کہ اوہو یہ تو کچھ اچھی تدبیر نہیں ۔ اگر میں یوں کرتا ۔ تو زیادہ مفید تھا ۔ تو اس قسم کے خیالات سے اس کی ہمت و محنت کی چلتی گاڑی میں روڑا اٹک جاتا ہے ۔ ان دونوں شعروں کا مطلب اس حدیث سے ماخوذ ہوتا ہے کہ فرمایا جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ المومن القوی خیر واحب الی اللہ من المؤمن الضعیف وفی کلٍ خیرٌ احرص علی ما ینفعک واستعن باللہ ولا تعجز وان اصابک شیئ فلا تقل لو انی فعلت کان کذا وکذا ولکن قل قدر اللہ وما شاء فعل فان لو تفتح عمل الشیطان ۔ یعنے قوی دل مومن اللہ کے نزدیک ضعیف دل مومن سے زیادہ اچھا اور اس کو زیادہ پیارا ہے ۔ خوبی دونوں میں ہے ۔ مفید چیز کے لئے کوشش کرو ۔ اور اللہ سے مدد مانگو ۔ اور کم ہمتی نہ کرو ۔ اور اگر کوئی مصیبت پیش آئے تو یوں نہ کہو کہ اگر میں ایسا کرتا تو اس کا نتیجہ یوں ہوتا ۔ بلکہ کہو اللہ کی تقدیر یہی تھی ۔ جو کچھ اس نے چاہا کیا ۔ کیونکہ اگر مگر کا خیال شیطانی کام کا دروازہ کھول دیتا ہے (مشکوٰۃ) شعر کا دوسرا ترجمہ اس حدیث کے لحاظ سے زیادہ موزوں ہے ۔



کز اگر گفتن رسول با وفاق — منع کرد و گفت ہست ایں از نفاق

ترجمہ کیونکہ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو (حق کے ساتھ) موافقت (تامہ) رکھتے ہیں اگر کہنے (یعنے تذبذب کرنے) سے منع فرمایا ہے۔ اور ارشاد کیا ہے۔ کہ یہ نفاق کی نشانی ہے۔

مطلب۔ انسان کا دنیوی کاموں میں اگر مگر کے چکر میں پڑنا اس کو کم ہمت و ناکارہ بنا دیتا ہے۔ تو دینی امور میں تو اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعثت کے وقت جب نور و ظلمت حق و باطل اور کفر و اسلام الگ الگ نمایاں ہو گئے۔ تو ایک جماعت اس اگر مگر کا شکار ہو رہی تھی۔ کہ اگر اسلام میں داخل ہوتے ہیں۔ تو رشتہ داروں کے تعلقات اور جائداد موروثی ہاتھ سے جاتی ہے۔ اور اگر کفر پر قائم رہتے ہیں۔ تو اسلام کے بڑھتے ہوئے اقتدار سے نہ معلوم کونسا روز بد دیکھنا پڑے۔ کما قیل ؎

شرکت زمرۂ میخوار کنم یا نکنم ؟ — نو بہار است من ایں کار کنم یا نکنم ؟

یہ منافق لوگ تھے۔ جو نہ پوری طرح کافر تھے۔ نہ پکے مسلمان تھے۔ اور اگر مگر کے خبط نے ان کی کشتی کو نہ پار ہونے دیا نہ ڈوب کر فیصلہ ہو جانے دیا۔

کاں منافق در اگر گفتن بمرد — وز اگر گفتن بجز حسرت نبرد

ترجمہ۔ کیونکہ وہ منافق (جو مبتلائے تذبذب رہا) اگر (مگر) کہنے میں ہی مرگیا۔ اور اگر (مگر) کہنے سے سوائے حسرت کے (کچھ بھی دنیا سے اپنے ساتھ) نہ لے جاسکا۔

مطلب۔ یہ مضمون اس آیت سے ماخوذ ہے۔ جو بقول بعض منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ اور خرچ کرو اس مال میں جو ہم نے تم کو دیا ہے پہلے اس سے کہ تم میں سے کسی کو موت آنے لگے تو کہے اے میرے پروردگار کاش تو میری اجل میں کچھ اور تاخیر کر دے تو میں خیرات دیا کروں اور نیک لوگوں میں سے بن جاؤں (سورہ منافقون ع ٢) غرض وہ منافق بھی طرح لولا اور اسی اگر مگر میں دنیا سے چل دیتا ہے۔ اور زندگی میں نیکی کمانے کی حسرت دل کی دل میں لے جاتا ہے۔ یہی حال ہے ان لوگوں کا جو غفلت میں عمر بسر کرتے ہیں۔ اور ان کے شب و روز اس طرح بسر ہوتے ہیں۔ جیسے کسی نے کہا ہے ؎

ہر شبے گویم کہ فردا ترک ایں سودا کنم — باز چوں فردا شود امروز را فردا کنم

مگر جب موت سر پر آجاتی ہے۔ تو ان کے پاس اس غفلت کا چارہ۔ لولا۔ کاش۔ اور اگر مگر کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ آخر کف حسرت ملتے دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ کما قیل ؎

رفتیم و صد ہزار تمنا گذاشتیم — دنیا برائے مردم دنیا گذاشتیم

اے بسا کس مردہ در بوک و مگر — از جمال عافیت ناخوردہ بر

لغات۔ بوک مخفف ہے "بود کہ" کا۔ بمعنے شاید کہ۔ ممکن ہے کہ۔ بر پھل۔ نتیجہ۔

ترجمہ۔ اے (مخاطب!) بہت سے لوگ شاید اور (اگر) مگر ہی (کے چکر) میں مر گئے (جو سب حسنات و ترک سیئات کا ارادہ ہی رکھتے تھے۔ مگر گناہوں سے خیر و) عافیت (منزہنی) کی خوبی کا پھل نہ کھایا۔ (اور غم و حسرت سے روتے دھوتے دنیا سے کوچ کر گئے) عمر خیام ؒ

دانی زجہاں چہ طرف بر بستم؟ ہیچ — وز حاصل عمر چیست در دستم؟ ہیچ
شمع طربم ولے چو بنشستم؟ ہیچ — من جام جمم ولے چو بشکستم؟ ہیچ

ور نمے یابی تو نقصانِ اگر — ایں سخن بشنو کہ دریابی مگر

ترجمہ۔ اگر تم اگر (مگر) کے نقصان کو نہیں سمجھ سکے تو یہ کہانی سن تو شاید اس سے سمجھ جاؤ۔

تمثیل بر حقیقت سخن و اطلاع (بسکون طا) بر کشف آں

(اگر مگر کے) مسئلے کی اصلیت پر ایک مثال اور اس کو نمایاں کرنے کے لئے تبصرہ

یک غریبے خانہ میجست از شتاب — دوستے بُردش سُوے خانہ خراب

لغات۔ غریب پردیسی۔ مسافر۔ خراب شکستہ و منہدم۔ اجڑا ہوا۔

ترجمہ۔ ایک پردیسی رہنے سہنے کے لئے جلدی جلدی گھر تلاش کر رہا تھا (اس کا) کوئی دوست اس کو ایک (بے آباد و) منہدم گھر کی طرف لے گیا۔

نکتہ۔ مولانا کا اصل مقصود تو بیان معارف اور ذکر حقائق ہے۔ جن میں وہ بیخودی کے عالم میں ایک بے پناہ دریا کی طرح بہتے چلے جاتے ہیں۔ مگر کہیں کہیں تمثیل و توضیح کے لئے قصص و نقول کی ضرورت پڑتی ہے۔ تو ان کو بھی کہہ جاتے ہیں۔ لیکن اہل نظر جانتے ہیں کہ ان قصص میں واقعات کا کوئی پہلو ادھورا نہیں رہنے دیتے اور بیخودی و وارفتگی کی حالت اور ساتھ ہی شعری پابندی کے باوجود واقعہ کے ہر پہلو کو اس مناسب لفظی جوڑ توڑ کے ساتھ مکمل کر دیتے ہیں۔ کہ سبحان اللہ وصل علی اس شعر میں لفظ غریبے۔ از شتاب اور دوستے کا استعمال خاص رعایت پر مبنی ہے۔ جیسے کہ آگے چل کر ظاہر ہوگا۔

گفت او ایں را اگر سقفے بُدے — پہلوئے من مر ترا مسکن شدے

ترجمہ۔ اور اس نے (اس پردیسی کو وہ گھر دکھا کر) کہا اگر اس کی چھت ہوتی۔ تو تم (اس کے اندر) میرے پڑوس میں رہنے سہنے لگتے۔

ہم عیالِ تو بیاسُودے اگر — در میانہ داشتے حُجرہ دگر

ترجمہ۔ اگر اس کے درمیان ایک اور دالان ہوتا۔ تو تمہارا عیال بھی اس میں رہ سکتا۔

دررسیدے میہماں روزے ترا   ہم بیاسودے اگر بودیت جا

ترجمہ۔ اگر تم کو (اس مکان میں) قیام (کا موقع) ملتا۔ تو جب کبھی کوئی مہمان آتا۔ اس کو بھی آرام مل سکتا۔

کاشکے معمور بودے ایں سرا   خانۂ تو بودے ایں معمورِ ما

ترجمہ۔ کاش! کہ یہ گھر آباد (و قابل سکونت) ہوتا (تو پھر) یہ ہمارا آباد (گھر) تمہارا گھر ہوتا (اور تم اس میں قیام فرماتے)

نکتہ۔ اب پہلے شعر کے مذکورہ الفاظ کی خوبی ملاحظہ ہو۔ "از شتاب" نے بتایا ہے۔ کہ گھر کا متلاشی چاہتا تھا۔ کہ جلد از جلد کوئی گھر مل جائے۔ ممکن ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کو سڑک پر بٹھا کر آیا ہو۔ اسی لئے دوست کی اگر مگر نے قصہ کا لطف دوبالا کر دیا۔ اگر اس کو جلدی نہ ہوتی۔ تو یہ اگر مگر ایک معمولی تجویز و مشورہ بن جاتا۔ اور سمجھا جاتا۔ چلو خیر دو چار دن میں دالان۔ چھت وغیرہ بن جاتے ہیں۔ پھر قصہ قابل تمثیل نہ رہتا۔ پھر دیکھو کہ اس شخص کو جلدی کیوں تھی؟ اسی لئے کہ اس کا یہاں کوئی رشتہ دار یا گہرا دوست نہیں تھا۔ جس کے ہاں بلا تکلف جا اترتا کسی سبب سے ناگہاں اس شہر میں آ کر قیام پذیر ہونا پڑ گیا۔ مگر مکان ندارد۔ اگر کوئی دوست یا رشتہ دار ہوتا۔ تو یہ قصہ پیش نہ آتا۔ یہ اشارہ غریب کے لفظ نے کیا ہے۔ مگر یہ دوست کوئی معمولی شناسا ہوگا۔ سرِ راہ پردیسی کو سامنے دیکھتے ہی کو دکر سلام و آداب کر بیٹھا ہوگا۔ پردیسی نے مکان کی تلاش کے لئے التماس کی ہوگی۔ تو وہ اپنے سلام کی آبرو رکھنے اور اس سائل سے خیریت کے ساتھ پیچھا چھڑانے کے لئے اس کو ویران گھر کی طرف لے چلا ہوگا۔ پردیسی سمجھا ہوگا۔ کہ بس اب کسی ایوان عالی شان میں ہمارے بستر جم جاتے ہیں۔ مگر جب دونوں اس ویران کھنڈر کے پاس جا کھڑے ہوئے۔ اور دوست نے اگر مگر کی تقریر شروع کی۔ تو پھر پردیسی کی آنکھیں کھلیں۔ یہ سارا لطف دوست کے لفظ سے پیدا ہوا ہے۔ کسی اجنبی اور غیر دوست سے نہ وہ پردیسی مکان کی توقع رکھتا۔ نہ اس کے ساتھ جاتا۔ نہ اس کو اس بے سود کھنڈر پر کھڑے ہو کر لاحول ولا قوۃ پڑھنے کا موقع ملتا۔ اب وہ مکان کا متلاشی پردیسی جواب دیتا ہے۔ اور خوب جواب دیتا ہے۔

گفت آرے پہلوئے یاراں خوش است   لیک اے جاں در اگر نتواں نشست

ترجمہ۔ کہا ہاں بے شک دوستوں کا پڑوس اچھی چیز ہے۔ مگر اے جان سے پیارے دوست! اگر (مگر) کے لفظی محل میں قیام نہیں کیا جا سکتا۔

ایں ہمہ عالم طلبگارِ خوش اند   وز خوشِ تزویر اندر آتش اند

لغات۔ عالم سے اہل عالم مراد ہیں۔ اسی لئے حرف ربط بہیئت جمع آیا ہے۔ یا خود عالم مجموعہ اشخاص ہونے کے باعث بمنزلہ صیغہ جمع سمجھا گیا۔ تزویر بناوٹ۔ جعل۔ مصنوعی چیز بنانا۔

ترجمہ۔ یہ تمام (اہلِ) عالم اچھی چیز کے طلبگار ہیں لیکن نفس اور شیطان کے فریب سے اچھی کی

بجائے بری چیز ان کے پلے پڑتی ہے) اور وہ جعل (اور بناوٹ) کی اچھی چیز کے سبب سے آتش حسرت میں (جلتے) ہیں۔

مطلب۔ یہ اوپر کے قصے کا نتیجہ ہے۔ یعنے جس طرح اس اجنبی کا مقصد یہ تھا۔ کہ کسی اچھے مکان میں قیام کرنے کا موقع ملے۔ اور اسی توقع پر وہ اس نمایشی دوست کے ساتھ قدم بر داشتہ گیا۔ مگر جب ایک کھنڈر پر اس کو لے جا کر کھڑا کر دیا گیا۔ تو اس کو اپنی بے بنیاد توقع پر کف افسوس ملنا پڑا۔ اسی طرح دنیا میں اکثر لوگ راہ وصول بحق کے طالب ہیں۔ لیکن شیطان کے فریب سے وہ ایک ایسے راستے پر پڑ لیتے ہیں۔ جن کو وہ اغوائے شیطان سے راہ وصول سمجھتے ہیں۔ مگر وہ ندامت و حسرت کے جہنم کو جاتا ہے۔ امیر خسرو رہ ؎

زنفس بوالہوست نغل زشت خوب نمود وگرنہ زاغ کے از نغمہ ہیچ سار بود

بعض شارحین نے خوش سے وہ چیز مراد لی ہے۔ جو اپنے تلذذ اور خوبی کے لحاظ سے طبیعت کے لئے خوشگوار ہو۔ ان کے نزدیک مطلب یہ کہ تمام عالم اس چیز کا طالب ہے۔ جو ان کے دل کو خوشگوار لگے۔ اور اس بنا وئی خوشگوار سے آتش حسرت میں جلتے ہیں۔ مگر مولانا بحر العلوم رہ فرماتے ہیں۔ کہ پہلے معنے ابیات آتیہ کے ساتھ زیادہ مربوط ہیں۔

طالب زر گشتہ جملہ پیر و خام لیک قلب از زر نداند چشم عام

لغات۔ خام عربی میں کچا۔ مراد لڑکا۔ نوعمر۔ قلب کھوٹا۔

ترجمہ۔ (چنانچہ) تمام بوڑھے اور نوعمر سونے کے طلبگار ہیں۔ مگر عام (لوگوں) کی آنکھ کھوٹے (سونے) کو (کھرے) سونے سے (شناخت کرنا) نہیں جانتی۔

پر توے بر قلب زد خالص ببیں بے محک زر را مکن از ظن گزیں

ترجمہ۔ خالص (سونے) کی چمک کھوٹے (سونے) پر پڑ گئی (اسی لئے وہ خوشنما نظر آتا ہے) دیکھنا! کسوٹی کے بغیر محض اٹکل پچو سونا نہ لینا۔

مطلب۔ اوپر کے شعر سے آئندہ دو شعروں تک اس شخص کی مثال بیان کی گئی ہے۔ جو مشغول با عمال ہو۔ مگر نفس و شیطان کی تزویرات کو محسوس نہ کرے۔ اور اپنی سیات کو حسنات سمجھے۔ اس کی مثال سونے کے اس خریدار کی سی ہے۔ جو کھرے کھوٹے کی تمیز نہ رکھتا ہو۔ بلکہ کھوٹے کو کھرا سمجھ کر خریدنے پر آمادہ ہو۔ اور جس طرح کھرا سونا کسوٹی کے ذریعہ سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ اسی طرح شرع شریف پر عمل کرنے سے جو اعمال کی کسوٹی ہے۔ وہ نور فراست ایمانی پیدا ہو جاتا ہے۔ جس کی بدولت حسنات و سیئات الگ الگ نظر آنے لگتے ہیں (کذا فی بحر العلوم) جامی رہ ؎

طبع بر گنج حقیقت قفل کشیع آمد کلید تا دہد زاں گنج بیروں گوہر اسرار را

اس تقریر میں زر خالص سے اعمال حسنہ مراد ہوئے۔ جن کے دھوکے میں اہل عمل زر قلب کے حصول یعنے سیات کے مرتکب ہوتے ہیں۔ بعض نے کھرے سونے سے مراد حق سبحانہ مراد لیا ہے۔ جس کے پرتو سے کھوٹی چیزیں بھی کھری نظر آنے لگتی ہیں۔ اس تقریر کی رکاکت ظاہر ہے۔ کہ تزویر تو کار شیطان ہے۔ و دین لھم الشیطان

اعمال ھم اور اگلے شعروں میں بانگ غولاں بھی اسی معنے کی تائید کرتا ہے۔ کہ یہاں کھوٹے اور قلب سے مزورات شیطانیہ ہی مراد ہیں۔ مگر جب پر توحق سے کھوٹی چیزیں کھری نظر آنے لگیں۔ تو پھر شیطان کو تزویر کی کیا ضرورت؟ استغفر اللہ ربی۔

گر محک داری گزیں کن ورنہ رو — نزد دانا خویشتن را کن گرو

ترجمہ۔ اگر تمہارے پاس یہ کسوٹی ہے۔ تو (سونا) خریدو۔ ورنہ جاؤ اپنے آپ کو (کسی دوسرے) صاحب بصیرت کے سپرد کردو (جو کھرے کھوٹے کی تمیز رکھتا ہو)

مطلب۔ اگر تم خود اتباع شرع اور فراست ایمانی کی بدولت اعمال حسنہ و افعال سیئہ میں تمیز کر سکتے ہو۔ تو عمل کئے جاؤ۔ ورنہ کسی مرشد کامل سے بیعت کرو۔ حافظ رہ ؎

مصلحت دید من آنست کہ یاران ہمہ کار — بگذارند و خم طرۂ یارے گیرند

اور اس کے اتباع تام سے اس کی ہدایات کے مطابق عمل کرو۔ اپنی رائے کو ہرگز دخل نہ دو۔ حافظ رہ ؎

بے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید — کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

ایں محک باید میان جان خویش — ور نداری رہ مرو تنہا بہ پیش

ترجمہ۔ (اول تو) یہ (امتیاز خیر و شر کی) کسوٹی (یعنے نور فراست ایمانی) اپنے ہی اندر ہو (تو سبحان اللہ) اور اگر (یہ) تمہارے اندر نہیں ہے۔ تو (خبردار!) تم اکیلے راہ (عمل) پر قدم نہ رکھنا۔ جامی رہ ؎

راہ بس باریک و شب تاریک و دزداں در کمیں — بے دلیلے عزم رہ کردن دلیل ابلہی ست

بانگ غولاں ہست بانگ آشنا — آشنائے کو کشد سوئے فنا

لغات۔ بانگ پہلا کلمہ بمعنے وسوسہ ہے دوسرا بمعنے ندا و صدا۔ غولاں شیاطین۔ فنا سے یہاں ہلاک و تباہی مراد ہے نہ کہ فنائے مصطلح۔ ترکیب بانگ غولاں مبتدا بانگ آشنا اس کی خبر دوسرے مصرعہ میں آشنا پہلے مصرعہ کے آشنا سے بدل ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے۔ کہ بانگ غولاں خبر مقدم اور بانگ آشنا مبتدا مؤخر قرار دیا جائے۔ اب ترجمہ کا فرق ملاحظہ ہو۔ ترجمہ (۱) شیطان کے وسوسے (جو دل میں اٹھتے ہیں وہ خوشگوار ہونے میں) ایک (پیارے) دوست کی آواز (معلوم ہوتے) ہیں (۔مگر) وہ (پیارا) دوست جو (اپنی صحبت بد کے اثر سے) ہلاک ابدی کی طرف لے جاتا ہے۔

مطلب۔ اس ترجمہ کے اعتبار سے شیطانی وساوس سے بچنے کی ہدایت مقصود ہے۔ جس طرح اس نمائشی دوست کا مکان دلانے اور دکھانے کا وعدہ پردیسی کو خوشگوار معلوم ہوا تھا۔ اسی طرح شیطان لعین کی گمراہ کن آوازیں جو دل میں اٹھتی رہتی ہیں۔ انسان کو مرغوب ہوتی ہیں۔ مگر جس طرح اس دوست کی آواز پر لبیک کہنے کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ ایک خوفناک و ویران کھنڈر آنکھوں کے سامنے تھا۔ اسی طرح شیطان کی آواز پر عمل کرنا بھی موجب تباہی ہے حافظ رہ ؎

دور است سر آب دریں بادیہ ہشدار — تا غول بیاباں نفریبد بسرابت

شیطان کی آواز کو جلیس سو کی آواز کے ساتھ ہی مشابہت ہے۔ کیونکہ نیک و صالح دوست کی آواز اگر خوشگوار

ہوتی ہے ۔تو اس پر لبیک کہنے کا نتیجہ بھی خوشگوار ہوتا ہے ۔وہ اس کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتی ۔

ترجمہ ۲ ۔ (برے) دوست کی آواز شیاطین کی آواز (سے مشابہ) ہے وہ دوست جو (اپنی بری صحبت کے اثر سے) ہلاک (ابدی) کی طرف لے جائے ۔

مطلب ۔ یہ ترجمہ برے لوگوں کی صحبت سے بچنے کی ہدایت پر مشتمل ہے یعنے جس دوست کی صحبت اعمال سیئہ پر مائل کرکے آخرت کی روسیاہی اور تباہی کا مستوجب بنا دے ۔اس کی آواز پر لبیک کہنا شیطان کے اتباع کا مترادف ہے ۔جو صریحاً انسان کا دشمن ہے ۔ عمر خیام عفراللہ لہ ؎

خواہی کہ بدانی بیقین دوزخ را   دوزخ بجہان صحبت نااہل بود

بانگ میدارد کہ ہاں اے کارواں   سوئے من آئید نک نام و نشاں

لغات ۔ میدارد بمعنے بر دارد ۔ داشتن بمعنے برداشتن بھی آتا ہے ۔ نک مخفف اینک کا ۔دیکھو ۔

ترجمہ ۔(وہ شیطان) آواز دیتا ہے کہ ارے او قافلے والو! میری طرف آؤ ۔ یہ دیکھو (تمہارے مطلوب و مقصود کا) نام و نشان (میں تم کو منزل مقصود پر پہنچا دوں گا)

نام ہر یک مے برد غول اے فلاں   تا کند آں خواجہ را از آفلاں

لغات آفلاں ۔ جمع آفل ۔ غروب ۔ غرق ۔ مراد ہلاک و تباہ ۔ صنائع اے فلاں اور آفلاں میں تجنیس لاحق ہے ۔

ترجمہ ۔ شیطان (اہل قافلہ میں سے) ہر ایک کا نام لیتا ہے کہ اے فلاں (یہاں آجا) تاکہ ان صاحب کو (جن کو وہ بلاتا ہے ان لاکھوں) ہلاک شدہ لوگوں میں شامل کر دے (جو اس کی تیغ مکر کا لقمہ ہو چکے ہیں)

چوں رسد آنجا بہ بیند گرگ و شیر   عمر ضائع راہ دور و روز دیر

صنائع گرگ و شیر استعارہ ہے مہلکات و موبقات سے دوسرے مصرعہ میں صنعت جمع ہے ۔

ترجمہ ۔جب وہ (شخص) وہاں پہنچتا ہے ۔تو بھیڑیئے اور شیر (وغیرہ مہلکات کو) اپنے سامنے پاتا ہے (اب کف افسوس ملتا ہے اور روتا ہے کہ ہائے میری) عمر ضائع (ہوئی) راستہ (منزل سے بہت دور (رہ گیا) دن بے وقت (ہوگیا ۔اب منزل پر پہنچنا ناممکن ہے)

مطلب ۔ جو شخص اغوائے شیطان سے دواعی شہوت پر عمل کرتا ہے ۔اور اسی بداعمالی میں عمر بسر کر دیتا ہے انجام کار جب دیکھتا ہے کہ عمر گزر گئی ۔منزل نجات دور رہ گئی ۔اور اب نیک عمل کمانے کا وقت نہ رہا ۔تو اسکو کف افسوس ملنے کے بغیر کوئی چارہ نظر نہیں آتا ۔ صائبؒ ؎

نمے باشد ز بے برگی چراغے خانہ مارا   زچشم جغد باشد روشنی ویرانہ مارا

چہ بود آں بانگ غول آخر؟ بگو   مال خواہم جاہ خواہم و آبرو

عروض ۔ شعر کا آخری کلمہ بعض نسخوں میں وآبرو بواو عاطفہ اور بعض میں بلا واؤ حرف آبرو لکھا ہے ۔اگر واؤ رکھی

جائے۔ تو اس کو بحرکت فتحہ الف کے ساتھ ملاکر بوزن ماہرو پڑھنا چاہیئے۔ کیونکہ الف کو ممدود پڑھنا اور واؤ کو میم ماقبل کے ضمہ کی صورت سے ادا کرنا جیسے کہ قاعدہ ہے۔ بیت میں سکتہ ڈالتا ہے۔ وہذا لایجوز۔

ترجمہ۔ وہ آواز شیطان کیا ہوتی ہے؟ (کچھ تو) کہو (تو سنو وہ یہ تمنائیں ہوتی ہیں کہ) میں مال چاہتا ہوں وجاہت چاہتا ہوں اور (دنیوی) عزت (چاہتا ہوں)۔

مطلب۔ شیطان کوئی آدمی کی طرح چیخ پکار کر آواز نہیں دیتا۔ بلکہ اس کی آواز تو یہی ہے کہ انسان کے دل میں دنیوی سازوسامان کی خواہش کے وسوسے ڈالتا رہتا ہے۔ کبھی مال و دولت کی تمنا۔ کبھی عہدہ و منصب کی آرزو اور کبھی آن بان کا شوق۔ ان فضول تمناؤں کے غبار سے شیطان دلوں کو مکدر و بے نور بناتا رہتا ہے۔ صائبؒ ؎

آرزوئے دل غبار آلودہ سازد سینہ را　　جوش صرصر آب ایں سرچشمہ را گل میکند

از دروں خویش ایں آوازہا　　منع کن تا کشف گردد رازہا

ترجمہ۔ ان (شیطانی) آوازوں کو اپنے دل (میں آنے) سے روک دو۔ تاکہ (صفائی قلب حاصل ہوکر) تم پر اسرار (حقیقت) مکشوف ہونے لگیں۔

مطلب۔ قلب صافی آئینہ اسرار بن جاتا ہے۔ کما قیل ؎

صاف شد چوں دل بود آئینہ روئے یار را　　کے شود مانع عکس خود را مانع بودن در آب

ذکر حق کن بانگ غولاں را بسوز　　چشم چوں نرگس ازیں کرگس بدوز

ترکیب۔ چوں نرگس یا تو چشم کی صفت مقدر کے متعلق ہے یا بدوز کے متعلق ہے۔ دونوں صورتوں میں دوسرے مصرعہ کا ترجمہ متفاوت ہے۔ صنائع نرگس اور کرگس میں تجنیس لاحق۔

ترجمہ۔ حق تعالیٰ کا ذکر (بطور مجاہدہ پورے صبر و استقلال سے مسلسل) کرو اور اس کی بدولت شیطانوں کی بھونک کران کا صفایا کر ڈالو (اور اپنی) نرگس کی سی (خوبصورت) آنکھ کو اس (مردار خوار) گدھ (یعنی شیطان) کی طرف سے بند کر لو۔

(یا یوں کہو کہ) اس (مردار خوار) گدھ کی طرف سے (اپنی) آنکھ کو (اس طرح) بند کر لو جس طرح (چشم) نرگس (بظاہر کھلی ہے مگر دیکھتی نہیں)

مطلب۔ شیطانوں کا صفایا کر دینے سے مدعا یہ ہے کہ دل پر ان کا قبضہ نہ رہے۔ اور ذکر حق کا یہ خاصہ ہے۔ اس کی برکت سے انسان کے دل پر شیطان قابو نہیں پاتا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ **الشیطان جاثم علے قلب ابن آدم فاذا ذکر اللہ خنس واذا غفل وسوس** یعنے شیطان فرزند آدم کے دل پر پاؤں جمائے بیٹھا ہے پس جب بندہ اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ تو وہ شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ اور جب (ذکر سے) غافل ہو جاتا ہے تو پھر وسوسہ ڈالنے لگتا ہے (مشکوٰۃ) مولانا فرماتے ہیں۔ کہ بطور مجاہدہ ہمیشہ اور بلا تراخی ذکر میں لگے رہو۔ تاکہ تم پر غفلت طاری ہو۔ نہ شیطان کو کبھی وسوسہ ڈالنے کا موقع ملے۔ کیونکہ جب دل پر یاد حق کا غلبہ ہوگیا۔ تو پھر اس میں شیطان وغیرہ کسی دوسرے غیر حق کا کیا کام ہے۔ جامی رح ؎

ذکر سے شیطان کے وساوس دفع ہوتے ہیں

دارم دلکے کہ با ہزار اندیشہ کہ داشت | جز یاد تو بر صفحہ خاطر ننگاشت
یاد تو چناں فرو گرفتش کہ درو | گنجائی ہیچ چیز دیگر نگذاشت

صبح صادق را ز کاذب وا شناس
رنگِ مے را باز داں از رنگِ کاس

ترجمہ صبح صادق کو (صبح) کاذب سے الگ شناخت کرو شراب کے رنگ کو پیالے کے رنگ سے جدا تمیز کرو۔

مطلب۔ صبح کاذب آسمان کے مشرقی کنارے کی وہ پہلی سفیدی ہوتی ہے۔ جس کے بعد پھر اندھیرا ہو جاتا ہے چونکہ وہ فی الواقع طلوع فجر نہیں ہوتی۔ اور اس سے طلوع فجر کا دھوکا ہوتا ہے۔ اس لئے صبح کاذب کہلاتی ہے۔ صبح صادق دوسری چوڑی روشنی ہے۔ جس سے فجر طلوع ہوتی ہے۔ مدعا یہ ہے۔ کہ صادق کاذب۔ حق و باطل۔ خیر و شر اور مفید و مضر میں امتیاز کرنا سیکھو۔ شراب کا رنگ عموماً سرخ یا گلابی ہوتا ہے لیکن اگر کسی سرخ رنگ کے پیالے میں صاف و خالص پانی بھر دیا جائے۔ تو وہ بھی بظاہر سرخ نظر آتا ہے۔ اور اس کے ہمرنگ شراب ہونے کا دھوکا ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ تم خوب سمجھ لو۔ کہ یہ پیالے کا رنگ ہے۔ یا اس کے اندر کی سیال چیز کا رنگ ہے۔ مطلب یہ کہ اصل و غیر اصل چیز میں تمیز کرنا سیکھو۔ مگر بے تمیز آدمی کے سامنے روز روشن اور شب سیاہ۔ راہ راست اور قعر چاہ یکساں ہے۔ سعدیؒ

برآناں کہ شد سرّ حق آشکار | نکردند باطل بر و اختیار
ولیکن چو ظلمت نداند ز نور | چہ دیدار دیوش چہ رخسار حور
تو خود را از آں در چہ انداختی | کہ چہ را ز رہ باز نشناختی

تا بود کز دیدگانِ ہفت رنگ
دیدہ پیدا کند صبر و درنگ

لغات بود بمعنے شاید۔ امید ہے۔ ممکن ہے۔ دیدگان جمع دیدہ۔ آنکھ۔ چشم۔ ہفت رنگ مرکب غیر امتزاجی۔ سات رنگ والی۔ سات رنگ سے آنکھ کے سات پردے مراد ہیں۔ جن کے ترتیباً اجتماع سے آنکھ کا ڈیلا بنا ہے اور وہ یہ ہیں (۱) ملتحمہ (۲) قرنیہ (۳) عنبیہ (۴) عنکبوتیہ (۵) شبکیہ (۶) مشیمیہ (۷) صلبیہ ملتحمہ سب سے اوپر کا پردہ ہے۔ جب آنکھ آتی ہے۔ تو یہی پردہ سرخ ہوتا ہے۔ قرنیہ ملتحمہ کے نیچے ایک سفید صاف و شفاف اور گول پردہ ہے۔ جو آنکھ کے ڈھیلے پر احاطہ کرنے والے ایک اور پردے میں بطور پیوند اس طرح لگا ہوا ہے۔ جس طرح گھڑی میں گول شیشہ لگا ہوتا ہے۔ عنبیہ بھی ایک گول پردہ ہے۔ جو سیاہ یا بعض لوگوں کی آنکھوں میں نذر و یا نیلگوں ہوتا ہے۔ اور اس کے درمیانی سوراخ سے پتلی نظر آتی ہے۔ عنکبوتیہ ایک مکڑی کے جالے کا سا ہلکا اور مہین پردہ ہے۔ شبکیہ ایک نازک نورانی عصبی پردہ ہے۔ جس میں ایک رطوبت کی تھیلی رکھی رہتی ہے۔ یہی پردہ منبع بصارت ہے۔ اور یہ دراصل اس دماغی پٹھے کا پھیلاؤ ہے۔ جو دماغ سے آنکھ کے ڈھیلے میں آتا ہے۔ اور وہی نور بصارت ہے۔ مشیمیہ ایک ارغوانی یا سیاہی مائل پردہ ہے۔ جس کے کنارے طبقہ عنبیہ سے متصل ہیں۔ صلبیہ وہ سفید چینی کی پیالی کا سا پردہ ہے۔ جس سے آنکھ سفید نظر آتی ہے۔ ہماری کتاب کلید مطب میں آنکھ کی تشریح ذرا زیادہ وضاحت کے ساتھ درج ہے۔

آنکھ کی مختصر تشریح

ترجمہ:۔ تاکہ شاید تمہارا (مجاہدہ پر) صبر (واستقلال) اور دیر تک اعمال و اشغال میں لگے رہنا) ان سات پردوں والی آنکھوں کے علاوہ ایک قلبی آنکھ پیدا کردے (جس سے تم نفع و ضرر میں تمیز کرنے لگو) حافظ رہ ؎

دلا زنور ریاضت گر آگہی یابی ۔۔۔ چو شمع خندہ زناں ترک سر توانی گفت

رنگہا بینی بجز ایں رنگہا ۔۔۔ گوہراں بینی بجائے سنگہا

ترجمہ:۔ (پھر) تم ان (دنیاوی) رنگوں کے علاوہ (اور غیبی) رنگ دیکھو گے پتھروں کی بجائے موتی دیکھو گے۔

مطلب۔ ریاضت و مجاہدہ کی بدولت وہ نور بصیرت حاصل ہو جائیگا۔ کہ ہر وقت حقیقت پر نظر رہے گی۔ اور اس کے سوا باقی تمام اشیاء کی ہستی تمہاری نگاہ میں کالعدم ہو جائے گی۔ صائبؒ ؎

سینہ بر سنگ زناں محرم ایں درگاہند ۔۔۔ در توفیق بہر خام کجا بکشایند

گوہرے چہ بلکہ دریائے شوی ۔۔۔ آفتاب چرخ پیمائے شوی

ترجمہ ایک موتی (کا دیکھنا) کیا (بڑی بات) ہے۔ بلکہ تم (خود موتیوں کا) دریا بن جاؤ گے (اور منازل سلوک کو یوں طے کرو گے گویا تم آسمان کی (ایک سرے سے دوسرے تک) سیر کرنیوالا آفتاب بن گئے ہو۔

مطلب۔ منازل سلوک کے طے کرنے اور مراتب کمال پر فائز ہونے کی بہترین تدبیر ریاضت ہے حافظ رہ ؎

گویند سنگ لعل شود در مقام صبر ۔۔۔ آرے شود ولیک بخون جگر شود

کارکن در کارگہ باشد نہاں ۔۔۔ تو برو در کارگہ بینش عیاں

لغات کارکن کام کرنے والا اسم فاعل ترکیبی۔ بینش صیغہ امر کے ساتھ ضمیر مفعول شامل ہے۔

ترجمہ کام کرنے والا (یعنی حق تعالیٰ) کارخانہ (مصنوعات عالم) میں پوشیدہ ہے۔ تم (اس) کارخانہ میں جاؤ (اور) اس کا تجلی مشاہدہ کرلو۔

مطلب۔ منازل سلوک اسی لئے طے کی جاتی ہیں۔ کہ حق سبحانہ تعالیٰ کی کامل معرفت حاصل ہو۔ فرماتے ہیں۔ کہ اس ذات پاک کا مشاہدہ اس کی مصنوعات میں ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ مشاہدہ کے قابل آنکھ ہو ؎

چو آفتاب بہر ذرہ مے نمائی رخ ۔۔۔ ولیک چشم عراقی نمے کند ادراک

کار چوں بر کارکن پردہ تنید ۔۔۔ خارج آں کار نتوانیش دید

ترجمہ چونکہ صنع (باری تعالیٰ) نے صانع (حقیقی تعالیٰ شانہ) پر پردہ تن رکھا ہے۔ لہذا تم ان مصنوعات سے باہر اس کو نہیں دیکھ سکتے۔

مطلب۔ دنیا میں باری تعالیٰ کو بلا حجاب عیاناً دیکھنا محال ہے۔ لا تدرکہ الابصار پس یہاں

اس کا مشاہدہ ذوقاً و وجداناً اس کی مصنوعات کے حجاب میں ہی ہو سکتا ہے۔ جو اس کے جمال بے مثال پر بمنزلہ پردہ چھائی ہوئی ہیں۔ جس شخص کو چشم قلب حاصل ہے۔ وہ اسی پردہ میں دولت شہود سے بہرہ ور ہو سکتا ہے۔ صائبؒ ؎

در ہیچ پردہ نیست نباشد نوائے تو　　　عالم پُر است از تو و خالی ست جائے تو

کارگہ چوں جائے باش عامل ست　　　آنکہ بیروں ست از وے غافل ست

لغات۔ عامل کام کرنے والا۔ کارکن۔ کارندہ مراد صانع حقیقی۔ بعض نسخوں میں یہ لفظ عاقل بقاف درج ہے۔

ترجمہ۔ جب کارخانہ اپنے کارکن کے ٹھکانے کی جگہ ہے (تو اس کارکن کے متلاشی کو کارخانے ہی میں آنا چاہیئے) جو شخص (اس کارخانہ سے) باہر چلا گیا۔ وہ اس (کارکن) سے غافل ہے۔

مطلب مصنوعات پر غور و فکر کرنے سے صانع تعالیٰ شانہٗ کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں متعدد جگہ منکران حق کو مصنوعات پر توجہ دلا کر حق تعالیٰ کے آثار قدرت سے اس کو پہچاننے کی ہدایت کی گئی ہے۔ صائبؒ ؎

دل گواہ ست کہ در پردہ دل آرائے ہست　　　ہستی قطرہ دلیل ست کہ دریائے ہست

پس درا در کارگہ یعنی عدم　　　تا بہ بینی صنع و صانع را بہم

ترجمہ پس (اس) کارخانہ میں آؤ (اور مصنوعات) یعنے (ان موجودات پر غور کرو جو اپنے امکان کے لحاظ سے) عدم (کے درجے) میں (ہیں) تاکہ تم کو صنع اور صانع (یعنے قدرت کے کام اور ان کا کرنے والا) اکٹھے نظر آجائیں۔

مطلب۔ مشاہدہ جمال حقیقی کی یہی صورت ہے۔ کہ کارخانہ عالم کو فقر و فنا کا کارخانہ بنا دو۔ اور اس میں سب کچھ لٹا دو۔ جامی رحمہ ؎

کوئے فنا و فقر عجب کارخانہ ایست　　　خوش آنکہ ہرچہ داشت دریں کارخانہ باخت

یعنے اپنی اسی ہستی میں اور اسی کائنات کے اندر ہوتے ہوئے اپنی اور دیگر تمام اشیائے عالم کو اپنی نظر میں نابود کر کے باہمہ و بے ہمہ کے رنگ میں آجاؤ۔ پھر تم کو وہی نظر آئے گا۔ جو فنا فی اللہ کا مرتبہ ہے۔ امیر خسرو ؎

ہستی من رفت و خیالش بماند　　　اینکہ تو بینی نہ منم بلکہ اوست

کارگہ چوں جائے روشن دیدگیست　　　پس بروں کارگہ پوشیدگیست

لغات۔ روشن دیدگی صاحب بصارت ہونا۔ روشن دیدہ ہونا۔

ترجمہ چونکہ یہ کارخانہ (عالم اس طرح) روشن دیدہ ہو (کر مشاہدہ حق کر) نے کا مقام ہے۔ (کہ تمام کائنات کو فنا و معدوم سمجھا جائے) پس اس کارخانہ (منعدم) سے باہر (یعنے کائنات کی ہستی کو ملحوظ رکھنے کی صورت میں) پوشیدگی ہے (یعنے مشاہدہ حق ممکن نہیں)

مطلب قرب حق اور دولت شہود فنائے ہستی کے مقام میں مل سکتی ہے۔ صائب ؎

گرد ہستی اگر از پیش نظر برخیزد ... رہروے نیست دریں راہ کہ در منزل نیست

واضح ہو۔ کہ کارخانہ منعدم کوئی ظرف مکانی نہیں۔ کہ معاذ اللہ ذات حق کو اس میں متمکن قرار دیا ہے۔ بلکہ یہ محض ایک عنوان تعبیری ہے۔ جو بطور تشبیہ و تمثیل استعمال کیا گیا ہے۔ یعنے جس طرح اندرون مکان کی چیز مکان کے اندر داخل ہونے سے ہی نظر آسکتی ہے۔ اسی طرح ذات حق کا مشاہدہ اپنے آپ کو فنا و عدم کے مقام میں پہنچانے سے میسر ہوسکتا ہے۔ اگرچہ عدم و فنا کوئی خاص مکان یا ظرف نہیں۔ فافہم (کذا فی کلید)

رُو بہستی داشت فرعونِ عنود ... لاجرم از کارگاہش کور بُود

لغات۔ فرعون ایک کافر بادشاہ تھا۔ جو خدائی کا مدعی بھی تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی کے عہد میں مبعوث ہوئے تھے۔ آخر وہ سرکش بادشاہ اسی پیغمبر حق کے معارضے میں تباہ و ہلاک ہوا۔ مفتاح العلوم حصہ اول میں اس کا ذکر کسی قدر تفصیل سے گزر چکا ہے۔ عنود سرکش۔ ستیزہ کار۔

ترجمہ۔ فرعون سرکش بھی ہستی کی طرف متوجہ تھا۔ اس لئے وہ اس (خداوند تعالیٰ) کے کارخانہ (فنا و عدم) سے بالکل اندھا تھا۔

مطلب۔ کارگاہ عدم کی طرف متوجہ ہوکر مشاہدہ حق کرنے کے لئے تو یہ لازم ہے۔ کہ اپنی ممکن ہستی کو بھی اپنی نظر میں معدوم کرلیں۔ مگر بدنصیب فرعون دنیا اور اس کے سازوسامان کا اسقدر دلدادہ تھا۔ کہ اس نے نہ صرف اپنی ممکن ہستی کو نمایاں و ممتاز بنانے پر اصرار کیا۔ بلکہ واجب الوجود ہستی یعنے خدا کے ثانی بننے کا بھی دعویدار بن بیٹھا۔ استغفر اللہ ربی۔ لا الٰہ الا ھو وحدہ لا شریک لہ۔ اسی لئے کمبخت معرفت حق سے محروم رہا۔ اور ذلت کی موت مرا۔

لاجرم میخواست تبدیلِ قدر ... تا قضا را بازگرداند ز در

ترجمہ۔ اسی لئے وہ تقدیر (الٰہی) کو بدل ڈالنا چاہتا تھا۔ تاکہ قضائے الٰہی کو اپنے دروازے (پر آنے) سے روک دے۔

مطلب فرعون نے خواب دیکھا۔ کہ ملک شام کی طرف سے ایک آگ آئی۔ اور اس کے ایوان سلطنت کو خاک سیاہ کرگئی۔ اہل تعبیر نے بتایا۔ ملک شام کی قوم یعنے بنی اسرائیل میں سے جو تیری رعایا ہے۔ ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ وہ بچہ کو اور تیری سلطنت کو تباہ کرے گا۔ یہ تعبیر درست تھی۔ اور وہ لڑکا حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے۔ جن کے ہاتھوں فرعون کی شان و شوکت کا ملیامیٹ ہونا مقدر ہوچکا تھا۔ مگر فرعون کمبخت کو اتنا علم نہ تھا۔ کہ تقدیر الٰہی ہٹ نہیں سکتی۔ اور قضائے الٰہی جب آتی ہے۔ تو ٹلتی نہیں۔ اس لئے وہ اس آنے والی آفت کی روک تھام کی کوشش کرنے لگا۔ ہاتفی رہ ؎

چو تقدیر از عرش آید فرود ... ندارد بلندی دیوار سود

خود قضا بر سبلتِ آں حیلہ مند ... زیرِ لب میکرد ہر دم ریشخند

لغات - سبلت مونچھ بر سبلت کسے خندیدن کے معنے کسی کی حقارت کرنا ۔ ذلت کی نظر سے دیکھنا ۔ ریشخند استہزا ۔ تمسخر ۔ استحقاراً کسی کی ہنسی اڑانا ۔

ترجمہ - (مگر) خود قضا ہر دم اس (بیوقوف) حیلہ گر کی مونچھوں پر استحقاراً زیر لب ہنستی تھی ۔

مطلب - زیر لب ہنسنا ایک موقر و ذی اقتدار ہستی کی شان ہوتی ہے ۔ بخلاف اس کے قہقہہ لگانا پھکڑ دل اور کم رتبہ لوگوں کا شیوہ ہے ۔ زیر لب کے لفظ سے قضائے الٰہی کی اعلیٰ شان کی رعایت مقصود ہے ۔ ورنہ وہ کوئی شخص مجسم نہیں تھا ۔ کہ اس کے لئے لب کا اثبات کیا جاتا ۔ غرض قضائے الٰہی کے آگے اس کی حیلہ جوئی خام خیالی تھی ۔ صائبؒ ؎

با حکم ایزدی چہ بود گیر و دار خلق خاشاک را بآب رواں اختیار نیست

صد ہزاراں طفل کُشت او بیگناہ تا بگردد حُکم و تقدیرِ الٰہ

ترجمہ اس نے (بنی اسرائیل کے) لاکھوں بچے بیگناہ قتل کر ڈالے ۔ تاکہ خدا کا حکم اور تقدیر ٹل جائے ۔

مطلب - فرعون نے اس آنے والی آفت کی روک تھام کی یہ تدبیر کی ۔ کہ یہ حکم دے دیا ۔ کہ بنی اسرائیل کے جو لڑکا پیدا ہو قتل کر دیا جائے ۔ جس سے اس کا مقصد یہ تھا ۔ کہ وہ لڑکا بھی انہی میں قتل ہو جائے گا جو اس کی سلطنت پر تباہی لانے والا ہے ۔

تا کہ مُوسیٰ نبی ناید بروں کرد بر گردن ہزاراں ظلم و خُوں

ترجمہ - اس (ظالم) نے اس غرض سے کہ موسیٰ نبی علیہ السلام (جو اس کی سلطنت کو ملیا میٹ کرنے والے تھے) پیدا نہ ہوں ۔ ہزاروں ظلم اور خون اپنی گردن پر لئے (مگر عجائبات قدرت دیکھو کہ)

ایں ہمہ خُوں کرد و مُوسیٰ زادہ شُد وز برائے قہرِ او آمادہ شد

ترجمہ اس نے یہ تمام خون (بھی) کئے اور موسےٰ علیہ السلام پیدا (بھی) ہو گئے ۔ اور اس کی سرکوبی کے لئے آمادہ ہو گئے ۔

گر بدیدے کارگاہِ لایزال دست و پایش خشک گشتے زاحتیال

ترجمہ اگر وہ (بدنصیب، خداوند) لایزال (کی قدرت) کے کارخانہ کو دیکھ لیتا (اور معلوم کر لیتا ۔ کہ اس کے زبردست نظام کو بدلنا خالہ جی کا گھر نہیں) تو (اس نظام کے مقابلے میں) حیلہ بازی کرتے اس کے ہاتھ پاؤں خشک ہو جاتے (اب تماشائے قدرت کیا ہوا کہ)

اندرونِ خانہ اش مُوسےٰ مُعاف وز بروں میکُشت طِفلاں از گزاف

ترجمہ (اس کے جانی دشمن یعنی) موسے علیہ السلام تو امن و امان کے ساتھ (خود) اس کے محلات میں (پرورش پا رہے تھے)۔ اور باہر وہ بیوقوفی سے (بیگناہ) بچوں کو قتل کر رہا تھا۔

ہمچو صاحب نفس کو تن پرورد　　　بردگر کس ظنِ حقدے مے برد

ترجمہ (اس کی مثال وہی تھی) جیسے ایک نفس (کا اتباع کرنے) والا لذات جسمانی میں (پڑکر) اپنے بدن کی پرورش کر رہا ہو (اور) دوسرے شخص پر دشمنی کا گمان کرتا ہو۔

کیں عدو و آں حسود و دشمن است　　　خود حسود و دشمنِ او آں تن است

ترجمہ کہ یہ بیری ہے۔ وہ حاسد ہے۔ اور (وہ ایک اور) دشمن ہے (حالانکہ) خود اس کا دشمن وہ بدن ہے۔

مطلب۔ یہاں ایک نفس پرست انسان کو فرعون سے اور اس کے بدن کو موسٰے سے تشبیہ دی ہے۔ وجہ تشبیہ یہ کہ جس طرح نفس پرست لذات نفسانیہ کی طلب میں اپنے بدن کو کمال ناز و تنعم میں پالتا رہتا ہے۔ اور دوسرے لوگوں کو اپنے دشمن سمجھتا ہے۔ حالانکہ بدن مانع ترقیات روحانیہ ہونے کے لحاظ سے اس کا سب سے پہلا دشمن ہے۔ اسی طرح فرعون کسی ذاتی غرض یا مصلحت سے موسیٰ کو ایک لاوارث بچہ سمجھ کر اپنے محلات شاہی میں پرورش کرنے لگا۔ اور دوسرے بیگناہ بچوں کو اپنا دشمن سمجھ کر قتل کرنے لگا۔ حالانکہ دشمن خود اس کی آغوش میں پرورش پا رہا تھا۔ مگر چونکہ اس تمثیل میں موسیٰ علیہ السلام کی ذات اقدس کو بدن مانع ترقیات سے تشبیہ دینا سوادب کے شائبہ سے خالی نہیں۔ اس لئے مولانا آگے تمثیل کے پیرایہ کو بدلتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔

او چو موسیٰ و تنش فرعونِ او　　　او بہ بیروں میدود کہ کو عدو

ترکیب۔ او چو موسیٰ کی ضمیر صاحب نفس کی طرف راجع ہے۔ جس سے روح مراد ہے۔ دوسرے مصرعہ میں او کی ضمیر تن کی طرف راجع ہے۔

ترجمہ۔ (نہیں نہیں بلکہ یوں کہنا مناسب ہے کہ) وہ (صاحب نفس یعنی روح) گویا موسٰے ہے اور اس کا بدن اس کے لئے فرعون ہے (مگر) وہ باہر دوڑا پھرتا ہے کہ دشمن کہاں ہے (مل جائے تو اس کو مار ڈالوں)

مطلب۔ جس طرح فرعون موسٰے علیہ السلام کی پرورش کا کفیل تھا۔ اور اس کی آغوش ان کی آرام گاہ تھی اسی طرح بدن روح کا گویا حصار زندگی ہے۔ فرعون اپنے دشمن درون خانہ سے غافل ہو کر خواہ مخواہ ناکردہ گناہ بچوں کو دشمن سمجھتا رہا۔ اسی طرح بدن اپنے مخالف یعنے روح سے بے خبر خواہ مخواہ بیرونی کیفیات گرمی سردی وغیرہ کو اپنا مخالف سمجھتا ہے۔ اور ان سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔

نفس اندر خانۂ تن نازنیں　　　بردگر کس دست میخاید بکیں

ترجمہ (آدمی کا اصلی دشمن یعنے) نفس (تو) بدن کے گھر میں ناز (و نعمت) کے ساتھ (پرورش پا رہا) ہے اور وہ (اُلٹا) دوسرے لوگوں پر باعث کینہ (اپنا) ہاتھ کاٹتا ہے۔

مطلب۔ اس شعر کا مطلب اگر شعر سابق کے مطابق تسلیم کیا جائے۔ تو نفس سے نفس مطمئنہ یا روح مراد ہے جس کو موسیٰؑ کے ساتھ تشبیہ دی گئی تھی۔ اگر نفس امارہ مراد ہو۔ اس صورت میں اس شعر کا مطلب جداگانہ ہوگا۔ اور پھر اس سے عام نصیحت مقصود ہے۔ کہ جس طرح فرعون نے اپنے دشمن یعنے موسیٰ کو اپنے گھر میں رکھ کر پرورش کیا۔ اسی طرح لوگ اپنے نفس کو ناز و نعمت میں پرورش کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ ان کا دشمن ہے سعدی رحؒ

بناز و طرب نفس پروردہ گیر　　　چنیں دشمنے را قوی کردہ گیر

اور اس تشبیہ میں مطلقاً دشمن کی پرورش کرنا وجہ شبہ ہے۔ عام اس سے کہ وہ دشمن فی نفسہ اچھا ہے یا بُرا۔ فافہم

ملامت کردن مرُدمان شخصے راکہ مادر را بہ تُہمت بکُشت

لوگوں کا ایک شخص کو ملامت کرنا جس نے (اپنی) ماں کو (زنا کی) تہمت سے مار ڈالا

آں یکے از خشم مادر را بکُشت　　　ہم بزخم خنجر و ہم زخم مُشت

ترجمہ اس ایک (شخص) نے غضبناک ہو کر اپنی ماں کو خنجر کے زخم اور گھونسے کی چوٹ کے ساتھ مار ڈالا۔

آں یکے گُفتش کہ از بد گوہری　　　یاد ناوردی تو حقِّ مادری

لغات۔ بدگوہری میں یائے مصدری ہے یا یائے خطاب ہے۔ اس لحاظ سے ترجمہ دو طرح ہوگا

ترجمہ۔ (۱) اس ایک (شخص) نے اس کو کہا (ارے۔ رے!) تو نے بدذاتی سے (اپنی) ماں کے حق مادری کو یاد نہ رکھا (جو اس کے ساتھ یہ سلوک بد کیا)

(۲) اس ایک (شخص) نے اس کو کہا تو (بڑا) بدذات ہے (کہ اپنی) ماں کے حق مادری کو یاد نہ رکھا۔ (اور اس کے ساتھ یہ سلوک بد کیا)

ہے تو مادر را چرا کُشتی؟ بگو!　　　او چہ کرد آخر بتو؟ اے زِشت خو!

ترجمہ اے ہے! تو نے ماں کو کیوں مار ڈالا؟ اے بدخو! اتنا تو بتا کہ اس (غریب) نے آخر تیرے ساتھ کونسا برا سلوک کیا تھا؟

ہیچ کس کُشتست مادر؟ اے عنُود!　　　مے نگوئی کو چہ کرد؟ آخر چہ بود؟

ترجمہ اے سرکش! (کبھی) کسی نے ماں کو بھی قتل کیا ہے؟ تو بتاتا کیوں نہیں کہ اس نے کیا (قصور) کیا تھا؟ (اور) آخر (معاملہ) کیا تھا؟

گفت کارے کرد کاں عارِ وے است　　کُشتمش کاں خاک ستّارِ وے است

ترجمہ اس شخص نے جواب دیا کہ میری ماں نے) وہ جرم کیا تھا جو (پہلے) خود اُسی کے لئے باعث شرم تھا (لہذا) میں نے اسے مار ڈالا۔ کہ خاک ہی اس کی پردہ پوشی کرے گی۔

مُتّہم شد با یکے زاں کُشتمش　　غرقِ خوں در خاک گورآغشتمش

ترجمہ۔ ایک شخص کے ساتھ (زنا کرنے کا) اتہام اس پر لگ گیا تھا۔ اس لئے میں نے اس کو قتل کر دیا اور اس کو آلودہ خون کر کے قبر کی مٹی میں ملا دیا۔

گفت آنکس را بکش اے مُحتشم　　گفت پس ہر روز خلقے را کُشم

ترجمہ (معترض نے کہا بے شک تم نے غیرت کے تقاضے میں ایسا کیا مگر اے) غیرت مند آدمی (اپنی ماں کی بجائے) اس شخص کو ہی قتل کیا ہوتا (جس نے اس کے ساتھ منہ کالا کیا تھا) وہ بولا تب تو (چاہئے کہ) ہر روز (ایک نہ ایک کی جان کا لاگو ہو کر) میں ایک مخلوق (کثیر) کو قتل کر ڈالوں (کیونکہ یہ بدکاری کا سلسلہ بند ہونے والا نہ تھا)

کُشتم او را رُستم از خُونہائے خلق　　نائے او بُرّم بہ است از نائے خلق

لغات رستم میں چھوٹ گیا۔ رستن سے۔ نائے گلو۔ گلا۔ بُرّم میں کاٹ ڈالوں بریدن سے۔

ترجمہ میں نے اس (اکیلی) کو مار ڈالا (اور) مخلوق کی (بے شمار) خونریزیوں سے بچ گیا۔ (میں نے سمجھا کہ) اسی (اکیلی) کا گلا کاٹ ڈالوں (تو یہ بہت سے) لوگوں کے گلے (کاٹنے) سے بہتر ہے۔

نفسِ تُست آں مادرِ بد خاصیت　　کہ فسادِ اوست در ہر ناحیت

ترجمہ (اس حکایت سے مدعا یہ ہے کہ) وہ بدخصال ماں تمہارا نفس (امّارہ) ہے جس کی خرابی ہر طرف (برپا) ہے۔

پس بکُش او را کہ بہر آں دنی　　ہر دمے قصدِ عزیزے میکنی

لغات دنی کمینہ۔ عزیز پیارا۔ باعزت۔ باوقعت صنائع دنی و عزیز کا مقابلہ پر لطف ہے۔

ترجمہ۔ پس اسی کو مار ڈال۔ کہ اس کمینے (نفس) کے لئے تو ہر وقت کسی نہ کسی باعزت آدمی تک کی جان لینے کا قصد کرتا رہتا ہے (عوام کا تو کیا ذکر) کما قیل ؎

تا تیغ بدست آید بر نفس دو دستی زن　　تا سنگ بکف یابی بر شیشۂ ہستی زن

از وے ایں دُنیائے خوش بر تُست تنگ　　از پئے او با حق و با خلق جنگ

ترجمہ۔ اسی کے سبب سے یہ خوشگوار دنیا تجھ پر تنگ ہو رہی ہے۔ اسی کی خاطر اللہ تعالے اور مخلوق کے ساتھ (تیری) لڑائی (ہے)

مطلب۔ باوجودیکہ دُنیا دُنیاداروں کے لئے عیش و آرام کی جگہ ہے۔ لیکن نفسانی حرص و ہوا دنیا کو تم پر ہر وقت تنگ رکھتی ہے۔ اور تم متفکر و پریشان رہتے ہو۔ کیونکہ تم تقاضائے نفس سے طلب مزید کے مرض میں مبتلا ہو۔ صائبؒ ؎

کام حرص ست کہ از شہد نگردد شیریں — دست قانع ز نئے خشک شکر مے چیند

خواہشات نفس کو پورا کرنے سے عموماً دین و دیانت کی خلاف ورزی کرنی پڑتی ہے۔ اور یہ خالق و مخلوق دونوں سے برسر پرخاش ہونے کا موجب ہے۔ صائبؒ ؎

نفس را مطلق العنان کردن — خصم پروردن ست دلہا را

نفس کشتی باز رستی ز اعتذار — کس ترا دشمن نماند در دیار

ترجمہ۔ نفس کو مار ڈالو۔ تو پھر تم عذر (تقصیر) کرنے سے چھوٹ جاؤ (کیونکہ) تمہارا ملک بھر میں کوئی دشمن نہ ہوگا (کہ جس کا تم کوئی قصور کرو اور اس پر تمہیں معذرت کرنی پڑے)

مطلب۔ اپنی تقصیر کا اعتراف اور اس پر اعتذار کرنا دل کے لئے ایک تکلیف دہ امر ہے۔ اور اہل عقل کا شیوہ یہ ہے۔ کہ وہ ایسے امور کے ارتکاب سے حتی الوسع محترز رہتے ہیں۔ جن کی وجہ سے پھر عذر کرنا پڑے۔ حدیث میں بھی آیا ہے کہ ایاكَ وكل امر يعتذر منه یعنے ایسی ہر بات سے بچنا لازم سمجھو۔ جس پر آخر میں عذر کرنا پڑے (جامع صغیر سیوطی رح) اور ایسی باتوں سے بچنے کی بہترین تدبیر نفس کشی ہے۔ کیونکہ نفس نہ ہوگا۔ تو کوئی دشمن نہ رہے گا اور دشمن نہ رہے گا۔ تو کسی کے خلاف کوئی ایسی بات ہی نہ کرو گے۔ جس پر وہ ناراض ہو۔ اور تم کو اعتذار کی ذلت اٹھانی پڑے گی بلکہ تم معززر ہو گے۔ کما قیل ؎

در شکست خویش کوش ار عزت افزوں بایدت — بر سر خوباں دہندش جا چو گل از پا شکست

گر شکال آرد کسے بر گفتِ ما — از برائے انبیا و اولیا

لغات شکال بکسر شین گھوڑے کے پاؤں باندھنے کی رسی مگر یہاں اشکال کا مخفف ہے۔ جس کے معنے ہیں پیچ یا پیچیدہ عقدہ۔ گفت قول۔ بات حاصل مصدر ہے گفتن کا۔

ترجمہ۔ اگر کوئی شخص ہماری اس بات پر (کہ نفس کشی سے کوئی دشمن نہیں رہتا) انبیا و اولیا کے متعلق (یہ) اشکال پیش کرے۔ (کہ :-)

کانبیا را نے کہ نفس کشتہ بود — پس چرا شاں دشمناں بود و حسود

ترجمہ۔ کہ کیا انبیا و اولیا نے نفس کشی نہیں کی تھی؟ پھر (لوگوں میں سے بعض) ان کے دشمن اور حاسد کیوں تھے؟

گوش نہ اے تو طلبگار صواب   بشنو ایں اشکال و شبہت را جواب

ترجمہ اے صحیح جواب طلب کرنے والے اب ذرا کان لگا کر اپنے اس اشکال اور شبہ کا جواب سُن لے۔

دشمن خود بودہ اند آں منکراں   زخم بر خود میزدند ایشاں چناں

ترجمہ۔ وہ منکر لوگ (دراصل) اپنے آپ کے دشمن تھے۔ اور اس (کفر و انکار) سے وہ اپنے آپ پر زخم لگا رہے تھے۔

مطلب۔ اس شعر اور آئندہ اشعار میں معترض کے مذکورہ اعتراض کا جواب دیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء کے دشمن دراصل خود اپنے آپ کے دشمن ہیں۔ انبیا کے نہیں۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ دشمن کی دشمنی دو طرح اپنا عمل کرتی ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ کسی قسم کا ضرر پہنچاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ کسی منفعت کے حصول میں مانع ہو جاتا ہے۔ پھر اس ضرر اور نفع میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔ دنیوی یا دینی۔ انبیا علیہم السلام دنیوی منافع سے تو خود ہی دست بردار رہتے ہیں۔ کما قیل ؎

ایں بستر قاقم و سمور و سنجاب   در دیدۂ بوریا نشیناں پشم است

پس ان کے دنیوی منافع کے حصول سے کوئی کیونکر مانع ہو۔
دینی منافع یعنے انوار باطنی۔ اور مدارج عقبےٰ سے ان کا کون مانع ہو سکتا ہے۔ کہ یہ ان کا سب سے زیادہ حق ہے۔ رہا ضرر۔ سو دنیوی مثلاً اتلاف جان۔ اور تکالیف جسم وغیرہ اس کی ان کو پروا نہیں۔ اور نہ اس ضرر کو وہ ضرر سمجھتے ہیں۔ بلکہ خدا کی راہ میں ہر تکلیف ان کے لئے راحت ہے۔ نظامی رح ؎

تا سر دارم سر تو دارم   جاں پیشکش در تو دارم

اور دینی ضرر ان کو پہنچانا محال ہے۔ کہ وہ خود مملکت دین کے تاجدار ہیں۔

دشمن آں باشد کہ قصد جاں کند   دشمن آں نبود کہ خود جاں میکند

ترجمہ دشمن تو وہ ہوتا ہے۔ جو جان لینے کا قصد کرے۔ دشمن وہ نہیں ہوتا۔ جو خود جان کنی میں مبتلا ہو۔

مطلب۔ یہاں جان سے روحانی زندگی اور علوم و معارف مراد ہیں۔ یعنے جو شخص خود ہی دولت ایمان اور انوار باطن سے محروم ہو رہا ہے۔ اس کی دشمنی انبیا کا کیا بگاڑ سکتی ہے۔ ہاں اس کی دشمنی کا اثر تو جب ہوتا۔ کہ انبیا کے علوم و معارف کو سلب اور ان کے مراتب اُخروی کو پست کر سکتے۔ وہذا محال۔ کا فروں کے لئے جان کنی کا اثبات ظاہر کر رہا ہے۔ کہ اس سے حقیقی جان کنی مراد نہیں۔ کیونکہ حقیقۃً تو وہ چنگے بھلے اور تندرست تھے۔ بلکہ ان کا نزع ایمانی اور سکرات روحانی مراد ہے۔ اور پھر اس کے مقابلے میں انبیا کی جان سے بھی ان کے باطنی کمالات اور علوم و معارف مراد لینے پڑیں گے۔

نیست خفاشک عدوّ آفتاب   او عدوّ خویش آمد در حجاب

لغات۔ خفاش چمگادڑ، شپرک۔ اس کے ساتھ کاف تصغیر بغرض تحقیر شامل ہے۔

ترجمہ۔ ناچیز چمگادڑ آفتاب (عالمتاب) کی دشمن (بننے کی بساط) نہیں (رکھتی) وہ تو اپنے آپ ہی کی دشمن ہے (کہ تاریکی کے) حجاب میں (رہ کر انوار شمس سے محروم رہتی ہے)

مطلب۔ انبیاء و اولیاء کے مخالف ان کے فیوض سے محروم رہتے ہیں۔ اس لئے وہ خود اپنے آپ کے دشمن ہیں۔ کما قیل رو ؎

با صاف دل مجادلہ با خویش دشمنی ست   آں کس کشد برائنہ خنجر بخود کشد

تابش خورشید او را مے کشد   رنج او خورشید ہرگز کے کشد

ترجمہ۔ آفتاب کا نور اس کو مارے ڈالتا ہے۔ مگر اس سے آفتاب کو کسی قسم کی اذیت کہاں کھینچنی پڑتی ہے؟

مطلب۔ کفار کے لئے انبیاء علیہم السلام کے انوار و برکات اسی طرح موجب اذیت ہیں۔ جس طرح شپرک کے لئے نور آفتاب اور کرم نجاست کے لئے بوئے گل مگر جس طرح شپرک آفتاب کا اور کرم نجاست پھول کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ اسی طرح کفار بھی انبیاء کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے۔ یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکَافِرُوْنَ ۰ کسی نے اس آیت کا ترجمہ کیا ہے ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن   پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

وکما قیل ؎   چراغے را کہ ایزد برفروزد   ہر آں کو تف کند ریشش بسوزد

دشمن آں باشد کزو آید عذاب   مانع آید لعل را از آفتاب

ترجمہ۔ دشمن تو وہ ہوتا ہے کہ جس سے کوئی (اس قسم کا) دکھ پہنچے (کہ وہ حصول منافع کا مانع ہو جائے جیسے کہ) لعل کو آفتاب (کا فیض حاصل کرنے) سے روک دے۔

مطلب۔ اگلے زمانے میں خیال تھا۔ کہ معدن کے اندر بعض خاص قسم کے اجزائے ارضی پر سورج کی روشنی کے منعکس ہونے سے لعل وغیرہ جواہرات بن جاتے ہیں۔ کما قیل ؎

ہست بر ذرات یکساں پرتو خورشید فیض   لیک باید جوہر قابل کہ گردد لعل ناب

یہاں لعل سے انبیاء علیہم السلام کی ذات گرامی کی طرف اور آفتاب سے حق تعالیٰ و سبحانہ کی طرف اشارہ ہے۔ اوپر یک پہلی قسم کے دشمن کا ذکر تھا۔ یعنے جس کی دشمنی کسی کو ضرر پہنچانے کی مقتضی ہوتی ہے۔ اب دوسری قسم کے دشمن کا ذکر ہے۔ جو کسی کو حصول منافع سے مانع ہو۔ یعنے انبیاء کا دشمن تو وہ ہو سکتا ہے۔ جو ان کو ذات باری تعالیٰ سے استفاضہ کمالات کرنے سے محروم کر سکے۔ اور یہ ناممکن ہے۔

مانع خویشند جملہ کافراں   از شعاع جوہر پیغمبراں

ترجمہ۔ بلکہ سارے کافر خود اپنے آپ کے لئے (دشمن ہیں جو) پیغمبروں کے جوہر (کمالات) کی چمک سے (استفادہ نور کرنے سے خود ہی) مانع ہیں۔

کے حجاب چشم آں فرد ند خلق　　چشم خود را کور و کژ کردند خلق

لغات۔ فرد یکتا۔ بے مثال۔ خلق مخلوق۔ لوگ۔ کژ۔ ٹیڑھا۔ آنکھ کی کجی اس کا بھینگا پن مراد ہے۔

ترجمہ۔ اس یکتائے موجودات (پیغمبرؐ) کی چشم مبارک کے آگے مخلوق (کی دشمنی) حجاب کہاں ہو سکتی ہے۔ (کہ ان کو استفادہ نور کرنے سے مانع ہو بلکہ) لوگوں نے (خود) اپنی آنکھ کو اندھی اور بھینگی بنا رکھا ہے (کہ نور رسالت سے استفادہ نہیں کرتی)۔

چوں غلام ہندوے کو کیں کشد　　از ستیزہ خواجہ خود را مے کشد

ترجمہ جیسے ایک ہندو غلام جو (اپنے) مالک کی خصومت کی وجہ سے (اس سے) انتقام لیتا ہے تو (اس طرح لیتا ہے کہ) خودکشی کر لیتا ہے۔

مطلب یعنے یہ وہی مثال ہے کہ آقا اور اس کے غلام میں دشمنی ہو۔ اور غلام آقا سے یوں بدلے لے۔ کہ خود کشی کرلے۔ تاکہ وہ ایک غلام کی خدمت سے محروم ہو جائے۔ اور اس کی قیمت تلف ہو جائے۔ حالانکہ وہ بیوقوف اپنے آقا کو ایک معمولی مالی نقصان پہنچانے کے لئے اپنا جانی نقصان کر لیتا ہے۔ جو برائے شگون کے لئے اپنی ناک کٹوانے کا مصداق ہے۔ یا جیسے ایک کہانی مشہور ہے کہ ایک مکھی کسی افیونی کی ناک پر بار بار بیٹھتی تھی۔ جس سے افیونی دق ہو گیا۔ اور جھنجھلا کر بولا۔ اری حرام زادی دیکھ ابھی تیری نشست کا اڈا ہی اڑا دیتا ہوں۔ اتنا کہا۔ اور چھری سے اپنی ناک کاٹ ڈالی۔ غلام کے لئے ہندو کا لفظ اس لئے استعمال ہوا ہے۔ کہ عہد قدیم میں ایران و افغانستان کے اکثر فاتحین ہندوستان پر حملہ آور ہو کر یہاں سے ہندوؤں کو گرفتار کر کے لے جاتے اور غلام بنا لیتے۔ جس سے فارسی میں ہر غلام کے لئے ہندو کا لفظ استعمال ہونے لگا۔

سرنگوں مے افتد از بام سرا　　تا زیانے کردہ باشد خواجہ را

ترجمہ۔ وہ غلام محل کے بالا خانے سے سر کے بل گر جاتا ہے۔ تاکہ مالک کو (اپنی قیمت کے ضائع ہو جانے سے مالی) نقصان پہنچا دے۔

گر شود بیمار دشمن با طبیب　　ور کند کودک عداوت با ادیب

ترجمہ اگر بیمار (اپنے معالج کا دشمن ہو کر اس کے طریق علاج کے خلاف عمل کرے) اور اگر (علم پڑھنے والا) لڑکا (اپنے) ادب (سکھانے والے (یعنے استاد) کے ساتھ عداوت اختیار کرے (اور اس کے حکم کے خلاف چلے۔ تو:۔)

درحقیقت رہزن جان خود اند　　راہ عقل و جان خود را خود زدند

ترجمہ وہ (دونوں) درحقیقت خود اپنی جان کے رہزن ہیں۔ اپنی عقل اور جان کی راہ کو خود کاٹتے ہیں۔

مطلب۔ ان دونوں شعروں میں لف و نشر غیر مرتب ہے۔ یعنے اپنی عقل کی رہزنی طالب علم کرتا ہے۔ کہ ادیب کے خلاف حکم عمل کرنے سے اپنی عقل کو ناقص رکھتا ہے۔ اور اپنی جان کی رہزنی بیمار کرتا ہے۔ جو طبیب کے خلاف مشورہ چلنے سے اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالتا ہے۔ پہلے مصرعہ میں دونوں کو رہزن جان اس لحاظ سے کہا ہے۔ کہ ایک تو جان کو دولت علم وعقل سے محروم رکھتا ہے۔ دوسرا اپنی جان کو حوالہ موت کرتا ہے اور رہزن کے دو ہی کام ہوتے ہیں سلب مال و اتلاف جان۔

گازرے گر خشم گیرد ز آفتاب ماہیے گر خشم مے گیرد ز آب

ترجمہ۔ اگر دھوبی (جس کو کپڑے سکھانے کے لئے دھوپ کی ضرورت ہے) آفتاب سے ناراض ہو (اور چاہے کہ میں اس کی صورت نہ دیکھوں اور) اگر مچھلی (جو پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی) پانی پر خفا ہو جائے (اور اس سے کنارہ کشی کرلے) تو:۔

تو نکو بنگر کرا دارد زیاں ؟ عاقبت کہ بود سیاہ اختر ازاں ؟

ترجمہ تم ہی خوب غور کرو کہ اس میں کس کا نقصان ہے ؟۔ (اور) اس سے آخر کار کون بدنصیب (ثابت) ہوگا ؟

مطلب۔ ظاہر ہے کہ آفتاب کا مخالف بننے میں دھوبی کا، اور دریا سے ناراض ہونے میں مچھلی کا ہی نقصان ہے اس سے سورج کی تابانی اور دریا کی روانی میں کچھ بھی خلل نہ آئے گا۔ اسی طرح انبیا علیہم السلام اور اولیا اللہ رضوان اللہ علیہم کے مخالف ہو کر خود منکرین نقصان اٹھاتے ہیں۔ ان کے آفتاب کمال کی ضیاریزی اور ان کے دریائے فیض کی موج انگیزی میں اس سے فرق نہیں آتا۔

گر ترا حق آفریدہ زشت رُو تو مشو ہم زشت رُو ہم زشت خُو

ترجمہ۔ اگر تم کو خدا نے بدصورت پیدا کیا ہے۔ تو (تم بداعمالی اختیار کر کے) اپنی بدصورتی پر بدسیرتی کا اضافہ نہ کرو۔

مطلب۔ اوپر تک مذکورہ بالا اشکال کا جواب تھا۔ اب بتاتے ہیں کہ منکرین کو انبیاء و اولیاء سے جو عداوت و بغض ہوتا ہے۔ تو اس کا منشا کیا ہے ؟ مطلب یہ ہے۔ کہ وہ لوگ حقیقت امر سے ناواقف اور جاہل محض ہوتے ہیں۔ اور بقول الناس اعداء لما جھلوا وہ اپنے جہل کے تقاضے سے حقائق و معارف سے متنفر رہتے ہیں۔ اور ان کا جہل و نادانی ہی کیا کم تھا۔ کہ اس پر اہل اللہ سے پرخاش رکھنے کی ایک اور بدبختی مول لے لیتے ہیں۔ ایک تو پہلے ہی بدصورتی۔ پھر اس پر بدسیرتی بھی جمع کرلی۔ ذات کا کریلا اور پھر چڑھ گیا نیم پر۔ خدا پناہ دے۔ اس سے یہ نصیحت مقصود ہے۔ کہ اگر تم اپنے سابقہ نقص کو رفع نہیں کرسکتے۔ تو کم از کم اتنا ہی کرو۔ کہ اس کو اتنی حد تک رہنے دو۔ ترقی نہ دو ؎

گنہ کے راستے پر مت چلو دوزخ کو جاتا ہے اگر ہے واپسی مشکل تو آخر ٹھیر ہی جاؤ

ور بود کفشت مرو در سنگلاخ ور دو شاخ اشتت مشو تو چار شاخ

لغات۔ دو شاخ دو سینگ۔ دو ٹہنیاں۔ دو ٹکڑے۔ دو شاخہ ایک آلہ عذاب کا نام بھی ہے۔ جیسے دو پھلو کی برچھی ہو۔ ان مختلف معنوں کے لحاظ سے شارحین نے مصرعہ دوم کے متعدد طرح سے ترجمے کئے ہیں۔

مصرعہ اولیٰ کا ترجمہ (۱) اگر تم جوتا پہنے ہو تو (اس کے بھروسہ پر) سنگلاخ میں نہ چلو (ورنہ وہ ٹوٹ پھوٹ جائے گا)۔

مطلب یہ کہ اپنے موجودہ سروسامان کے گھمنڈ میں کوئی ایسی آفت مول نہ لو جو اس سامان کو تباہ کر کے تم کو مبتلائے مصیبت کر دے کما قیل

لا تشربن نقیع السم متکلا علے عقاقیر قد جربن فی العمل

یعنے اپنی مجرب دواؤں کے بھروسہ پر کسی زہر کا نچوڑ پی جانے کی جرأت نہ کرو۔

(۲) اگر تمہارے پاس (سفر کے لئے سواری نہیں بلکہ صرف) جوتا ہو تو (پیدل چلنا کیا کم مصیبت ہے۔ لہذا) سنگلاخ میں نہ چلو (کہ اس سے مصیبت دو چند ہو جائے گی) کذا فی کلید مثنوی۔

مطلب یہ کہ موجودہ مصیبت کو اتنی ہی رہنے دو۔ زیادہ نہ بڑھاؤ۔ یہ ترجمہ اوپر کے مضمون سے اقرب ہے گر لفظاً بعید۔

مصرعہ ثانیہ کا ترجمہ (۱) اگر تمہارے (جوتے کے پہلے ہی) دو ٹکڑے (ہو چکے) ہیں۔ تو سنگلاخ میں گرم رفتار ہو کر اس کے چار ٹکڑے (کر ڈالنے) والے نہ بن جاؤ۔

یہ ترجمہ شرح بحر العلوم میں شیخ اکبر سے منقول ہے۔ اور اس کی رو سے مصرعہ ثانیہ مصرعہ اولیٰ کا تتمہ ہے۔

(۲) اگر تم کو دو شاخہ (سے عذاب مل رہا) ہے (تو اسی کو بہت سمجھو اور) چار شاخہ (سے عذاب پانے کے مستوجب) نہ ہو (کذا فی کلید مثنوی)

مطلب یہ کہ موجودہ معاصی کو اگر ترک نہیں کر سکتے۔ تو انہی کا عذاب بہت ہے۔ ان کو ترقی نہ دو۔ کہ اس سے اور زیادہ عذاب جھیلنا پڑے گا۔

(۳) اگر تم کو دو سینگ (یا دو ٹہنیاں میسر) نہیں۔ تو (خواہ مخواہ) چار سینگوں (یا چار ٹہنیوں کی حرص کرنے) والے نہ ہو (کذا فی مکاشفات)

مطلب یہ کہ موجودہ سامان پر قناعت کرو۔ کثرت سامان بھی موجب تکلیف ہے۔ اپنی تکالیف میں اضافہ نہ کرو۔ "آنکہ غنی تر اند محتاج تر اند" یہ ترجمہ ابیات ما بعد سے زیادہ مربوط ہے۔

تو حسودی کز فلاں من کمترم مے فزاید کمتری در اخترم

ترجمہ۔ تم کو حسد ہے کہ میں فلاں شخص سے (مال و جاہ میں) کم ہوں (اس کا) وہ (مال و جاہ) میرے نصیب کی کمی کا باعث ہے۔

خود حسد نقصان و عیب دیگر ست بلکہ از جملہ کمی ہا بدتر ست

ترجمہ۔ (اور) خود حسد ایک دوسری کمی اور عیب ہے۔ بلکہ وہ ہر قسم کی کمی سے بدتر ہے (تم تو مال و جاہ کی کمی کو ہی روتے ہو)

مطلب۔ ایک حدیث ہے۔ اِیَّاکُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ یَاْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَاْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ یعنے حسد سے بچو۔ کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے۔ جس طرح آگ لکڑیوں کو جلا ڈالتی ہے (جامع صغیر سیوطی) ظاہر ہے کہ جو خصلت بد ایک آدھ نیکی کو نہیں۔ بلکہ تمام نیکیوں کے خرمن کے خرمن کو خاک سیاہ کر ڈالے۔ وہ کس قدر کمی اور نقصان کی باعث ہے۔ یہی مطلب ہے "از جملہ کمی ہا بدترست" کا ایک آدھ چیز کے نقصان یا کمی کے رنج کو تو آدمی برداشت کر سکتا ہے یا بھول جاتا ہے۔ مگر حسد کا رنج زائل نہیں ہوتا۔ پس یہ تمام دکھوں سے برا دکھ ہے۔ سعدیؒ ؎

بمیر تا برہی اے حسود کیں رنجیست ۔۔۔ کہ از مشقت او جز بمرگ نتواں رست

آں بلیس از ننگ و عارِ کمتری ۔۔۔ خویشتن افگند در صد ابتری

لغات۔ بلیس ابلیس کا مخفف ہے۔ ترکیب۔ خویشتن مفعول بہ ہے۔ را علامت مفعول محذوف ہے۔

ترجمہ۔ اس (مردود) شیطان نے بھی کمتری ہی کی شرم و عار کی وجہ سے اپنے آپ کو سینکڑوں تباہیوں میں ڈال لیا۔

مطلب۔ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو حکم دیا۔ کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کر۔ تو اس نے اس حکم کو اپنی کمتری یعنے توہین اور اس کی تعمیل کو اپنے لئے موجب ننگ و عار سمجھ کر کہا۔ اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ میں اس سے بہتر ہوں۔ کیونکہ تو نے مجھ کو آگ سے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔ صد ابتری سے مراد یہ ہے۔ کہ اس کا معلم ملکوت کا اعزاز چھن گیا۔ لاکھوں برس کی عبادت سلب ہو گئی وہ راندہ درگاہ ہو گیا۔ لعنت کا طوق اس کے گلے میں پڑ گیا۔ زمین پر آتا ہے۔ تو نیک بندوں کی لاحول کا تازیانہ کھاتا ہے۔ آسمان پر چڑھتا ہے۔ تو فرشتے اس پر شہاب کا ہب گراتے ہیں۔ دنیا میں لعنت و نفریں اس کا حصہ ہے۔ اور آخرت میں دوزخ کا مستوجب ہوگا۔ مولانا اسماعیل رحؒ ؎

کیا جو کبر تو شیطاں کے ہاتھ کیا آیا ۔۔۔ وہی عزیز ہے عزت جسے خدا نے دی

از حسد میخواست تا بالا رود ۔۔۔ خود چہ بالا بلکہ خوں پالا رود

لغات۔ پالا اسم فاعل سماعی از پالودن یا پالائیدن صنائع بالا اور پالا میں تجنیس لاحق۔

ترجمہ۔ وہ حسد کے باعث چاہتا تھا۔ کہ میں آدمؑ سے بلند ہو جاؤں۔ بلند تو کہاں (ہوتا) بلکہ (اپنی نامرادی و بدبختی کے زخم سے گھائل ہو کر) خون آلودہ ہو رہا ہے۔

آں ابوجہل از محمدؐ ننگ داشت ۔۔۔ وز حسد خود را ببالا مے فراشت

ترجمہ (اسی طرح) وہ (کافر) ابوجہل حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے عار کرتا تھا اور حسد کی وجہ سے اپنے آپ کو (حضرتؐ سے) اونچا رکھنا چاہتا تھا (مگر:-)

حسد بدترین دوزخ ہے

بوالحکم نامش بُدو بوجہل شد   اے بسا اہل از حسد نااہل شد

لغات بُوالحکم منصف کا باپ۔ پنچ کا باپ۔ عمر ابن ہشام کی کنیت ہے۔ جو ایک دشمن اسلام اور بدترین عدوے پیغمبر تھا۔ اور اسی بدطینتی کے باعث اس کی کنیت ابوجہل سے بدل گئی۔ اور اسی نام سے وہ مشہور ہے۔ مفتاح العلوم حصہ اول میں اس کا ذکر گذر چکا ہے۔

ترجمہ اس کا نام (یا تو) ابوالحکم تھا۔ اور (یا اسی حسد کی وجہ سے) ابوجہل بن گیا۔ اے (مخاطب!) بہتیرے لائق لوگ محض حسد کی وجہ سے نالائق بن گئے ہیں۔

من ندیدم در جہان جستجو   ہیچ اہلیت بہ از خوئے نکو

ترجمہ میں نے دنیائے جستجو میں کوئی لیاقت اچھے اخلاق سے بہتر نہیں دیکھی۔

مطلب۔ یہ مضمون ان احادیث سے ماخوذ ہے۔ عبداللہ بن عمرو رضی سے روایت ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان من خیارکم احسنکم اخلاقاً یعنے تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں (مشکوٰۃ) ایک اور روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! سب سے اچھی بات کونسی بات ہے جو کسی انسان کو عطا ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ حسن خلق یعنے اچھے اخلاق (مشکوٰۃ) ابو درداء رضی کہتے ہیں۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ان اثقل شیئ یوضع فی میزان المؤمن یوم القیمۃ خلق حسن الخ یعنے قیامت کے دن جو سب سے زیادہ وزن دار چیز مومن کی ترازو میں رکھی جائے گی وہ خوش خلقی ہوگی۔ (مشکوٰۃ) اس قسم کی اور بہت سی احادیث ہیں۔ غرض حسن خلق ایک بہترین فضیلت ہے۔ جو ترک رذائل خصوصاً ترک حسد سے حاصل ہو سکتی ہے۔ نظامی رح ؎

جہاں دوست دوست دوست دیو بستن   بخوش خوئی تواں از دیو رستن
مکن دوزخ بخود بر خوئے بد را   بہشت دیگراں کن خوئے خود را
چو داری خوئے تو مردم سرشتی   ہم اینجا وہم آنجا در بہشتی

شیطان نے حسد کیا۔ تو مردود ہو گیا۔ آدم علیہ السلام اپنی خوش خلقی کی بدولت مسجود ملائک بن گئے۔ صائب ؎

آدم ز خلق خوش بمقام ملک رسید   خوئے کہ مشکناب شود پاک مے شود

انبیا را واسطہ زاں کرد حق   تا پدید آید حسدہا در فلق

لغات واسطہ ذریعہ۔ وسیلہ یہاں خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ مراد ہے۔ یعنے نبی رسول۔ فلق بسکون قاف شگافتن۔ اور فلق بفتح قاف اس سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنے ہیں سفیدہ صبح کا تاریکی کے دامن کو شگافتہ کر کے نکل پڑتا۔ یعنے ظہور صبح۔ بعض نسخوں میں یہ لفظ خلق بقاف مندرج ہے

ترجمہ انبیاء کو حق تعالیٰ نے اسی لئے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ کہ لوگوں کا باہمی حسد واشگاف نمایاں ہو جائے (یا حاسدوں کا مخفی حسد ان کی بے چینی سے نمایاں ہو جائے)

مطلب یعنے بعثت انبیاء میں حق تعالیٰ کی جو خاص حکمتیں مرکوز ہیں۔ ان میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے

حسن خلق کے فضائل

کہ حاسد اور غیر حاسد میں امتیاز ہو جائے۔
یہاں سے مولانا رحمہ اللہ ایک خاص لطیف مضمون شروع فرماتے ہیں۔ جو گویا ایک اشکال کا جواب ہے اشکال کی تقریر یہ ہے۔ کہ جب اللہ تعالےٰ بندوں کو فیض پہنچانا چاہتا ہے۔ تو کیا پیغمبروں کے واسطے کے بغیر نہیں پہنچا سکتا تھا؟ پھر پیغمبروں کی بعثت میں کیا مصلحت تھی؟ خلاصہ جواب یہ کہ پیغمبروں کی بعثت سے حق تعالےٰ کو لوگوں کے حسد کا امتحان لینا مقصود تھا۔ اور حق تعالےٰ کے خود بلا واسطہ افاضہ فرمانے سے یہ امتحان نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ حسد اپنے ہم جنس اور ہم عصر پر ہی ہوتا ہے۔ لوگوں کو خدا پر حسد ہوتا تو کیونکر؟ نہ وہ ان کا معاصر نہ مجانس، اور نہ عموماً اس سے برتر ہونے کا ان میں داعیہ پس یہ امتحان انبیاء کی بعثت سے ہی ظہور میں آ سکتا تھا۔ چنانچہ رسول کی بعثت سے بعض ان کے ہم زمانہ اور ہم قوم اشخاص کے دل میں آتش حسد مشتعل ہوگئی۔ کہ ہیں! ہم میں سے ایک معمولی آدمی ہمارا ہادی اور سردار بننے کا حق رکھتا ہے؟ جیسے قوم ثمود نے اپنے نبی حضرت صالح سے کہا تھا۔ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ تم ہم ہی جیسے آدمی ہو اور بس۔ پس اگر سچے ہو۔ تو کوئی معجزہ لا دکھاؤ (سورہ شعراء ع ۸) غرض بعثت انبیاء سے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوگیا۔ اور معلوم ہوگیا۔ کہ کون حاسد ہے۔ کون مخلص ہے۔ کون پاک سرشت ہے۔ کون بدطینت ہے۔ پھر چونکہ معاصرت بھی اسباب حسد میں سے ایک خاص سبب ہے المعاصرۃ سبب المنافرۃ۔ یعنی ہم زمانہ ہونا باہمی نفرت کا باعث ہو جاتا ہے۔ اس لئے ممکن تھا کہ ختم نبوت کے بعد جب یہ باعث حسد منقضی ہو جائے۔ تو حاسد و غیر حاسد کے امتیاز کا سلسلہ بھی منقطع ہو جائے۔ چنانچہ کسی باکمال کی مخالفت یا اس کے کمالات کا انکار یا اس کی شہرت و وجاہت پر حسد اس کے ہم زمانہ لوگوں کو ہی ہوتا ہے۔ مابعد کی نسلوں کو نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ میدان معارضہ میں اس کے حریف نہیں ہوتے۔ کہ اس سے برتر ہونے کا ان کو خیال ہو۔ حتےٰ کہ زمانہ مابعد کے کفار کو بھی گذشتہ پیغمبروں پر حسد نہیں ہوتا پس اس امتحان کے سلسلے کو قائم رکھنے کے لئے حق تعالےٰ نے ولایت کا درجہ رکھا ہے۔ اور ہر زمانے میں ایک نہ ایک ولی کامل پیدا کیا ہے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون حق پرست لوگ ہیں۔ جو اس روضہ ولایت کے گل خوشرنگ پر بلبلوں کی طرح شیدا ہوتے ہیں۔ اور کون خبیث الطبع حاسد ہیں۔ جو کرم نجاست کی طرح اس کی خوشبو سے اذیت محسوس کرتے ہیں۔ آگے بطور جملہ معترضہ حسد سے منع کرتے ہیں۔ کہ دیکھنا کہیں حسد کر کے اس امتحان الٰہی میں فیل نہ ہو جانا۔

درگذر از فضل و از چستی و فن ۔۔۔ کار خدمت دارد و خلق حسن

ترجمہ (اپنی عقل اور فہم کی) تیزی اور (علوم و) فنون میں (مہارت کی) بڑائی (کا دعوےٰ) چھوڑ دو (کیونکہ فخر و دعوےٰ فضول ہے) کام کی چیز (تو صرف) خدمت (خلق) اور حسن خلق ہی ہے

زانکہ کس را از خدا عارے نبود ۔۔۔ حاسد حق ہیچ دیارے نبود

ترجمہ (اور انبیاء کی بعثت سے لوگوں کے حسد کا ظہور) اس لئے (ہوا) کہ کسی کو خدا (کے اتباع) سے عار نہ تھی۔ اور کوئی صاحب خانہ حق تعالےٰ (کے ہادی بلا واسطہ ہونے) کا حاسد نہ تھا پھر

حاسد اور غیر حاسد میں امتیاز نہ ہوتا تو کیونکر ہوتا)

آں کسے کش مثلِ خود پنداشتے زاں سبب با او حسد برداشتے

ترکیب۔ پنداشتے اور برداشتے دونوں یا تو بیائے مجہول صیغہ واحد غائب فعل ماضی تمنائی ہیں۔ یا پنداشتی و برداشتی بیائے معروف صیغہ واحد حاضر فعل ماضی مطلق ہیں۔ پہلی صورت میں کش اور او کی ضمیریں خداوند تعالیٰ کی طرف راجع ہیں۔ اور دوسری صورت میں یہ ضمیریں آں کسے اسم موصول کی طرف۔ ترجمہ دونوں تقدیروں پر دو طرح ہوسکتا ہے۔

ترجمہ ۱۔ (کیونکہ) وہی شخص (خدا پر حسد کرتا۔ جو) اس کو اپنے جیسا سمجھتا (اور) اسی سبب سے وہ اس کے ساتھ حسد (کا جھگڑا) کھڑا کرتا۔

۲۔ (دیکھو) وہی شخص (تمہارے حسد کا نشانہ ہوگا) جس کو تم اپنے جیسا سمجھتے ہو۔ اور اسی سبب سے تم اس کے ساتھ حسد (کا جھگڑا) کھڑا کرتے ہو۔

نوٹ۔ پہلا ترجمہ خاص شعر سابق کے مضمون کی کہ "خدا پر کوئی حسد نہیں کرتا" دلیل قرار پائے گا۔ اور دوسرا ترجمہ اس عام دعوے کی دلیل بن جائے گا۔ کہ حسد کے لئے مماثلت و جنسیت لازم ہے۔

چوں مقرر شد بزرگیِ رسول پس حسد ناید کسے را از قبول

ترجمہ۔ چونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برتری مسلّم ہو چکی۔ لہٰذا اب کسی (منکر و کافر) کو بھی ان کے ہادی و مرسل ماننے جانے پر حسد نہیں آتا۔

مطلب ظہور حسد کے دو خاص سبب ہیں۔ ایک مماثلت دوسرا معاصرت۔ انبیا کی بعثت میں یہ دونوں سبب موجود تھے۔ لہٰذا حاسدین نمایاں ہوتے رہتے مگر سلسلہ نبوت کے ختم ہو جانے سے معاصرت نہ رہی۔ اس لئے موجودہ منکرین کے دل میں اگرچہ میلان اتباع نہیں۔ مگر ان سے آثار حسد بھی ظاہر نہیں ہوتے۔ جس سے یہ سلسلہ امتحان ہی منقطع ہوا جاتا تھا۔ پس اس کی تدبیر قدرت نے یہ کی کہ:۔

پس بہر دورے ولیّے قائم ست تا قیامت آزمایش دائم ست

ترجمہ پس ہر زمانے میں ایک نہ ایک ولی قائم رہتا ہے (جس کے کمالات اور قبول عام بد طینت لوگوں کے لئے باعث حسد ہو جاتے ہیں اور اس طرح حاسد و غیر حاسد کا امتحان ہو جاتا ہے اور) قیامت تک یہ سلسلہ امتحان ہمیشہ رہنے والا ہے۔

مطلب۔ اللہ تعالےٰ کے حکم سے ہر زمانے میں ایک ولی موجود رہتا ہے۔ جو قطب ارشاد کہلاتا ہے۔ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی جانشین ہوتا ہے۔ پس جس طرح نبیؐ کی اطاعت سے گریز کرنا اور آپ سے بغض و حسد رکھنا باعث شقاوت ہے۔ اسی طرح قطب ارشاد کا انکار اور اس پر حسد کرنا بھی باعث محرومی و خسران ہے۔ حدیث قدسی ہے من عادیٰ لی ولیاً فقد اٰذنتہ بالحرب۔ یعنی اللہ فرماتا ہے جو شخص میرے ولی سے عداوت رکھے۔ میں اس کے لئے اعلان جنگ کرتا ہوں۔ حافظ رح ؎

قطب ارشاد

دردمندانِ غمش زہرِ ہلاہل دارند   قصدِ ایں قوم خطر باشد وہیں تا نکنی

قطب الاقطاب

مولانا بحرالعلوم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ظاہر یہ ہے۔ کہ اس سے قطب الاقطاب مراد ہے۔ اور یہ وہ ولی ہے۔ جو تمام عوالم پر فرمانروا ہے۔ اور دوسرے تمام اولیاء اس کے تابع ہیں۔ اور بقائے عالم کا سلسلہ اس کی بقا سے قائم ہے۔ شیخ اکبر قدس سرہ فرماتے ہیں۔ کہ افراد دائرہ قطب سے خارج ہیں۔ اور یہ ولی اپنے زمانے کا سردار ہے۔ اور وہ اپنے زمانے میں صرف ایک ہوتا ہے۔ شیخ اکبر فتوحات کے باب ہفتادم میں ارشاد فرماتے ہیں۔ القطب لا یکون الا واحداً وھو الغوث ایضا وھو سید الجماعۃ فی زمانہ ومنھم من یکون ظاھر الحکم ویحوز الخلافۃ الظاھرۃ کما حاز الخلافۃ الباطنۃ من جھۃ المقام کابی بکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ وعلیؓ والحسنؓ ومعاویۃ ابن یزید وعمر ابن عبد العزیز والمتوکل ومنھم من لہ الخلافۃ الباطنۃ ولا حکم لھم فی الظاھر کاحمد ابن ھارون السبتی وکابی یزید البسطامی واکثر الاقطاب لا حکم لھم فی الظاھر۔ یعنے یہ قطب نہیں ہوتا مگر ایک اپنے زمانے میں اور سارے جہان کا غوث ہے۔ سارا جہان اس کا محتاج ہے۔ اور وہ قطب اپنے زمانے کا سردار ہے۔ ان قطبوں میں سے بعض ظاہر الحکم ہوتے ہیں۔ جو خلافت ظاہری کی بھی تنفیذ احکام کرتے ہیں۔ جس طرح خلافت باطنیہ کی تنفیذ احکام کرتے ہیں۔ جیسے حضرات خلفائے اربعہ۔ امام حسنؓ۔ حضرت معاویہ ابن یزید۔ عمر بن عبد العزیز۔ متوکل باللہ عباسی۔ اور بعض اقطاب کو صرف خلافت باطنہ ہے۔ نہ کہ خلافت ظاہرہ جیسے شیخ احمد سبتی فرزند خلیفہ ہارون رشید۔ اور جیسے حضرت بایزید بسطامیؒ۔ اور اکثر اقطاب ایسے ہیں۔ کہ ان کو حکومت و سلطنت ظاہرہ کی عنان اختیار نہیں دی گئی۔ اور باب دو صد و ہفتادم میں فرماتے ہیں۔ واما القطب فھو عبد اللہ وعبد الجامع وھو المبعوث بجمیع الاسماء تحققا وتخلقا وھو مرءات الحق وھو مجلی النعوت المقدسۃ ومحل المظاھر الالھیۃ صاحب الوقت وعین الزمان وسر القدر ولہ علم الدھور الخ۔ مولانا بحر العلوم اس عبارت کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں۔ کہ قطب عبد اللہ ہے (جس کا مطلب یہ کہ وہ اسم اللہ کا مظہر ہے پس اس کا باطن باطن رسول ہے) اور وہ عبد الجامع ہے (یعنے وہ اس اسم الٰہی کا مظہر ہے۔ جو تمام اسمار کا جامع ہے) اور وہ جمیع اسماء سے موصوف ہے۔ از روئے تحقیق و تخلق کے اور وہ آئینہ حق ہے (یعنے حق اپنے آپ کو تمام اسمار کے ساتھ اس میں دیکھتا ہے) اور حق کی صفات مقدسہ کو روشن کرنیوالا ہے۔ اور مظاہر الٰہیہ کا محل ہے (یعنے وہ اسمار الٰہیہ اور مظاہر کونیہ کا جامع ہے) وقت اس کے زیر فرمان ہے۔ جو کچھ جہان میں مقدر ہے۔ اسے سب معلوم ہے۔ اور اس کو زمانوں کا علم ہے۔ انتہٰی۔

قطب حقیقی اور غوث ازلی روح محمدی ہے۔

مولانا بحر العلوم پھر فرماتے ہیں۔ قطب حقیقی اور غوث ازلی روح محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور یہ قطب جو مذکور ہوئے سب کے سب روح موصوف کے خلیفہ ہیں۔ اور اتصال فیض الٰہی میں اس کے قائم مقام ہیں۔ ان اقطاب میں سے بعض اصحاب کو تحکم عظیم حاصل ہے۔ اور ان کا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردنوں پر ہے۔ چنانچہ شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی الحسنی الحسینی رضی اللہ عنہ کو یہ مقام حاصل ہے۔ اور آپ تمام اولیاء اللہ کے سردار و رئیس ہیں۔

غوث اعظم

غرض مولانا روم رہ کا مدعا یہ ہے۔ کہ ہر زمانے میں ایک قطب دنیا میں موجود رہتا ہے۔ جس پر جہان کا قیام موقوف ہے۔ جب اس کا انتقال ہو جاتا ہے۔ تو فوراً اس کی جگہ دوسرا قطب مامور ہو جاتا ہے۔ اور یہ سلسلہ تا قیام قیامت چلا جائیگا۔ صاحب مکاشفات نے اس شعر کی شرح میں سخت غلطی کی ہے۔ وہ اس ولی سے جو شعر میں مذکور ہے امام مہدی آخر الزمان کو مراد سمجھ گئے۔ جو باعتقاد شیعہ محمد ابن عسکری ہیں۔ اور آج تک زندہ ہیں۔ اور فتوحات مکیہ

کی عبارت سے اس کی توثیق و تائید بھی کرنی چاہی ہے۔ مولانا بحر العلوم نے اس قول کی نہایت شد و مد سے تردید کی ہے اور ثابت کیا ہے۔ یہ مطلب نہ شعر مذکور سے نکلتا ہے۔ اور نہ فتوحات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ بلکہ شعر مذکور کا مطلب اس کے برعکس ہے۔ اور آگے ایک شعر اس عقیدہ کی صریحاً تردید کرتا ہے۔ اور فتوحات کی عبارت کا مطلب بھی جدا گانہ ہے۔

واضح رہے کہ امام محمد مہدی ابن عسکری رضی اللہ عنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد سے ائمہ اثنا عشر میں سے بارہویں امام ہیں۔ جو ۱۳ رمضان المبارک ۲۵۵ھ میں بمقام سُرمن رای پیدا ہوئے۔ فرقہ شیعہ کے عقیدے میں وہ آج تک زندہ ہیں۔ اور ان کو خضر علیہ السلام کی طرح عمر جاوید دی گئی ہے۔ مگر اس وقت وہ مخفی و روپوش ہیں۔ قرب قیامت میں ان کا ظہور ہوگا۔ اور وہی مہدی موعود ہیں۔ جو ظاہر ہو کر دنیا کو ظلم و فساد سے نجات دلائیں گے۔ لیکن اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے۔ کہ مذکورہ امام محمد ابن عسکری وہ مہدی موعود نہیں ہیں۔ جن کے ظہور کی احادیث میں بشارت دی گئی ہے۔ بلکہ وہ اور ہیں۔ وہ ابن عسکری ہیں۔ اور امام حسینؓ کی اولاد سے ہیں۔ اور یہ ابن عبداللہ ہوں گے۔ اور بقول حضرت علی کرم اللہ وجہہ امام حسنؓ کی اولاد سے ہوں گے۔ ابن عسکری زندہ جاوید نہیں ہیں۔ بلکہ ۲۶۴ھ میں وفات پا چکے۔ اور امام مہدی اپنے وقت پر پیدا ہوں گے۔ اور مناسب عمر کو پہنچ کر لشکر اسلام کی قیادت کریں گے۔ اور ان سے ان کارناموں کا ظہور ہوگا جن کا احادیث میں ذکر ہے۔ فرقہ شیعہ کے عقیدہ کا ابطال مولانا آئندہ شعر سے اگلے شعر میں کریں گے۔

ہر کرا خوئے نکو باشد برست ہر کسے کو شیشہ دل باشد شکست

لغات۔ خوئے نکو اچھی خصلت۔ صلاحیت و استعداد۔ برست رستن سے چھوٹ گیا۔ نجات پا گیا۔ شیشہ دل جس کا دل شیشے کی طرح جلدی ٹوٹ پھوٹ جانے والا ہو۔ ضعیف القلب۔ تنگ مزاج۔ فاسد الاستعداد۔ ناقص الاعتقاد۔

ترجمہ۔ جس شخص کی خصلت نیک (اور استعداد اچھی) ہوگی۔ وہ (اس امتحان میں) کامیاب ہوگیا اور جو شخص تنگ مزاج (اور فاسد الاستعداد) ہو۔ وہ (اس میں ناکام رہا اور) تباہ ہوگیا۔

پس امام حیّ قائم آں ولی ست خواہ از نسل عمرؓ خواہ از علیؓ ست

ترجمہ۔ پس امام زندہ اور قائم (اگر کوئی ہے تو وہ) وہی ولی ہے۔ خواہ وہ (فاروقی یعنی) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسل سے ہو۔ یا (علوی یعنی) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد سے ہو۔

مطلب۔ اس شعر میں فرقہ شیعہ کے عقیدہ کی تردید ہے۔ جو امام محمد بن عسکری کو امام قائم اور مہدی موعود سمجھتے ہیں۔ اور ان کا عقیدہ ہے۔ امام ممدوح کو صدیوں کی عمر دی گئی ہے۔ اور وہ قیامت تک زندہ رہیں گے۔ لیکن ابھی ظاہر و نمایاں نہیں ہوئے۔ قرب قیامت میں ظاہر ہوں گے۔

واضح ہو۔ کہ شریعت غرا جس ہدایت و ارشاد کا سبق دیتی ہے۔ اس کا معلم اعلیٰ اور اس ودیعت کا حامل اکبر ایک خاص شخصیت ہوتی ہے۔ جس کے وجود باجود پر سارے عالم میں نظام تشریعی کا قیام اور دنیا میں اس ودیعت الٰہیہ کی سلامتی موقوف ہے۔ اہل سنت والجماعت کے عقیدہ اور صوفیہ کی اصطلاح میں وہ ہستی

قطب الاقطاب ہے۔ جو سب سے پہلے ذات عالی درجات محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم تھی۔ پھر آپ کے چاروں خلفار راشدین اپنے اپنے وقت کے قطب تھے۔ اور اُن کے بعد ہر زمانے میں یکے بعد دیگرے قطب قائم ہوتے چلے آئے ہیں۔ اور قیامت تک قائم ہوتے چلے جائیں گے۔ کوئی لمحہ ایسا نہیں ہوسکتا۔ کہ دنیا میں قطب موجود نہ ہو۔ ورنہ دنیا کے نظام امن کا قیام و ودیعت الٰہیہ کی سلامتی متعذر تھی۔ اہل سنت کے عقیدہ میں قطبیت کا یہ منصب جلیل کسی خاص قوم، نسل۔ اور جماعت سے مخصوص نہیں۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم۔ جو شخص تقوے و عبادت میں سب سے بڑھ جاتا ہے۔ اللہ کے ہاں وہی زیادہ معزز و ممتاز ہوجاتا ہے۔ خواہ کسی قوم اور کسی جماعت سے ہو۔

امرائے فرقہ شیعہ بارہ امام

مگر فرقہ شیعہ جو مذہبی رنگ میں ایک پولیٹیکل جماعت ہے۔ مذکورہ آیت کے مفہوم کو نظر انداز کر کے محض نسلی و شعبی تعصب کی بنا پر اور قومی و جماعتی تفوق کو نصب العین بنا کر تمام صوری و معنوی کمالات کو اہل بیت رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کے ساتھ مخصوص کرتا ہے۔ اور اسی مطمح نظر سے وہ مذکورہ منصب جلیل کو بھی اہل بیت ہی سے مختص قرار دیتا ہے۔ چنانچہ اس جماعت کے نزدیک مذکورہ عظیم القدر ہستی جو مرکز نظام عالم اور حامل ودیعت الٰہی ہے۔ جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ہر زمانے میں اہل بیت اطہار ہی میں سے قائم ہوتی ہے۔ جو بارہ امام کہلاتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں (۱) حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ (۲) امام حسن ابن علی رضی اللہ عنہ (۳) امام حسین بن علی رضی اللہ عنہ (۴) امام زین العابدین رضی اللہ عنہ (۵) امام محمد باقر رضی اللہ عنہ (۶) امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ (۷) امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ (۸) امام علی الرضا رضی اللہ عنہ (۹) امام محمد تقی رضی اللہ عنہ (۱۰) امام علی نقی رضی اللہ عنہ (۱۱) امام حسن عسکری رضی اللہ عنہ (۱۲) امام محمد مہدی ابن عسکری رضی اللہ عنہ۔

امام محمد ابن عسکری کو مہدی موعود قرار دینے میں فرقہ شیعہ کا مغالطہ

چونکہ اہل سنت والجماعۃ خصوصاً صوفیہ علیہ کی طرح فرقہ شیعہ کا بھی یہ عقیدہ ہے۔ کہ دنیا میں کوئی لمحہ مذکورہ عظیم القدر ہستی کی موجودگی کے بغیر نہیں گزرتا۔ جو کہ حامل شریعت اور حامل ودیعت ہے۔ مگر فرق یہ ہے۔ کہ ہمارے نزدیک وہ ہستی ہر قبیلہ اور ہر جماعت سے ہوسکتی ہے۔ اور شیعہ کے نزدیک یہ ضروری ہے۔ کہ وہ صرف حضرت علی کی نسل سے ہو۔ اور وہ صرف مذکورہ بارہ امام ہیں۔ جو حضرت علی کی اولاد سے ہیں۔ اور عہد بعہد اس منصب پر قائم ہوتے چلے آئے ہیں۔ پس جب بارھویں امام کی نوبت ہجرت کی تیسری صدی میں آئی۔ اور کچھ مدت تک وہ اپنے فرض ارشاد و ہدایت کو ادا کرنے کے بعد اس مسند کو خالی کر چکے۔ تو اب شیعی عقیدہ میں یہ اشکال پیش آیا۔ کہ دنیا امام سے خالی ہے۔ لہٰذا ان لوگوں نے یہ دعوے کر کے اس اشکال کو رفع کر دیا۔ کہ امام ممدوح نے وفات نہیں پائی۔ بلکہ وہ مصلحتاً روپوش ہوگئے۔ اور بدستور حی و قائم ہیں۔ یعنے زندہ ہیں۔ اور اپنے منصب امامت پر مامور ہیں۔ جس طرح حضرت خضرؑ زندہ جاوید ہو کر امور تکوینی میں تصرفات کرتے پھرتے ہیں۔ اسی طرح امام ابن عسکری اپنی حیات دوام میں امور تشریعی کی زمام تصرف کو تھامے ہوئے ہیں۔ اور یہی امام وہ مہدی موعود بھی ہیں۔ جو قرب قیامت میں نمودار ہوں گے۔

یہ ہم نہیں کہہ سکتے۔ کہ فرقہ شیعہ کا یہ انوکھا عقیدہ اُن کی نادانستہ اعتقادی غلطی پر مبنی ہے۔ یا یہ ان کا ایک متعصبانہ کمروفریب ہے۔ کہ جب امام ممدوح کے بعد اہل بیت میں کوئی ایسا فرد نظر نہ آیا۔ جو اس مسند پر متمکن ہو کر تیرھواں امام بن سکتا۔ تو بارھویں امام کو زندہ جاوید قرار دے کر روز روز کے انتخاب کے جھگڑے کو ہی طے کر دیا۔ اور یہ حیرت انگیز تکلف گوارا کر لیا۔ کہ وہ بابرکت زمانہ جو خیر القرون کا مصداق ہے۔ اس میں اور اس کے بعد کے

متصلہ زمانے کے محدود عرصے میں تو پے در پے بارہ اماموں کی ضرورت تھی۔ اور اس کے بعد صدیوں کے طولانی زمانے کے لئے جو سراسر شر و فساد سے لبریز ہے۔ صرف ایک امام کو کافلِ مہمات فرض کر لیا۔ اور وہ بھی اس کے مخفی و مستور رہنے کی حالت میں۔ استغفر اللہ۔ اور مقصد اس پُر تکلف عقیدے سے یہ ہے۔ کہ منصب امامت کا بارہ اماموں میں حصر نہ ٹوٹے۔ اور یہ منصب عالی علوی خاندان سے باہر نہ جائے۔

احادیثِ صحیحہ سے آخری زمانے میں ایک امام بنام محمد مہدی کے ظہور کا ثبوت ملتا ہے۔ جن کی تیغ خارا شگاف کی چمک سے کفر و شرک کی تاریکی دنیا سے رفع ہو جائے گی۔ اور اکناف عالم میں پھر ایک مرتبہ اسلام کا بول بالا اور امن عام قائم ہو جائے گا۔ اس امام کے متعلق ایک صحیح حدیث ہے۔ کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یخرج فی اٰخر الزمان رجل من عترتی یواطی اسمہ اسمی واسم ابیہ اسم ابی یعنے آخری زمانے میں ایک شخص میرے خاندان سے نکلے گا۔ جس کا نام میرے نام پر (یعنے محمد) اور اس کے باپ کا نام میرے والد کے نام پر (یعنے عبداللہ) ہوگا۔ اور مشکوٰۃ میں ایک حدیث مروی ہے۔ کہ حضرت علی نے اپنے بیٹے حضرت امام حسن کو دیکھ کر فرمایا۔ ان ابنی ھذا سید کما سماہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم و سیخرج من صلبہ رجل یسمی باسم نبیکم الخ۔ یعنے یہ میرا بیٹا سردار ہے جیسے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو خطاب دیا ہے اور کسی زمانے میں اس کی نسل سے ایک آدمی نکلے گا جس کا نام تمہارے نبی کے نام پر ہوگا۔

پہلی حدیث سے ثابت ہوا۔ کہ امام مہدی کے والد کا نام عبداللہ ہوگا۔ اور دوسری روایت سے ظاہر ہے کہ وہ امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہوں گے۔ مگر شیعہ لوگ اپنی پولیٹیکل اغراض کو مدنظر رکھ کر اس قسم کی تمام احادیث کی تکذیب کرتے ہیں۔ اور امام محمد ابن عسکری کو ہی وہ مہدی موعود قرار دیتے ہیں۔ جن کی آمد کی احادیث میں بشارت آئی ہے۔ حالانکہ یہ بارہویں امام نہ ابن عبداللہ ہیں۔ نہ امام حسنؓ کی اولاد سے ہیں۔ بلکہ امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد سے ہیں۔

مولانا فرماتے ہیں۔ کہ شیعہ لوگ جو امام حی و قائم کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ان کو لازم ہے کہ امام محمد بن عسکریؓ کے متعلق ایسا عقیدہ باطل رکھنے سے باز آئیں۔ بلکہ اس ولی قطب ارشاد یا قطب الاقطاب کو ہی امام حی و قائم سمجھیں اس امام کا غیر محدود زمانے تک زندہ رہنا بھی ضروری نہیں۔ بلکہ ایک کا انتقال ہو۔ تو دوسرا اس کا جانشین ہو جاتا ہے۔ اور نیز یہ ضروری نہیں۔ یہ امام صرف حضرت کی اولاد سے ہو۔ جیسے کہ شیعہ لوگوں کا متعصبانہ خیال ہے۔ بلکہ دیگر اکابر صحابہ حضرت عمرؓ وغیرہ کی اولاد سے بھی ہو سکتا ہے۔

مہدی و ہادی وے ست اے راہ جُو ۔۔۔ ہم نہاں و ہم نشستہ پیشِ رُو

لغات۔ مہدیؔ صیغہ اسم مفعول ہدایت یافتہ۔ ہادی ہدایت دینے والا۔

ترجمہ۔ اے راہِ (ہدایت) کے طالب! وہی (اپنے وقت کا) مہدی ہے اور (وہی) ہدایت دینے والا ہے۔ (وہ اپنے کمالات باطنہ کے لحاظ سے) پوشیدہ بھی (ہے) اور (ظہور برکات کے اعتبار سے یوں نمایاں بھی ہے کہ گویا) سامنے بیٹھا بھی ہے۔

مطلب۔ مہدی سے یہاں لغوی معنے بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ یعنے وہ مردِ خدا خود ہدایت یافتہ اور سالک

مسلک سلیم و پابند صراطِ مستقیم ہے۔ اگر مہدی بمعنے عرفی کہدیا جائے۔ تو بھی مضائقہ نہیں۔ پھر یہ مطلب ہوگا۔ کہ شیعہ لوگوں نے جو امام محمد مہدی ابن عسکری رضکو زندہ فرض کر رکھا ہے۔ یہ غلط بات ہے۔ انہیں چاہیئے۔ کہ ولی قطب کو زندہ مہدی سمجھیں۔ اور وہ جو مہدی کے مخفی و مستور ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ایسا مہدی بھی یہی ولی ہے۔ جو اپنے کمالات کے خفا کے لحاظ سے مستور ہے۔ مگر اپنے فیوضِ عام کی ظاہر و نمایاں برکات کے اعتبار سے ظاہر بھی ہے۔ غرض یہ شعر بھی فرقۂ شیعہ کی تردید میں ہے۔

او چو نور است و خرد جبریلِ او   آں ولیِّ کم ازو قندیلِ او

ترجمہ۔ وہ ولی (اعظم یعنے قطب الاقطاب) مثل نور کے ہے۔ اور عقل اس کے لئے بمنزلہ جبرائیل کے ہے (اور) وہ ولی (جو) اس سے کم (رتبہ ہے۔ گویا) اس کی قندیل (ہے)

مطلب۔ جبرئیل علیہ السلام کا کام یہ تھا کہ خداوند تعالےٰ کا پیغام پیغمبر علیہ السلام کے پاس لاتے تھے۔ جس سے لوگوں کو ہدایت ملتی ہے۔ پس جس طرح حق تعالےٰ کا فیض ہدایت جبرئیل کے واسطہ سے لوگوں کو پہنچتا ہے۔ اسی طرح اس ولی اعظم کا فیضِ ارشاد لوگوں تک پہنچانے کا کام عقل کرتی ہے۔ کہ لوگ عقل ہی کے ذریعہ سے اس کے کمالات کے معتقد ہو جاتے ہیں۔ اور عقل ہی کے مشورہ و تحریک سے اس سے استفادہ کرتے ہیں۔ یہ ولی اعظم ایک نور ہے۔ اور جس طرح نور مختلف قندیلوں میں نمایاں ہو کر محل کو جگمگا دیتا ہے۔ اسی طرح اس ولی اعظم کا فیضان اس کے خلفا کے توسط سے مخلوق کی ہدایت کا باعث ہوتا ہے۔

مولانا بحر العلوم رح فرماتے ہیں۔ کہ نور سے مراد جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے۔ اور مثل نور سے حضرت کا قائم مقام۔ یعنے وہ قطب اپنے زمانے میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا قائم مقام اور حقیقت محمدیہ کا مظہر اتم ہے۔ اور اس کی عقل اپنی صفائی و تیزی کی بدولت بمنزلہ عقل کل ہے۔ اور جبرئیل کی طرح افاضہ کرتی ہے۔ پھر قندیل کی شرح میں شیخ اکبر سے نقل فرماتے ہیں۔ کہ اس قطب کے دو امام ہوتے ہیں۔ جو اس کے وزیر ہیں۔ ایک دایاں امام بنام عبد الملک دوسرا بایاں امام بنام عبد ربہٖ۔ جب قطب وفات پاجاتا ہے۔ تو دایاں امام قطب بن جاتا ہے۔ اور بایاں امام اس کا دایاں امام ہو جاتا ہے۔ اور بائیں امام کی جگہ کوئی اور مامور ہو جاتا ہے۔ فکان ابوبکر عبد الملک وعمر عبد ربہ فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیٰ ان مات صلے اللہ علیہ وسلم فسمی ابوبکر عبد اللہ وسمی عمر عبد الملک وسمی امام الذی ورث مقام عمر عبد ربہ ولا یزال الامر علیٰ ذالک الیٰ یوم القیمۃ۔ یعنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ابوبکر رض (امام ایمن) عبد الملک تھے۔ اور عمر رض (امام ایسر) عبد ربہ تھے۔ حتیٰ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا۔ تو حضرت ابوبکر رض (قطب) بن گئے۔ اور ان کا نام عبد اللہ ٹھیرا (کیونکہ قطب عبد اللہ ہوتا ہے) اور حضرت عمر رض (امام ایمن بن گئے۔ اس لئے ان) کا نام عبد الملک قرار پایا۔ اور جو امام عمر رض کے مقام پر مامور ہوا۔ وہ عبد ربہ کے خطاب سے سرفراز ہوا۔ اور یہی شان و روش قیام قیامت تک جاری رہے گی (کہ عبد الملک قطب بن جاتا ہے۔ اور عبد ربہ عبد الملک کے عہدے پر سرفراز ہو جاتا ہے۔ اور عبد ربہ کے منصب پر کوئی اور قائم ہو جاتا ہے۔ پس مولانا کی "کم ازو" سے مراد یہ امام ہیں۔ جو قطب کے وزیر اور اس کے لئے بمنزلہ قندیل ہیں۔ جن پر اس قطب الاقطاب کا نور فائز ہوتا ہے۔ انتہٰے۔

وآنکہ زیں قندیل کم مشکوٰۃ ماست   نور را در مرتبت ترتیبہاست

لغات - قندیل فانوس - لالٹین - ممقہ - مشکوٰۃ دریچہ - طاقچہ چراغ - مرتبت - مرتبہ - درجہ -

ترجمہ - اور وہ (نور ہدایت سے منور ہونیوالا وجود) جو اس قندیل سے کم (رتبہ ہے) وہ ہمارا طاقچہ (وجود) ہے - (غرض) مرتبہ کے لحاظ سے نور کے بہت سے مدارج ہیں -

مطلب یہ مضمون اس آیت سے ماخوذ ہے - اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ ط اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ ط اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ یَّکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ ط نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ط یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ط وَیَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ط وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ط اللہ ہی کے نور سے آسمان اور زمین کی روشنی ہے - اس کے نور کی مثال ایسی ہے - جیسے ایک طاق (اور) طاق میں ایک چراغ (رکھا ہے اور) چراغ ایک شیشے کی قندیل میں ہے (اور) قندیل (اسقدر شفاف ہے کہ) گویا وہ موتی کی طرح چمکتا ہوا ایک ستارہ ہے (وہ چراغ) زیتون کے ایک مبارک درخت (کے تیل) سے روشن کیا جاتا ہے - کہ جو نہ پورب کے رخ واقع ہے - اور نہ پچھم کے رخ - اس کا تیل (اسقدر صاف ہے - کہ) اگر اس کو آگ نہ بھی چھوئے تاہم معلوم ہوتا ہے کہ (آپ سے آپ) جل اُٹھے گا (غرض ایک نور نہیں بلکہ) نورٌ علیٰ نور ہے - اللہ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے راہ دکھاتا ہے - اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے - اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے (سورہ نور ع ۵)

شعر کا مطلب کماحقہ سمجھنے کے لئے مناسب یہ ہے - کہ پہلے آیت کی تفسیر کی جائے - اور تفسیر کے لئے پہلے چند اصطلاحات کو سمجھ لینا چاہیے -

۱ - لاھوت - ذات بحت - یعنے ذات حق تعالےٰ بلالحاظ اسماء و صفات

۲ - جبروت - مرتبہ صفات باری تعالیٰ یعنے سمع بصر ارادہ علم وغیرہ

۳ - ملکوت - مرتبہ اسمائے باری تعالیٰ جس کا ایک حصہ حظیرہ قدس ہے -

۴ - حظیرہ قدس - وہ مقام جس میں ملاء اعلیٰ اور روح اعظم کے انوار کا تداخل ہوتا ہے - ملاء اعلےٰ انسانی جماعت کے لئے بمنزلہ دماغ ہے - جس طرح ہر شخص کا دماغ اس کے لئے خیر و شر کی تمیز کا مرکز ہے - اسی طرح ملاء اعلیٰ نوع انسان کے لئے محرک خیر و مانع شر ہے - اور روح اعظم نوع انسان کے لئے بمنزلہ کلی طبعی ہے -

۵ - ملاء الاعلےٰ - افضل ملائکہ کی جماعت جو اللہ کے سب سے زیادہ مقرب ہیں - جن کا کام یہ ہے کہ نیک لوگوں کی نیکی پر ان کے لئے دعا کرتے ہیں - جو ان لوگوں کے لئے موجب برکات ہوتی ہے - اور برے لوگوں کے گناہ پر لعنت کرتے ہیں - جو ان لوگوں کے لئے باعث حسرت و ندامت ہو جاتی ہے - ان ملائکہ کے تاثرات سے ملاء سافل کے ملائکہ پر بھی الہامات ہو جاتے ہیں - جس سے وہ ان نیک لوگوں کے لئے بہتری کے سامان اور برے لوگوں کے لئے خیبت و خسران کے اسباب مہیا کر دیتے ہیں - ملاء سافل وہ ملائکہ ہیں جو عالم دنیا کے امور تکوینی میں بحکم الٰہی مختلف تصرفات کرتے رہتے ہیں -

جب ایک شریعت یا قانون الٰہی قابل نزول ہوتا ہے - تو اس کی ابتدا لاھوت (ذات بحت) سے ہوتی ہے

اور اس وقت وہ قانون کسی کیفیت سے تشکیف نہیں ہوتا۔ پھر وہ مقام جبروت میں آتا ہے۔ تو تشکیف کیفیۃ تا ہوجاتا ہے۔ پھر وہ قانون عالم ملکوت میں پہنچتا ہے۔ جس کا ایک حصہ خطیرہ قدس ہے۔ اور وہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام اس کے حامل ہوجاتے ہیں جو ملاء اعلیٰ میں ایک فرد ممتاز ہیں۔ اور وہ اس کو عالم انسانی میں پہنچاتے ہیں اور عالم انسانی میں اس کو اس فرد پر نازل کرتے ہیں۔ جس کو تمام افراد انسانی میں سے سب سے زیادہ ملاء اعلیٰ کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے۔ یعنے پیغمبر وقت۔

اب مذکورہ بالا آیت کی تفسیر سنیئے۔ (کما افادنا بہ استادنا حضرت شیخ التفسیر مولانا الحاج احمد علی دامت برکاتہ)

اللہ کے نور	سے	نور ہدایت	مراد ہے	
مصباح	یعنے	چراغ	سے	عالم جبروت	〃
زجاجہ	〃	مینائی قندیل	〃	خطیرہ قدس	〃
مشکوٰۃ	〃	طاق	〃	نبی وقت	〃

پس خدا کے نور کا چراغ مینائی قندیل میں۔ اور قندیل کا طاق میں ہونا یہ مطلب رکھتا ہے۔ کہ نور ہدایت شریعت کے رنگ میں عالم لاہوت سے عالم جبروت میں منتقل ہوتا ہے۔ پھر خطیرہ قدس سے ہوکر نبی وقت کے پاس آتا ہے۔ پھر جس طرح طاق کا چراغ سارے گھر کو روشن کردیتا ہے۔ اسی طرح نبی کی ہدایت وارشاد سے تمام عالم انسان منور ہوجاتا ہے۔ اہل سعادت کے لئے یہ روشنی نور افزائے بصیرت ہوجاتی ہے۔ اور اشقیاء کی آنکھیں چندھیا کر اور بھی کور و بے بصر ہوجاتی ہیں۔ یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا۔ کما قیل ۔

سیہ بختان قسمت را چہ سود از رہبر کامل　　کہ خضر از آب حیواں تشنہ مے آرد سکندر را

پس مولانا فرماتے ہیں۔ کہ جس طرح انوار شریعت عالم جبروت کے چراغ سے خطیرہ قدس کی قندیل میں اور پھر اس سے نبی وقت میں جو بمنزلہ طاق ہے۔ آتے ہیں۔ اور اس طاق سے عالم انسان میں جو بمنزلہ مکان ہے پھیلتے ہیں۔ اسی طرح نور ارشاد قطب الاقطاب کی ذات عالی صفات سے جو ایک چراغ منور ہے۔ دوسرے اولیا کی قنادیل میں منتقل ہوتا ہے۔ اور ان قنادیل سے ہم ایسے عام پیرون مرشدوں کو پہنچتا ہے۔ جو گویا طاقچے ہیں۔ اور ہم سے دوسرے لوگ مستفید ہوتے ہیں۔

مولانا بحرالعلوم رہ فرماتے ہیں کہ مشکوٰۃ صوفیہ کی اصطلاح جیسے کہ شیخ عبدالرحمن جامیؒ کے کلام سے مفہوم ہوتا ہے۔ ولایت کے خاص مقام کو کہتے ہیں۔ اور شعر سابق میں وزیران قطب کے مقام ولایت کو قندیل سے تعبیر کیا ہے۔ جن پر قطب کے نور کا افاضہ پہلے ہوتا ہے۔ جس طرح شمع کا نور پہلے قندیل پر پڑتا ہے۔ اور اپنے امثال کے مقام ولایت کو مشکوٰۃ سے تشبیہ دی ہے۔ جن پر اس قطب کا نور اس وزیر کے واسطہ سے پہنچتا ہے جس طرح شمع کا نور قندیل کے واسطہ سے چراغ دان کو منور کرتا ہے۔ خلاصہ مطلب یہ ہے۔ کہ اس قطب کا فیض وزیر کے بعد اور اس کے واسطہ سے ہم پر جو کہ بمنزلہ مشکوٰۃ ہیں۔ فائض ہوتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے۔ مولاناؒ ابدال میں داخل ہیں۔ اور ابدال اگرچہ ولایت کا ملہ رکھتے ہیں۔ اور سیر و سلوک میں کامل ہوتے ہیں۔ لیکن دائرہ قطب میں داخل اور قطب کے زیر فرمان ہوتے ہیں۔ اور یہ ابدال کل سات ہیں۔ اور ہفت اقلیم کا قیام انہی کی ذات بابرکات پر موقوف ہے۔ اور ان میں سے ہر ابدال کو اسم کے ساتھ نسبت حاصل ہوتی ہے۔ جس نسبت سے

آیۂ نور کی تفسیر

مولانا روم ابدال میں سے تھے

اللہ تعالٰی اس پر نظر فرماتا ہے۔ اور وہی نسبت اس پر غالب رہتی ہے۔ قطب کو اسم جامع کے ساتھ نسبت ہوتی ہے۔ جو کہ اللہ ہے۔ اور ہر اسم اس اسم جامع کے ماتحت ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے ابدال قطب الاقطاب سے استمداد کرتے ہیں (انتہٰی) اس کے بعد ایک روایت نقل کی ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ مولانا روم رحمہ خود اپنے ابدال ہونے کی تصریح فرمائی تھی۔

شعر کے دوسرے مصرعہ میں جو کہا ہے۔ کہ نور کے بہت سے مراتب ہیں۔ اب اس فرق مراتب کی وجہ بیان فرماتے ہیں۔

زانکہ ہفصد پردہ دارد نورِ حق ‌ ‌ ‌ ‌ پردہ ہائے نور داں چندیں طبق

ترجمہ اس لئے کہ حق تعالٰی کا نور سات سو پردے رکھتا ہے۔ (پس) تم ان مراتب کو بھی نور کے پردے سمجھو۔

مطلب۔ ہفصد سے عدد مخصوص نہیں۔ بلکہ کثرت مراد ہے۔ یعنے حق تعالٰی کے نور کے بیشمار پردے ہیں اور یہ اولیا کے اختلاف مدارج کی مثال ہے۔ یعنے جس طرح پہلا پردہ اسقدر روشن ہوتا ہے۔ کہ گویا خود نور مجسّم ہے۔ اور دوسرا پردہ اس سے کم مگر باقی دوسرے پردوں سے زیادہ روشن ہوتا ہے۔ وعلی ہذا۔ اسی طرح اولیا کے مراتب اوپر نیچے ہیں۔

از پس ہر پردہ قومے را مقام ‌ ‌ ‌ ‌ صف صفند ایں پردہاشاں تا امام

ترجمہ۔ ہر پردے کے پیچھے ایک جماعت کا مقام ہے۔ اسی طرح یہ پردے (اور ان کے پیچھے کی جماعتیں) صف بصف امام تک (قائم) ہیں۔

مطلب۔ نور کے ہر پردے کو ایک ایک جماعت کے لئے متعین کر دیا گیا ہے۔ جو اس سے فیضیاب ہوتی ہے۔ حتّٰی کہ ولی اعظم یا قطب الاقطاب کا درجہ ہے۔ جو اپنی اعلٰی استعداد کی بدولت ان تمام نورانی حجابات کو طے کر جاتا ہے اور آخری حجاب سے مستفید ہونے کی تاب رکھتا ہے۔

اہلِ صفِ آخریں از ضعفِ خویش ‌ ‌ ‌ ‌ چشمِ شاں طاقت ندارد نورِ بیش

ترجمہ۔ آخری صف والے اپنی کمی استعداد کے باعث (سب سے پیچھے ہیں کیونکہ) ان کی آنکھ (آخری پردہ سے) زیادہ نور (کو برداشت کرنے) کی تاب نہیں رکھتی۔

مطلب۔ شاہدین انوار قدس کا یہ فرق مدارج ان کے اختلاف استعداد پر مبنی ہے۔ آخری جماعت کی استعداد سب سے کم ہے۔ اس لئے وہ ہنوز اس سے زائد نور کی تاب نہیں لا سکتے۔

واں صفِ پیشیں از ضعیفی بصر ‌ ‌ ‌ ‌ تاب نارد روشنائی بیشتر

ترجمہ۔ اور وہ (سب سے پچھلی صف والوں سے) اگلی صف والے (بھی اپنے اضافی ضعف بصر کے باعث (صرف اتنی روشنی کے متحمل ہو سکتے ہیں جو پچھلی صف والوں سے کسی قدر زیادہ

ہے اس سے زیادہ نور کی تاب نہیں لا سکتے۔ چنانچہ:-

روشنئے کو حیاتِ اوّل است   رنجِ جان و فتنۂ این احول ست

ترجمہ:- وہ نور جو پہلی (صف) کے لئے (مایۂ) حیات ہے۔ اس (پچھلی صف والی) ضعیف البصر (جماعت) کے لئے وبال ہے۔

احولی ہا اندک اندک کم شود   چوں ز ہفصد بگذرد او یم شود

لغات۔ اویم میں وہ ہوں۔ میں اس سے متصل و متواصل ہوں۔ اس سے اتحاد حقیقی مراد نہیں بلکہ اتصال معنوی مراد ہے۔ او ضمیر غائب اور میم ضمیر متکلم کا امتیاز خود ظاہر کر رہا ہے۔ کہ ہر دو متواصلین ذاتاً متغائر ہیں۔ پس اس کلمے کے معنے اتصال معنوی کے ہیں۔ جس کو مجازاً اتحاد سے بھی تعبیر کر لیتے ہیں۔ جیسے دو دوستوں کے بارے میں کہدیتے ہیں۔ کہ وہ تو بالکل ایک ہیں۔

ترجمہ۔ (پس) رفتہ رفتہ ضعف بصر گھٹتا جاتا ہے (اور نظر قوی ہوتی جاتی ہے۔ یعنے استعداد بڑھتی جاتی ہے۔ تو وہ مشاہدہ جمال میں ترقی کرتا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ) جب ان سات سو (یعنے تمام حجابات) سے آگے گزر جاتا ہے تو (حق سبحانہ سے وہ اتصال معنوی حاصل ہوتا ہے کہ گویا میں وہی ہوں (کہنے کے قابل) ہو جاتا ہے (اور اب وہ عارف کامل و اکمل بن جاتا ہے)

آتشے کا صلاح آہن یا زرست   کے صلاحِ آبی و سیب ترست

لغات۔ اصلاح۔ یعنے مصلح۔ آبی بھی ایک پھل ہے۔ سیب سے مشابہ جس کے بیجوں کو بہدانہ کہتے ہیں۔ سیب تر تازہ سیب۔ جو ابھی تر ہو۔

ترجمہ۔ (دیکھو) جتنی (تیز) آگ لوہے یا سونے کی اصلاح (کرتی) ہے۔ بہی یا ہرے سیب کی کب اصلاح کر سکتی ہے۔ (بلکہ وہ ان کو جلا کر خاکستر کر دے)

مطلب۔ اوپر جو بیان کیا تھا۔ کہ جو روشنی اگلی صف والوں کے لئے مایۂ حیات ہے۔ وہ پچھلی صف والوں کے لئے وبال جان ہے۔ اس کی واقعیت کو ایک مثال سے مبرہن فرماتے ہیں۔ یعنے اس کی نظیر محسوسات میں بھی موجود ہے چنانچہ لوہا جتنی تیز آگ سے اصلاح پاتا ہے۔ اسقدر تیز آگ سیب وغیرہ پھل برداشت نہیں کر سکتے۔ بلکہ وہ اس سے اصلاح پانے کی بجائے برباد ہو جاتے ہیں۔ اور اس کی وجہ وہی تفاوت استعداد ہے۔ چنانچہ:-

سیب و آبی خامیئے دارد خفیف   نے چو آہن تابشے خواہد لطیف

لغات۔ خامی کنایہ ہے ضعف استعداد سے۔ تابش گرمی۔ تاؤ۔ لطیف نرم و نازک۔ ہلکا۔ ترکیب۔ تابشے خواہد کی ضمیر سیب و آبی کی طرف راجع ہے۔ اور حرف نفی کا تعلق صرف آہن سے ہے۔ نہ کہ اس جملہ سے۔ اور اس جملہ پر حرف اضراب مقدر ہے۔ ایک شارح نے تابشے خواہد کا فاعل آہن کو قرار دیا ہے۔ جس سے الٹا مفہوم بن جاتا ہے۔ اور حرف نفی کو تابشے خواہد پر وارد کرنے سے بھی مخالف مقصود مطلب نکلتا ہے۔

ترجمہ۔ سیب اور بہی میں کسی قدر (ضعف استعداد کی) خامی ہے (کیونکہ وہ لوہے کی طرح قوی الاستعداد نہیں ہیں کہ شدید گرمی کو برداشت کر سکیں) بلکہ ہلکا تاؤ چاہتے ہیں۔

مطلب۔ جس طرح لوہے سے مختلف آلات و اوزار بنانے کے لئے اس کو آگ میں رکھ کر گرم و نرم کیا جاتا ہے اسی طرح سیب و بہی کو بھی مربا بنانے کے لئے بھی آگ پر رکھنے کی ضرورت ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ ان دونوں کے لئے ہلکے ہلکے جوش کافی ہیں۔ وہ بھی پانی کے ساتھ۔ کیونکہ جب یہ نرم و نازک پھل آغوش آب کی پناہ میں ہوتے ہیں۔ تو آگ کی تندی ان کو تباہ نہیں کرنے پاتی۔ لیکن اگر پانی کی پناہ کے بغیر انکو اسی بھٹی میں دہکتی ہوئی آگ کے حوالہ کر دیا جائے۔ جو لوہے کو لال کر دیتی ہے۔ تو ظاہر ہے کہ ان غریبوں کا کیا حشر ہو۔ غرض تابش انوار کی برداشت حسب استعداد ہو سکتی ہے۔ صائب رح ؎

ہر سخن گوشے دہر مے ساغرے دارد جدا　　شربت سیمرغ نتواں برگلوے مور ریخت

لیک آہن را لطیف آں شعلہا ست　　کو جذوب تابش آں اژدہاست

لغات۔ جذوب جاذب سے صیغہ مبالغہ ہے۔ جاذب کے معنے کھینچنے والا۔ جذوب بہت کھینچنے والا۔

ترجمہ۔ لیکن (بخلاف سیب و بہی کے) لوہے کے لئے وہ (سخت آتشین) شعلے بھی لطیف (حرارت کا کام دیتے) ہیں کیونکہ وہ (یعنے لوہا) اس (آگ کے) اژدہے کی گرمی کو خوب جذب کرنے والا ہے۔ حافظ رح ؎

با زغم او عرض بہر کس کہ نمودم　　عاجز شد و ایں قرعہ بنام زسرافتاد

ہست آں آہن فقیر سخت کش　　زیر تپک و آتش ست و سرخ و خوش

لغات۔ فقیر۔ محتاج۔ یہاں خدا کا محتاج اور درجہ فقر پر پہنچا ہوا مراد ہے۔ سخت کش سختی برداشت کرنے والا۔ تپک ہتھوڑا۔ لوہے کو کوٹنے کا اوزار۔

ترجمہ۔ وہ لوہا فقیر ہے (ریاضت کی) سختی کو برداشت کرنے والا جو (پابندی احکام کے) ہتھوڑے کے نیچے اور (مجاہدات کی) آگ کے اندر ہے اور سرخ (رو) و خوش دل ہے۔

مطلب۔ جس طرح لوہا آگ سے لال ہو جاتا ہے۔ عاشق آتشی مجاہدہ کی سوزش پاکر روحانی مسرت سے لالوں لال ہو جاتے ہیں۔ سعدی رح ؎

اگر عاشقی خواہی آموختن　　کشتن ذرح یابی از سوختن

؎ زعشق او بداغے کے تسلی میشوم مظہر　　کہ غرق سوختن چوں شعلہ میخواہم سراپارا

فقر یا فقیری سلوک کا ایک ممتاز درجہ ہے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ درگاہ حق تعالیٰ میں سوال کیا۔ بما ذا التقرب الیک الٰہی تیرا قرب کن باتوں سے حاصل ہو سکتا ہے۔ ارشاد ہوا۔ بالذلۃ والافتقار یعنے ذلت و فقر سے یعنے اپنے آپ کو ہر تجلی کے سامنے ذلیل و خوار رکھنے۔ اور ہر حالت میں حق تعالیٰ کا محتاج سمجھنے سے قرب حاصل ہو سکتا ہے۔ پس مولانا رح فرماتے ہیں۔ کہ یہ فقیر نور الٰہی کو قبول کرنے میں لوہے کی مانند ہے جس کو نور قوی ضرر نہیں پہنچاتا۔ اور ہر حالت میں سرخ رو و خوشدل ہے (بحر العلوم)

حاجبِ آتش بود بے واسطہ　　　در دلِ آتش رَود بے رابطہ

لغات - حاجب آڑ - پردہ - دل وسط - میانہ - رابطہ واسطہ - ذریعہ -

ترجمہ - وہ آگ (کی سوزش کا اسقدر خوگر ہوتا ہے - کہ اس) پر خود کسی واسطہ کے بغیر چھا جاتا ہے (اور) کسی ذریعہ کے بغیر آگ کے وسط میں جا گھستا ہے - صائبؒ ؎

آتش گلِ ہمیشہ بہار ست عشق را　　　پروانہ زالسبیر گلستاں چہ حاجت ست

بے حجابے آب و فرزندانِ آب　　　پختگی ز آتش نیابند و خطاب

ترجمہ - پانی اور پانی کی پیداواریں (اناج - ساگ - ترکاری - پھل وغیرہ) توے یا دیگچی وغیرہ کی آڑ کے بغیر آگ سے پختگی نہیں پاتیں - اور (نہ روٹی - پلاؤ - دال - سالن وغیرہ کا) لقب پا سکتی ہیں)

مطلب - اوپر فقیر کو لوہے سے تشبیہ دی تھی - جو آگ کی بڑی سے بڑی تابش کو برداشت کر لیتا ہے - اسی طرح فقیر انوار الٰہی کو بلا واسطہ قبول کر سکتا ہے - اب دوسرے اولیا کو پانی اور پانی کی پیداواروں سے تشبیہ دیتے ہیں جو لوہے کڑاہی اور دیگ وغیرہ کے حجاب سے آگ کی تپش پا کر پک سکتے ہیں - ورنہ بلا واسطہ آگ کھانے سے جل جائیں گی - اسی طرح یہ اولیا بے واسطہ انوار الٰہیہ کو قبول کرنے کی تاب نہیں لا سکتے - لہٰذا وہ اس کو کسی واسطہ و ذریعہ سے قبول کرتے ہیں -

واسطہ دیگے بود یا تابہ　　　ہمچو پا را در روش پاتابہ

لغات - تابہ توا - پا را پاؤں کے لئے - روش رفتار - پاتابہ جوتا - کفش -

ترجمہ - (اور وہ) واسطہ (اناج وغیرہ کے لئے) دیگ یا توا ہوتا ہے - جیسے پاؤں کے لئے چلنے میں جوتا -

مطلب دیگ اور توے کی آڑ سے مقصد یہ ہے - کہ ان کے اندر کی چیز کو معتدل حرارت پہنچے - اس کے ساتھ ہی یہ بھی مقصود ہے - کہ اعتدال سے زیادہ مضر حرارت نہ پہنچے - پس مقصود کی اس دوسری شق میں پاتابہ کی مثال اس کے ساتھ مشترک ہے - پہلی شق میں نہیں - کیونکہ جوتے سے یہی مقصود ہوتا ہے - کہ زمین کی بڑی گرمی یا سنگلاخ زمین کنکر پتھر کی اذیت پاؤں کو نہ پہنچے - نہ کہ پاؤں کو یہ تاثیرات باعتدال پہنچائی جائیں -

یا مکانے در میاں تا آں ہوا　　　میشود سوزاں و مے آرد نما

لغات - سوزاں گرم - نما بڑھنا - پھولنا - یہاں پکنا مراد ہے - چونکہ ہر پھل کے بڑھنے کے لئے پختگی لازم ہے - اس لئے ملزوم بول کر اس کا لازم مراد لیا ہے -

ترجمہ - یا (اس پھل پھلواری کے اور مرکز حرارت کے) درمیان ایک مکان (حائل ہو) حتےٰ کہ وہ ہوا (جو اس مکان میں پھیل رہی ہے) گرم ہوتی ہے - اور (اس کی گرمی پھلوں کو)

پکا دیتی ہے۔

مطلب۔ تمام اناج اور پھل آفتاب کی حرارت سے پکتے ہیں۔ مگر بے واسطہ نہیں۔ بلکہ اس فضائے بسیط کے واسطے سے جو زمین و آسمان کے درمیان ہے۔ جس کی ہوا آفتاب کی حرارت سے گرم ہو جاتی ہے۔ اور اس ہوائے گرم کی آغوش میں یہ فواکہ و اثمار خوش رنگ و خوشبودار اور لذیذ و مزے دار بن جاتے ہیں۔

پس فقیر آنست کو بے واسطہ است ۔۔۔ شعلہا را با وجودش رابطہ است

ترجمہ۔ پس (مذکورہ تمہید کے بعد واضح ہو کہ) فقیر وہ ہے جو بلا واسطہ (واصل) ہوتا ہے (انوار الٰہیہ کے) شعلوں کو اس کے وجود سے خاص تعلق ہوتا ہے۔

مطلب۔ جب طالب ریاضات و مجاہدات کے ذریعہ اور شیخ کے توسط سے اپنے اندر قبول انوار کی پوری استعداد پیدا کر لیتا ہے۔ تو وہ فقر کے درجے پر پہنچ کر ان انوار کو بلا واسطہ قبول کرنے لگتا ہے۔ اور اس کی ذات کے ساتھ ان انوار کی خاص نسبت قائم ہو جاتی ہے۔

پس فقیر آنست کو خود را دہد ۔۔۔ آب حیوانے کہ ماند تا ابد

ترجمہ۔ پس فقیر وہ ہے۔ کہ اپنے آپ کو وہ آب حیات پلا دے کہ (جس کی بدولت) وہ ہمیشہ زندہ رہے۔

مطلب۔ یعنے وہ اقتناص علوم و معارف اور اقتباس تجلیات و انوار خود بخود کسی ظاہری واسطہ کے بغیر کرنے لگتا ہے۔ جس میں کبھی تراخی و فترت نہیں ہوتی ؎

چوں غرق شد عراقی یابد حیات باقی ۔۔۔ اسرار غیب بیند در عالم شہادت

پس دل عالم وے ست ایرا کہ تن ۔۔۔ میرسد از واسطۂ ایں دل بفن

ترجمہ۔ پس (یہ با کمال فقیر) وہ (سے کہ جسم) عالم کا دل ہے۔ کیونکہ (جس طرح جسمانی ترقیات کا منبع اور دوران خون کا مرکز دل ہے۔ اسی طرح جسم (عالم) اسی دل (یعنے فقیر) کے ذریعہ سے (علم و) فن (باطنی) پر فائز ہوتا ہے۔ صائبؒ ؎

خیمہ در مصر چو پیراہن یوسف زدہ ایم ۔۔۔ جلوہا در نظر مردم کنعاں داریم

ولہ ؎ دارند بدیوانہ ما چشم غزالاں ۔۔۔ سر حلقۂ صاحب نظرانیم جہاں را

ولہ ؎ میرسد فیض سکر و حال باطراف جہاں ۔۔۔ مے شود آفاق روشن صبح چوں خنداں شود

دل نباشد تن چہ داند گفتگو ۔۔۔ دل نجوید تن چہ داند جستجو

ترجمہ۔ (دیکھو اگر) دل (کی تحریک) نہ ہو تو بدن (زبان کے تکلم اور دوسرے اعضا کے اشارہ سے) گفتگو (کرنا) کیا جانے (اگر) دل ہی طالب نہ ہو۔ تو (اکیلا) بدن (نگاہ تجسس اور پائے سعی

سے (طلب و تلاش (کرنا) کیا جانے۔

مطلب۔ انسان کی زندگی۔ اور زندگی کے تمام آثار۔ کسب کمال وصول تقرب غرض یہ سارے کرشمے دل کے ساتھ ہیں۔ صائبؒ ؎

چوں سلیمان بقدر دل گنوں نیست دانی کہ چیست
اس زماں انگشت سیحائی کر بے خاتم شوی

پس نظرگاہ شعاع آں آہن ست
پس نظرگاہ خدا دل، نے تن ست

ترجمہ۔ پس (جس طرح) شعلہ (آتش) کا سطح نظر وہ لوہا ہوتا ہے (جو اس کی شدت تابش کو برداشت کر سکے) تو (اسی طرح) خداوند تعالے کا سطح نظر (یہ) دل ہے۔ نہ کہ بدن۔

مطلب۔ دل سے مراد وہ فقیر یا ولی کامل و مقرب حق ہے۔ جس کی تعریف چلی آتی ہے۔ اور بدن سے مقصود باقی عالم ہے۔ فرماتے ہیں۔ کہ جس طرح آگ لوہے کو اپنی تابش کی برداشت کے لئے مستعد پاکر اس میں اپنی گرا گرم نگاہ جلال گاڑ دیتی ہے۔ اسی طرح حق سبحانہ وتعالیٰ کی تابش انوار اپنے جلوے کے لیئے اس دل کو تاکتی ہے۔ جسم یعنے باقی عالم کا یہ رتبہ نہیں۔ صائبؒ ؎

بغیر دل کہ عزیز و نگاہ داشتنی ست
جہاں و ہرچہ در وہست واگذاشتنی ست

ولہ ؎
غرض ز وسعت میدان لامکاں شان ست
دگر نہ بغیر دل تنگ جلوہ گاہش نیست

یہاں تک دل اور جسم کی مثال سے ولی اور محجوب کا فرق بیان کرنا مقصود تھا۔ اب اہل اللہ کا آپس کا فرق بتاتے ہیں۔

باز ایں دلہائے جزوی چوں تن ست
با دل صاحبدلے کو معدن ست

لغات۔ دلہائے جزوی قلوب عوام۔ مراد اولیائے تابعین۔ با مقابلہ کے لئے ہے۔ صاحبدل دل والا۔ زندہ دل۔ مراد بڑے درجہ کا ولی۔ قطب ارشاد۔ قطب الاقطاب۔ دل صاحبدلے میں اضافت تشبیہی ہے۔

ترجمہ۔ پھر یہ جزوی دل (یعنے اولیائے تابعین) بھی گویا بدن ہیں بمقابلہ دل یعنے صاحبدل (قطب ارشاد) کے جو (انوار و تجلیات کا) معدن ہے۔

بس مثال و شرح خواہد ایں کلام
لیک ترسم تا نلغزد فہم عام

ترجمہ۔ یہ بات بہت سی مثالیں اور شرح چاہتی ہے۔ لیکن میں ڈرتا ہوں۔ کہ ان تفصیلات میں عام لوگوں کے اعتقاد میں لغزش نہ آجائے۔

مطلب۔ اگرچہ اولیائے کرام کے مراتب کی توضیح کے لئے ابھی بہت سی تقریر اور مثالوں کی ضرورت ہے۔ مگر زیادہ تفصیلات میں جانے سے اندیشہ ہے۔ کہ عام لوگوں کے عقائد خراب ہوجائیں گے۔ کیونکہ یہ سلسلہ کلام وحدۃ الوجود کے مسئلے پر منتہی ہوگا۔ جو نہایت محیر الافہام و مزل اقدام ہے۔ اگرچہ خواص کا عقیدہ اس سے نہیں بگڑتا۔ مگر عوام کی کثرت کے باعث ان کی مصلحت کو ملحوظ رکھنا مقدم ہے۔ لہذا اس سے سکوت ہی

واجب ہے۔ عراقی رہ ؎

مے خواستم از اسرار اظہار کنم حرفے ۔ ز اغیار بترسیدم گفتم سخن سربست

تا نگردد نیکوی ما بدی ۔ ایں کہ گفتم ہم نبد جز بیخودی

ترجمہ۔ تاکہ ہماری نیکی بدی نہ بن جائے۔ یہ بھی جو کچھ میں کہہ گیا ہوں (اس کا سبب) سوائے بیخودی کے اور کچھ نہ تھا۔

مطلب۔ ہم تو بعض اشکال طریقت کے حل کرنے کے لئے یہ تقریر کر رہے تھے۔ مگر مسئلہ ہے نازک۔ اور نکمتہ ہے پرخطر۔ لہذا خاموشی بہتر ہے۔ کہ مبادا حلِ اشکال کی نیکی فساد عقائد عامہ کے گناہ پر منتج ہو جائے۔ اور وہی بات ہو۔ کہ ہنسانے کا نام نہیں۔ رولائے کا نام ہو جائے۔ نیکی برباد گناہ لازم۔ اور جتنا کچھ بیان ہو چکا ہے مصلحت اس کی بھی متقاضی نہ تھی۔ مگر جوش اظہار نے رہنے نہ دیا۔ اور بیخودی سمند بیان کے لئے مہمیز کا کام کرتی چلی گئی۔

پائے کژ را کفش کژ بہتر بود ۔ مر گدا را دستگہ بر در بود

ترجمہ۔ ٹیڑھے پاؤں کے لئے ٹیڑھا جوتا ہی اچھا ہوتا ہے۔ فقیر کی رسائی دروازے تک ہوتی ہے۔

مطلب۔ جس طرح ٹیڑھے پاؤں میں اسی انداز کا ٹیڑھا جوتا ٹھیک آتا ہے۔ اور سیدھا جوتا موجب تکلیف ہوتا ہے اسی طرح کم فہم لوگوں کے لئے سیدھی سادی عام فہم باتیں بتانا ہی مناسب ہے۔ گہری اور پر اسرار باتوں سے انکے گمراہ ہونے کا خوف ہے۔ اور جس طرح بھیک مانگنے والے کا حق صرف اتنا ہے۔ کہ دروازے پر کھڑا ہو کر صدا دے اور جو کچھ مل جائے۔ لیکر چلتا بنے۔ اگر گھر میں جا گھسے۔ اور باصرار و تکرار کچھ مانگنے لگے۔ تو ظاہر ہے۔ کہ اس کی کیا کچھ گت بنے گی۔ اسی طرح عوام کو مسائل کے صرف آسان اور نمایاں پہلو دکھانے چاہئیں۔ ان کو اسرار کی گہرائی میں لے جانا ان کی اعتقادی تباہی کا باعث ہوگا۔ امیر خسرو رہ ؎

آہ گر ایں آینہ کژ نظرے را دہند ۔ پیش دو بیناں نماد صورت اسرار عشق

غرض جس میں جیسی صلاحیت و قابلیت ہو۔ اس کے ساتھ ویسی ہی مکالمت اور ویسا ہی سلوک کرنا مناسب ہے آگے مولانا اس بات کی تائید میں ایک حکایت بیان فرمائیں گے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ بادشاہ کے دو غلام تھے۔ ایک لائق دوسرا نالائق۔ بادشاہ نے دونوں کے ساتھ ان کے حسب حال سلوک کیا۔ والحمد للہ علےٰ

تمام المجلد الخامس من مفتاح العلوم شرح الحصۃ الاولیٰ من الدفتر الثانی من مثنوی مولانا روم علیہ الف الف رحمۃ من اللہ الحی القیوم

مطبوعہ ماہ مئی ۱۹۳۱ء

مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا رومؒ

کے متعلق

چند اخبارات اور معاونین کرام کی رائیں

ایڈیٹر صاحب اخبار وکیل امرتسر ۱۰ اپریل ۱۹۲۶ء کے اخبار میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ مولانا روم کی مثنوی جس کی نسبت عام ارادت وعقیدت کا ثبوت اس مصرع سے ملتا ہے کہ "ہست قرآں در زبان پہلوی" مسلمانوں میں نہایت ادب و احترام سے دیکھی جاتی ہے۔ اس سے پہلے اس کی صدہا شرحیں لکھی جا چکی ہیں لیکن یہ شرح جو مندرجہ عنوان سے حال ہی میں شایع ہوئی ہے۔ اپنے رنگ میں نرالی ہے۔ اس کی خصوصیات یہ ہیں۔ کہ سب سے پہلے لغات مشکلہ کی تشریح کی گئی ہے۔ پھر ہر شعر کی کمل طور پر توضیح کی گئی ہے۔ اور اس کے لئے جابجا آیات و احادیث اور اشعار متقدمین کو بھی پیش کیا گیا ہے۔ کتابت۔ طباعت۔ کاغذ سب کچھ اعلےٰ۔

ایڈیٹر صاحب اخبار زمیندار ۴ اپریل ۱۹۲۶ء کے پرچہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔ حضرت مولانا جلال الدین رومی رح کی مثنوی مسلمانوں کی محبوب ترین کتابوں میں سے ہے۔ اور غوامض شریعت اور نکات تصوف کے شوقین اسے جھوم جھام کر پڑھتے ہیں۔ آجتک اس مثنوی کی بیشمار شرحیں لکھی گئی ہیں۔ ہمارا یقین ہے۔ کہ شرح زیر تنقید (مفتاح العلوم) اُن شرحوں میں شامل ہے۔ کہ جن سے طالب علم بہرہ وافر حاصل کر سکتا ہے۔ اس شرح کی خصوصیات یہ ہیں۔ کہ مشکل الفاظ کے معانی کے علاوہ ہر شعر کی نحوی ترکیب کیگئی ہے۔ علم معانی۔ علم بیان اور علم بدیع کے جو نکات بعض اشعار میں مضمر ہیں۔ وہ بھی بیان کئے گئے ہیں۔ ہر شعر کا مطلب بیان کرتے وقت آیات و احادیث اور اشعار اساتذہ عجم کی مدد سے توضیح کی کوشش کی گئی ہے۔ آغاز میں ایک فہرست مضامین ہے۔ کاغذ کتابت نفیس

ایڈیٹر صاحب اخبار مدینہ بجنور تحریر فرماتے ہیں:۔ مفتاح العلوم مثنوی مولانا روم کی مفصل شرح ہے۔ اس کا پہلا حصہ ہمارے زیر نظر ہے۔ جو ۳۱۶ صفحات پر ختم ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ صاحب شرح مثنوی معنوی کے جملہ پہلوؤں پر حاوی ہو جانا چاہتے ہیں۔ ابتدا میں حضرت مولانا رومؒ کی سوانحعمری دیگئی ہے۔ اور بعد میں شرح کا آغاز ہوتا ہے۔ اسلوب شرح کا بہت مفصل اور جامع ہے۔ سب سے پہلے شعر درج کر کے اس کے بعض الفاظ کی لغوی تصریحات پیش کی ہیں۔ پھر ترکیب نحوی دی ہے۔ اور صنائع ارشاد فرمائے ہیں۔ پھر ترجمہ اس کے بعد مطلب واضح کیا گیا ہے۔ توضیح مطالب میں صاحب شرح نے قابل تحسین بالغ نظری سے کام لیا ہے۔ اتنی بڑی تصنیف کے تفصیلی محاسن و عیوب پر رائے زنی کرنا ہمارے لئے ناممکن ہے لیکن ہم صاحب مفتاح العلوم کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ہر شعر کے مطالب واضح کرنے کے لئے انہوں نے حافظ۔ جامی اور اکبر کے اشعار پیش کئے ہیں۔ اور جابجا احادیث درج فرمائی ہے۔ باقی شرح کو بھی اس پر قیاس فرمالیجئے۔ موقع و محل کے لحاظ سے جہاں بیان نکات شعر و مسائل فقیہ یا رفع شبہات کی ضرورت داعی ہوئی۔ صاحب شرح نے بخل سے کام نہیں لیا۔ مولانا روم کی مثنوی کو جو درجہ ادب و تصوف میں حاصل ہے وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ امید ہے یہ جامع و مانع شرح شائقین کی تسکین کا باعث ہوگی۔ ہم اس شرح کے لئے میرزا محمد نذیر صاحب کی عرقریزی و قابلیت اور محمد حنیف اللہ صاحب قریشی کے اہتمام و محنت کی داد دینا ضروری سمجھتے ہیں۔ طباعت۔ کاغذ وغیرہ سب کچھ اچھے

ایڈیٹر صاحب رسالہ صوفی پنڈی بہاؤالدین جولائی ۱۹۲۶ء کے پرچہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم جس کے متعلق "ہست قرآں در زبان پہلوی" کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی محبوب ترین کتابوں میں سے ہے۔

اور غوامض شریعت و نکات تصوف کے شوقین اسے جھوم جھوم کر پڑھتے ہیں۔ آجتک اس مثنوی کی بیشمار شروح لکھی گئی ہیں۔ لیکن ہم نہایت وثوق سے یہ خیال ظاہر کرسکتے ہیں۔ کہ مفتاح العلوم موجودہ اور گذشتہ تمام شرحوں سے اپنی مندرجہ ذیل خصوصیات کے لحاظ سے نہایت اعلےٰ ہے۔ اصل مثنوی کے شعر جلی قلم سے بعض بعض اعراب دے کر نہایت صحیح لکھے گئے ہیں مشکل الفاظ کی لغات کے علاوہ ہر شعر کی ترکیب نحوی کی گئی ہے۔ علم معانی۔ علم بیان اور علم بدیع کے جو نکات بعض اشعار میں مضمر ہیں وہ بھی بیان کئے گئے ہیں۔ ہر شعر کا مطلب بیان کرتے وقت آیات و احادیث اور اشعار اساتذہ عجم کی مدد سے توضیح کی گئی ہے۔ شروع میں ایک مبسوط دیباچہ ہے۔ اور فہرست مضامین درج کی گئی ہے۔ لکھائی۔ چھپائی اور کاغذ نہایت اعلےٰ اور عمدہ۔

ایڈیٹر صاحب رسالہ درویش دہلی یکم اگست ۱۹۲۶ء کے پرچہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔ کہ مثنوی مولانا روم کی اس اردو شرح میں چند خصوصیتیں ایسی ہیں۔ جو اور شرحوں میں نہیں ہیں۔ جناب شارح نے ہر شعر کے نیچے پہلے مشکل الفاظ کے معنی بیان کئے ہیں۔ پھر پیچیدہ اشعار کی نحوی ترکیب لکھی ہے۔ اور شعر کی صنعتوں کو ظاہر کیا ہے۔ پھر شعر کا لفظی ترجمہ درج کرکے اس کا واضح اور عام فہم مطلب بیان کیا ہے۔ اور مضمون شعر کی تمثیل یا تردید میں آیات و احادیث کے علاوہ مشہور شعراء کے فارسی اور اردو اشعار بھی نقل کئے ہیں۔ اشعار مثنوی کا مطلب بیان کرنے میں اس بات کا خیال رکھا گیا ہے۔ کہ ان کا جو مفہوم الفاظ سے صراحۃً یا کنایۃً ذہن میں آتا ہے۔ اس کو اتنا واضح کر دیا جائے۔ کہ معمولی استعداد والے بھی سمجھ سکیں۔ اور اگر ایک شعر سے کئی مطلب نکلتے ہیں۔ تو دوسرے مطالب کو بھی مختصراً بیان کر دیا گیا ہے۔ صوفیانہ معنی آفرینی اور شاعرانہ خیال آرائی سے اجتناب کیا گیا ہے۔ مضامین مثنوی کو قرآن و حدیث سے تطبیق دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ مسائل تصوف کی توضیح نقشبندی مجددی مسلک کے مطابق شرعی احتیاطوں کو مدنظر رکھ کر کی گئی ہے۔ مسائل اخلاق کو فلسفیانہ دلائل و تشریحات کے ساتھ بیان کیا ہے۔ عقاید و کلام اور فقہ کے مسائل پر بھی حسب ضرورت روشنی ڈالی گئی ہے۔ الغرض مثنوی کی یہ اردو شرح اپنی مخصوص خوبیوں کے لحاظ سے بہت قابل قدر اور مفید ہے۔ خصوصاً طالب علموں کے لئے جو مثنوی کے مضامین سے واقف ہونا اور حرف قال کے ذریعہ سے حال کو سمجھنا چاہتے ہیں۔ نہایت کارآمد ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ خریدی اور پڑھی جائے۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ کے اعتبار سے بھی یہ شرح قابل قدر ہے۔

جمعیۃ العلماء ہند کے مسلمہ آرگن اخبار الجمعیۃ دہلی کے ایڈیٹر صاحب ۱۴ دسمبر ۱۹۲۶ء کے پرچہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ مفتاح العلوم مثنوی مولانا روم کی اردو شرح ہے۔ مثنوی شریف کی متعدد شرحیں ہماری نظر سے گذری ہیں۔ جن میں اہل علم کی دلچسپی کے لئے بہت کچھ سامان ہے۔ مگر ابھی تک کوئی ایسی عام فہم اور سیدھی سادی شرح ہم نے نہیں دیکھی۔ جس کی عام مطالعہ کرنے والوں کے لئے سفارش کی جاسکے۔ اردو خواں پبلک کو جناب مرزا محمد نذیر صاحب نقشبندی کا شکرگذار ہونا چاہیے۔ کہ انہوں نے اس کمی کو خوبی کے ساتھ پورا کر دیا۔ اس شرح میں انہوں نے صرف عام مطالعہ کرنیوالے ہی کے لئے آسانی نہیں پیدا کی۔ بلکہ عام طالب علموں کے لئے بھی زبان فارسی سے واقفیت بہم پہنچانے کا سامان فراہم کر دیا ہے۔ شرح کا انداز یہ ہے کہ ہر بیت کے نیچے سب سے پہلے لغات مشکلہ کو حل کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ترکیب نحوی لکھدی گئی ہے۔ جو طلبا کے لئے مفید ہے۔ جس شعر میں کوئی صنعت ہو۔ اس کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ اس کے بعد سلیس اردو میں ترجمہ لکھا گیا ہے۔ اور آخر میں شعر کا مطلب بیان کیا گیا ہے۔ ساتھ ساتھ نکات تصوف کی بھی تشریح کر دی گئی ہے۔ جو مولانا نے مثنوی میں بیان فرمائی ہیں۔ فی الجملہ یہ اردو میں مثنوی شریف کی ایک اچھی شرح ہے۔ اور ان ارباب ذوق کے لئے مفید ہے۔ جو مثنوی کے نکات سے بخوبی فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔

معاونین کرام کی رائیں

قبلہ عالم اعلیحضرت مولانا حافظ سید جماعت علیشاہ صاحب محدث علی پوری کتاب مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ گو علم تصوف میں بزبان فارسی سینکڑوں کتابیں شائع ہو چکی ہوئی ہیں لیکن ان میں سے جسقدر مثنوی مولانا روم علیہ الرحمۃ کی شہرت و مقبولیت ہے۔ وہ آجتک کسی کتاب کو نصیب نہیں ہوئی۔ علمائے کرام ظاہری اور باطنی تو اپنی اپنی استعداد اور ملکہ علمی کے اعتبار سے اس دریائے ناپید اکنار سے متمتع ہو رہے ہیں۔ لیکن عوام کم استعداد اور کم علموں کو اس سے مستفیض ہونے کا آجتک موقع نہیں تھا۔ اس لئے ضرورت تھی۔ کہ اہل علم میں سے کوئی صاحب جو جامع علوم عقلیہ و نقلیہ ہونے کے علاوہ رموز تصوف سے واقف اور صوفیائے کرام کا سچا غلام ہو۔ اس کتاب کی اردو زبان میں ایسی طرز سے شرح کرتا۔ کہ جس سے ادنیٰ طبقہ کے تعلیم یافتہ بھی فائدہ حاصل کرتے۔ اور اس کتاب کی برکت سے صحیح اعتقاد پر قائم رہنے کے علاوہ ان کے دلوں میں بزرگان دین کی عزت و عظمت جاگزین ہوتی۔ الحمدللہ کہ اس ضرورت کو عزیزم مولوی محمد حفیظ اللہ صاحب قریشی تاجر کتب و مالک قریشی بک ایجنسی کشمیری بازار لاہور نے محسوس کیا۔ اور انہوں نے ایک ایسے فاضل اجل سے جو خاندان نقشبندیہ کے حلقہ بگوش ہونیکے علاوہ رموز تصوف اور نکات معرفت سے بخوبی ماہر ہیں۔ اسے مثنوی مولانا روم کی شرح مرتب کرائی۔ شارح نے مثنوی کی لغات مشکلہ اور ترکیب نحوی کو حل فرما کر اس کے اشعار کا سلیس اُردو میں ترجمہ کر کے مثنوی شریف کو بالکل آسان کر دیا ہے۔ شعر کا مفصل مطلب شارح موصوف نے جس محنت اور کوشش سے قرآن و حدیث و اقوال آئمہ کے حوالہ جات دے کر بیان کیا ہے۔ وہ بلا شک و شبہ تحسین کے قابل ہے۔ اب بھی اگر کوئی شخص مولانا روم علیہ الرحمۃ کے قول سے فائدہ نہ اٹھاتے۔ تو میں سمجھتا ہوں۔ کہ وہ بڑا ہی بدقسمت ہوگا۔ فقیر اہل اسلام سے عموماً اور یاران طریقت سے خصوصاً اس بات کی توقع رکھتا ہے۔ کہ وہ ضرور بالضرور "مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم" کو خرید کر لطف اٹھائیں۔ اور تصوف کے حقایق و معانی سے واقفیت حاصل کر کے سعادت دارین حاصل کریں۔ کتاب کی لکھائی چھپائی۔ کاغذ جلد وغیرہ نہایت ہی عمدہ ہے۔

بقلم فقیر جماعت علی عفی عنہ از علی پور سیداں۔ ضلع سیالکوٹ۔ یکم مئی ۱۹۲۹ء

عالیجناب شیخ رکن الدین صاحب سینیر سب جج پنشنر نارووال ضلع سیالکوٹ سے تحریر فرماتے ہیں:۔ کہ آپ کی دوکان سے میرا سپر ایک جلد مفتاح العلوم حصہ اول لایا تھا۔ اس کے مطالعہ سے کمال مسرت حاصل ہوئی۔ واقعی حضرت شارح سلمہ نے کمال کر دیا ہے۔ نہایت عمدہ شرح لکھی ہے۔ اور نکات تصوف و رزباندانی کو نہایت خوبی سے واضح کیا ہے۔ آپ نے چھپانے میں بھی بہت محنت کی ہے۔ میں اس شرح کی تکمیل کا بہت متمنی ہوں۔ اور چاہتا ہوں۔ کہ حتی الامکان جلدی یہ شرح جلدی مکمل ہو جائے۔ براہ مہربانی میرا نام فہرست خریداران میں درج کر کے جوں جوں یہ شرح چھپتی جائے۔ مجھے بذریعہ وی۔ پی ارسال کرتے رہیں۔ والسلام

عالیجناب اودھ بہاری پرشاد صاحب پروفیسر جی۔ بی۔ بی کالج مظفرپور سے تحریر فرماتے ہیں کہ مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم مرسلہ جناب موصول ہوئی۔ دیکھ کر نہائت جی خوش ہوا۔ سچ تو یہ ہے کہ اشتہار سے کہیں بڑھ کر پایا۔ اللہ جل شانہ آپ کی ہمت افزائی فرمائے کہ دیگر فارسی اور عربی کتابیں بھی اسی شان سے نکلیں۔ غرض یہ ہے کہ میرا نام اس شرح کے خریداروں کے رجسٹر میں درج فرمایا جائے اور اس کے دیگر حصے جیسے ہی تیار ہوں میرے نام بذریعہ قیمت طلب پارسل ارسال کر دئے جائیں۔ والسلام

عالیجناب سید محمد شوکت علی صاحب منصب علی صاحب ہاشمی وکیل ہائیکورٹ دیواس مالوہ سے

تحریر فرماتے ہیں۔ کہ مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم کا چوتھا حصہ وصول ہوا۔ مطالعہ کرکے طبیعت کو سرور حاصل ہوا۔ حقیقت تو یہ ہے۔ کہ اگر مولانا روم رحمہ نے مثنوی شریف کو لکھنے میں اپنے تمام معاصرین سے سبقت حاصل کی ہوئی ہے۔ تو مفتاح العلوم کے شارح نے اسی طرح دوسرے تمام مثنوی کے شرح کرنے والوں پر امتیاز حاصل کرلیا ہے۔ جیسی عام فہم مفصل اور صحیح اور اعلےٰ یہ شرح میرے دیکھنے میں آئی ہے۔ دوسری کوئی آجتک ایسی نظر سے نہیں گذری۔ دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ حضرت شارح کی عمر میں برکت دے۔ اور آپ کے کاروبار کو ترقی عنایت فرمائے۔ والسلام

عالیجناب پیر ابرار احمد صاحب واعظ انصاری پیش امام جامع مسجد جے پور تحریر فرماتے ہیں۔ کہ مفتاح العلوم دفتر اول کے چاروں حصے یکے بعد دیگرے وصول ہوئے۔ اور کافی سے زیادہ مطالعہ کرچکا ہوں۔ اب میں بخوشی اقبال کرتا ہوں۔ کہ جناب شارح صاحب نے ایسی جامع ومبسوط شرح لکھ کر دنیائے اسلام پر احسان کیا۔ جس کے شکریہ سے زبان قاصر ہے۔ نکات تصوف کو نہایت سلیس اردو میں بیان کیا۔ ہر شعر کا مطلب بیان کرتے وقت قرآن مجید وحدیث شریف کا حوالہ دے کر "ہست قرآں در زبانِ پہلوی" کو ثابت کیا۔ اور بعض پیچیدہ مسائل کو جن جن کے سمجھنے کی عوام الناس کو لیاقت نہیں۔ ایسی خوبی سے سمجھائے ہیں۔ کہ بے اختیار حضرت شارح کے حق میں اعزک اللہ فی الدارین کما اَعْزَزْتَ اِخْوَانِیْ دِیْنًا کہنا پڑتا ہے۔ اگرچہ اس سے پہلے بہت سی شرحیں زیر مطالعہ رہ چکی ہیں۔ مگر "بسیار شرح دیدہ ام لیکن ایں چیزے دیگری" اگر دوسرے دفتر کا حصہ شائع ہوچکا ہو۔ تو جلد از جلد روانہ کرکے مشکور فرمائیں۔ اور ہر حصہ کے تیار ہونے پر مہربانی فرماکر مجھ کو فوری اطلاع دیا کریں۔ والسلام

عالیجناب ماسٹر محمد شفیع صاحب جے۔ وی منشی عالم چک نمبر ۳۹ ضلع منٹگمری سے تحریر فرماتے ہیں۔ کہ مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم کا وی۔ پی آج وصول کرکے چاروں حصوں کو یکے بعد دیگرے سرسری نظر سے دیکھا۔ کتاب کی جو تعریف آپنے اشتہار میں لکھی ہے۔ اس سے کہیں زیادہ اعلےٰ اور عمدہ ہے۔ عام فہم اور بے حد دلنشین طریق سے شرح کی گئی ہے۔ براہ کرم میرا نام شرح کے مستقل خریداروں میں درج فرمائیں۔ والسلام

عالیجناب حضرت مولانا سید حزب اللہ صاحب راشدی صدر اعظم جمعیت راشدیہ سکھر (سندھ) فرماتے ہیں۔ تین دن ہوئے۔ مثنوی شریف کی شرح موصول ہوئی۔ جب سے ہاتھ سے نہیں چھوٹی۔ میں اس تھوڑے وقت کے اندر کافی دیکھ چکا ہوں۔ اور میں اب خوشی سے اقبال کروں گا۔ کہ شارح کی محنت وکوشش واقعی قابل داد ہے۔ اور ہر شعر کے ساتھ احادیث۔ اقوال ودیگر شعروں سے ایک دلکش اور دلنواز خوبی ٹھہرا کر دی گئی ہے۔ پھر کیوں نہ میں اپنا نام مستقل خریداروں کی فہرست میں درج کرنے کی التجا کروں۔ اور یہ تو یقینی بات ہے۔ کہ میں ایک ایسی اعلےٰ چیز کی ترغیب اپنے مریدوں اور دوستوں کو ضرور دوں گا۔

عالیجناب مولوی محمد عبداللہ صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج پشاور سے تحریر فرماتے ہیں:۔ مکرمی جناب قریشی صاحب آپ کا مرسلہ تحفہ (مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم دفتر اول حصہ دوسرا) بذریعہ وی۔ پی موصول ہوا۔ محترمی مولوی مرزا محمد نذیر صاحب کی عرقریزی اور محققانہ تحریر اہل علم کے لئے واقعی قابل قدر اور شکر ہے۔ جنہوں نے مثنوی جیسی بلند پایہ کتاب کی تشریح میں مبتدی اور منتہی کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ خدا تعالیٰ ایسے قدر شناس علمائے کرام کو عمر دراز عطا فرماکر ایسی نادرہ خدمات کی تکمیل اور انجام دہی کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین۔ جزاہم اللہ فی الدارین احسن الجزا۔ ہر حصۂ شرح کے تیار ہونے پر مہربانی کرکے مجھ کو فوری اطلاع دیا کریں۔ والسلام

عالیجناب مولانا صاحبداد صاحب مدیر رسالہ "الہمایوں" سلطان کوٹ شکارپور (سندھ) تحریر فرماتے ہیں



مفتاح العلوم کے دونوں حصے مطالعہ سے گذرے۔ مطالعہ کے وقت جو حظ وجدانی حاصل ہوا۔ زبان قلم اس کے بیان کرنے سے عاجز ہے۔ حق تعالیٰ شارح صاحب کی مساعی جمیلہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔ اور آپ کو اس کار خیر میں کامیابی عطا فرمائے ؎ ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد۔ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی کے مشہور اور متداول شروح بندہ کی نظر سے گذری ہیں۔ مگر بعض علمی خصوصیات اور دلچسپیوں کے لحاظ سے "مفتاح العلوم" بےنظیر ہے۔ "مفتاح العلوم" سے نہ صرف ارباب ذوق اور اہل دل مستفید اور محظوظ ہو سکتے ہیں۔ بلکہ ایڈیٹر، لکچرار وغیرہ فارسی اور اردو داں اصحاب بھی بخوبی بہرہ اندوز ہو سکتے ہیں۔ سلطان کوٹ کے ایک غیر مسلم مخلص مسٹر کنہیالال نے بالاستیعاب سبقاً مجھ سے یہ شرح پڑھی ہے۔ اور کمال شوق سے اس شرح کے باقی حصوں کا مستقل خریدار رہا ہے۔

عالیجناب محمد عبد العلیم صاحب بلگام سے تحریر فرماتے ہیں:۔ کہ مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم دفتر اول حصہ تیسرا وصول ہوا۔ جناب عالی مثنوی کی شرح کیا ہے۔ گویا گنجینۂ اسرار کی کلید ہے۔ جس کو مجھ جیسا ایک کم علم آدمی بھی بقدر حیثیت و علمیت سمجھ سکتا ہے۔ لغت کی تحقیق اور پھر شرح کی وضاحت اور احادیث اور آیات نص کے حوالے موقعہ پر دیگر شعراء فارس۔ سعدی۔ جامی۔ وصائب کے مناسب ابیات گویا سونے پر سہاگہ ہے۔ خوشخطی اور کاغذ کی سفیدی دیدہ زیب ہے۔ جلد بھی ماشاء اللہ نہایت مضبوط اور عمدہ بنائی ہوئی ہے جس پر کتاب کا نام سنہری جلی حرفوں میں لکھا ہوا کتاب کی خوبصورتی کو دوچند کر رہا ہے۔ سچ عرض کرتا ہوں۔ کہ یہ شرح ایسی اعلیٰ اور مفید اور آسان ہے۔ کہ جس کی وجہ سے کتاب کو ایک دفعہ مطالعہ کرنے سے طبیعت چھوڑنا نہیں چاہتی۔ خداوند قدوس اور اس کے حبیب پاک سے یہ دعا ہے۔ کہ آپ کے ہاتھوں سے اس شرح کی تکمیل ہو۔ اور خداوند کریم بطفیل اپنے حبیب پاک کے آپ کو اپنے اس مقصد میں کامیاب کرے۔ آمین۔ میں یہاں تعلیم یافتہ حضرات کی خدمت میں آپ کی شرح کی بہت تعریف کیا کرتا ہوں اور انہیں کتاب بھی دکھاتا ہوں۔ وہ بوقت ضرورت آپ سے خط و کتابت فرمائیں گے۔ اور میرا نام داخل رجسٹر فرمائیں۔ اور جیسے جیسے جلدیں تیار ہوتی جائیں۔ خاکسار کے نام ارسال فرما کر ممنون فرمائیں۔ انشاء اللہ بلا عذر وصول کر لیا کرونگا۔

عالیجناب منشی نذیر حسین صاحب حنفی چشتی وارثی انبالوی تحریر فرماتے ہیں۔ کہ میرے پاس حصہ اول مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم رہ کا پہنچا۔ مطالعہ کیا۔ واقعی آپ نے ہر پہلو سے اس کو ایک اعلےٰ پیمانہ پر پہنچایا ہے۔ جہاں تک اس خاکسار کا خیال ہے۔ کوئی تحریر ایسی نہیں۔ جو آپ کو کوئی فرد حسن قبح کے متعلق تحریر کرے۔ اللہ پاک آپ کو اس کے صلہ میں اجر عظیم و ثواب دارین عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

عالیجناب مولانا محمد حسین خاں صاحب عزت ترینی شطاری قادری گھاٹ نانذورہ جاگیر سے تحریر فرماتے ہیں۔ کہ میرے نبیرہ عزیز القدر میاں محمد ابراہیم خاں ترینی اہلکار پولیس گھاٹ نانذورہ نے قریشی بک ایجنسی لاہور سے کتاب مستطاب مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ ہر دو حصہ مجلد منگوائی۔ جو زیر مطالعہ ہے سبحان اللہ مولانا و مخدومنا حضرت شارح مدظلہ نے جس جانفشانی و عرقریزی سے و نیز مولانا قریشی صاحب سلمہ نے جس انتظام و اہتمام سے اس کے طباعت و اشاعت میں محنت و دلدہی سے کام لیا ہے۔ وہ لائق تحسین و قابل داد ہے۔ بعد کلام مجید، فرقان حمید کے یہی مثنوی شریف طبقۂ اہل السنت والجماعت میں بمصداق ؎ "ہست قرآں در زبانِ پہلوی" نہایت ادب و احترام کی نظر سے دیکھی جاتی ہے۔ اس سے پہلے اکثر شرحیں میری نظر سے گذری ہیں۔ لیکن ؎ "ہر چند خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری۔ مفتاح العلوم جیسی اسم بامسمیٰ جامع۔ عام فہم۔ توضیح نکات تصوف و تطبیق آیات قرآنی وغیرہ وغیرہ بہمہ صفت موصوف شرح نہ دیدہ ہے



بشنید۔ لہذا التماس ہے۔ کہ عزیزم محمد ابراہیم خاں ترینی اہلکار پولیس کا نام مستقل خریداروں میں درج فرماکر بقیہ حصہ جات بعد طبع ارسال فرماتے رہیئے گا۔

عالیجناب عبدالرؤف خاں صاحب اسٹر رفعت ناگپور سے تحریر فرماتے ہیں۔ کہ مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم ہر دو وصول ہوئی۔ شکریہ قبول کیجئے۔ کتاب نہایت اچھی ہے۔ میری نظر کے سامنے اسوقت تین حصے موجود ہیں۔ جس کا نہایت ذوق شوق سے مطالعہ کر رہا ہوں۔ واقعی شرح میں کوئی بات جناب نے باقی نہیں رکھی الحمدللہ شارح صاحب نے بہت خوبی کے ساتھ شرح کی ہے۔ اللہ تعالیٰ برکت دے۔ اور اسکی مکمل شرح شائع کرنیکی توفیق عنایت فرمائے۔ ابھی تیسرا حصہ پورا نہیں دیکھا۔ کہ دل چوتھے اور پانچویں حصہ کے لئے بیتاب ہے۔ امید ہے کہ یہ حصے طیار ہوں گے۔ اگر طیار ہیں۔ تو بھیجنے میں دیر نہ کی جائے۔ اور آئندہ کے لئے میرا نام آج ہی سے شرح کے مستقل خریداروں کے دفتر میں لکھ لیا جائے اور جس وقت نسخے طیار ہو جائیں۔ بھیجدیا کریں۔

عالیجناب منشی غلام محمد صاحب ممنون چک نمبر ۳۷ ضلع منٹگمری سے تحریر فرماتے ہیں:۔ محترم قریشی صاحب السلام علیکم۔ مفتاح العلوم دفتر اول کا حصہ دوم موصول ہوا۔ کتاب زیر مطالعہ ہے۔ پڑھتا جاتا ہوں۔ اور لطف اندوز ہوتا ہوں۔ حضرت شارح صاحب سلمہ نے جو احسان عامۃ الناس پر اس مبسوط شرح کو لکھ کر کیا ہے۔ زبان اسکے شکریہ سے قاصر ہے۔ حصہ اول میں جن ضروری تشریحات کو قلمبند کیا گیا ہے۔ حصہ دوم میں ان کے اعادے سے احتراز کیا گیا ہے۔ اور ہر نیا مسئلہ بالتصریح بیان کرنیکی جرأت دکھائی ہے۔ رموز تصوف کو جس طرح منصۂ شہود پر جلوہ گر کیا ہے۔ وہ در اصل شارح صاحب سلمہ کا ہی حصہ ہے۔ اخیر پر میں شارح صاحب کے اس احسان عظیم پر جو انہوں نے کم استعداد اردو دان وطن پر فرمایا ہے۔ بصدق دل شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس شرح کو مکمل کرنے میں شارح ممدوح کے قلم و کلام میں برکت عطا فرمائے۔ اور آپ کو اس کی اشاعت کی توفیق عنایت فرمائے۔

عالیجناب محمد متین الزمان صاحب مہاجر کی حال بنیام ریاست جموں سے تحریر فرماتے ہیں۔ کہ مجھے عرصہ بعید و مدت مدید سے اشتیاق لگا رہتا تھا۔ کہ مثنوی جیسی نادر کتاب کی شرح جامع و مبسوط عام فہم دستیاب ہو۔ اسی ہوس میں کافی رقم صرف کر کے پیراہن یوسفی منگوائی لیکن افسوس کہ اسے دیکھ کر میری تسلی نہ ہوئی۔ الحمدللہ کہ مفتاح العلوم کو مطالعہ کر کے میری دیرینہ آرزو پوری ہوئی۔ اسوقت میرے زیر مطالعہ حصہ اول و دوم ہیں۔ جنہیں میں شبانہ روز حرز جان بنایا رکھتا ہوں۔ سبحان اللہ! حضرت شارح مدظلہٗ قابل تحسین و استحقاق داد ہیں۔ مولانا صاحب کی دیگر تالیفات عموماً یا شرح ہذا کو خصوصاً دیکھا جائے۔ تو بے تحاشا آفرین مرحبا کہنا پڑتا ہے۔ لکھائی چھپائی و عمدگی کاغذ ایسی پاکیزہ ہے کہ مطالعہ سے جی نہیں اکتاتا۔ جزاکم اللہ فی الدارین خیرا۔ لہذا میں مثنوی دوست اصحاب کی خدمت میں التماس کرتا ہوں کہ وہ ضرور اس قابل قدر شرح کو خرید کر فائدہ اٹھائیں۔ خصوصاً فارسی خواں طلبا تو ضرور ہی خریدیں۔ کیونکہ اُن کے واسطے بیشمار فائدے ہیں۔ میرا نام مستقل خریداروں میں درج فرما لیا جائے۔

عالیجناب حضرت مولانا خلیل الرحمٰن صاحب خطیب جامع مسجد مچھیانا دربار سے تحریر فرماتے ہیں۔ کہ مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم کا پہلا۔ دوسرا حصہ موصول ہوا۔ ترجمہ نہایت سلیس اور بامحاورہ ہے۔ شرح کے لکھنے میں بھی شارح نے کمال محنت سے کام لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے کاروبار میں برکت دے۔ اور آپ کو اس بات کی توفیق عنایت فرمائے۔ کہ آپ اسے جلد از جلد مکمل کر سکیں۔ والسلام

عالیجناب حضرت مولانا محمد بہاؤالدین صاحب بوات ضلع پوربینہ سے ارقام فرماتے ہیں۔



کہ جناب مولانا عرشی صاحب نے مثنوی شریف جوکہ ایک الہامی کتاب بلکہ "ہست قرآں درزبانِ پہلوی" ہونے کے علاوہ اسرار الٰہی کا خزینہ اور انوار معرفت کا گنجینہ ہے کی شرح کرکے دارین میں بہت بڑی دولت نکوئی و نیک نامی حاصل کی ہے۔ مولانا نے مثنوی کی شرح کیا کی ہے۔ کہ طالبانِ حق کے دلوں کی عقدہ کشائی کی ہے۔ مجھے امید ہے۔ کہ اس عام فہم شرح کی بدولت خداوند تعالےٰ بہتوں کو راہ راست کی طرف بلالے گا۔ خصوصاً ایسے صوفیوں کے لئے تو تریاق کا کام دیگی۔ جوکہ اپنی ناسمجھی سے بہت غلط فہمیوں میں مبتلا ہوکر راہ راست سے بہک جاتے ہیں۔ حق تو یہ ہے۔ کہ اس قابل قدر شرح کی داد کن الفاظ میں دی جائے۔ سوا اس کے کہ وہ اپنی داد آپ دے گی۔ اور اللہ تعالیٰ اسے مقبول عام وخاص کرے آمین۔ اس شرح کی دیگر خوبیوں کے متعلق میں اور کیا عرض کروں۔ جبکہ بڑے بڑے اہل الرائے اسکے متعلق نہایت شرح وبسط کے ساتھ بیان کرچکے ہیں جسکی میں دل وزبان سے تائید کرتا ہوں۔ اور دیگر مثنوی دوست اصحاب سے میری گذارش ہے۔ کہ وہ ضرور اس قابل قدر شرح کو خرید کر فائدہ اٹھائیں۔ خصوصاً فارسی خواں طلبا تو ضرور ہی خریدیں۔ کیونکہ ان کے واسطے بیحد فائدے ہیں۔

عالیجناب حضرت مولانا پیرزادہ محمد القادری صاحب بھوپال سے تحریر فرماتے ہیں۔ کہ مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم کے حصہ اول کو مطالعہ کیا۔ حضرت شارح سلمہ نے جس محنت سے اسکو قلمبند فرمایا ہے۔ وہ قابل صد تحسین ہے۔ نکات تصوف کو نہایت ہی سلیس اردو میں بیان کیا گیا ہے۔ اکثر اشعار کے مطالب بیان کرتے وقت قرآن وحدیث کا حوالہ دیا ہے۔ اور بعض پیچیدہ مسائل کو جن کے سمجھنے کی عوام الناس میں لیاقت نہیں۔ ایسی خوبی سے سمجھائے ہیں۔ کہ بے اختیار حضرت شارح کے حق میں جزاک اللہ کہنا پڑتا ہے۔ دعا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ حضرت شارح کو اسے ختم کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ اور آپ کو اسے جلد شائع کرنیکی ہمت دے آمین

عالیجناب سید قمر علی صاحب لفٹیننٹ جنرل ہسپتال آگرہ سے تحریر فرماتے ہیں۔ کہ میں نے آپکی مطبوعہ کتاب مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم کا حصہ اول منگوا کر مطالعہ کیا۔ نہایت ہی اعلےٰ اور بیحد دلچسپ اور مفید شرح ہے۔ اس سے پیشتر ایسی سلیس اردو زبان میں کوئی شرح میرے دیکھنے میں نہیں آئی۔ براہ کرم میرا نام مستقل خریداروں میں درج فرمالیں۔

عالیجناب مولانا مولوی محمد عمر صاحب پیش امام مسجد ڈیسہ سے تحریر فرماتے ہیں۔ کہ کتاب مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم کی جو تعریف آپ نے اشتہار میں لکھی تھی۔ میں نے اسے مطالعہ کرکے اس سے بھی زیادہ عمدہ پائی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس نیک کام کا اجر عطا فرمائے۔ آمین۔

عالیجناب غلام رسول صاحب دوکاندار سرینگر کشمیر سے لکھتے ہیں۔ کہ مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم کا جو حصہ بابو لال محمد صاحب کی معرفت منگایا تھا۔ اسے مطالعہ کیا۔ کتاب کی تعریف میرے جیسا کم علم آدمی کیا کرسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ شرح مذکور کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔ اللہ پاک آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

عالیجناب محمد امان اللہ صاحب پروم سے تحریر فرماتے ہیں۔ کہ تینوں حصے مفتاح العلوم کے وصول ہوئے۔ چوتھے حصے کا سخت انتظار ہے۔ جس دن سے کتاب کے تینوں حصے آئے ہیں۔ دن رات مطالعہ میں مصروف ہوں۔ بار بار پڑھتا ہوں۔ لیکن کتاب چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ میرے جن جن دوستوں نے اسکو دیکھا۔ وہ بھی اس کے عاشق ہوگئے۔ براہ کرم چوتھا حصہ شائع ہوتے ہی مجھے بھیجدیں۔ اور آئندہ کے لئے میرا نام درج رجسٹر فرمالیں۔ والسلام

اِن کے علاوہ سینکڑوں حضرات کی طویل طویل رائیں وصول ہوچکی ہیں۔ جو بوجہ عدم گنجائش درج نہیں ہوسکتیں۔

ہم النسا کا قاعدہ جس میں حروف شناسی وعبارت خوانی کے ساتھ ساتھ چھوٹی لڑکیوں کے خیالات اور محاورات کا خاص لحاظ رکھا ہے۔ اور اس سلسلہ کی آئندہ دینی اور ادبی تعلیم کا آغاز مفرد و مرکب الفاظ کی صورت ان کیا گیا ہے۔ قیمت ایک آنہ (۱ر)

ہم النسا کی پہلی کتاب جس میں آئندہ دینی و ادبی تعلیم کی بنیاد رکھنے کے لئے آسان لفظوں میں توحید و رسالت کے تصور کیطرف راہنمائی کی گئی ہے۔ پھر چند مناظر قدرت دکھائے گئے ہیں۔ اور کئی نصیحت آمیز کہانیوں کے نتائج پر توجہ دلائی ہے۔ قیمت ۳ر تین آنہ

لیم النسا کی دوسری کتاب جس میں دینداری سلیقہ۔ عام آداب و اخلاق کے متعلق ابتدائی باتیں چھوٹی لڑکیوں کے مذاق اور ادراک کے موافق مختلف دلچسپ پیرایوں میں درج ہیں۔ قیمت چھ آنہ (۶ر)

لیم النسا کی تیسری کتاب جس میں اسلامی عقائد اور مسائل طہارت و نماز کا بیان۔ بزرگوں اور عزیزوں کے ساتھ نیک سلوک کی ترغیب اور خانہ داری کے ہر شعبہ کا ذکر شبانہ روزی کاروبار کے آداب اور نیک اخلاق کا بیان یل کے ساتھ مختلف دلچسپ پیرایوں میں کیا گیا ہے۔ قیمت نو آنہ (۹ر)

لیم النسا کی چوتھی کتاب (متعلقہ مسائل دینیہ) اس کتاب میں علامہ مصنف نے نہایت محنت سے فقہ حنفیہ کی مشہور کتابوں سے تمام دینی مسائل کو نہایت آسان لفظوں میں لکھدیا ہے۔ شروع سے لیکر اخیر تک کوئی ایسا ضروری لہ نہیں۔ جو درج نہ کیا گیا ہو۔ عورتوں کے علاوہ مرد بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ جس مسئلہ کی ضرورت ہو۔ اس کتاب میں سکتا ہے۔ لطف یہ کہ ہر ایک مسئلہ اسقدر آسان عبارت میں درج کیا گیا ہے۔ کہ معمولی پڑھی لکھی عورت یا مرد کی سمجھ میں آجاتا ہے توں اور لڑکیوں کو مسائل دینی سے واقفیت حاصل کرنے کیلئے اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔ قیمت بارہ آنہ ۱۲ر

لیم النسا کی پانچویں کتاب جس میں عبادات کے فضائل و آداب کا ذکر۔ خانہ داری کے صیغوں میں سے گھر۔ مال و متاع کھانے پینے کے سامان۔ کپڑے۔ زیور۔ کام کاج۔ کھانے پکانے۔ سینے پرونے۔ کپڑے رنگنے۔ آمد و خرچ و اسلف۔ عورتوں کے شغل وغیرہ وغیرہ کا تفصیلی بیان اور آداب و اخلاق کے متعلق خاص مستورات کے مناسب حال باتیں درج ہیں۔ ۱۵ر

لیم النسا کی چھٹی کتاب جس میں تربیت اولاد کے متعلق مفصل و مکمل بیان موجود ہے۔ اس کا ہر گھر میں رکھنا ضروری ہے۔ قیمت ایک روپیہ دو آنہ عہ۲ر

لیم النسا کی ساتویں کتاب (ملقب بہ شیر منزل یعنی کتاب و سنت کی اخلاقی تعلیم کا لب لباب بچیوں سے لیکر بوڑھیوں تک کے لئے ضابطہ آداب دین اسلام کا معیار، تہذیب۔ مقلدین یورپ کے لئے تازیانہ تادیب طالبات کے لئے راہنمائے دینی و دنیوی ذوات بصیرت کیلئے اردو کی مثنوی معنوی۔ قیمت ایک روپیہ پانچ آنہ۔ عہ۵ر

ب عملیات و تعویذات از حضرت صاحبزادہ محمد افضل صاحب نقشبندی مجددی جس میں ایسے ایسے نایاب اور مجرب عملیات درج ہیں کہ جن پر عمل کرکے انسان ہر مشکل سے مشکل کام کو آسان کر سکتا ہے ناامیدوں کی امیدیں نامرادوں کی مرادیں ر و نیا ان عملیات کا ادنی کرشمہ ہے۔ عاشق کو معشوق سے ملا دینا۔ دشمن کو دوست بنالینا۔ حاکم کو مہربان کرلینا۔ اس کتاب کے ہوتے ہوئے شکل بات نہیں۔ ہزاروں ولیوں اور سینکڑوں عالموں کی خدمات کے بعد حاصل کئے ہوئے عمل اس میں درج ہیں۔ قیمت عہ مجلد عا، علاوہ محصول

و فالنامہ صدیقی جس میں استخارہ قرآنیہ عربی از شیخ اکبر حضرت محی الدین عربی کا اردو ترجمہ۔ مصر کا پرانا فالنامہ موسومہ قرعۃ الانبیا کا اردو ترجمہ کے علاوہ فالنامہ اولیا کرام فالنامہ غوث الاعظم۔ فالنامہ دیوان حافظ۔ اور یورپ کے سب سے مستند نپولین بوناپارٹ کے فالنامہ کا اردو ترجمہ درج ہے۔ اس سے بہتر کتاب کا ملنا مشکل ہے۔ قیمت ۸ر

ثین علم فرائض کی نہایت اعلیٰ کتاب ہے۔ اس سے پیشتر اردو زبان میں کوئی کتاب اس طرح کی شائع نہیں ہوئی۔ اس کتاب کی مدد سے ہر شخص جو اردو زبان جانتا ہو علم فرائض کے مشکل سے مشکل مسئلہ کو دیکھ سکتا ہے۔ علمائے دین اور قانون لیے یہ کتاب از حد مفید ہے۔ ملک و قوم کے علمائے دین کے علاوہ بڑے بڑے قانون دان حضرات نے اس کتاب کو پسند فرمایا ہے قیمت ۹ر

پتہ:- محمد حفیظ اللہ قریشی تاجر کتب و مالک قریشی ایجنسی لاہور

اسرار العلوم ترجمہ اردو منظوم احیاء العلوم

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے نام نامی سے کون شخص ہے جو واقف نہیں۔ آپ اُن باکمال اشخاص میں سے تھے کہ جن کا شہرہ دنیائے اسلام میں ابدالآباد تک بلند رہیگا۔ تقریر کے علاوہ تحریر کے ذریعہ آپنے جو خدمت دین قیم کی فرمائی۔ وہ کسی دوسرے شخص کو نصیب نہیں ہوئی۔ آپنے جس قدر کتابیں شریعت۔ طریقت اور فلسفہ کے متعلق تحریر فرمائی ہیں۔ اُن کی تعداد تو بہت ہی زیادہ ہے۔ لیکن جس کتاب نے آپ کی شہرت کو چار چاند لگا دیئے۔ اور جس کی وجہ سے آپ عالم اسلام کے امام مانے گئے۔ وہ کتاب

احیاء العلوم

ہے جس میں حضرت امام غزالی رح نے شریعت و طریقت کے ایسے ایسے رموز و نکات بیان کئے ہیں کہ پڑھنے والا عش عش کر اٹھتا ہے۔ شریعت کے لئے مطالعہ کرو۔ تو تمام مسائل کی جامع۔ طریقت کے لئے پڑھو۔ تو تصوف کا بحر ناپیدا کنار ہے۔ غرضیکہ یہ وہ کتاب ہے۔ کہ جس کو عالم اسلام میں ہر طرح سے خاص وقعت حاصل ہے۔

پس ایسی نادر اور اعلےٰ کتاب کو

ہم نے بصرف زر کثیر ایک ایسی فاضل اجل اور عالم بے بدل و شاعر شیریں بیان سے نہایت سلیس اردو زبان میں مثنوی مولانا روم کے وزن پر ایسی دلکش اور دلچسپ نظم میں منظوم کرایا ہے۔ کہ جس کو پڑھ کر آپکو خاص لطف آئیگا۔ فاضل موصوف نے اپنی خداداد لیاقت سے ایسی احتیاط سے کتاب کا ترجمہ نظم میں کیا ہے۔ کہ آپ پڑھتے وقت یہی خیال فرمائینگے کہ امام غزالی نے کتاب کو نظم ہی میں لکھا تھا لکھائی چھپائی۔ کاغذ نہایت دیدہ زیب و اعلیٰ۔ جو لوگ ہماری شائع کردہ کتاب مفتاح العلوم شرح مثنوی مولانا روم کو ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ وہ انشاء اللہ اس بات کی گواہی دے سکتے ہیں۔ کہ ہم کس قدر کوشش سے ایسی کتابوں کے ترجمے اور شرحیں شائع کر رہے ہیں۔

بلحاظ اسقدر محنت اور خرچ کثیر کے قیمت صرف بلا جلد کے لئے دو روپیہ آٹھ آنہ۔ اور مجلد کیلئے تین روپے علاوہ محصولڈاک

دیگر ہر قسم کی کتابیں موجود ہیں۔ فہرست کتب مفت طلب فرمائیں۔

المشتہر

محمد حفیظ اللہ قریشی تاجر کتب و مالک قریشی بک ایجنسی لاہور